کر ان کے کرتب دکھایا کرتا تھا۔

اندھا: کوئی بھی ہو۔ اس کا خاتمہ کر دینا چاہیئے۔
(جرثومے سے) جم مائکروب تم اس کام کو بخوبی انجام دے سکتے ہو۔

جرثومہ: یقیناً ۔۔۔۔ لیکن ۔۔۔۔ اُف میرے خدا میں سائنس کی مدد کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا اور سائنس ۔۔۔

آدمی ۔۔۔۔ اُف۔

گھوڑا: اللہ کی پناہ۔ اُدھر دیکھو وہ آرہا ہے۔

کتا: (جان پہچان کے انداز میں) بھوؤ۔ بھوؤ۔

مکھیاں: خاموشش۔

اندھا: خدا ہی خیر کرے۔

مکڑیاں: پر وہ ہے کون؟

(ایک فرشتہ داخل ہوتا ہے اس کے پورے وجود پر ایک ملکوتی شان ہے۔)

فرشتہ: (مربیانہ انداز میں ہاتھ اوپر اٹھا کر) لاحول تم نے مجھے نہیں پہچانا ـــ

شیر: معاف فرمایئے ہم نے غلطی سے آپ کو آدمی سمجھ لیا تھا۔ کیونکہ اس میں آپ کی بھی تھوڑی سی جھلک تھی۔

فرشتہ: میں آپ کے لئے ایک خوشخبری لایا ہوں

کتا: (رنج و ملال سے) ۔۔۔ کہ آپ کو میرے آقا کا کہیں نشان نہ ملا۔

فرشتہ: اب تک تو نہیں ـــ

(تمام جانور اطمینان کا سانس لیتے ہیں)

مکڑیاں: اے مہربان فرشتے۔ ہم آدمی کے بغیر اب بہت بہتر حالت میں ہیں۔

فرشتہ: ہو سکتا ہے ـــ لیکن میں اس کے کرۂ ارض سے مٹ جانے پر افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آج اس کے بغیر اتنی بڑی دنیا ویران ہے۔ مساجد، مناد ر، گرجے اور دیگر تمام عبادت گاہیں سنسان ہیں۔ خدا کا نام لینے والا کوئی نظر نہیں آتا اسکے ہاتھوں کے آرٹ کے خوبصورت نمونے میں نے پوری زمین کا جائزہ لیا۔ زمین کے خزانوں کو اس نے اپنے آرام و آسائش کے لئے کس طرح خوبصورتی کے ساتھ استعمال کیا۔ اس نے شعر و ادب، فلسفے، طب، اور سائنس میں کتنی ترقی کی۔ سائنس میں تو اتنی ترقی کر لی تھی کہ سمندر، ہوا، فضا اور خلاء پر اس کی حکومت تھی ـــ آخر میں اس کے لئے ایک ہی راستہ تھا ـــ نیکی کا راستہ چلے یا فنا ہوجائے۔

جرثومہ: لیکن اس نے "فنا" کا راستہ اختیار کیا۔

فرشتہ: افسوس۔ میں نے اس کے مجرمانہ اعمال کی نشانیاں بھی دیکھیں۔ میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے ۔۔۔۔۔ بہرحال آپ سب اطمینان رکھیں۔ اگر کہیں ایک ہوگا بھی تو میں اس کو اپنے ساتھ لے کر چلا جاؤں گا۔

(اپنے سر کو پورے رنج و ملال کے ساتھ جھکا کر) آہ ـــ کرۂ ارض سے آدمی کا وجود ختم ہوگیا۔

ماہنامہ شگوفہ کی خصوصی دستاویزی اشاعت

ڈرامہ نمبر

مہمان مدیر

ساگر سرحدی

ایڈیٹر

سید مصطفیٰ کمال

سرورق، سب ٹائٹل: سعادت علی خاں

کتابت: محمد غالب ∗ محمود سلیم ∗ ولی الدین ∗ عبدالحلیم

کچھ صفحات: سلام خوشنویس عفی عنہ

طباعت: نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۲ (فون: 42704

بائنڈنگ: محمد حبیب بائنڈنگ ورکس، روبرو دربار حسینی، پرانی حویلی۔ حیدرآباد ۵۰۰۰۰۲

قیمت: بیس روپے
لائبریری ایڈیشن (۲۵) روپے

خط و کتابت کا پتہ: شگوفہ ۱۳۱ر مجرد گاہ، معظم جاہی مارکیٹ، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱ (اے پی) فون: 57716

فہرست

دیدۂ بینا

بازیچۂ اطفال

ڈرامائی شگوفے

۔۔۔ پہ تماشہ نہ ہوا

مہمان مدیر

ساگر سرحدی

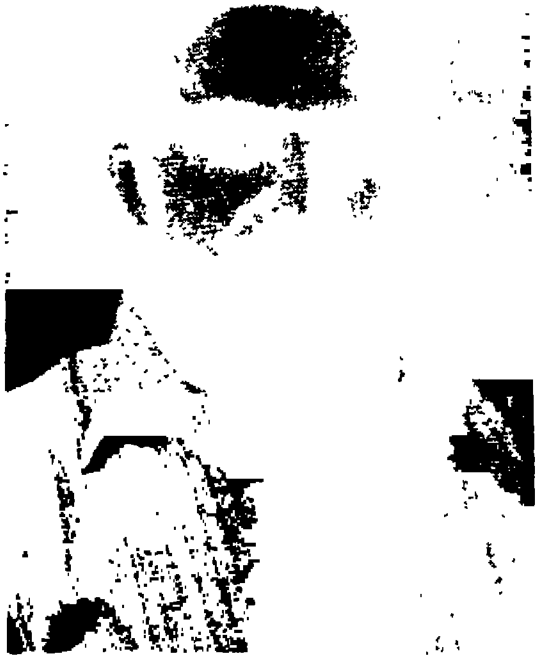


ارکانِ مجلسِ ادارت:

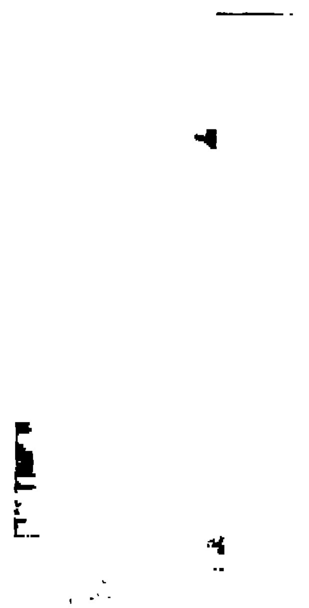
حمایت اللہ مسیح انجم



اے۔ کے ہنگل



نریش تلوار



پربودھ جوشی



آر۔ ایم سنگھ



سعادت علی خاں



اظہر افسر



اے، کے ہنگل اپٹا کا پیش کردہ اور ابتق کا لکھا ڈرامہ "سیر بیت" میں



سروج دیسائی، بھدر کانت زویری اور بھارت ڈوے، کنہیا لال مستی کے
کامیڈی ڈرامہ "برہمچاری آشرم" ـــــ میں



رمیش تلوار، ششی کپور اور قادر خاں "مکرشین" بمبئی کے پیش کردہ
ڈرامہ "مجھ کے بھجن نہ ہوے گوپالا" ـــــ میں



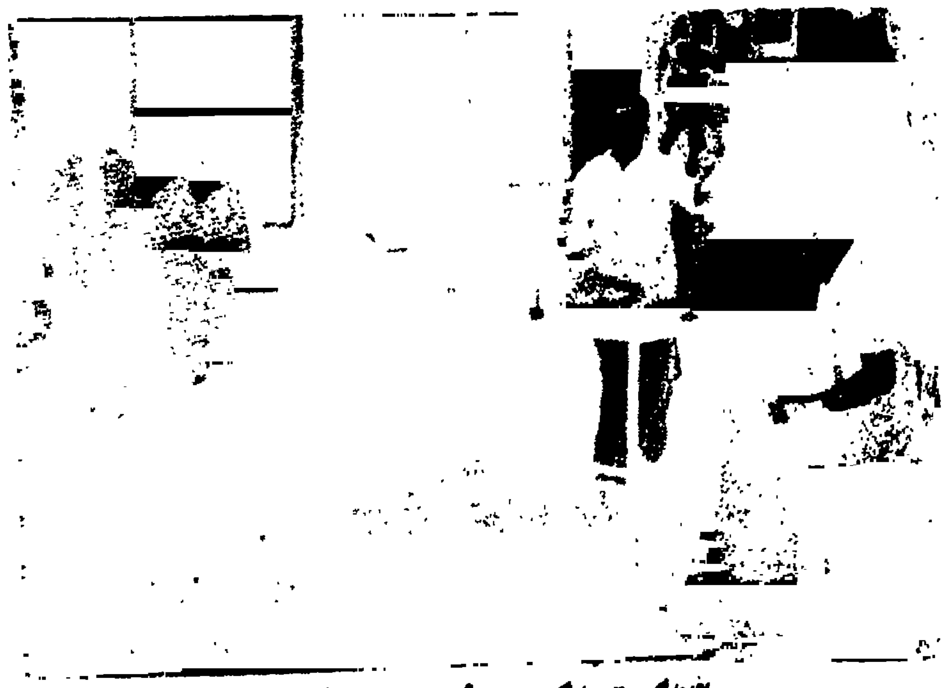
اے۔ کے ہنگل اور مشتاق، اپٹا کے "آخری سوال" میں



نیتی سیٹھی، موہن کاشرا اور دوسرے جوہو آرٹ تھیٹر بمبئی کے پیش کردہ ڈرامہ "ہنگرم" میں



مظہر اسراری، مجید مقبول، رضی الدین، خورشید ناہید اور رئیسہ
فائن آرٹس اکیڈمی حیدرآباد کے پیش کردہ ڈرامہ "جنگ کے بعد" میں



مصطفٰے علی بیگ، قادر علی بیگ، محمد علی شکل، دولت رام اور کلیم اللہ
فائن آرٹس اکیڈمی حیدرآباد کے پیش کردہ ڈرامے "دروازے کھول دو" میں

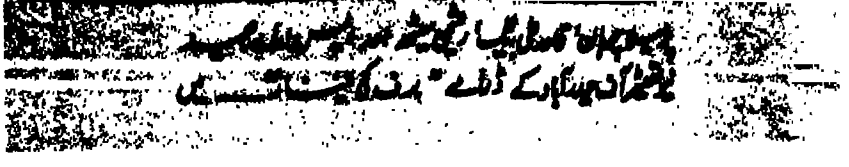


مشہور فلمی اداکار سنجیو کمار ایک ڈرامہ میں

قادر علی بیگ اور پرمیلا چوہان "سکھارام بائنڈر" میں



من موہن کرشن "شطرنج کے مہرے" میں




FAROOKY

نوری

یونٹ کی جانب سے

نیک تمنّاؤں کے ساتھ

کہانی
اسکرین پلے } ساگر سرحدی
مکالمے

میوزک : خیام
ڈائرکشن : من موہن کرشن
پروڈیوسر : یش راج فلمز

اعترافِ گناہ

آپ کے مدیر اور میرے دوست مصطفیٰ کمال نے جب مجھے دعوت دی کہ میں "شگوفہ" کے ڈرامہ نمبر کی اعزازی ادارت قبول کروں تو اس وقت میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ خیال نہیں آیا کہ عشق آساں نمود اول ... اور نہ ہی سید مصطفیٰ کمال نے یہ سوچا کہ اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی جائے گی اور ان کے رسالہ کا کردار بدل جائے گا۔

ڈرامہ اور اسٹیج سے میرا رشتہ بیس سال پرانا ہے۔ میں نے ڈرامے لکھے، پروڈیوس اور ڈائرکٹ کیے۔ اس لئے شہر بمبئی میں ڈرامے اور اسٹیج کی تمام اہم شخصیتوں سے میرے مراسم رہے ہیں۔ ڈرامہ نمبر کے سلسلہ میں جب میں نے دوستوں سے باتیں کیں اور اردو یا ہندوستانی کے نئے اور غیر مطبوعہ ڈراموں کی تلاش کی تو پتہ چلا کہ اردو کی زنبیل میں سب کچھ ہے سوائے اس جنسِ نایاب کے۔ میرے بزرگ ڈاکٹر عبدالعلیم نامی، دوست فہیم احمد صدیقی ــــ جنھوں نے اردو ڈرامے کی تاریخ مرتب کی ہے اور موخرالذکر نے کئی ایکانکی ڈرامے جو گمنامی کی اندھیری کوٹھری میں بند تھے جمع کیے ہیں اور تحقیق و تنقید کے لئے قابلِ قدر مواد اکٹھا کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن نے طبع زاد ڈرامے لکھے اور انھیں کتابی صورت میں بھی پیش کیا۔ ترقی پسند افسانہ نگاروں اور شاعروں نے اس صنف پر "طبع آزمائی" کی۔ کرشن، منٹو بیدی، اوپندرناتھ اشک، سردار جعفری، خواجہ احمد عباس، اور عصمت چغتائی اور کس کس کا نام گنواؤں، فہرست طویل ہو جائے گی ــــ ان سب بزرگوں سے معذرت کے ساتھ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ نہیں محسوس ہوتی کہ یہ سب نام نہاد ڈرامے اسٹیج اور اس کی ضروریات کو سامنے رکھ کر نہیں لکھے گئے ہیں۔ اس لئے انھیں پڑھا تو جاسکتا ہے،

کھیلا نہیں جا سکتا۔ اُردو ڈرامے کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے۔

اب ہمارے سامنے دو ہی راستے تھے ـــــ ایک یہ کہ بنی بنائی ڈگر پر چلیں، یعنی اُردو کے دوسرے رسالوں کی طرح افسانے، غزلیں اور نظمیں اور تنقیدی مضامین کے ساتھ ساتھ منہ کا ذائقہ بدلنے یا ورائٹی کے لئے جیسے ڈرامے شامل کیئے جاتے ہیں، ایسے ہی "پڑھے جانے والے" ڈراموں کو جمع کر دیں اور اس طرح سے اُردو کے خدمت گزاروں کی فہرست میں شامل ہو جائیں ـــــ دوسرا راستہ بہت کٹھن، دشوار گزار اور انجانا راستہ تھا ـــــ ایسے ڈراموں کو شامل کرنا جو اسٹیج کی ضروریات کو پیشِ نظر رکھ کر لکھے گئے ہوں، اور جن کے چھپنے سے کالج اور اسکول کے طلبہ اور عام اُردو داں طبقہ کے پاس ایک ایسا ذخیرہ جمع ہو جائے کہ وہ اپنی سہولت کے مطابق انھیں اسٹیج پر کھیل سکیں۔

جب ہم نے اپنا راستہ متعین کر لیا تو اُردو ڈراموں کی جستجو شروع ہوی۔ بمبئی میں بارہا کامیابی کے ساتھ پیش کیئے جانے والے ڈرامے فوراً حاصل کیئے گئے (ایک بنگلہ بنے نیارا ـــ بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے ـــ ہم نہ روئے تھے تمہارے مسکرانے کے لئے ـ شوالہ ـ تیگرام وغیرہ ـ ایکانکی اور طویل ڈرامہ ـــ بھور کے بھجن نہ ہوئے گوپالا) لیکن ان کی تعداد اتنی کم تھی کہ شگوفہ کے اس شمارہ کو "ڈرامہ نمبر" کہنا ایسا ہی ہوتا جیسے کوئی ایک غزل کہہ کر اپنے آپ کو "غالب" کہلانے پر مُصر ہو۔ دوستوں نے مشورہ دیا کہ کوتاہ دستی اور تنگ نظری سے کام نہ لیتے ہوئے ہم اپنے دیش کی دوسری زبانوں کے ترجمے اس شمارے کے لیئے حاصل کریں۔ مراٹھی، گجراتی، کنڑ، تلگو، پنجابی، بنگالی، اُڑیہ اسٹیج کے فنکاروں اور واقفیت رکھنے والوں سے رابطہ قائم کیا گیا۔ ڈرامے حاصل کیئے گئے اور انھیں اُردو میں منتقل کرایا گیا ـــــ یکجہتی کی ایسی مثال نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے اور کچھ جاننے والوں کا خیال ہے کہ یہی اُردو کی "خدمت" ہے۔ اس کا فیصلہ ہم نے قارئین پر چھوڑ دیا ہے۔

ہندوستانی زمین کی مٹی میں ناٹک کی خوشبو رچی ہے۔ ناٹک کی پرمپرا اتنی ہی پُرانی ہے جتنے کہ مقدس وید۔ کالی داس کے سنسکرت ڈراموں "میگھ دوت" اور "شکنتلا" کے ترجمے ہندوستان کی دوسری زبانوں کی طرح اُردو میں بھی ہوئے ہیں۔ سنسکرت میں ایکانکی ڈرامے بھی پیش کیئے گئے تھے لیکن ہماری زبان کے پڑھنے والے ان سے ناواقف ہیں۔ اس حقیقت کو مدِنظر رکھ کر ایسے کچھ ایکانکی ڈرامے اس شمارے میں شامل کیئے گئے ہیں، جن کو پڑھ کر دورِ قدیم کا وہ سماج، اس کے سوچنے کا ڈھنگ اور رہن سہن کی جیتی جاگتی تصویر نظروں کے سامنے آتی ہے۔

جب دیسی ڈراموں کا قابلِ قدر مواد ہمیں حاصل ہوا تو یہ سوچ کر ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں، ہماری نظریں دوسرے دیشوں کے کچھ اہم پُرانے اور نئے ڈراموں اور کچھ جانے پہچانے اور کچھ اَن جانے ڈرامہ نویسوں کو کھوجنے لگیں۔ اور اِس کھوج میں ایک مضمون

اور روس، جرمنی اور انگلستان کے ڈرامے ہمیں ملے۔ ان کا ترجمہ کافی نہیں تھا۔ اس لیئے انھیں ہندوستانی روپ دیا گیا ــــ اس سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ گو یہ زبانیں مختلف ہیں جغرافیائی اور سیاسی حدبندیاں الگ الگ ہیں، لیکن انسانی مسائل ایک ہیں۔ اِن مسئلوں کا حل پوری انسانیت کو ساتھ مل کر تلاش کرنا ہوگا۔ یہیں سے نظریئے کی بات شروع ہوی۔ فنکار کیوں اور کس لئے لکھتا ہے؟ سماجی کش مکش میں وہ کن قوتوں کا ساتھ دیتا ہے؟ کیا حق و باطل کی اِس لڑائی میں فنکار غیر جانبدار رہ سکتا ہے؟ یہ اور ایسے بہت سے سوالات تھے جو بریخت اور گورکی کے ڈراموں نے ہمارے ذہن میں پیدا کیئے ــــ ایڈورڈ باؤنڈ نے بڑی حد تک ان گتھیوں کو سلجھانے میں ہماری مدد کی ہے۔

ایڈورڈ باؤنڈ انگلستان میں نئی نسل کے سب سے ممتاز ڈرامہ نگار ہیں۔ سماجی ناانصافی اور ہماری زندگی میں قدروں کی شکست و ریخت نے ایسے جذباتی، حساس اور بیدار ڈرامہ نویس پیدا کیئے جنھیں ہم Angry young Men کے نام سے جانتے ہیں۔ ان میں ہیرالڈ پنٹر، آرنلڈ، جان آسبورن اور ویسکر، انگلستان میں، ایڈورڈ البی امریکہ میں سرفہرست ہیں۔ ان کی تحریروں میں غصّہ تھا، نفرت کا اظہار تھا، ایک بے چینی تھی ــــ لیکن ان کا رویّہ تحلیلی نہیں تھا۔ ان لوگوں نے نئی نسل کے مسائل اور ذہنی رویئے کو جوں کا توں پیش کر دیا۔ ان مسائل کے اسباب اور ان کی جڑوں کی تلاش نہیں کی، یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ــ جن بے جان اور بے رُوح قدروں کو وہ مَنوں مٹی کے نیچے دفن کرنا چاہتے ہیں، انھیں کس نے پیدا کیا ہے۔ اور ان قدروں کو مٹا دینے کے بعد جو خلا پیدا ہوگا اس میں کونسی نئی قدریں جنم لیں گی، اس تعلق سے انھوں نے کبھی نہیں سوچا۔ دوسری طرف ABSURD THEATRE پرینڈلو اور آئنسکو سے شروع ہوکر بیکیٹ، ژاں جینے اور انگلستان میں پینٹر ویسکر اس بے چینی کا اظہار بے عملی کی صورت میں کرتے ہیں۔ بیکیٹ کے "گودو کا انتظار" اس رویّے کی ایک اہم اور نمایاں مثال ہے۔ اس طرح کے دوسرے اسکول یعنی ــ THEATRE ــ OF CRUELTY اور HOLY THEATRE کے لکھنے والوں نے بھی یہی کیا۔ ایڈورڈ باؤنڈ نے اِن سے ہٹ کر بریخت کے مقصدی تھیٹر اور مارکسی نظریئے کو اپنا کر ڈرامے لکھے۔

ایڈورڈ باؤنڈ کا ڈرامہ "بِنگو" (جس کا دیباچہ اِس ڈرامہ نمبر میں شامل ہے) شیکسپیئر کے آخری دنوں کی رُوداد پر ہے۔ باؤنڈ کا شیکسپیئر اسٹیج کی دُنیا سے الگ ہوکر اِسٹریٹ فورڈ میں ایک خوشحال جاگیردارانہ زندگی گزار رہا ہے۔ لیکن مال و اسباب کی فراوانی کے باوجود، نہ اسے سکون نصیب ہے نہ ہی راحت۔ ڈرامے میں اس کا ضمیر اسے اذیّت دیتا ہے کہ کس طرح اس نے اپنے عزیزوں پر ظلم کیا اور کس طرح اس سماج کا ساتھ دیا جو خود ظالم تھا ــــ بینے ڈکٹ نائٹ اِنگیل کے الفاظ میں ــــ

"ایسے شخص نے جسے انسان دوست سمجھ کر ہم پوجتے ہیں، کیسے اس
سوسائٹی میں رہنا برداشت کیا' جس کے بارے میں ہم اچھی طرح
جانتے ہیں کہ ظالم تھی؟ ہم جو اس کی اولاد ہیں اس سماج میں کیسے
جی سکتے ہیں' جسے اس ظالم سماج نے پیدا کیا ہے؟"

ایڈورڈ باؤنڈ کا یہ ڈرامہ فن کار اور سماج میں اس کے رشتے کو سمجھنے میں ہماری مدد کرتا ہے۔ اس مسئلے پر باؤنڈ نے "بنگو" کے دیباچے میں کھل کر بحث کی ہے۔ ہم اسے جوں کا توں قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں' اس اُمید میں کہ ذہنی چاردیواری کی بند اور زہریلی فضا کے دریچے کھل جائیں گے اور کوئی تازہ ہوا کے کچھ جھونکے ذہن کو جھنجھوڑ دیں گے اور نئے خون کی گردش جسم کے جمود کو توڑ دے گی اور عمل کے نئے راستے سجھائے گی۔

لفظ 'کمٹمنٹ' COMMITMENT یا "ذہنی وابستگی" چند فن کاروں کے نزدیک ایک گالی یا دشنام ہے۔ وہ اپنے کو "غیر وابستہ" سمجھتے ہیں اور فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ترقی پسند دور کے چند اہم نقادوں' ادیبوں' اور شاعروں نے اس لفظ کو بے جان و بے رُوح اور کھوکھلا بنا دیا ہے۔ وہ جس وابستگی کی بات کرتے تھے اور ٹھوک پیٹ کر سب کو اپنا ہم نوا بنانا چاہتے تھے وہ وابستگی اندھی اور سطحی وابستگی تھی اور ان کے فکر و عمل کا تضاد آج اپنے بھیانک رُوپ میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ ادب اور فن کی صحت مند قدروں کا نام لے کر انھوں نے صرف اپنی تجارت کو چمکایا تھا لیکن نتیجہ میں بعد کی نسل کے بیدار ذہنوں کو بائیں بازو کی قوتوں سے برگشتہ کر دیا۔ ترقی پسندوں کا دھندا آج مندا پڑ گیا ہے اور ان کے چہروں سے نقاب اُتر چکے ہیں اور ان کے ادب و شاعری کا بیشتر حصہ ان کی زندگی ہی میں طاقِ نسیاں کا حصّہ بن چکا ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم از سرِ نو اپنے ورثے کا جائزہ لیں۔ قدروں کے کھنگالنے کا کام ہر دور میں ہوا ہے اور ہونا بھی چاہئیے۔ آج ہمیں اپنے ماضی کی قدروں کو تنقیدی نظر سے دیکھنا ہے اور جاندار قدروں کی توسیع کرنا اور نئی قدروں کی تشکیل کرنا ہے ۔۔ یہی اچھے فن اور ادب کا تقاضہ ہے اور یہی اس کا جواز بھی ہے۔

ہمیں اس کا احساس ہے کہ ڈرامہ نمبر میں سنجیدہ مواد "شگوفہ" کے مزاج سے الگ ہو گیا ہے۔ ہمیں اس کا اقرار ہے کہ کامیڈی کے نام پر ہمیں اچھے ڈرامے دستیاب ہیں لیکن ان میں بھی سماجی طنز کا عنصر آجاتا ہے یا پھر جارج برنارڈ شا کے ڈراموں کی طرح وہ دانشورانہ کامیڈی کا روپ دھار لیتی ہے۔ پھر بھی 'شگوفہ' کے کردار کو ذہن میں رکھ کر ہم نے ہر ذوق کی سیرابی کا سامان اس میں سمو دیا ہے۔ پہلا حصّہ تجرباتی، فکری، اور جدید ڈراموں پر مشتمل ہے۔ دوسرا حصہ ان ڈراموں کا ہے جو اسٹیج پر کامیاب ہوئے ہیں اور جن کے کئی شوز کیے جا چکے ہیں۔ تیسرا حصہ آپ کے "اعلیٰ" مدیر مصطفیٰ کمال صاحب کا ترتیب دیا ہوا ہے اور اس میں "شگوفہ" کے جانے پہچانے لکھنے والے شامل ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ ہماری اس پیشکش کو قارئین قبول کریں گے اور اس میں ہر قسم کے پڑھنے والوں کو اپنی دلچسپی کا مداوا بن جائے گا۔

ساگر سرحدی



ایڈورڈ باؤنڈ
مترجم: ابراہیم رنگلا

فنکار اور سماج
(دیباچہ ڈرامہ بنگو)

شیکسپیئر کی دو بیٹیاں تھیں ۔ سوزین کی قبر گرجا گھر میں شیکسپیئر کے قریب ہے جبکہ جوڈیتھ گرجا کے باہر میدان میں دفن ہے اور اس کی قبر کا نام و نشان باقی نہیں رہا ہے۔ شاید اس حقیقت سے ان دونوں کی زندگی کا فرق ظاہر ہوتا ہے شیکسپیئر کی اپنی بیٹیوں کے بارے میں کیا رائے تھی، اس کا تو پتہ نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ جس طرح کی زندگی دونوں نے بسر کی وہ ایک طرح سے شیکسپیئر کی رائے کا اظہار کرتی ہے۔ سوزین ملنسار تھی اس نے اچھی بیاہتا زندگی گزاری، وہ خوش حال تھی اور جوڈیتھ گم نام، اپنی بہن کی شہرت سے دبی ہوئی، بڑی عمر میں ایک ناکام سرکاری ملازم سے شادی بھی ہوئی تو اس نے بڑھاپے میں اُسے چھوڑ دیا۔ شاید شیکسپیئر کی تیز اور دور رس نظر اور فیصلے کی گھنی چھاؤں میں پروان چڑھنے کے نتیجے میں ان کی زندگیوں نے یہ شکل اختیار کرلی ہو۔

تنہا جوڈیتھ اس ڈرامے کا ایک کردار ہے۔ زیادہ آسائش رساں اور ہمت دلانے والا کردار جو شیکسپیئر کی اصلی زندگی میں سوزین نے ادا کیا، وہ میں نے ایک بوڑھی ملازمہ کو دیا ہے۔ یہ میں نے اپنی آسانی کے لئے کیا ہے۔ بڑھیا کا بیٹا شیکسپیئر کی تجارتی دُنیا کا ایک شکار ہے۔ اس بڑھیا کو شیکسپیئر سے قریب رکھتے ہوئے میں نے ڈرامے کے دو عناصر کے درمیان پل بنایا لیکن اپنی دانست میں نفسیاتی صورت حال کو برقرار رکھا ہے ـــــ یعنی ایک عورت (سوزین یا ڈرامے میں بوڑھی عورت) شیکسپیئر سے قریب تھی اور دوسری (جوڈیتھ اور غالباً شیکسپیئر کی بیوی) اس کے لئے اجنبی۔

ایسا ہی میں نے احاطہ بندی کے سلسلے میں کیا ہے جس سے شیکسپیئر کو سابقہ پڑا تھا۔ کومب کئی افراد کا نمائندہ ہے اور دوسرے منظر میں کومب اور شیکسپیئر جب دستاویز پر دستخط کرتے ہیں تو دراصل یہ معاہدہ شیکسپیئر اور احاطہ بندی کے نمائندے ریپلنگم کے بیچ ہے (گو کہ کومب آگے چل کر اس کی تصدیق کرتا ہے) شیکسپیئر کا آخری ٹکراؤ جانسن اور ڈرے ٹن کے ساتھ

ادا۔ ڈرامے میں صرف جانسن کو دکھایا گیا ہے۔ میں نے کچھ تاریخیں بھی بدلی ہیں۔ مثال کے طور پر شیکسپیئر کا تھیٹر ۱۶۱۳ء میں جلا نہ کہ ۱۶۱۶ء۔ میں نے یہ سب تبدیلیاں ڈرامائی سہولت کے پیش نظر کی ہیں۔ بکھرے ہوئے واقعات سے کسی فرد کی زندگی پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں انھیں سامعین کے متاثر کن انداز میں پیش کرنے کے لئے انہیں اکثر یکجا کرنا پڑتا ہے۔ ان سب باتوں کا تذکرہ اس لئے کر رہا ہوں کہ ڈرامے کو تنگ نظر تنقید سے بچا رکھوں۔ ڈرامے کی بنیاد ہیں ٹھوس تاریخی واقعات ــــ جہاں تک یہ ہمارے علم میں ہیں اور نفسیاتی سچائی جس حد تک میری دسترس میں ہے۔ ڈرامے میں کرداروں کے عمل سے جو نتائج پیدا ہوئے ہیں وہ صحیح واقعات پر مبنی ہیں اور ان میں کوئی مبالغہ نہیں۔ یہ درست ہے کہ میں اس پر اصرار نہیں کر سکتا کہ شیکسپیئر کی موت کا جو بیان ہے وہ سچ ہے۔ میں اس آدمی کی مثال ہوں جو ایک پل پر کھڑا اس جگہ کو دیکھ رہا ہے جہاں کوئی حادثہ گزر چکا ہے۔ سڑک بھیگی ہوئی ہے، پہیوں کے پھسلنے کے نشانات موجود ہیں، موٹر جھکی ہوئی ہے اور سڑک کے کنارے پھیلے ہوئے لہو میں غرق ایک آدمی مردہ پڑا ہوا ہے۔ ان سب حقائق کے پیش نظر میں کہہ سکتا ہوں کہ کیا ہوا ہوگا ــــ کم ہی نقاد عموماً یہ فرض کر لیتے ہیں کہ شیکسپیئر گاڑی چلانے کے فن میں اتنا طاق تھا کہ وہ اس حادثہ کا شکار نہیں ہو سکتا تھا۔ میرے بیان کردہ واقعات میں شیکسپیئر کی تھوڑی سی بڑائی ہے۔ اگر اس کا خاتمہ اس طرح نہیں ہوا جیسا کہ اس ڈرامے میں دکھایا گیا ہے تو پھر شیکسپیئر یا تو رجعت پرست صفر تھا یا پھر کسی دوسری قسم کا احمق تھا۔ اگر نرمی سے کام لیں تو صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ وہ جانکار نہیں تھا یا سٹھیا گیا تھا۔ مجھے اقرار ہے کہ شیکسپیئر کی سوانح سے مجھے ایسی دلچسپی نہیں جو کسی مورخ کو ہوتی ہے۔ ڈرامے کا ایک حصہ سماج اور ادیب کے رشتے کے بارے میں ہے۔

شیکسپیئر نے لیئر (LEAR) کی تخلیق کی، جو سماجی نقادوں میں سب سے بڑا انقلابی ہے۔ لیکن لیئر کی بالغ نظری کا اظہار پاگل پن یا ہسٹیریا میں کیا گیا ہے۔ کیوں؟ میں سمجھتا ہوں کہ ایک حد تک اس لئے کہ اس دور میں یہی ایک سمجھ میں آنے والا طریقۂ اظہار تھا۔ اور اس لئے بھی کہ اگر آپ کرب اور تشدد، حاکم کی جانبداری اور جن کا بچاؤ نہ کیا جا سکے ان کی بے گناہی اور ان سب کو اچھی طرح جاننے کے باوجود ایسے دور میں سانس لیں اور کچھ نہ کر سکیں ــــ تو اس ماحول میں آپ جس کرب کا بیان کر رہے ہیں اسے محسوس کر سکیں گے اور آپ کی تحریر اس کرب کا منہ چڑائے گی ــــ جب ادیب اس سطح پر لکھے گا تو اسے سچ کہنا پڑے گا۔ جھوٹ ادیب کو جلاد کے مددگاروں کی صف میں کھڑا کر دے گا۔ جھوٹ، مظلوم سے دغا بازی کرنا ہوگا اور یہ ناقابل برداشت ہوگا کیونکہ ادیب مظلوم کا منہ چڑا رہا ہے اور سب سے اہم بات جو ادیب جانتا ہے وہ بے گناہی ہے جس میں ادیب اس کا شریک ہے۔ اس لئے اگر ادیب نے جھوٹ کہا تو دنیا سے ہوش مندی اٹھ جائے گی، ظلم کے خلاف احتجاج کا کوئی جواز نہ ہوگا، اور گناہ اور بے گناہی کی تمیز ختم ہو جائے گی ــــ اور صرف دیوانہ جانتا ہے کہ اتنی ساری مایوسیوں اور ناامیدیوں میں کس طرح جیا جائے ــــ فن ہمیشہ ہوش مند رہا ہے۔ اس نے ہمیشہ سچائی پر اصرار کیا ہے۔ اور ہمیشہ کوشش کی ہے کہ انصاف اور امن کا اظہار کرے جو ہوش مندی کے لئے ضروری ہیں لیکن سماج جنھیں تاراج کرتا ہے۔ ہر تخیل پیدا ہوتا ہے، اس میں جذبے کی بے تابی اشتہا کی قوت اور غم و خوشی کے اظہار میں فطری پن ہوتا ہے۔ تخیل ایک خواہش ہے جو فن کار سے تخلیق کراتی ہے۔ تخیل کی سچائیاں سختی سے متعین ہیں اور ضروری ہیں۔ یہ فن کار پر وحی بن کر نازل نہیں ہوتیں۔ فنکار کو سیکھنا

ہوتا ہے ، ذہنی تربیت اور تپسیا کرنی ہوتی ہے تب کہیں اس میں یہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ وہ انہیں دریافت کرسکے۔ لیکن ہر فنکار اکثر محسوس کرتا ہے کہ اس کی تخلیق "صحیح" ہے اور اس میں تبدیلی کرنے کے لئے وہ آزاد نہیں۔ اس کے مقابلے میں وہ محسوس کرتا ہے کہ زندگی غیر متعین اور اٹکل پچو ہے کیونکہ عموماً سماج کی بنیاد نا انصافی اور ابن الوقتی پر ہوتی ہے جبکہ فن اخلاقی ہوش مندی کا اظہار ہے۔ بربریت اس لئے گھناؤنی ہے کہ اس نظریئے کے برعکس وہ یہ مان کر چلتی ہے کہ تخلیقی تخیل غیر متعین اور اٹکل پچو ہے۔ خود نمائی کا ایک کھیل ہے ، فریب ہے اور انسانی ارتقا کے لئے اہم اور ضروری نہیں ہے اور یہ صحیح ہے کہ فنکاروں میں اکثر و بیشتر حسِ شے کی کمی محسوس ہوتی ہے وہ تخلیقی تخیل کا کافی نہ ہونا ہے یا شاید فنکار اس کو گھٹا کر پیش کرتے ہیں کیوں کہ ان سے کہا جاتا ہے کہ فن امیروں اور دانشوروں کے لئے ہے ، سائنس کام ہے جبکہ فن ، فرصت کا مشغلہ اور کھیل ہے شاید اس لئے بھی کہ اکثر افراد بغیر فن کے "وجود" رکھتے ہیں۔ ایسے افراد نہیں صرف موجودہ صنعتی سماجوں میں ملتے ہیں اور یہ ایک سبب ہے کہ ایسے سماج میں جمود ہوتا ہے ، وہ سماج غیر انسانی ہوتا ہے۔ ایسے فنکار بھی ملتے ہیں جو خود کو اپنے ذہنی کابوسوں میں بند کر لیتے ہیں۔ وہ جو تخلیق کرتے ہیں ان کی تشریح غیر فنکارانہ زبان میں کی جاتی ہے۔ ان کے لفظی یا صوتی پیکروں میں کوئی شدت نہیں ہوتی۔ ایسے لگتا ہے کہ دیکھنے والے کو ہر لفظ یا صورت کے معنی کو لغت میں تلاش کرنا پڑے گا۔ لیکن تخیل کوئی اٹکل پچو سپنا نہیں۔ فنکار کا تخیل سامعین کی دنیا کے ساتھ ایسا ہی رشتہ جوڑتا ہے جیسا کہ اس کا علم — کیونکہ جین آسٹن کا تخیل اس کی معلومات سے کہیں زیادہ کمزور تھا اس لئے وہ نپولین کی جنگوں کے بارے میں لکھنے سے احتراز کرسکی (سوائے اپنی ذاتی غربت کے خوف کے پس منظر میں) لیکن چونکہ اسے اپنے کرداروں کے بارے میں خارجی سچائی کا اظہار کرنا تھا اور جو اس کی اخلاقی ہوش مندی کے لئے ضروری تھا۔ اس عمل نے اس کے اخلاقی تخیل کو گہرا کر دیا۔ اپنے ناول (PERSUATION) میں اس نے افلاس کے تجربے کے بارے میں لکھنا شروع کیا اور اب یہ صرف غربت کے بارے میں اس کے خوف و ڈر کا اظہار نہیں رہا تھا اور اگر اس کی زندگی مہلت دیتی تو وہ شاید جنگ کے بارے میں بھی لکھتی۔ جو ادیب اس طرح ترقی نہیں کرتے ، وہ اپنے ذاتی کابوس ، اسٹائیل کے تجربے اور بے فائدہ ابہام کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں اور اس طرح سے وہ ناقابلِ اعتنا اور رجعت پرست بن جاتے ہیں۔

شیکسپیر کے ڈرامے ، ہوش مندی کی اس ضرورت اور اس کے سیاسی اظہار اور انصاف کی عکاسی کرتے ہیں لیکن اس نے زندگی کس طرح بسر کی ؟ ریاست کا مالک ہونے کے ناطے اس کا عمل اور اس کی عادتیں لیئر کے مقابلے گونیرل سے زیادہ قریب ہیں۔ اس نے "کنٹرول سماج" کی حمایت کی اور اس کے زندان ، کار خانے ، کوڑے برسانا ، فاقے ، اپاہج بنانا — اور اس طرح کی ہر چیز سے اس نے پورا فائدہ اٹھایا۔

ویل کومب کی احاطہ بندی میں شیکسپیر نے جو کردار ادا کیا ہے ، اس کی ایک مثال ہے ، اس کی آمدنی کا بڑا حصہ سٹریٹفورڈ کے قریب ویل کومب کے مشترکہ میدان کا کرایہ تھا۔ چند اہم جاگیردار ان میدانوں کی دیوار بندی کرنا چاہتے تھے۔ اس کی وجہ کہیں اور بیان کی گئی ہے — اور اس بات کا خطرہ تھا کہ دیوار بندی سے شیکسپیر کے کرایے پر برا اثر پڑے گا۔ وہ یا تو جاگیرداروں کا ساتھ دیتا یا ان غریبوں کا جو زمین اور روزی سے ہاتھ دھو رہے تھے۔ شیکسپیر نے جاگیرداروں کا ساتھ دیا۔ انہوں نے اس کے نقصان کی تلافی کی گیارنٹی دی۔ اور جو دستاویز بنائی گئی وہ غیر جانبدارانہ نہیں تھی بلکہ یہ شرط رکھی گئی تھی کہ وہ لوگ جو اس دیوار

کے خلاف لڑ رہے ہیں شیکسپیئر سے مدد لینا چاہیں تو وہ انکار کر دے گا۔ اس احتجاج اور لڑائی کے تاریخی ثبوت ہمیں ملتے ہیں لیکن شیکسپیئر نے مخالفت کی ہو ایسا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا۔ ہو سکتا ہے کہ اسے دیوار بندی کے کامیاب ہونے کا یقین نہ ہو لیکن اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ وہ اپنی گارنٹی لے کر بیٹھے تماشہ دیکھتا رہا جبکہ دوسرے اس کے خلاف لڑتے رہے۔ کچھ وقت کے لئے دیوار بندی ترک کی گئی۔ اور آخر کار ۱۷۷۵ء میں اسے مکمل کیا گیا۔ لیئر نے اپنی زمین کی تقسیم اس وقت کی جب وہ ڈرامے کی ابتدا میں ناقابل اعتماد اور غیر انصاف پسند تھا نہ کہ اس وقت جب وہ بھرے دربار میں سچائی کا اعلان کر رہا تھا۔

ڈرامے کا دوسرا عنوان ہے "پیسے اور موت کے مناظر"۔ ہم ایک بند سماج میں زندگی بسر کرتے ہیں جہاں جینے کے لئے پیسہ ضروری ہے۔ ہم پیسہ کماتے ہیں، قرض لیتے ہیں یا چوری کرتے ہیں۔ جرم پیشہ، تارک الدنیا اور ناکام افراد ان پر تکیہ کرتے ہیں جو پیسہ کماتے ہیں ــــ پناہ گاہ کی صورت میں کوئی ہرا بھرا جنگل نہیں۔ سب درخت کاٹ دیئے گئے ہیں۔ ہمارے کوئی فطری حقوق نہیں رہے۔ صرف وہی حقوق ہیں جو پیسوں نے ہمیں دیئے اور جن کی پیسے حفاظت کرتے ہیں۔ پیسہ ہمارے لئے مہیا کرتا ہے، چھت، حفاظت، تعلیم، تفریح، زمین جس پر ہم چلتے ہیں، ہوا ــــ جس میں ہم سانس لیتے ہیں، بستر جس پر ہم سوتے ہیں۔ سبھی کچھ پیسوں سے ملتا ہے۔ لوگ ان کو پیسوں کی پیداوار سمجھنے لگتے ہیں۔ انھیں ذہین اور انسانی رشتے نہیں سمجھتے اور اخیر میں ان کو ایسا ذریعہ سمجھ لیتے ہیں جس سے زیادہ پیسہ اور اس کے نتیجے میں زیادہ اشیاء حاصل کی جا سکتی ہیں۔ پیسے کے اپنے قوانین اور طے شدہ اصول ہیں اور اگر آپ پیسے کے لئے جیتے ہیں تو انھیں بھی ماننا پڑے گا۔ پیسہ حاصل کرنے کے لئے آپ کو پیسہ کی طرح برتاؤ کرنا ہوگا۔ میرا مطلب صرف یہی نہیں کہ پیسہ لوگوں میں ایک خاص قسم کا رجحان یا طبیعت پیدا کرتا ہے بلکہ وہ برتاؤ کے خاص طریقے ان پر جبراً لاگو کرتا ہے۔ خیرات اس نظریئے کے خلاف بحث دکھائی دیتی ہے لیکن اصل میں اس نظریئے کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔ اگر آپ کے پاس پیسے کی فراوانی ہے تو ہو سکتا ہے کہ آپ اس میں تھوڑا سا محتاجوں میں تقسیم کریں یا چند تصویریں اپنے ملک کو بطور تحفہ دیں لیکن آپ اپنا پورا سرمایہ نہیں دیں گے۔ کیونکہ پھر آپ کے پاس کچھ نہیں رہے گا۔ کوئی ہجرت پر آپ کے لئے کام نہیں کرے گا اور اس طرح سے آپ اور کمانے اور جلانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ آپ کامل انسانی فراخ دلی کی دسترس میں نہیں (زیادہ سے زیادہ آپ فراخ دلی کے اکسانے پر عمل کرتے ہیں) بلکہ ذاتی غرض اور حرص پر مبنی ہے جو پیسہ کچھ دینے کے بعد آپ اپنے پاس رکھتے ہیں وہ اخلاقی طور سے غیر جانبدار نہیں ــــ جیسا کہ کپڑا یا روٹی ــــ کیونکہ آپ اس کے استعمال سے دوسروں کی زندگی کو متاثر کرتے ہیں جو خود پیسوں کے مارے ہوئے ہیں۔ یہ سوچ کر ہم غلطی کرتے ہیں کہ اس کا استعمال انسانیت سے کر سکتے ہیں۔ جب نعذی اور عزت کا انحصار پیسوں پر ہو تو اقدار نہ انسانی قدروں کی جگہ لے لیتی ہے۔

بالکل یہی آج ہمارے تجارتی اور ٹیکنالوجیکل سماج میں ہوا۔ پیسے نے ہمارے سماج کی انسانی قدروں کو مٹا دیا کیونکہ یہ انسانی قدریں ہیں کہ زیر اثر اشیاء کا مطالبہ اتنی تیزی سے نہیں بڑھتا کہ منافع قائم رہے اور مکمل طور سے روزگار مہیا کیا جا سکے۔ ہماری سماج کا انحصار اپنے افراد کے لالچی، فضول خرچ، حریص الدنیا، خود غرض اور غیر انسانی ہونے پر ہے۔ سرکاری طور پر ہم اخلاقیات کا درس دیتے ہیں لیکن اگر ہم سب "نیک" ہو جائیں تو ہماری معیشت تباہ ہو جائے گی۔ دولت مند افراد انجیل مقدس کے "وعظ کوہ" پر عمل نہیں کر سکتے۔

پیسہ ایک اہم سماجی آلہ ہے۔ یہ ایک ذریعہ ہے لین دین کا۔ ہم فراڈ کو اکٹھا کرنے کا جو جذبہ انڈسٹری کو جنم دینے کے لئے ضروری ہے ـــــ لیکن ہم ایک ایسے دور پر پہنچ چکے ہیں جہاں پیسوں سے ضرورت کو دور کرنے کی بجائے مصنوعی ضرورتوں کو پیدا کر کے زیادہ انھیں پورا کرنے کا کاروبار کیا جاتا ہے تاکہ پیداوار کے استعمال سے منافع برقرار رہے اور صنعتی عمل جاری رہے۔ کینز کا کہنا ہے کہ معیشت میں ضروری مانگ (DEMAND) کو برقرار رکھنے کے لئے لوگوں کو بے کار رکھنے سے بہتر یہ ہوگا کہ انھیں گڑھے کھودنے کی بجائے کوئی اور مفید سماجی کام لوگوں کے لئے مہیا کرے گا۔ لیکن بہت سارے لچر اشیاء جو ہم مہذب افراد کے استعمال کے لئے پیدا کرتے ہیں وہ زمین کھودنے سے زیادہ بے معنی اور خطرناک ہیں۔ اور اس کا تعلق صرف سماج کو چلانے سے ہے جبکہ اس سے کہیں زیادہ اہم اور وقت طلب کام ـــ یعنی سماج کو زیادہ مہذب بنانا ہے۔ اسے بالکل فراموش کر دیا گیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ہم سائنسی عہد میں جی رہے ہیں لیکن ہمارا عہد "الکیمیا" کا عہد بھی ہے۔ ہم سونے کو انسانی قدروں میں بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایسا دکھائی دیتا ہے کہ کبھی کبھار لوگوں کو بے حد آسانی اور سرعت سے بُرا برتاؤ کرنے پر تیار کیا جا سکتا ہے لیکن ایسا ہے نہیں۔ صرف دکھائی دیتا ہے۔ انسانی قدروں کا احساس ان کے یہاں یکسر غائب نہیں ہو جاتا۔ عوام میں خامیاں ہیں جیسے دوسری ارتقا پذیر جاندار اشیاء میں کمزوریاں ہوتی ہیں ـــ لیکن انسانی اقدار ہمارے یہاں سب سے زیادہ پائدار چیزیں ہیں۔ یہ ہمارے منطقی ذہنوں سے زیادہ طاقتور ہیں۔ ہم اپنی اور اپنے خاندان کی حفاظت ضروری سمجھتے ہیں اور اس کا حق بھی رکھتے ہیں اور وقت پڑنے پر اجنبیوں کا نہیں مگر اپنے جاننے والوں کا ہم بچاؤ بھی کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے لئے یہ آسان نہیں کہ ہم یہ سب کسی اور کو نقصان پہنچا کر کریں۔ انسان کے لئے یہ بات مشکل ہے کہ وہ سفاک بنے اور تکبر کرے۔ وہ ناپسندیدہ شئے سمجھتا ہے۔ جارحیت کا ہمیشہ کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے اور اس سے بچاؤ کا متاثر کن ہتھیار اس سبب کو دور کرنا ہے۔ خوف ناسمجھی کا دوسرا نام ہے اور ایک ہی راستہ اسے دور کرنے کا ہے۔ استدلال اور یقین دہانی۔ یہاں تک کہ نفرت جو خوف اور جارحیت سے پیدا ہوتی ہے۔ پہلے پہل انصاف کے گہرے لگاؤ سے اس کا خمیر اٹھتا ہے۔ اس میں کوئی تضاد نہیں۔ شائیلاک نے اپنے دشمن کے گوشت کا مطالبہ کیوں کیا؟ اس لئے کہ خود اس پر تھوکا گیا تھا۔

سیاسی جارحیت کی دو اہم قسمیں ہیں۔ پہلی کمزور کی طاقتور سے، بھوکے کی پیٹ بھرے سے۔ یہ جارحیت آسانی سے سمجھ میں آتی ہے۔ بلوان ظالم ہوتا ہے اور زندہ رہنے، اور بنیادی حقوق کے حصول کی خاطر بہت سے لوگ تشدد کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ دوسری قسم ہے طاقتور کی کمزور سے۔ آخر ایک امریکی جنگل میں بسنے والے کسی کسان پر بم کیوں برساتا ہے؟ اگر جیسا کہ میں نے کہا، انسانی اقدار کا احساس اس کی فطرت کا حصہ ہے؟ اس کے لئے بے حد کوشش کی جاتی ہے، برسوں کی غلط تعلیم، جھوٹ، ذلت، مکروہ، افلاس، معاشی طور پر غیر محفوظ ہونے کا احساس ـــ یا بے ایمانی سے حاصل کئے ہوئے حقوق کے غیر محفوظ ہونے کا احساس ـــ یہ سب دن رات اسے سکھایا، پڑھایا جاتا ہے تب وہ یہ کام کر سکتا ہے۔ حاکم کی اخلاقیات اسے سمجھاتی ہے کہ انسان تشدد پرست ہے۔ مکروہ اور تباہ کن ہے اس لئے ایک ہی اچھا راستہ مہذب افراد کے سامنے رہ جاتا ہے کہ وہ خود اپنے جلاد بن جائیں اور یہ کہ جنگل میں بسنے والا آدمی اور زیادہ خطرناک ہوتا ہے کیونکہ وہ جانوروں

کی طرح وحشی آدمی کی طرح چالاک ہوتا ہے — تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے۔ اس لئے وہ الٹا پیر بم گراتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر یہ کسان اپنی کشتیوں میں بیٹھ کر سمندر پار کرلے اور بیل گاڑی دوڑاتا ہوا امریکہ سے گذرے یہاں تک کہ وہ اس کے باغ بغیچے تک پہنچ جائے تو وہ کسان اس امریکی کی سبزیاں چرالے گا اور اس کی دادی کی عصمت چھینے گا — تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے اور تاریخ، مقدس انجیل کی مانند کسی چیز کی بھی شہادت دے سکتی ہے۔

پرانا فسطائی (یا کنجوس بڈھا) ہمیشہ رنجیدہ اور سنکی ہوتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ اس کا ضمیر اسے کچوکے دیتا ہے بلکہ اس لئے کہ اس کے طور زندگی اور انسانی قدروں کے بارے میں اس کے لاشعوری احساس میں ایک کشمکش رہتی ہے۔ آدمی اسی وقت مطمئن زندگی گزار سکتا ہے جب وہ امن و سکون سے رہے اور دوسروں کی طرح اسے بھی عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ فسطائیت اور سفاکیت کی اس صدی میں یہ بات کہنا کچھ عجیب لگتا ہے لیکن یہ دنیا اس لئے بے چین، مغموم اور تشدد پرست نہیں کہ انسان کو اولین گناہ کی سزا مل رہی ہے یا اس کی فطرت جارحانہ ہے بلکہ دنیا ناانصاف پسند ہے۔ دنیا بے معنی نہیں، یہ آخری منزل ہے جہاں آدمی ہوشمند اور سمجھدار رہ کر جی سکتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ انصاف کے مطالبے کبھی کبھار نزاعی ہوتے ہیں لیکن ان جھگڑوں کا تصفیہ اس لئے نہیں ہوپاتا کہ اکثر "منصف" فریقین سے زیادہ گناہ گار ہوتے ہیں۔ سماجی نظاموں میں سے بیشتر ایسے ہیں جو انصاف کی حمایت میں لڑنے کے بجائے سماجی ناانصافی کو برقرار رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی قوم کے افراد یا دو قوموں کے مابین مصالحت کا ہونا مشکل نظر آتا ہے اور وہ سماج جہاں قانون کا سکہ چلتا ہے، خود ظلم و بربریت اور جرم کے ذمہ دار ہوتے ہیں کیونکہ انھوں نے ان خرابیوں کو پیدا کیا ہے۔

میں نے "بنگو" (BINGO) لکھا کیونکہ میرے خیال میں شیکسپیئر کے تضادات، ہمارے تضادات جیسے تھے۔ وہ "بددیانت پیغمبر" تھا اور ہم "بربری تہذیب" ہیں۔ اس لئے ہمارا سماج خود کو تباہ کرسکتا ہے۔ ہم کچھ قدروں پر عقیدہ رکھتے ہیں لیکن ہمارا سماج ان قدروں کی بیخ کنی کرتا ہے اس لئے ہماری روزمرہ زندگی ہماری امیدوں کو جھٹلاتی ہے۔ یہی بات ہماری دنیا کو بے معنی بناتی ہے اور اکثر و بیشتر انسانی نسل سے نفرت کا باعث بنتی ہے۔ اخلاقیات کو سطحی اور غیر اہم تفصیلات بنادیا گیا ہے۔ کیا اس طرح جینا اتنا آسان ہے؟ یا کیا ہم مایوسی اور نفرت، سنک اور نکمے پن کے دائرے میں ہی قید نہیں۔ اور یہ کہ ہم اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو ان چیزوں پر ضائع کر رہے ہیں جو نتیجے میں اطمینان بخش نہیں، کیا اس کا علم ہم میں اندرونی کمزوری کا احساس نہیں پیدا کرتا؟ ہمارے سماج کے ہر حصے "ایبسرڈ تھیٹر" سے لے کر پیڈلاک کی ٹوٹی ہوئی کھڑکیوں تک اس کی سچائی کے نشان ملتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا اتنا عجیب نہیں لگتا کہ آدمی اس وقت خوش رہتا ہے جب اس کی زندگی کی بنیاد انسانی قدروں پر ہو۔ اگر ہم سلامت رہے تو ہمارے لئے دو ممکن مستقبل ہیں۔ ایک یہ کہ ہم ٹیکنالوجیکل چیونٹیاں بن کر پیدائش ہی سے کسی بے روح و لچک سماج کی مشین میں لگا دیئے جائیں یا دوسرا یہ کہ ایسے انسان بنیں جو فطری اقدار سے منحرف نہ ہو کر ایماندارانہ زندگی گذارتے ہیں۔

اس فیصلے سے کہ آپ اور خوش اور ہوش مند اور عقل مند بنیں گے، آپ زیادہ کچھ نہیں حاصل کر سکتے۔ اس کا انحصار ایک حد تک سماج پر ہے اور آپ اس وقت اپنی زندگی کو بدل سکتے ہیں جب آپ سماج کو سماج میں اپنے کردار کو بدلیں۔ اگر' مثال کے طور پر سماج' حرص و لالچ کی ترغیب دلائے اور پھر بھی اس کی بنیاد دوسری سوسائٹیوں کی قربت پر ہو' تو اس کو آپ بغیر کسی تشریح کے سمجھ سکتے ہیں۔ ہم کس طرح کا سماج چاہتے ہیں؟ پُرانا' سادہ کلچر جس کا رشتہ دھرتی سے استوار تھا۔ آج جا چکا ہے اور وہ لوگ جو اس کلچر کے ہنر اور کاریگری سے ایسے واقف ہوں کہ دوسروں کو سکھا سکیں زیادہ تعداد میں نہیں ـــــ لیکن یہ ہنر آج صنعتی کلچر کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے کافی نہیں جس کا بہت پیچیدہ ٹیکنالوجیکل رشتہ صرف زمین سے نہیں' پوری فضاء سے ہے۔ ہمیں اپنی ٹیکنالوجیکل ثقافت کو بامعنی بنانا ہوگا اور بے مہار تجارتی رویے سے اسے نجات دلانی ہوگی۔ کسی فیکٹری میں بذات خود کوئی بُرائی نہیں۔ اس کی اچھائی بُرائی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اور کیسے کارخانے وہاں موجود ہیں، ان میں کیا بنایا جاتا ہے اور انھیں کس طرح چلایا جاتا ہے۔ اور اخیر میں' اس سوال کا جواب وہی لوگ دے سکتے ہیں جو اس کارخانے میں کام کرتے ہیں۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مزدوروں سے کوئی کام لینے والا' ان پر حکم چلانے والا نہ ہو تو وہ دن بھر بندروں کی طرح درختوں پر جھولتے رہیں۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ مزدور اس الجھے ہوئے کام کو کس طرح چلا سکتا ہے؟ مگر اصل سوال یہ ہے کہ ہم اس الجھن سے کس طرح نکلیں۔ اسی لئے جمہوریت کا نہ ہونا' اناڑی پن پیدا کرتا ہے۔ ہمارے مسائل زیادہ جانکاری زیادہ کنٹرول' زیادہ سماجی انجنیئرنگ، زیادہ جبر' زیادہ انعام، زیادہ ہنرمندی سے حل نہیں کئے جا سکتے۔ ماہرین اس الجھے ہوئے عناصر کی ترتیب کو بدل سکتے ہیں یا کچھ اور عناصر اس میں بڑھا سکتے ہیں۔ ٹیکنالوجی کی خامی شاید اتنی ہی سیاسی ہے جتنی ٹیکنالوجیکل، لیکن ہمیشہ یوں ہوتا ہے۔ الجھن کا سبب تلاش کر کے اُسے دور نہیں کیا جاتا بلکہ ایک نئی مشین اس میں شامل کی جاتی ہے تاکہ الجھن کو بڑھنے نہ دیا جائے یا اس کی پھر سے تقسیم کی جائے اور بعد میں دوسری مشین لگا کر پہلی مشین کو قابو میں رکھا جاتا ہے (ذریعہ آمد و رفت اس کی بہترین مثال ہے) یہاں کوئی ساختی منطق نہیں، تنظیمی سادگی کو حاصل کرنے کا کوئی طریقہ نہیں، صحیح معنوں میں کوئی ارتقائی شعبہ نہیں۔ ٹیکنالوجی مسائل کو حل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ لیکن مکمل ٹیکنالوجیکل ثقافت" وقت سے پہلے بکھر سکتی ہے، شاید دوسری ثقافتوں سے زیادہ تیزی سے اور بار بار ٹوٹ سکتی ہے کیونکہ اس کے مختلف حصوں میں ساختی یکجہتی نہیں ہوتی اور الگ الگ ٹیکنالوجی ہمیشہ باہم دست و گریباں رہتی ہیں۔ انتشار اس لئے ہے کہ مشینوں اور ٹیکنالوجی کو انسانوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔ ایک ہی طریقہ جس سے کام چلاؤ سادگی حاصل کی جا سکتی ہے وہ یوں ہے کہ لوگ خود فیصلہ کریں کہ وہ کس نہج پر زندہ رہنا اور کس طرح کام کرنا چاہتے ہیں اور کس طرح کی جماعت یا گروہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ اس طرح سے آدمی مشینوں کی زیادہ سے زیادہ غلامی سے نجات پائے گا۔

سیاست دانوں نے تین سو سال تک جمہوریت کے بارے میں تقریریں کی ہیں اور آج عوام جمہوریت کی توقع رکھتے ہیں ریاست اور اتھارٹی کا جادو اُتر چکا ہے، اتھارٹی کا سیاسی ڈھانچہ اب نہ کسی پر رعب جما سکتا ہے نہ ہی خوف زدہ کر سکتا ہے۔ اگر اتھارٹی آسمان سے نازل ہوئی ہو تو مرعوب کر سکتی ہے لیکن ماہرین کے پاس ایسا کوئی اخلاقی جادو تو ہے نہیں پھر

کوئی وجہ نہیں کہ ماہرین آپ کے لئے کام نہ کریں۔ اگر کوئی خدا پہ یقین نہ رکھے تو وہ دنیا کا کاروبار اچھی طرح کیسے چلائے گا؟ لوگوں کی اکثریت آج اس بات کو نہیں مانتی کہ اگر فرزند خدا دوبارہ جنم لے تو بہتر ہے کہ اُسے ایٹن (ETON) میں تعلیم کے لئے بھیجا جائے۔ کامگاروں کا بہت بڑا طبقہ اس کو تسلیم نہیں کرتا کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس سے زیادہ اس بات کی جانکاری رکھتے ہیں کہ وہ کس طرح زندگی بسر کریں۔ اور کام کریں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ مزدور جو کچھ کام کریں وہ عملی اعتبار سے سو فیصدی درست ہوگا۔ ذمہ داری سے کام اسی وقت ہوگا جب ذمہ داری حاصل ہو پھر ہم تجربے سے سبق لیتے ہیں، یہ سیکھتے ہیں کہ ہم کیا نہیں جانتے اور کس طرح کی تعلیم ہمیں چاہئے اور ذمہ داری سنبھالنے کا وقت اس وقت آتا ہے جب وہ لوگ جو پہلے سے ذمہ دار ہیں ان سے ٹھیک سے نباہ نہ سکیں جیسے اور آج ہماری حالت یہی ہے ہمارے مسائل ختم نہیں ہوں گے اور ہم بنے بنائے باشعور اور ہوشمند سماج میں قدم نہیں رکھیں گے۔ لیکن ہم اپنے سماج میں منطقی روش کو اپنا سکتے ہیں اور مسائل کو اور زیادہ پیچیدہ بنانے کے بجائے انھیں حل کر سکتے ہیں۔ ہمیں اپنے سماج کے لئے ایک نیا مقصد اور ایک نیا کلچر چننا ہوگا۔ اور ایک کلچر ایسا ہے جو تیار شدہ ہے اور سینکڑوں برسوں سے پروان چڑھ رہا ہے۔ یہ جمہوریت ہے۔



پروگرام برائے بُنیادی ضروریات

بُنیادی ضروریاتی پروگرام ـــــ ریاست آندھرا پردیش کے غریب ترین طبقات کو پلاننگ و ڈیولپمنٹ کے فائدے بہم پہنچانے کی اسکیموں پر عمل پیرا ہے۔

یہ پروگرام ـــــ دیہات میں بجلی کی سربراہی، ابتدائی تعلیم، پرائمری ہلتھ سنٹر، پانی کی سربراہی، دیہاتوں میں سڑکیں ـــــ اور سلم ایریا کی ترقیوں پر توجہات مرکوز کرتا ہے۔

اس اسکیم کے تحت پانچویں منصوبے میں ۵۰٫۵۰ کروڑ روپے منجملہ تخمینہ کے ۴۳٫۴۹ کروڑ روپے صرف کیئے جا چکے ہیں۔

D.G.I. & PR.
40/78-79.

آر۔ ایم۔ سنگھ

برتلت بریخت ــــ جدید نظریۂ تھیٹر

برتلت بریخت BERTOLT BRECHT (۱۸۹۸-۱۹۵۶) اپنے وقت کا سب سے اہم تمثیل نگار ہے فن تمثیل کے نظریاتی پہلو پر جتنی خامہ فرسائی برتلت نے کی شاید ہی کسی دوسرے تمثیل نگار نے کی ہو۔ اس کی نظریاتی تحریروں پر مشتمل سات جلدیں جرمن زبان میں منظر عام پر آ چکی ہیں۔

وہ تھیٹر کی ایک ایسی قسم یا وضع کا متلاشی تھا جو رائج الوقت جدید تھیٹر کے لئے موزوں و مناسب ہو۔ اپنے نظریات کی تشکیل سے قبل بریخت نے ماضی و حال کی معاشی صورت حال کا بھرپور جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ تھیٹر تفریح اور دلجوئی کا مقام ہے چنانچہ اپنے ایک مضمون A SHORT ORGANUM FOR THE THEATRE میں وہ لکھتا ہے کہ تھیٹر کا وسیع اور ارفع مقصد محظوظ کرنا ہے نیز اس کے لئے تکلف و انبساط کے علاوہ کسی دوسرے جواز کی ضرورت نہیں لیکن اُسے محض تبلیغ اخلاق کا ذریعہ بنانا بھی اس کے منصب کے منافی ہے۔ لیکن منافی اس وقت ہوگا جبکہ تھیٹر اخلاقی درس کو دلکش بنانے میں ناکام رہے۔

انسان کی معاشرتی زندگی کی عکاسی کے ذریعہ ایسے انبساط کی فراہمی جو جامع اور مکمل ہو تھیٹر کے لئے ایک ضروری شرط قرار دینے کے ساتھ ساتھ بریخت اعلان کرتا ہے کہ ہم خود کو سائنٹفک دور کی پود گردانیں آج انسانی زندگی اور اس کی الجھنوں کا تعین بڑی حد تک سائنسی علوم ہی کرتے ہیں۔

حیات انسانی کے تناظر میں سائنس اور آرٹ کے اشتراک کا ذکر کرتے ہوئے بریخت کہتا ہے کہ ایک کا مقصد انسانی فلاح و بہبود ہے تو دوسرے کا منصب سامان تفریح مہیا کرنا ہے۔ مزید براں وہ کہتا ہے کہ تھیٹر کو چاہیئے کہ وہ معاشرہ کی زبردست لہروں کے ہمدوش ہو اور حقیقت سے ہم آہنگ رہے۔ اس طرح تھیٹر، حقیقت کی موثر عکاسی کرنے میں کامیاب ہوگا اور اس کا ربط ان لوگوں سے رہے جو سماج میں عظیم تبدیلیوں کو بروئے کار لانے کے لئے مضطرب ہیں اس کے لئے اپنی سرگرمیوں کو مضافاتی علاقوں

تک پہنچانا ہوگا تاکہ تھیٹر ایسے افراد کی دسترس میں ہو جو محنت کش ہیں اور پیداوار میں اضافہ کرتے ہیں۔ بریخت اعتراف کرتا ہے کہ بہت ممکن ہے یہ لوگ تفریح کے اس نئے طریقے کو سمجھنے سے قاصر رہیں اور اس فن کے لئے یہ مشکل اخراجات برداشت کریں تاہم وہ تلقین کرتا ہے کہ اگر ہم یہ جان لیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ وہ کس انداز میں چاہتے ہیں تو ہم ان کے اس جبری اجتناب کا قلع قمع کرسکتے ہیں۔ انھیں تفریح کے اس نئے طریقے سے مانوس کریں تاکہ سائنسی دور کی یہ پود تھیٹر کو قائم و دائم رکھے۔ چونکہ تھیٹر کی زندگی کا تمام تر انحصار انھیں پر ہے۔

بریخت آگے لکھتا ہے کہ اس طرح تھیٹر تعلیم اور ترسیلِ عامہ کے لوازم سے قریب تر ہو جائے گا۔ علم کے خام مواد کی اقسام (جو تفریح کی راہ میں حائل ہوتی ہیں) زیر بار ہوئے بغیر بھی تھیٹر درس و تدریس، اور جستجو و تحقیق میں فرحت و انبساط تلاش کرے گا۔ انسانی معاشرت کے ماضی اور حال کے تجربات اب تھیٹر کچھ اس انداز میں پیش کرے گا کہ سامعین اپنے عصر یا صدی کے سب سے زیادہ دانش مند با حوصلہ اور سرگرم عمل افراد کے جذبات، احساسات اور بصیرت کی داد دے سکیں۔

بریخت کہتا ہے کہ تھیٹر سامانِ لطف و مسرت بہم پہنچائے گا۔ عقل و دانش کے ذریعہ جو مسائل کے حل میں مضمر ہے۔ غصہ اور احتجاج سے جو پسماندہ طبقات سے ہمدردی کا عملی اظہار ہے۔ ان کے احترام کے ساتھ جو عظیم المرتبت ہیں اور جو انسانیت کا احترام کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ تھیٹر تماشہ بینوں کو اپنے دور کے مخصوص ضابطۂ اخلاق سے لطف اندوز کرتا ہے جو کہ پیداوار (PRODUCTIVITY) کا رہین منت ہوتا ہے حتیٰ کہ مکمل طور پر غیر سماجی واقعات و حالات، بھی معاشرہ کی تفریح کا باعث ہو سکتے ہیں اگر ان کو موثر اور شاندار پیمانے پر پیش کیا جائے۔ کسی بھی سانحۂ عظیم کے جاہ و جلال سے محظوظ ہوا جا سکتا ہے بشرطیکہ سماج اس کو قابو میں لانے پر قادر ہو۔

بریخت نے اپنا مقصد ایک ایسے تھیٹر کی ترویج و ترقی قرار دیا جو کھیل اور تفریح کو "سائنسی دور کی پود" میں اسٹیج پر پیش کردہ واقعات کی جانب تنقیدی رجحان پیدا کرنے کے مفید سماجی عمل سے مربوط کرے۔ اس نے روایتی تھیٹر کو ان مقاصد کے حصول کے لئے ناموزوں قرار دیا چونکہ روایتی تھیٹر اسٹیج پر پیش آنے والے واقعات میں سامعین کو جذباتی طور پر ملوث کرتا ہے اس لئے ناظر کو تنقید کے ذریعہ معقول اور معروضی نتائج اخذ کرنے اور معاشرے میں رونما ہونے والی سائنٹفک تبدیلیوں میں موثر طور پر حصہ لینے سے باز رکھتا ہے اس کا عقیدہ ہے کہ "تبدیلی" فطرت کی منطق کا خاصہ ہونے کی حیثیت سے تخلیق کی ایک مستقل علامت ہے۔

روایتی تھیٹر کی اساس ارسطو کے نظریۂ تطہیر CATHARSIS پر ہے۔ ناظر جب اسٹیج پر پیش کئے جانے والے ناٹک کو دیکھتا ہے تو موقتی طور پر مجتمع جذبات کے تناؤ سے تنقیح و تزکیہ کے ذریعہ نجات حاصل کرتا ہے لیکن معاشرے میں ترقیاتی تبدیلی کے احساس اور شعور کے بغیر ہی یہاں سے اپنی سپاٹ اور بے لطف روزمرہ زندگی کی طرف لوٹتا ہے۔ بنا بریں بریخت نے حسی اور جذباتی تطہیر کے روایتی تصورات کو رد کرتے ہوئے اپنے رزمیہ تھیٹر کے قیام کو ضروری قرار دیا۔

اپنے اس نئے تھیٹر کے آغاز کے ذریعہ بریخت تماشہ بین کو زیادہ سے زیادہ عقلی طور پر ماخوذ و ملوث کرنا چاہتا ہے اس کے لئے وہ اپنی معروف ٹکنیک "VERFREMDUNG" یا جذباتی علاحدگی (ALIENATION) کو استعمال کرتا ہے

جو رمزیہ حقیقت نگاری کا ایک اہم اور بنیادی عنصر ہے۔ اس کا مطلب ناظر اور اسٹیج پر پیش کردہ واقعات کے درمیان ایک معروضی فاصلہ (OBJECTIVE DISTANCE) تخلیق کرنا ہوتا ہے جس کے ذریعہ ناظر کو ناٹک کے واقعات میں جذباتی طور پر ملوث ہونے سے روکا جاتا ہے۔

اشیاء اور واقعات جس کو کہ ناظر ایک طے شدہ نقطۂ نظر سے دیکھنے کا عادی ہوتا ہے۔ ان کو بالکل ہی نئے اور غیر مانوس انداز میں پیش کیا جائے تاکہ اسمیں ذہنی اور تنقیدی سوجھ بوجھ فروغ پا سکے۔

بریخت کے لئے رمزیہ تھیٹر کا ارتقاء ناگزیر تھا۔ بحیثیت ایک سچے فن کار کے وہ چاہتا تھا کہ ناظرین فرسودہ عقیدوں کی اندھی تقلید نہ کریں بلکہ طبقے سے اپنی وابستگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے آزادانہ طور پر مقصدی نتائج اخذ کریں تاکہ وہ سماج میں تبدیلی لانے کے لئے خود اپنی راہیں تلاش کر سکیں۔ (انگریزی سے ترجمہ ــــ افضل حسین)

"شلپکار" کا

"دھن دولت"

(سینما اسکوپ ایسٹمین کلر)

ستارے

راجندر کمار
مالا سنہا
رشی کپور
نیتو سنگھ
پریم ناتھ
پریم چوپڑہ
اللہ
پران

□

موسیقی
آر۔ ڈی۔ برمن

پیشکش
ونود شاہ۔ ہریش شاہ

مکالمے
ساگر سرحدی

کہانی اور منظرنامہ
سچن بھومک

ہدایات
دلال گوہا

آر ایم سنگھ
انگریزی سے ترجمہ محمد انیس الدین

اسٹینس لاوسکی ــــ نظامِ اداکاری

" اسٹینس لاوسکی (STANIS LAVSKY) ماسکو تھیٹر کے اس عظیم اداکار، ڈائرکٹر پروڈیوسر کو جدید تھیٹر کے اولین معمار اور ایک خاص " نظامِ اداکاری " (SYSTEM OF ACTING) کے بانی کی حیثیت سے بین الاقوامی سطح پر عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھا اور قبول کیا جاتا ہے۔ اداکاری کے سائنٹفک اصولوں کی تدوین جو قوانین فطرت پر مبنی ہوں اس کا ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی تاحال کوئی مثال نہیں ملتی۔

اسٹینس لاوسکی کے کارنامے بظاہر تو بہت سادہ ہیں لیکن درحقیقت ان میں اتنی گہرائی ہے کہ ایک ایسا اداکار ہی اس سے مکمل استفادہ کرسکتا ہے جو خداداد صلاحیت کے ساتھ ساتھ انسانی نفسیات سے بھی واقفیت رکھتا ہو۔ بایں ہمہ کوئی امر مانع نہیں کہ ایک مبتدی یا اوسط درجہ کا اداکار اس نظام سے اکتسابِ فیض نہ کرے۔

اداکاری کے مبتدیوں لیکن مخلص فنکاروں سے اسی تعلقِ خاطر نے ڈائرکٹر آر ایم سنگھ صاحب کو اس مختصر شرح کے تصنیف کرنے پر مائل کیا جو کہ نہ صرف تمثیلی فنون (THEATRICAL ARTS) میں بر سہا برس کی ریاضت کا تجربہ ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسٹینس لاوسکی کے اس مخصوص نظام اداکاری کی نظری اور عملی سطح پر مسلسل آزمائش کے نتائج کا ماحصل ہے۔ یہ شرح بہرحال اسٹانسلاوسکی کے اصلی تصانیف کا نعم البدل تو نہیں قرار دی جاسکتی لیکن فن اداکاری پر اس کی دو شاہکار تصانیف ــــ 'AN ACTOR PREPARES' اور "BUILDING A CHARACTER" کے مطالعہ کا محرک بن سکتی ہے۔

اگر بادی النظر میں اسٹینس لاوسکی کے نظام اداکاری پر عمل کرنا مشکل محسوس ہو تو میں شائقین کو تلقین کرتا ہوں کہ وہ بالکل پریشان نہ ہوں کیونکہ یہ محض ایک نظریہ ہی نہیں بلکہ زندگی کا گہرا مشاہدہ کرنے والوں کے لئے ایک نایاب تحفہ ہے۔ اس نظام اداکاری کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے اس کا تدریجی مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ یہاں پر اس امر کا تذکرہ ناگزیر معلوم ہوتا ہے کہ مبتدی اداکاروں کو نہ صرف اپنی انفرادی بلکہ سماجی زندگی سے بھی اخذ و استفادہ کرتے رہنا چاہیئے۔ تاکہ ان کا ذہن تعصبات سے پاک رہے اور وہ زندگی، فطرت اور ماحول کا گہرا مشاہدہ کرسکیں۔ اسٹینس لاوسکی کا نظام اداکاری خواں

فطرت پر مبنی ہے جو اداکار کے لئے ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے لیس ہو کر وہ ہر رول کو بہتر طور پر انجام دے سکتا ہے چونکہ اسکو سماج کے اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی پہلوؤں کو اسٹیج پر پیش کرنا پڑتا ہے لہٰذا معاشرہ کے مختلف طبقوں کا مطالعہ و مشاہدہ اس کے لئے مزید مدد و معاون ثابت ہوگا۔ مختصراً بقول اسٹینس لاوسکی "تخلیقی فن کی بہترین تصنیف خود انسان ہی ہے"

—— ایے۔کے ہنگل

نظریہ کا ارتقاء اسٹینس لاوسکی کا معروف "نظامِ اداکاری" محض غور و فکر کا نتیجہ ہی نہیں بلکہ دیرینہ تجربات کا نچوڑ ہے۔ یہ ایک ایسے شخص کا کارنامہ ہے جس کی زندگی اسٹیج کے فن کے لئے وقف ہو چکی تھی جس نے بحیثیت اداکار اور پروڈیوسر سالہاسال تجربے کئے اور جو کبھی بھی اداکاروں اور سامعین میں مروجہ کامیابی کے معیار سے مطمئن نہیں رہا اسٹینس لاوسکی نے محسوس کیا کہ چند معروف اداکاروں اور تمثیل نگاروں نے اداکاری کے کچھ اصول تو وضع کئے لیکن کسی نے بھی ان اصولوں کو ایک نظام کی شکل نہیں دی جس کے نتیجے میں فنِ اداکاری کے اساتذہ کے پاس کچھ رہا نہیں جس پر کہ وہ اپنی تعلیمات کی بنیاد رکھ سکیں۔

تخلیقی تحریک (INSPIRATION) پر اسٹیج کے نظریہ سازوں نے کافی زور دیا ہے لیکن اسٹینس لاوسکی کے نزدیک اس کی تربیت ممکن نہیں۔ اداکار کی ضرورت کے وقت نہ تو اس کیفیت کو بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ نہ ہی اس گریزاں کیفیت کو دوبارہ گرفت میں لانے کے لئے پروڈیوسر پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ اسٹینس لاوسکی لکھتا ہے کہ پروڈیوسر نہایت چالاکی سے وضاحت کرتے ہیں کہ وہ کس قسم کا تاثر چاہتے ہیں ان کو صرف نتیجہ سے دلچسپی ہوتی ہے۔ تنقید کے ذریعہ اداکار کو یہ تو بتلاتے ہیں کہ اُسے کیا نہیں کرنا چاہیئے لیکن وہ یہ نہیں بتلاتے کہ مطلوبہ تاثر کیسے پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اس امر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہ "پروڈیوسر کی حیثیت ایک ترجمان کی ہوتی ہے" اسٹینس لاوسکی کہتا ہے کہ پروڈیوسر بہت کچھ کر سکتا ہے لیکن وہ ہر چیز کرنے پر کسی طرح بھی قادر نہیں۔ چونکہ تمام تر دار و مدار اداکار پر ہوتا ہے اس لئے اس کے ساتھ مکمل تعاون کرنا اور اس کو واضح ہدایت دینا ضروری ہے۔

اسٹینس لاوسکی کے نظامِ اداکاری کا اجمالی خاکہ اسٹینس لاوسکی کے نزدیک ایک اداکار کے لئے اپنے رول کی ادائیگی سے قبل ایک قسم کی ذہنی و روحانی تیاری ضروری ہے نہ صرف اس کے جسم بلکہ اس کی روح کو بھی ایک نیا روپ دھارنا چاہیئے۔ اداکاری کی شروعات سے قبل ایک اداکار کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ کس طرح اس روحانی فضا میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے وہ چاہتا تھا کہ کوئی ایسا طریقہ دریافت کرے جو وجدانی کیفیت کو بروئے کار لانے میں مدد و معاون ہو۔ ایک ایسی فضا جو کہ اداکار میں اس کیفیت کو اُجاگر کرنے کے قوی امکانات رکھتی ہے اس لئے سوال یہ تھا کہ آیا ایسی "تخلیقی کیفیت" کا حصول اداکار کے لئے ممکن ہے جو محض اتفاقی نہ ہو بلکہ اس کے اپنے ارادے اور خواہش کے تابع ہو۔ اگر اس کیفیت کو بیک وقت ظہور میں لانا ممکن نہیں تو کیا اس کے مختلف عناصر کو بتدریج مربوط کر کے بروئے کار نہیں لایا جا سکتا؟ اس کے لئے چاہیئے کہ اداکار ہر ایک عنصر کو علاحدہ علاحدہ ریعئیل لائے۔

ذہنی یکسوئی (CONCENTRATION) ایک اداکار کے لئے ضروری ہے کہ وہ کردار کے تخلیقی مسائل کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی تمام تر توجہ طبعی احساسات پر مرکوز کرے اور دیگر تہیجات (STIMULUS) سے بے نیاز ہو جائے۔

جذباتی تیاری

اسٹینس لاوسکی کے نزدیک تیسری اہم بات تھیٹر پر اداکاروں کی آمد کے وقت سے متعلق ہے۔ اس کا مشاہدہ رہا ہے کہ اکثر اداکار یہ عادت بنالیتے ہیں کہ تھیٹر پر دس یا پانچ منٹ دیر سے یا بالکل ٹھیک وقت پر پہنچتے ہیں تاکہ اداکاری کے لئے جسمانی طور پر اپنے آپ کو تیار کر سکیں۔ وہ کبھی اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ انھیں جذباتی اور روحانی طور پر بھی تیار ہونا ہے۔ ایک اداکار کو تھیٹر پر مقررہ وقت سے بہت پہلے ہی پہنچ جانا چاہیئے تاکہ اس کو اپنے اسٹیج کے ماحول سے مطابقت پیدا کرنے میں آسانی ہو۔

طلسماتی فضاء

THE MAGIC IF

ایک اداکار کا کام اُسی لمحہ شروع ہوجاتا ہے جبکہ وہ اپنے تخیل سے ایک طلسماتی فضا خلق کرتا ہے۔ اس طلسمی فضاء کی تخلیق کے ساتھ ہی اداکار اسٹیج کے مصنوعی ماحول سے نکل کر صداقت کی ایک اعلیٰ سطح پر پہنچ جاتا ہے۔ ایک مرتبہ اگر وہ اس طلسماتی فضاء پر کامل یقین کرلے تو اپنے تخلیقی کام میں مستعد ہو کر تصور کے ذریعہ اسٹیج کے مصنوعی ماحول کو ایک لطیف حقیقت کا روپ دے سکتا ہے۔

عادت

STAGE کا فن اس امر کا متقاضی ہوتا ہے کہ ہر چیز کو ایک عادت کی طرح اپنایا جائے۔ یہ عمل رول کو اپنانے میں اداکار کے لئے فطرتِ ثانی کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے۔

نفسیاتی ٹیکنک

شعور سے تحت الشعوری کیفیت میں پہونچنے کے عمل ہی کو اسٹینس لاوسکی کے نظام کا محور قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس نظام کے طبعی نفسیاتی (PSYCHO-PHYSICAL) اور خالص نفسیاتی (PSYCHOLOGICAL) اصولوں کا مقصد اداکار کو ایسی تربیت دینا ہے جس کی بدولت وہ اپنے جسمانی اور لاشعوری کیفیات کو حسب منشا روبہ کار لا سکے۔ ایک مرتبہ یہ تحت الشعوری تخلیقی کیفیت وجود میں آجانے کے بعد وہ شعوری کوشش جو اس کو اُجاگر کرنے کا سبب بنی، ضمنی حیثیت اختیار کرلیتی ہے تاکہ یہ محبوب، گریزاں اور لطیف تحت الشعوری کیفیت کسی طرح بھی منتشر نہ ہونے پائے۔

اسٹینس لاوسکی کے نظام اداکاری کو مجموعی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ اداکاری کے لئے اپنے آپ کو ذہنی و جسمانی طور پر تیار کرنا۔

۲۔ ذہنی و جسمانی طور پر رول کی تیاری

اداکاری کے لئے جسمانی آمادگی کا تعلق عضویاتی اور طبعی تیاری سے ہے۔ ذہنی تیاری نفسیاتی ٹیکنک پر مبنی ہے جو اداکار میں ایک ایسی کیفیت پیدا کرتی ہے جو تخلیقی تحریک کا موجب بنے۔

رول کی تیاری سے مراد تمثیلی قصے (DRAMATIC WORK) کا ایسا مطالعہ ہے جو اس کی تہہ در تہہ معنویت کو اُجاگر کرے، اس کی محرکات پر روشنی ڈالے اور نہ صرف مختلف کرداروں (ROLES) کا مفہوم متعین کرے بلکہ تمثیل کی مجموعی معنویت کو واضح کرے۔

اسٹینس لاوسکی کے نظام اداکاری کا بنیادی مقصد و لب لباب کردار کی تخلیق ہے جو کہ حسب ذیل چار مراحل پر مشتمل ہے رول کو اسٹیج پر بخوبی انجام دینے کے لئے اداکار کو چاہیئے کہ وہ ذہن، ارادہ اور احساسات کو ان بنیادی عناصر ثلاثہ کی ذ

سے اپنی فطری تخلیقی صلاحیت کو بیدار کرے۔ پھر نفسیاتی ٹیکنک پر مشتمل حسب ذیل نکات کو ملحوظ رکھے۔

۱۔ جسمانی نقل و حرکت (رول کے جذباتی و تخیلی مناسبت سے)
۲۔ طلسماتی فضا،
۳۔ درپیش حالات
۴۔ محرکوں کے ذریعہ ان احساسات کو متحرک کیا جائے جن کا راست اظہار اداکاری کے ذریعہ ممکن نہیں۔
۵۔ تخیل اور جدت
۶۔ احساس صداقت
۷۔ ترسیل (آنکھوں کے ذریعہ جذبات کا اظہار)
۸۔ داخلی ولولہ و آہنگ
۹۔ جذبات۔ عادات۔ مشق و ریاضت میں منطقی ربط
۱۰۔ داخلی سطح پر رول کی تشکیل اور آخر کار تخلیقی کیفیت جو تحت الشعور کی بیداری کا نتیجہ ہوتی ہے۔

خارجی تکنک

خارجی تکنک حسب ذیل طبعی قاعدوں پر مبنی ہے۔
۱۔ عضلات کا عدم تشنج ۲۔ جسمانی لچک (جذبات اور تاثرات کے مناسب اظہار کے لئے) ۳۔ آواز (تنفس کا زیر و بم) ۴۔ لفظیات (زبان کے مخصوص صوتیاتی تاثر کا احساس) ۵۔ طرز کلام (تلفظ، لب و لہجہ کا اتار چڑھاؤ اور لحن وغیرہ) ۶۔ گفتگو (الفاظ کا ایسا مرقع جو نظری پیکروں کی تشکیل کرے) ۷۔ جسمانی حرکات و سکنات میں تسلسل اور منطقی انضباط
۸۔ اسٹیج کی سجاوٹ۔

بعد ازاں اداکار کو چاہیئے کہ وہ ترسیل اور اداکاری کے مسائل وغیرہ کے تکنیکی پہلوؤں کو اس طرح مربوط کرے کہ وہ مکمل طور پر کامیاب اداکاری کی تشکیل کرسکے۔ اسی طریقہ سے وہ اپنے رول کی آزادانہ تخلیق کرسکتا ہے۔

غالب رجحان

اس سلسلے میں تیسرا اہم نکتہ اس کے اپنے غالب رجحان کی دریافت ہے۔ دراصل یہی وہ بنیادی محرک ہے جو تخلیقی قصہ (ڈراما) کو آگے بڑھاتا ہے۔ اس مرحلے پر اداکار مجموعی طور پر تخلیقی کیفیت سے ہمکنار ہوتا ہے۔

تحت الشعور کی نشو و نما

تحت الشعور کیفیت صرف اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب اداکار تکنک پر اس درجہ قادر ہو جائے کہ وہ بغیر کسی جد و جہد کے خود کو مکمل طور پر وجدان کے حوالے کر دے۔ تحت الشعور کی موج جو کبھی کبھار ہی فنکار تک پہنچ پاتی ہے اس کو ایک انوکھی وجدانی کیفیت اور تخلیقی جذبے سے معمور کر دیتی ہے۔ ان لمحات میں اداکار ایسے نشاط انگیز تجربہ سے دوچار ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی بھی مسرت اس کا نعم البدل نہیں ہوسکتی۔

اداکاروں کے انہی غیر معمولی اور زریں لمحات سے محظوظ ہونے کے لئے سامعین جوق در جوق تھیٹر کو آتے ہیں۔ یہی وہ فن کے گہوارے ہیں جو انسانی ذہن میں اعلیٰ اقدار کی نشو و نما کے ساتھ ساتھ روح کو بھی سرفراز کرتے ہیں اور زندگی کو ایسے تجربوں سے مالا مال کرتے ہیں جو انسان کی مسرت اور اس کے فلاح و بہبود میں اضافے کا باعث بنتے ہیں اس لئے کہا جاتا ہے کہ حقیقی فن کار ہی دراصل روحانی زندگی کا رہنما ہے۔

مصنف: برتولت بریخت (جرمنی)
مترجم: لالہ لاجپت رائے

خدائی فوجدار

پہلا منظر

غفور بھائی ——— گوکل بھائی ——— نارائن داس

جانگی کی سبزی منڈی۔ دو بیوپاری
غفور بھائی اور گوکل بھائی بات چیت میں مشغول ہیں۔
پس منظر میں غفور بھائی کا خزانچی نارائن داس نظر آ رہا ہے۔

غفور بھائی: سالا اکتا مارکیٹ آج کل بگڑ رہا ہے۔ ہم یوسف کے گھر گیا اور جان کے گھر بھی۔ یوسف کا بھائی بولا کہ باتھ روم کو گیا ہے۔ تین کلاک ویٹ کیا پن سالا باتھ روم سے باہر ہی نہیں نکلا۔ دھندے کا حالت اتنا خراب ہے کہ کوئی منہ دکھانے کو تیار نہیں۔ جو منہ دکھاتا ہے وہ روپیہ کمانے کو تیار نہیں۔ سب لوگ تجوری پر سانپ کی طرح بیٹھا ہے۔ اکتا مارکیٹ سے پیسہ غائب ہے۔

گوکل بھائی: تم کٹ کٹ بہت کرتا ہے پن تم دھندے کا بات کرو۔ بول مال بیچنے کا ہے؟

غفور: مال بیچے گا نہیں تو کیا اپنے گھر میں رکھے گا گوکل بھائی پن تم کو نہیں بیچے گا۔ پوچھو کیوں؟

گوکل بھائی: تمہارا کھوپڑی پھر گیا ہے اس لیے ہم کو مال نہیں بیچے گا۔

غفور بھائی: تم بات ہی کھوپڑی گھمانے والا کرتا ہے تمہارے ساتھ دھندا پڑتا نہیں مانگے کو تم کو مال مانگتا ہے اور پھر سستا مانگتا ہے اور جیسے تم ہم کو سلام کرنے کو بھی مانگتا ہے۔ مولی تم کھانے کو سکتا ہی جیسے ہمارے ہاتھ میں ہوئے گا۔

گوکل بھائی: غفور بھائی ہم مارکیٹ کا جانا ہوا ہے تم اکتا باجار گھوم کے آؤ۔ ہم سے کوئی جیاستی دیکھ تو بات کرو۔

غفور بھائی: ہم کو معلوم ہے گوکل بھائی۔ گوبھی کا کھیتی اس برس اچھا ہوا ہے۔ تم بڑا بیوپاری لوگ ہو کر ہم سے سستا بھاؤ مانگتا ہے۔ لیکن مارکیٹ میں تم لوگ اپنا بھاؤ نہیں گرایا۔ ایک دم ناواجب بات۔ ہم سوچا تم ہمارا دوست ہے پن تم بھی ویسا کرے گا جیسا دوسرا بیوپاری لوگ کرتا ہے تو ہمارا تمہارا دوستی کدھر گیا؟

گوکل بھائی: تم دھندے اور دوستی کا میل جوڑی مت لینا تھا۔

غفور بھائی: ہم تم کو مارکیٹ کا جاستی بھاؤ کیسے دے گا۔ جو سب دیتا ہے اس سے جاستی دیوے تو ہم کو بولو۔

غفور بھائی: تم مارکیٹ مارکیٹ کیا کرتا ہے۔ مارکیٹ تو تم لوگ کے ہاتھ میں ہے۔ تم سب لوگ مل کر اپنا مرضی سے بھاؤ گھٹانے بڑھانے کا ہے۔ ہم لوگ کو کتنا کھوٹ ہوتا ہے۔ معلوم ہے ہمارا حالت کتنا خراب ہے۔

گوکل بھائی: ہم کو سب معلوم ہے۔ Misa کے بعد اسمگلنگ کمتی ہونے سے تم کو شپنگ کے دھندے میں بھی کھوٹی ہوا۔ اور دھندا چھوٹ گیا۔

غفور بھائی: چھوٹنے کو تو سالا اپنا سادی بھی چھوٹ گیا تم سے کوئی بات چھپیلا ہے؟۔

گوکل بھائی: اپنے سے تمہارا کوئی بات چھپیلا نہیں ہے غفور بھائی۔ اس لیے ہم بولتا ہے کہ تم ہم سے دھندے کی بات کرو۔ بولو۔ مال بیچے گا؟

غفور بھائی: تم کو س بھائی تے مال بیچے گا تو ہم سالا سڑک پر بیٹھ جائے گا۔ تم کو یہی مانگتا ہے نا؟ اچھا بولو کہ تم ہمارے ساتھ کا ہے کو دھندہ کرنا مانگتا ہے؟ بولو بولو۔

(تھوڑی دیر کے لیے خاموشی)

گوکل بھائی: تم پوچھا تو ہم تم کو بولے گا۔ تم اپنا دوست ہے۔ اس لیے تم کو بولے گا۔ دیکھو ہم لوگ نے جو Cooperative Society بنایا ہے۔ وہ تمہارا جیسا لوگ کا مدد کرنے کو بنایا ہے۔ تم ذرا سوچ کر دیکھو کہ تم کو ہمارے ساتھ دھندہ کرنے میں کتنا فائدہ ہے۔ ذرا سوچ کے دیکھو ٹھنڈی کھوپڑی سے سوچو۔

غفور بھائی: گوکل بھائی۔ سالا ہم بھی اکھا جندگی دھندے میں لگایا ہے۔ یا تو ہمارا کھوپڑی کھالی ہے یا پھر تمہاری کھوپڑی میں زیادہ بھیجہ ہے۔ تمہارے ساتھ ہم کو دھندہ پڑ وڑنا تو ہم کرتا نہیں؟ تمہارے ساتھ دھندہ کرے گا تو ہمارے سر پر ایک بھی بال نہیں رہے گا۔

گوکل بھائی: خالی بال جائے گا سر تو بچے گا۔ اب تم خود سوچ لو کہ سر مانگتا ہے کہ بال۔

(تین آدمی پیچھے سے سٹیج پر آتے ہیں۔ یہ ہیں۔
(۱) مہا دادا دنایک گپتے (۲) اس کا لفٹیننٹ رامو جوشی اور ایک باڈی گارڈ۔
ونایک گپتے، گوکل بھائی کی طرف جس انداز سے دیکھتا ہے کہ اسے اُمید ہے کہ گوکل بھائی کو اس سے بات کرنی چاہیئے۔ رامو جوشی غصہ سے منہ پھیر لیتا ہے۔ یہ سٹیج سے باہر چلے جاتے ہیں)

غفور بھائی: یہ لوگ کون ہیں؟

گوکل بھائی: یہ مہا دادا ہے۔ ونایک گپتے۔ چھوڑو ان کو۔ اپنے دھندے کی بات کرو۔

غفور بھائی: تم دیکھا نہیں تمہاری طرف کیسے دیکھا تھا جیسے تم سے وہ بات کرنے کو مانگتا تھا۔

گوکل بھائی: (گھبراہٹ کی ہنسی کے ساتھ) ہاں وہ ہم سے بات کرنا مانگتا ہے معلوم ہے۔ کیسا بات؟ اپنی موافق دھندہ نہیں کہ ترازو لے کر کچھ بھی بیچو۔ وہ سالا بولتا ہے کہ بندوق کی نال پر کچھ بھی رکھ کر بیچے گا۔ آج کل ایسا دادا لوگ اپنے شہر میں بہت آگیا ہے۔ کوڑھ کی مافق پہلے یہ انگلی پکڑتا ہے پھر بازو۔ پھر کندھا اور پھر سالا اکھے شریر پر پھیل جاتا ہے۔ کیا پھیل جاتا ہے۔ کوڑھ جیسے۔ پتہ نہیں یہ سالا بیماری کدھر سے آگیا۔ روز قتل ہوتا ہے۔ مار پیٹ، دھاندلی بازی ہوتا ہے۔ اس کو مارو۔ اس کو پیٹو۔ اس کا دکان کو آگ لگاؤ۔ اس کا مکان جلاؤ۔ یہ سب دادا گیری ختم کر دینی چاہیئے۔ اک دم خلاص۔

غفور بھائی: (گوکل بھائی کی طرف معنی خیز اور تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے)
لیکن جلدی ختم ہو جانی چاہیئے۔ گوکل بھائی۔ نہیں تو بندوق کی گولی، کوڑھی اور آدمی میں کوئی فرق نہیں کرتی۔

گوکل بھائی: تم ٹھیک بولتا ہے۔ آؤ دھندے کی بات کریں۔

غفور بھائی: (ایک قدم پیچھے ہٹ کر اور گوکل بھائی کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے)
گوکل بھائی۔ تم بھی ہم سے اس دادا کی موافق بندوق کی نال پہ دھندے کی بات کرنے کو مانگتا ہے۔ کیا نام ہے اس کا۔ ونایک گپتے۔ سالے کا شکل تم سے کتنا ملتا ہے۔ ایکدم نہیں۔ پر تھوڑا تھوڑا۔ ہم سالا تم کو پہلے نہیں سمجھا۔ اب سمجھ گیا۔ تم زہریلا سانپ ہے گوکل بھائی۔ اب تم ہم سے دھندے

کھانے پہ بلایا۔ جب ہم لوگ اس کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ اس کا لاش پھٹے انڈے کی طرح ادھر ادھر پڑا ہے۔ دھندے میں آج کل پل بھر میں مندی اور پل بھر میں تیزی ہو جاتی ہے۔

غفور بھائی: مندی ہووے کہ تیزی پر ایک لوگ سبزی تو کھائے گا۔

گوکل بھائی: کون گراہک! کدھر ہے گراہک! آج کل سب کا نیلامی ہوتا ہے فروٹ کا جو نادھندا بھی چوپٹ ہو گیا ہے۔ اپنا صابر بھائی سب کا مال اپنی لاری میں لے کے جاتا تھا۔ اپنے گیراج کو تالا لگا کے بیٹھا ہے۔

شونارائن: ہاں صابر بھائی کا دھندا بھی چوپٹ۔ جب کوئی مال ہی نہیں رہے گا تو لاری پر کیا چلے گا۔

گوکل بھائی: گوبھی کا مارکیٹ بھی ایک دم خلاص سمجھو۔

غفور بھائی: گوکل بھائی تم نامرد آدمی کے مافک بات کرتا ہے۔ کھانے پینے کے دھندے میں کبھی کھوٹ نہیں آ سکتا۔ مندی ہووے کہ تیزی آخر پبلک کو سبزی تو مانگتا ہے۔ اور ہم لوگ سبزی بیچتا ہے۔ ہمارا مال بکنا ہی مانگتا۔

شونارائن: (مہادادا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) — وہ کون ہے؟

(ایک لمحہ کے لیے خاموشی)

غفور بھائی: دنایک گپتے۔

غفور بھائی: سالا سڑیلے کتے کی مافک باس مارتا ہے۔ ہم لوگوں کو دھندا سکھانے کو آیا ہے۔ بولتا ہے کہ سب دکان والا اپن لوگ کا گوبھی لے گا۔ بندوق دکھا کر دکان والے کو بولے گا کہ بولو سالا گوبھی مانگتا ہے کہ گولی۔

(زور سے ہنستا ہے)

شونارائن: اس مافک کاہے کو ہنستا ہے، غفور بھائی!

غفور بھائی: (زوردار ہنسی کے ساتھ) گولی اور بندوق — مال بیچنے کا نیا ڈھنگ۔ اپن لوگوں کے سامنے ماستری کیا ہے۔ یا مہادادا کی مانو یا پھر حاجی ملنگ بابا کی درگاہ پر جا کر بیٹھو۔ ادھر سالا بھیک تو ملے گا۔ (اب غفور بھائی کی ہنسی میں بے چارگی جھلکتی ہے)

شونارائن: سالا کیا سمجھتا ہے خود کو — (بیرے کو بلا کر) اس حرامی کو باہر پھینکو!

غفور بھائی: (بیرے کو) ٹھیرو ٹھیرو — پھینکو نہیں۔ ادب کے ساتھ نکالو

کا بات کرو۔ بندوق کی نال پر گوبھی کا بیوپار۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے اپنا ٹائم خراب ہے۔ گوکل بھائی اور تم ہمارا کھینچ لینا مانگتا ہے۔ اور ہمارے پیٹ پر لات مارنا مانگتا ہے — تم ہم کو برباد کرنا مانگتا ہے۔

گوکل بھائی: غفور بھائی تم پاگل ہو گیا ہے۔

غفور بھائی: ہم پاگل ہو گیا ہے — گوکل بھائی۔ تم سالا ہم کو برباد کرنا مانگتا ہے۔ تم ہم کو برباد کرنا مانگتا ہے — تم ہم کو برباد کرنا مانگتا ہے۔ تم.....

دوسرا منظر

کردار

شونرائن

غفور بھائی

نارائن داس

گوکل بھائی

دنایک گپتے

مادھو چند

ایرانی ہوٹل

(منظر کے کنارے مادھو چند کا سیلون۔ غفور بھائی شونرائن، نارائن داس، خزانچی کچھ کھا رہے ہیں۔ گوکل بھائی کے سامنے دودھ کا گلاس رکھا ہے دوسری میز پر مہادادا، ونایک گپتے ان کی باتوں کو انجان بن کر سننے کی غرض سے بیٹھا ہے۔ کچھ ویٹرز بھی ہیں)

شونارائن: منڈی کا بول بالا۔ دھندے کا سر کالا۔ تھا ٹھیرا ایسے بھکاری چھوکرے کے مافک ہو گیا ہے۔ جو گٹر میں پیسہ ڈھونڈتا ہے۔

نارائن داس: پچھلے کردار کو جانے بھائی ہم آٹھ آدمی کو

پتہ نہیں کب تم سالے کی ضرورت پڑ جائے۔
(سب ہنستے ہیں۔ بیرا جاتا ہے اور ہما دادا کو ہوٹل سے جانے
کے لیے کہتے ہے)

غفور بھائی: بھائی لوگ اپن کی کھوپڑی میں ایک بات آئی ہے۔
ہم لوگ میونسپلٹی کو ٹیکس دیا ہے کیا اپن کو بڑے دن میں
میونسپلٹی اپنا کوئی مدد نہیں کرے گا! اپن سب لوگ مل کے
چلے گا کیدار ناتھ جی کے پاس۔ میونسپلٹی سے قرضہ مانگے گا
اور اپنا مارکیٹ کے باجو میں کولڈ اسٹوریج بنائے گا۔ سالا
سائنس والا لوگ کا کتنا مال ہے۔ اپن لوگ سبزی لاتا ہے
وہ چار چھ گھنٹے تک نہیں بکے تو وہ سڑ جاتا ہے۔ یہ بڑا
بیوپاری لوگ اس کا فائدہ اٹھاتا ہے۔ مارکیٹ میں ذرا
سبزی جاستی آیا تو یہ لوگ ہم سے سستا مانگنے کو لگتا ہے۔
اپن لوگ کولڈ اسٹوریج لگائے گا تو دس دن بھی مال
رکھے گا تو نا جائے گا تاجا۔ میونسپلٹی سے اپن کو قرضہ ملنا ہی
چاہیئے۔ کیا اپن لوگ ٹیکس نہیں دیتا!

شونواش: اپن غفور بھائی کیا تم کیدار ناتھ کے کان میں یہ بات
ڈالا؟

غفور بھائی: ہاں ہم نے بات کیا تھا اس سے۔

شونواش: وہ کیا بولا؟

ملاش داس: وہ کیا بولے گا۔ وہ بولے گا کہ نہیں۔ وہ ہاں کاہے کو
بولے گا۔

غفور بھائی: تم لوگ ہمیشہ الٹا بات سوچتا ہے۔ کیدار ناتھ نمبر
ون آدمی ہے۔ اتنے شہر میں اس مافک آدمی نہیں ملے گا
یہ ہم نہیں اکھا پبلک بولتا ہے۔ اس کا عمر اسی برس کا
ہو گیا پر آج تک اس نے رشوت نہیں کھائی۔ سادھو کی کمائی کو
وہ حرام سمجھتا ہے

شونواش: بس بس غفور بھائی تم کوئی نیا بات نہیں بولا۔ کیا
کیدار ناتھ کو خالی تم جانتا ہے؟ مشکل یہ ہے کہ وہ دھندے
کی بات بالکل نہیں سمجھتا۔ اس کو سمجھائے گا کون؟

ملاش داس: ہاں تم برابر بولا، شونواش ــــ تم نے ہمارا دل
کا بات پکڑ لیا پر پرابلم اس کو بات سمجھانے کا ہے۔

غفور بھائی: دھندے والے کا تکلیف خالی دھندے والا
ہی سمجھتا ہے۔ میئر صاحب کو اگر اپنی تکلیف سمجھانے کا ہے
ہے تو ان کو اپنے دھندے میں ملانا پڑے گا۔ تب میئر صاحب
کو معلوم پڑے گا کہ گوبھی ناریل کے جھاڑ پر نہیں بلکہ زمین پہ
اگتا ہے۔

نراش داس: بھائی لوگ، اپن کیدار ناتھ کی بات کر رہے تھے
دیکھو ہمارے میئر صاحب آ رہے ہیں۔

(کیدار ناتھ اور اس کا بیٹا داخل ہوتے ہیں)

کیدار ناتھ: میں سمجھ گیا تم لوگ کیا بات کر رہے ہو۔ وہی میونسپلٹی سے
قرضہ والی بات نا!
تم لوگ اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔ کولڈ اسٹوریج بنانے کے
لیے قرضہ چاہیے ایک دم بیکار بات!

بیٹا: پاپا کہتے ہیں کہ کولڈ اسٹوریج کے لیے قرضے کی بات ایک دم بیکار
ہے ــــ اور پاپا ہمیشہ ٹھیک کہتے ہیں۔

کیدار ناتھ: میں تم لوگوں کی بدمعاشی اچھی طرح سمجھتا ہوں۔

بیٹا: پاپا تم لوگوں کی بدمعاشی اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اور پاپا جو سمجھتے
ہیں بالکل ٹھیک سمجھتے ہیں۔

غفور بھائی: آپ ایک دفعہ قرضے کے لیے نہ بول دیا کیدار ناتھ جی تو ہم
لوگ دوسری دفعہ آپ کو بولا؟
ہمارے لیے تو آپ کا فیصلہ اوپر والے کا فیصلہ ہے۔

کیدار ناتھ: تم لوگ مشکل میں ہو میں جانتا ہوں لیکن کیا میونسپلٹی
کا روپیہ خیرات کا مال ہے کہ جس کا جی چاہے اپنے جیب میں
ڈال لے۔ آخر مجھے بھی پبلک کو جواب دینا ہے کہ نہیں؟

غفور بھائی: شونواش، دیکھا ــــ تم نے کیدار ناتھ جی کے دل کو
نہیں سمجھتے ہمیشہ مایوسی کی بات کرتے ہو۔

کیدار ناتھ: سوال مایوسی کا نہیں ہے، مگر تم لوگ ایک دوسرے کی پیٹھ
میں چھرا گھونپتے ہو۔ کس لیے؟ ---------

دھندے کے لیے ــــ تم لوگ کیا بیچتے ہو ــــ گوبھی ــــ اور دوسری سبزی بھاجی۔ میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں کو آج کل پیسے کی ضرورت ہے سب کا ہاتھ تنگ ہے۔ مہنگائی نے سب کی کمر توڑ دی ہے۔ میں مانتا ہوں۔ آج لوگ بھنڈیاں خریدتے ہوئے دس بار سوچتے ہیں لیکن بھنڈیاں کے بغیر گذارا ہو سکتا ہے، سبزی کے بغیر نہیں ــــ سبزی اور فروٹ کا کاروبار کبھی گھاٹے کا سودا نہیں ہوتا ــــ تم لوگوں کے اچھے دن جلد آئیں گے۔

نارائن داس: بھگوان تارکا بلت سا جی کرے ــــ تا رامنہ میں گھی شکر۔

غفور بھائی: ہاں حضور آپ کے منہ میں گھی شکر ــــ ہم لوگ کے اچھے دن آنے والے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اچھی بات کیا ہو سکتی ہے۔ ہمارے لیے بھی اور آپ کے لیے بھی۔ یہ آپ کا مہربانی ہے کہ آپ کو گوبھی کے بیوپار پر بھروسہ ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں ــــ مثلاً سبزی، اناج، شکر، گھی، تیل ــــ سرکھاں چیزوں کا دھندہ ہی ایسا ہے کہ میں میں گھاٹا نہیں ہو سکتا۔ ہم لوگ تو حضور بہت گھبرا لوگ ہیں۔ آپ گھبرا دمت۔ ہم آپ سے قرضے کے لیے نہیں بولیں گے۔ وہ تو حضور ہمیں دلائیں گے ہی ــــ آپ کے دھندے سے آج تک کون خالی گیا ہے؟ سارا پبلک آپ کا عزت کرتا ہے۔ کل ہم سب لوگ مل کر فیصلہ کیا کہ آپ نے پبلک کی جو خدمت کی ہے اس کے لیے گوکل بھائی کی کمپنی کے پانچ لاکھ روپے کے شیرز آپ کو دیے جائیں۔ ہم کو یقین ہے کہ پبلک کا تحفہ آپ اس کو قبول کر لیں گے۔
(شیرز کے کاغذات کیدار ناتھ کے سامنے کا ؤنٹر پر رکھ دیئے جاتے ہیں)

کیدار ناتھ: اس کا کیا مطلب ہے؟

غفور بھائی: اس کا مطلب یہ کہ ہم آپ کی بہت عزت کرتے ہیں۔ آپ نے جنتا کے لیے، پبلک کے لیے جو کچھ کیا ہے اُسے ہم بھول نہیں سکتے۔ آپ اپنا زندگی پبلک کو دے دیا پبلک کے لیے اکیلے بیچنے ایک معمولی آدمی کا مانک جیا۔ آخر پبلک کو بھی آپ کی سیوا کرنی چاہیے۔

کیدار ناتھ: (آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں) میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کے پیار کا، آپ کے وشواس کا کیا جواب دوں۔

غفور بھائی: آپ کچھ جواب مت دو کیدار بابو ــــ خالی ہم لوگوں کی طرف سے یہ پانچ لاکھ کے شیرز اپنی جیب میں رکھ لو ــــ ہم جانتے ہیں کہ ان کا آپ کو بالکل ضرورت نہیں۔

کیدار ناتھ: اگر آپ لوگ گوکل بھائی کی کمپنی کے شیرز مجھے دیدیں گے تو بیچارا گوکل بھائی کیا کرے گا؟

نرائن داس: گوکل بھائی دارو کا دھندہ کرے گا سرکار۔ اس کا پھکر مت کرو آپ۔

غفور بھائی: ہم لوگ گوکل بھائی کو دوسرے دھندے میں جا دے گا۔

کیدار ناتھ: آپ لوگوں کا یہ پیار، یہ محبت دیکھ کر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیسے انکار کر دوں لیکن اس کے بدلے میں آپ مجھ سے کچھ نہیں لے سکتے۔ اگر کوئی دے دلا کر مجھ سے کام نکلوانے کی امید رکھتا ہے تو وہ مجھے نہیں سمجھتا۔ کیا میں سمجھ لوں کہ آپ لوگوں نے میونسپلٹی سے قرضہ لینے کا ارادہ چھوڑ دیا ہے۔

نارائن داس: سرکار، جب ایک بار آپ نہ بول دیا تو ہم لوگ کا ہمت نہیں کہ آپ سے قرضے کا بات کریں۔

کیدار ناتھ: میں قرض کی نہیں فرض کی بات کر رہا ہوں۔

غفور بھائی: آپ کی فرض شناسی اکھا پبلک کو معلوم ہے۔ آپ اپنے بیٹے کی طرف دیکھئے آپ اس کے لیے کیا چھوڑ کر جائیں گے ــــ صرف اپنا نام۔ لوگ کہیں گے یہ کیدار ناتھ کا بیٹا ہے ــــ ایک ایمان دار باپ کا بیٹا ہے۔ لیکن ایمان داری آپ کے ساتھ دفن ہو جائے گی ــــ ایمان داری کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو آپ ورثے میں چھوڑ کر جائیں ــــ آپ کا فرض ہے ایمان داری کے ساتھ اپنے بیٹے کے لیے کچھ دولت بھی چھوڑ کر جائیں ــــ

بیٹا: پاپا قرض کی نہیں فرض کی بات کر رہے تھے۔ پاپا ٹھیک

بول رہے تھے۔

شمو تولاش: غفور بھائی ایک دم ٹھیک بولا، میئر صاحب — آپ کو اپنے بیٹے کے لیے بھی کچھ کرنا چاہیے۔ اگر آپ ہمارا تحفہ قبول کریں گے تو یہ ہم لوگ پر بھی کرپا ہوگی اور آپ کے بیٹے کے اوپر بھی۔

غفور بھائی: اگر کیلاش بھائی کمپنی کے شیئرز قبول کر لینے سے سرکار و دیش کا بھلا ہوگا، آپ جیسا ایمان دار آدمی اگر بھی کے دھندے میں آ جائے گا، سرکار اور گٹکھی کا دھندہ ایمان داری کے بغیر چل ہی نہیں سکتا — آپ جیسا ایمان دار آدمی اس دھندے میں ہاتھ ڈالے تو پھر سرکار اپنے ملک میں گھی بھی اور ایمان داری — بس ان دو چیزوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا۔

کیلاش ناتھ: تو پھر میں آپ لوگوں کا تحفہ قبول کرتا ہوں!

بیٹا: تو پاپا آپ لوگوں کا تحفہ قبول کرتے ہیں!!

منظر تیسرا

کردار

ونایک گپتے	کریم بھائی
راموجوشی	کرم چند
پھلجھڑی	دو چار گاہک
ڈیسوزا	

ایرانی ہوٹل
پارک اسٹریٹ کی ایک تفریح گاہ

راموجوشی: دادا، میں کہتا ہوں کہ اس طرح منہ لٹکائے بیٹھنے سے کیا فائدہ؟ اس مافک ہم لوگ دل چھوٹا کرے گا تو کام کیسا چلے گا؟ پبلک اپنے بارے میں کیا بولتا ہے اس کو سوچنے کا نہیں۔

ونایک گپتے: (تلخی سے) پبلک اپنے بارے میں کیا بولتا ہے؟ اب پبلک اپنے بارے میں کچھ بولتا ہی نہیں! دو مہینے سے اپن لوگ کچھ لفڑا نہیں کیا، دنگا نہیں کیا۔ دو مہینے پہلے ۱۸ ، ۲۰ مرڈر کیا تھا بس — پبلک کو وہ بھی یاد نہیں۔ اس کے بعد اپن لوگ کیا کیا، کہ پبلک اپن کو یاد کرے گا؟

راموجوشی: تم ٹھیک بولتا ہے دادا۔ اپنے ساتھ کا لوگ بھی اداس ہو گیا ہے۔ اپن کچھ نہیں کرے گا تو پھر یہ لوگ کتنا دن اپنا ساتھ دے گا؟ اپنے کو ابھی نیا پلان بنانا مانگتا ہے دادا۔ تم جو دکان والوں کو بچانے کا پلان بنایا تھا وہ ایک دم فسٹ کلاس پلان تھا، بس اس کو چالو کرو۔

ونایک گپتے: نہیں، ابھی نہیں — کوئی کام نیچے سے نہیں چالو کرنے کا — اس کو ابھی ٹائم لگے گا۔

راموجوشی: ابھی نہیں، ابھی نہیں سن کر اپن لوگ کا بھیجہ پھر گیا ہے۔ دو ماس ہو گیا، گٹکھی والا لوگ اپنے کو انگوٹھا دکھا دیا — اپن لوگ کچھ نہیں کیا۔ اپن لوگ سالا کھالی بات کرتا ہے، پلان بناتا ہے بس، کام نہیں کرتا — پولس سے اپن خالی پیلی ڈرتا ہے۔ اپن کیہوں بجار میں دھمال کیا تو پولس کیا کیا۔ اسمگلنگ کیا، کالا بازار چلایا، پولس کیا بولا۔

ونایک گپتے: پولس لوگ اپن پر گولی چلایا!

راموجوشی: گولی چلایا پن ہوا میں چلایا۔ تم کو گولی نہیں لگا۔

ونایک گپتے: پھر گولی چلایا کیوں؟ ہم بولتا کہ پولس گولی مارا کیوں۔ اس کا مطلب ہے کہ پولس لوگ ابھی تک اپنا ساتھ نہیں ہے — پولس لوگ گولی مارا — گولی ہمارا سر سے دس فٹ اوپر گیا۔ دس فٹ نیچے سے جاتا تو ہم کہاں جاتا؟

راموجوشی: دادا ہمارا سنو، خالی دکان والے کو لوٹنے کے لیے پولس ہم کو گولی نہیں مارے گا۔ اتنا ہم کو کھاتری ہے۔ ہمارا مطلب اپن کو تھوڑا بڑا دھمال کرنا مانگتا۔ اپن لوگ ۳۲ ویں گلی سے دھمال چالو کرے گا۔ ۳۲ ویں گلی جدھر سبزی والا لوگ کا مارکیٹ ہے۔ اپن سب دکان لوٹ لیں گا، سب لکڑی کی توڑ

اٹھا نبزی اور بیچ روٹ رستے پر پھینک دیں گا۔ اور پھر پولیس
گلی میں آئیں گا۔ ادھر بھی دھمال کریں گا۔

وناٰیک گپتے: تمہارا بات قبول۔ اس کے بعد کیا کریں گا؟

راموجوشی: اپنا اس دھمال سے لوگ ڈر جائیں گا۔

وناٰیک گپتے: تمہارا بات قبول۔ لوگ ڈر گیا، پھر کیا کریں گا؟

راموجوشی: پھر اپن یا مڈو رنگ پہلوان کو چار پانچ دن کے بعد
بھیجیں گا۔ اپنا یا مڈو رنگ کان میں پھول اور ہاتھ میں ڈنڈا
لے کر جائیں گا۔ سب دکان والوں سے ملیں گا۔ ان کو
بولیں گا کہ دھمال سے ہم لوگ ان کو بچائیں گا۔ اور بچانے
کے لیے ان کے دھندے کا دس پرسنٹ اپن کو ملنا مانگتا۔
بس۔

وناٰیک گپتے: ہم لوگ دکان والوں کو بچائیں گا۔ پن اپن کو کون
بچائیں گا؟ تم خالی پیلی پھینکتا ہے رامو۔ پہلا کام اپنے کو
بچانا ہے۔ پولیس سے، کورٹ سے اپنے کو کون بچائیں گا۔
—— پہلا اس کا بندوبست ہونا مانگتا —— سمجھا ——
اس لیے ہم بولا کہ اپن کو Racket نیچے سے نہیں
اوپر سے چالو کرنے کا ہے —— تم ہمارا بات سمجھا۔
یہ لیڈر لوگ اپنا کھیسے میں رکھنا مانگتا۔ اور اس کے
لیے پہلا لیڈر لوگ کا کھیسے میں رکھنا مانگتا۔

راموجوشی: یہ تم ٹھیک بولا دادا —— اس کے لیے تو اپن سب تم
کو دادا بولتا ہے —— ہمارا دادا۔ اپن تو سمجھتا ہے کہ فسٹ کلاس
کریم بھائی کو اس کام پر لگانا مانگتا —— کریم بھائی ایک خبر
لایا ہے۔ میونسپلٹی نے گوبھی کا دھندا والوں کو قرضہ دیا ہے۔
گوبھی والوں کو یہ پیسہ کس نے دلایا ہے، دادا —— معلوم
ہے ——؟ میئر نے —— یہ قرضہ کس لیے دیا تھا ——
کولڈ اسٹوریج بنانے کے لیے۔ کولڈ اسٹوریج تو بنا نہیں۔
سب روپیہ اس کا کھیسا اس کا کھیسا میں چلا گیا۔

وناٰیک گپتے: میئر نے قرضہ دلایا ہے —— دلایا ہوگا ——
ٹھیک ہے —— لیکن تم آگے بولتا ہے کہ روپیہ اس کا
کھیسا میں چلا گیا۔ پن تم یہ نہیں بتایا کہ روپیہ کس کے کھیسہ میں
گیا۔ کیا روپیہ میئر کے کھیسہ میں گیا —— تم یہ مالوم کیا؟

راموجوشی: دادا یہی تو مالوم کرنے کا ہے —— لو وہ چھاپے والا
بھی آ گیا —— کیا نام ہے سالے کا ——
: ایک دم بیوڑہ باج۔ پن سالا اکھی دنیا کا خبر رکھتا ہے۔
(ڈیسوزا شراب کے نشے میں دھت داخل ہوتا ہے اور ٹیبل کے نزدیک
بیٹھ جاتا ہے)

ڈیسوزا: پانی پت کی پہلی لڑائی —— پانی پت کی دوسری لڑائی ——
پانی پت کی تیسری لڑائی!! سالا کمال ہے —— (میز پر مکہ مارتا
ہے) سب لڑائی پانی پت میں کیوں ہوتا ہے؟

راموجوشی: (زور سے) —— اے ڈیسوزا، تم پانی پت کب جانے گا؟

ڈیسوزا: ہم پانی پت نہیں جانے گا —— یہ سالا پنجابی لوگ بہت
چالاک ہوتا ہے (کھڑا ہو جاتا ہے) تم لوگ انڈیا کا [illegible]
دیکھا؟ انڈیا پر جتنا لوگ حملہ کیا، پنجابی لوگ ان کو روکا؟ ان سے
لڑائی کیا؟ ایک دم نہیں —— پنجابی لوگ سالا ان کو لسی پلایا
اور ہاتھ جوڑ کر بولا، اتھے لسی کے سوا کچھ نہیں، تسی آگے جاؤ ——
اور سب کو آگے بھیج دیا —— پانی پت —— سالا سب لڑائی
پانی پت میں ہوا —— پہلا لڑائی —— دوسرا لڑائی —— پھر
تیسرا لڑائی —— اپنے انڈیا کو برباد کر دیا یہ پنجابی لوگ۔ (لڑکھڑا
کر پھر کرسی پر گر جاتا ہے)

وناٰیک گپتے: ادھر ہم برباد ہوتا ہے اور اس کو سالے کو انڈیا کا برباد
ہونے کا فکر ہے

راموجوشی: ڈیسوزا، تم اپنے چھاپے میں وہ خبر نہیں ڈالا کہ میونسپلٹی
نے گوبھی والوں کو قرضہ دیا ——

ڈیسوزا: دیا تو تم لوگ کو کیا؟ کیا تم لوگ بھی گوبھی کا دھندا چالو کیا؟ تم لوگ
کو loan مانگتا تو تم لوگ بھی میئر کے پاس جاؤ —— وہ
بھاشن بہت اچھا کرتا ہے۔ مالوم ہے وہ کیا بولا (کھڑا ہو کر خطیبانہ
انداز میں) —— وہ بولا —— گوبھی کا پھول انڈیا کا سب سے
[illegible] کا پھول ہے۔ انڈیا کا پورا اکنامی گوبھی کے

پھول سے چلتا ہے۔ گوبھی کا پھول بغیر بھارت ماتا وڈو (widow) ہو جائے گا۔ آج گوبھی کا بیوپار خطرے میں ہے

——— گوبھی کا سیما دلیش کا سیما ہے ——— آج گوبھی ماتا پہ سنکٹ آیا ہے۔ کیدار ناتھ کا بھاشن اتنا فنٹاسٹک تھا کہ ان کی میونسپلٹی کا ممبر لوگ کی آنکھ سے گوبھی کلسائز کا آنسو گرنے لگا اور سب لوگ [illegible] اوکے کر دیا۔ (ڈیسوزا ناچتا ہے اور گاتا ہے)

گوبھی ——— بھارت کی شان ہے پیارے

گوبھی ——— اپنی جان ہے پیارے

راموجوشی: سالے کو چڑھ گئی ہے ——— بھیجا پھر گیا سالے کا!

ڈیسوزا: ہاں بولو بولو ——— ہم کو چڑھ گئی اور تم سالا سوبر (sober) ہے اس لیے تم کو بھی نہیں معلوم کہ تمہارا کریم لنگر اب کرم چند کے ساتھ مل گیا ہے۔

پھلجھڑی: ——— تم جھوٹ بولتے ہو ——— تم جھوٹے ہو ———

ڈیسوزا: اے پھلجھڑی ——— تمہارا نام پھلجھڑی ہے نا؟ ہم پیپر والا سب کو جانتا ہے۔ ابھی دنیا کو جانتا ہے۔ تم کریم بھائی کا پانچواں وائف ہے ——— نہیں چوتھا وائف کا اسسٹنٹ ——— بولو ہے کہ نہیں؟

ابھی وہ تم سے شادی بنایا نہیں؟

پھلجھڑی: بے ہودہ کتے بکواس بند کر۔

ڈیسوزا: ہم پیپر میں نہیں چھاپے گا لیکن بولے گا ضرور ——— اور تم ونایک گپتے، تم ایک بوگس دادا ہے۔ پتہ نہیں تم کو پبلک کیوں دادا بولتا ہے ——— ہم اکھا زندگی پیپر میں کام کیا ہم بہت دادا لوگ دیکھا ——— تم سے بڑا بڑا دادا ——— لیکن پبلک سب کو بھول گیا ———

——— ایک دادا آتا ہے۔ تھوڑا دن دھمال کرتا ہے ——— چلا جاتا ہے ——— لوگ اس کو بھول جاتا ہے ——— پھر تھوڑا دن پبلک نئے

دادا کو سلام کرتا ہے ——— پھر وہ دادا بھی وقت کی دھول میں کھو جاتا ہے ——— وقت بڑا ظالم ہے ——— وہ بڑے سے بڑے دادا کو دھول میں ملا دیتا ہے ——— تم بھی کل مٹی میں مل جائے گا۔

ونایک گپتے: (غصے میں چلاتا ہے) ——— سالا چپ کر ——— زبان کاٹ دوں سالے کی ———

(سب لوگ ہڑبڑا کر اٹھتے ہیں اور ڈیسوزا کی طرف بڑھتے ہیں)

ڈیسوزا: ہم کو ہاتھ نہیں لگانا ——— ہم پیپر والا ہے ——— تم سب کا فوٹو پیپر میں چھاپے گا ——— پیپر والے کو ہاتھ لگانا آسان نہیں ہے ——— ہم اکھا پبلک کو بتا دے گا کہ تم لوگ کون ہے ——— تم لوگ ....

راموجوشی: (ڈیسوزا کو دھکا مار کر باہر نکالتا ہے) بہت دیکھا ہے تمہارے جیسا پیپر والا۔

ونایک گپتے: نکالو اس کو ادھر ادھر سے بھیجو سالے کو پانی پت....

(ڈیسوزا کو نکال کر راموجوشی واپس آتا ہے)

راموجوشی: دادا تم کو بہت جلدی غصہ آ جاتا ہے۔

ونایک گپتے: یہ تین پیسے کا آدمی اپن سے ایسی بات کرتا ہے جیسے اپن لوگ گٹر کا کیڑا ہے۔ جیسا اپنا کوئی پاور نہیں۔

راموجوشی: دادا یہ اس لیے کہ اپن لوگ بہت دن سے اپنا پاور دکھلایا نہیں تو کس کا ہمت ہے کہ اپنے دادا سے ایسی بات کرے گا۔

ونایک گپتے: ابھی یہ کریم بھائی اور کرم چند کا کیا قصہ ہے۔ ڈیسوزا کیا بولتا؟

راموجوشی: ابھی میں نے سنا ہے دادا کہ کرم چند کل پھول والے کریم بھائی کی دکان پر گیا تھا ——— پھول خریدنے۔

ونایک گپتے: کرم چند پھول لینے کیوں گیا تھا۔

راموجوشی: دادا تم کیا بولتا ہے۔ پھول تو کوئی بھی لے سکتا ہے۔

ونایک گپتے: کرم چند پھول لے تو سکتا ہے لیکن خرید نہیں سکتا۔

راموجوشی: دادا اس کو ارتھی کے لیے پھولوں کی ضرورت تھی۔

ونایک گپتے: کس کی ارتھی؟ تمہاری یا میری ———

راموجوشی: دادا ہم کو ہنسی آتا ہے ——— اپن لوگ ایسا کیوں ہوا

بڑا الفرمالیا ہے کہ لوگ ہماری ارتھیوں پر پھول رکھیں گے۔
اور وہ بھی خرید کر (وہ ہنستا ہے) ۔۔ لو دادا، پانڈو
رنگ آرہا ہے ———
(پانڈورنگ نارائن داس کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔
نارائن داس
کے کپڑے میلے کچیلے ہیں۔ وہ خستہ حال نظر آتا ہے)

پانڈورنگ : دادا، اس کو ملو ——— یہ نارائن داس ہے ——— گوکل
بھائی کی کمپنی کا اکاؤنٹنٹ ———

رامو جوشی : گوکل بھائی کی کمپنی کا آدمی ——— ؟

نارائن داس : اب ہم گوکل بھائی کا آدمی نہیں ہے دادا، ہم
پہلے ——— ایک ہفتہ پہلے اس کی کمپنی میں اکاؤنٹنٹ
کا کام کرتا تھا۔

پانڈورنگ : ہاں دادا ——— ابھی یہ گوکل بھائی کے پاس کام
نہیں کرتا ہے۔ اس کو گومی کے نام سے بھی چڑ لگتا ہے۔ یہ
گومی کھانا بھی ایک دم بند کر دیا ہے۔
بولتا ہے کہ گومی باس مارتا ہے۔

نارائن داس : ہاں جب اس کتے میئر کیدار ناتھ نے ۔۔۔۔

ونایک گپتے : (جلدی سے) کیدار ناتھ ——— اس بڈھے کیدار
ناتھ کا کیا بولا۔

نارائن داس : اس نے مجھے نوکری سے نکال دیا۔

رامو جوشی : گوکل بھائی کی کمپنی سے کیدار ناتھ نے تم کو نکالا۔
گوکل بھائی کی کمپنی سے کیدار ناتھ کا کیا لینا دینا!

نارائن داس : ہاں صاب، میئر کیدار ناتھ نے میونسپلٹی سے
جو قرضہ دلایا وہ کاغذ پر تو گوکل بھائی کی کمپنی کو ملا ہے پن
اس پر پہلا سائن لیا حضور ——— یہ پیسہ کولڈ اسٹوریج بنانے
کے لیے ملا تھا۔ لیکن کیدار ناتھ سب پیسہ لے گیا۔ ہم بولا
کہ گوکل چند کا کمپنی اب کیدار ناتھ کا کمپنی ہو گیا ہے ———
گوکل چند اور گومی کا دوسرا بیوپاری سیٹھ لوگ سب پیسے
کا گول مال کر دیا حضور ———

ونایک گپتے : کیدار ناتھ نے یہ سب کیا؟ یہ تو بہت شرمناک بات ہے ———
بے ایمانی ہے ——— کیا کیدار ناتھ یہ سب کچھ کر سکتا ہے ——— !
کیا وہ بھی دغل بازی کر سکتا ہے؟

پانڈورنگ : ہاں دادا ——— اپن لوگ کو اس کا تو انتظار تھا۔ اب
سمجھ کر اپن لوگ کا دل بھر گیا ——— میئر کیدار ناتھ بھی بے ایمان
نکلا ——— سب لوگ بولتا تھا کہ یہ شہر سر پیٹتا ہے لیکن
کیدار ناتھ ایمانداری کا دیا ہے ——— مگر کون جانتا تھا کہ
یہ دیا پرکاش نہیں اندھیرا پھیلائے گا۔ کیدار ناتھ نے
نارائن داس کو نوکری سے نکال دیا ——— کیوں کہ ۔۔۔۔

ونایک گپتے : پانڈورنگ، نارائن داس کو بولنے دو۔

نارائن داس : ہاں صاب میں ہی بولے گا ——— کیدار ناتھ نے
ہم کو نوکری سے نکال دیا ——— اکاؤنٹ لکھنے میں ہمارا
تھوڑا سا مسٹیک ہو گیا ——— ہم بے ایمانی نہیں کیا حضور۔
——— ہم اپنا بچے لوگ کا قسم کھاتا ہے ——— لیکن
کیدار ناتھ ہم کو بے ایمان بولا ——— ہم کو بولا تم چور ہے،
بے ایمان ہے۔ وہ بڈھا سالا خود چور ہے بے ایمان ہے۔
وہ پبلک کا پیسہ کھایا ہے۔ میونسپلٹی کے قرضے کا پیسہ اس
نے خود لیا ——— اور سالا ہم کو بے ایمان بولا، ہم کو نوکری
سے نکال دیا ——— وہ حرامی کا بچہ ———

رامو جوشی : نارائن داس ——— تھوڑا آرام سے ——— تمہارا خون
گرم ہو گیا ہے جب سب پبلک کو معلوم ہوئے گا تو سب کا
خون گرم ہو جائے گا ——— اور پبلک کیدار ناتھ کا بھوت
بھی کر دے گا۔ کیوں دادا، آپ کیا بولتا ہے؟

ونایک گپتے : نارائن داس جو کچھ بولتا ہے، وہ سب کے سامنے
بولے گا۔ کیا وہ پبلک کے سامنے بیان دے گا!

پانڈورنگ : کیوں نہیں دادا، وہ تیار ہے۔

ونایک گپتے : تو تم اس کو سنبھالو ——— اس پر نظر رکھو (جانے کے لیے
اٹھتا ہے) رامو تم چلو میرے ساتھ۔ اب اچھا کو معلوم

ہے کہ کیا کرنا ہے ــــــ اب یہ سودا ہم کریں گے۔

نارائن داس: ہاں حضور، یہ سودا اب ہو جانا چاہیے (وہ ایک گھنٹہ۔ راموجوشی اور ان کے باڈی گارڈ نارائن داس کی بات سنے بغیر ہی چلے جاتے ہیں۔ پانڈو رنگ نارائن داس کی پیٹھ پہ ہاتھ جماتا ہے)

پانڈو رنگ: گھبراؤ مت ــــــ سودا ہو جائے گا اور جب دادا کہتے ہیں تو سودا ہو گیا سمجھو۔

نارائن داس: لیکن میرا حصہ؟

پانڈو رنگ: نارائن، دادا سودا چکانے گئے ہیں۔ جب سودا ہو جائے گا تو دادا سے تمہیں حصہ مانگنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، سمجھے!

چوتھا منظر

میئر کیدار ناتھ کا Country house

کیدار ناتھ اور اس کا بیٹا دکھائی دیتے ہیں۔

کیدار ناتھ: مجھے یہ مکان ــــــ یہ مکان قبول نہیں کرنا چاہیے تھا۔

بیٹا: بالکل نہیں کرنا چاہیے تھا!

کیدار ناتھ: انھوں نے گوکل چند کی کمپنی میرے نام کر دی یہ بات سمجھ میں آتی ہے ــــــ وہ میری عزت کرتے ہیں۔ جنتا کی جو سیوا میں نے کی ہے اس نشکام سیوا کے بدلے میں اگر انھوں نے گوکل چند کی کمپنی مجھے تحفے میں دے دی۔ یہ بات کسی حد تک واجب ہے!

بیٹا: بالکل واجب ہے پاپا!!

کیدار ناتھ: اور اگر میں نے گوکل جی کے دھندے کو چوپٹ ہونے سے بچانے کے لیے میونسپلٹی سے قرضہ دلوایا تو یہ بھی کوئی غیر مناسب بات نہیں ہے۔

بیٹا: بالکل غیر مناسب نہیں ہے!

کیدار ناتھ: لیکن مجھے تحفے میں یہ شاندار مکان قبول نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کیوں کہ گوکل بھائی کی کمپنی کا مالک بن جانے کے بعد گوکل جی کے بیوپار میں بھی میرا ہت شامل ہو گیا ــــــ اور میونسپلٹی سے قرض دلوا کر میں نے اپنے ہت کی بھی رکھشا کی! بیوپاریوں کے اور میرے ہت ایک ہو گئے! اور پبلک کو یہ معلوم نہیں ہے۔

بیٹا: بالکل معلوم نہیں ہے!

کیدار ناتھ: لیکن قرض دلوانے کی حد تک بات مناسب تھی ــــــ اپنی حد کے اندر تھی۔ مگر اس کے بدلے میں مجھے یہ شاندار مکان، یہ عالی شان بنگلہ تحفے میں نہیں قبول کرنا چاہیے تھا۔ میرا من کہتا ہے کہ یہ بات غلط ہو گئی ــــــ

بیٹا: ایکدم غلطی ہوئی!

کیدار ناتھ: مجھ سے ایسی غلطی کیسے ہو گئی؟

بیٹا: کیسے ہو گئی!

کیدار ناتھ: مجھ جیسے تجربہ کار آدمی سے یہ غلطی کیسے ہو گئی۔ ہم پھنس گئے ہیں۔

بیٹا: بالکل پھنس گئے ہیں!

کیدار ناتھ: یہ مکان میں نے تحفے میں کیوں لیا؟ (کھڑکی کے پاس آ کر) شاید یہ ان ناریل کے خوب صورت پیڑوں کا قصور ہے کتنے اونچے اور کتنے شان دار ہیں یہ پیڑ ــــــ ان کے پتوں کی سرسراہٹ میں کتنا مدھر سنگیت ہے۔ یہاں سے تم چاندی کی طرح چمکتی ہوئی سمندر کی لہروں کو دیکھ سکتے ہو ــــــ کتنا سکون ہے یہاں۔ کتنی شانتی ہے سارے واتاورن میں ــــــ لیکن سارا قصور ان ناریل کے پیڑوں کا ہے جنہوں نے اپنے مایا موہ میں مجھے پھانس لیا اور میرے قدم لڑکھڑا گئے اور میں نے یہ مکان تحفے میں قبول کر لیا۔ ناریل کے پیڑ اتنے خوب صورت کیوں ہوتے ہیں! سارا قصور ان خوب صورت پیڑوں کا ہے!

بیٹا: یہ پیڑ کل ہی کٹوا دو پاپا!

نوکر داخل ہوتا ہے)۔ سرکار کوئی وناسک گپتے آپ سے ملنے آئے ہیں ــــــ!

کیدارناتھ: ونایک گپتے؟ غنڈہ!

نوکر: ہاں صاحب وہی ہوگا — ایک دفعہ اس کا فوٹو چھپا تھا اخبار میں!

کیدارناتھ: اس کو باہر پھینک دو — نکال دو — اس پھکتے غنڈہ کو!

(ونایک گپتے اور راموجوشی داخل ہوتے ہیں۔)

ونایک گپتے: میر کیدارناتھ جی — نمستے!

کیدارناتھ: میں کہتا ہوں یہاں سے نکل جاؤ!

راموجوشی: جی جی — ہم آپ سے ملنے آئے ہیں میر صاحب — ہم آپ سے دوستی کرنے آئے ہیں — آج سنڈے ہے۔ آپ کو فرصت ہے — ہم لوگ کے واسطے تو ہر روز سنڈے ہے۔

کیدارناتھ: میں کہتا ہوں تم لوگ یہاں سے فوراً چلے جاؤ!

بیٹا: میرے پاپا کہتے ہیں کہ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ!

راموجوشی: میرے منے، ہم لوگوں نے سن لیا ہے — تم چپ رہو —

ونایک گپتے: (پرسکون لہجے میں) — میر کیدارناتھ۔

کیدارناتھ: (بیٹے سے) نوکروں کو بلاؤ۔

راموجوشی: میرے منے تم یہ کمرہ چھوڑ کر مت جانا ہاں۔ ذرا ادھر کھڑکی سے جھانک کر دیکھو اور گن کر پاپا کو بتلاؤ کہ ہمارے ساتھ اور کتنے لوگ ہیں!

کیدارناتھ: اس کا مطلب یہ ہے تم لوگ ہنسا کرنے آئے ہو!

راموجوشی: جی نہیں — ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم چرخہ چلانے والے لوگ ہیں!

(خاموشی)

ونایک گپتے: شرمائیں میر صاحب — میرا خیال ہے کہ آپ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے! لوگ کہتے ہیں کہ میں برا آدمی ہوں۔ لوگوں کا تو کام ہی دوسروں پر کیچڑ اچھالنا ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اپنے بارے میں، اپنے سپنوں کے بارے میں خود کچھ بتاؤں تاکہ آپ مجھے سمجھ سکیں اور میں آپ کو سمجھ سکوں!

کیدارناتھ: مجھے تمہارے سپنوں سے کوئی سروکار نہیں!

ونایک گپتے: لیکن مجھے ہے۔ آج سے ۲۰ برس پہلے جیسے ٹسے کی کہ ایک انسان پیٹ میں بھوک اور آنکھوں میں روٹی کا سپنا لے کر اس مہانگری میں آیا تھا۔ لیکن اس نے دیکھا کہ یہ شہر — یہ مہانگر اس کے گاؤں کی بنجر دھرتی سے بھی زیادہ بے رحم اور پتھر دل ہے — تب اس نے سوچ لیا کہ وہ مہانگری سے لڑے گا۔ اس لڑائی میں وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس نے اپنی طرح کے سات بھوکے اور بے سہارا لوگوں کو اپنے ساتھ لے لیا۔ ان کے ارادے مضبوط تھے اور ان سب نے طے کیا کہ اس بے رحم شہر سے وہ سب حاصل کریں گے جو مٹھی بھر لوگوں کو حاصل تھا۔ اس طرح وہ سات سے تیس ہو گئے — اور مجھے وشواس ہے کہ کل وہ تیس سے تین ہو جائیں گے تین ہزار ہو جائیں گے — اور بڑھتے جائیں گے — لیکن آپ میر صاحب یہ سوچ رہے ہوں گے کہ آخر میں یہ سب رام کہانی آپ کو کیوں سنا رہا ہوں۔ آپ کے من میں یہ سوال ضرور اٹھتا ہوگا کہ آخر میں آپ سے کیا چاہتا ہوں۔ آپ سے کیا امید رکھتا ہوں! کچھ زیادہ نہیں — صرف اتنا کہ آپ محکمہ پولس سے کہہ دیں کہ وہ ہمارے کام میں ٹانگ نہ اڑائے۔

کیدارناتھ: کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں پولیس سے یہ کہوں کہ وہ تم جیسے لوگوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرے!

ونایک گپتے: جی ہاں — کم از کم اس وقت تک جب کہ ہم اپنی کارروائی کر رہے ہوں — اور ہماری کارروائی کیا ہوگی۔ اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ ہم دکانداروں سے کس طرح نپٹتے ہیں۔

کیدارناتھ: دوکان داروں سے تم کو کیا دلچسپی ہے؟

ونایک گپتے: ہم دکان داروں کو لوٹ مار، مار پیٹ اور ہفتہ

بچانا چاہتے ہیں۔ ہم ان کی رکھشا کرنا چاہتے ہیں۔ اور ضرورت پڑے تو ہم اس کے لیے خود مار پیٹ اور ہنسا کا استعمال بھی کر سکتے ہیں۔

کیدار ناتھ: شہر کے میئر کی حیثیت سے میں کہہ سکتا ہوں کہ دوکاندار کو لوٹ مار اور ہنسا سے اس وقت کوئی خطرہ نہیں ہے۔

ونایک گپتے: ہے! آج کل کی مہنگائی کے مارے ہوئے لوگ کسی وقت بھی قانون کو اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہیں۔ دوکان دار کب تک آنے والے خطرے کو ٹال سکتے ہیں؟ جی!! میرا خیال ہے کہ دوکاندار امن شانتی کے ساتھ کرنا چاہیں گے ہم ان کو معمولی اور مناسب معاوضے کے بدلے میں یہ امن اور شانتی دے سکتے ہیں۔ ہم ان کی رکھشا کر سکتے ہیں۔ کیا سمجھے! اور میرا خیال ہے کہ ان کو ہماری رکھشا کی ضرورت ہے!

کیدار ناتھ: میرا خیال ہے کہ انھیں تمہاری رکھشا کی کوئی ضرورت نہیں ہے!

ونایک گپتے: تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ اپنا برا بھلا نہیں سمجھتے تو انھیں سمجھانا چاہیے۔ دوکاندار طبقہ محنتی اور ایماندار ہوتا ہے لیکن اس کی نظر اس کے ترازو سے آگے نہیں جاتی اور حضور! ایک دوکاندار ہی کیوں —— میں تو یہاں تک کہوں گا کہ یہ خطرہ آپ کی کوآپریٹیو کو بھی ہے۔ میں اس کی اور آپ کی بھی رکھشا کر سکتا ہوں۔

کیدار ناتھ: کوآپریٹیو کے کاروبار سے میرا کیا واسطہ! کوآپریٹیو کا کیا بنتا اور بگڑتا ہے۔ اس سے مجھے کوئی مطلب نہیں!

ونایک گپتے: کوآپریٹیو سے آپ کا کیا واسطہ ہے اس پر بعد میں بات ہو سکتی ہے۔ لیکن اس وقت کوآپریٹیو کو میرے سورماؤں کی ضرورت ہے جو میری لیڈرشپ میں اس کی رکھشا کریں گے۔

کیدار ناتھ: کوآپریٹیو سے تمہارا کیا واسطہ؟

ونایک گپتے: میرا نہیں! آپ کا واسطہ ہے۔

کیدار ناتھ: کوآپریٹیو سے میرا کیا واسطہ ہے؟ تم چاہتے کیا ہو! تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔ میں ابھی پولس کو بلاتا ہوں۔

ونایک گپتے: پولیس! آپ پولس کو بلائیں گے!!

کیدار ناتھ: کیا تم نے سنا نہیں۔ ہاں ہاں! میں پولس کو بلاتا ہوں۔

ونایک گپتے: تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ سیدھی طرح نہیں مانیں گے۔ (چیخ کر) تو اچھی بات ہے۔ میں ٹیڑھی انگلی سے گھی نکالنا بھی جانتا ہوں۔ میرے پاس تمہارے خلاف ثبوت موجود ہیں کہ تم بے ایمان ہو۔ تم نے کولڈ اسٹوریج بنانے کے نام پر میونسپلٹی سے لیے ہوئے روپے میں ہیرا پھیری کی ہے۔ میں سارے اسکینڈل کا بھانڈا پھوڑوں گا۔ گوکل بھائی کی کمپنی کے اصلی مالک اب تم ہی ہو —— گوکل بھائی کی کمپنی تمہاری ہے۔ تمہاری ہے اور تمہاری ہے —— تم نے میری شرافت کا بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ میں میونسپلٹی کے ممبروں کو سارے معاملے کی چھان بین کے لیے کہوں گا اور انھیں چھان بین کرنی ہی ہوگی۔ میں یہ بات اخبار والوں تک پہنچاؤں گا!

کیدار ناتھ: اوہ، آج صبح سویرے کس منحوس کا منہ دیکھا تھا۔ سنو ونایک! ساری دنیا جانتی ہے کہ میں زندگی کے اسی برس نیکی سچائی اور ایمانداری کے سیدھے راستے پر چلتا رہا ہوں۔

ونایک: بس آخری عمر میں تم ایک غلط گلی میں مڑ گئے۔

کیدار ناتھ: لیکن میرے جو دوست ہیں وہ کبھی اس کا اعتبار نہیں کریں گے......

ونایک گپتے: دوست؟ کون دوست؟ کس کے دوست؟ کل تک سب تمہارے دوست تھے آج تمہارا کوئی دوست نہیں ہے اور کل؟ کل سب تمہارے دشمن ہوں گے —— اس وقت صرف میں ونایک گپتے تمہاری مدد کروں گا!

کیدار ناتھ: تم میری مدد کرو گے؟ کان کھول کر سن لو کہ اس معاملے میں کوئی چھان بین نہیں ہوگی۔ راج نیتی میں میرے بال سفید ہو گئے ہیں۔

ونایک گپتے: میئر صاحب، اب صرف آپ کے بال سفید ہیں، باقی سب کچھ کالا ہے۔ اس لیے (کیدار ناتھ کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرتے ہوئے) میں پھر کہتا ہوں کہ میں اور صرف میں ہی تم کو بچا سکتا ہوں۔

کیدار ناتھ: کبھی نہیں، ونایک گپتے —— میں تباہ ہو جاؤں گا لیکن تم جیسے غنڈے اور بدمعاش کے ساتھ کوئی سودا نہیں کروں گا۔

سمجھے!

وناٹکلی گپتے : رامو جوشی ——— چلو ہم چل رہے ہیں۔

(وہ سر جھکائے راموجوشی کے ساتھ چلا جاتا ہے)

کیدار ناتھ : اف! اس بدمعاش کی موجودگی میں میرا دم گھٹ رہا تھا ——— اب کچھ ہلکا محسوس ہو رہا ہے۔ بس اس مکان کی وجہ سے گڑبڑ ہو گئی۔ میرے بیٹے ہمیں یہ مکان تحفے میں نہیں لینا چاہیے تھا۔

بیٹا : بالکل نہیں لینا چاہیے تھا!

نوکر : (داخل ہوتے ہوئے) ——— صاحب، کوئی شونرائن اور غفور بھائی آپ سے ملنے آئے ہیں۔

(شونرائن اور غفور بھائی داخل ہوتے ہیں)

کیدار ناتھ : ہلو، شونرائن! غفور بھائی ——— شہر میں کیسا چل رہا ہے۔

غفور بھائی : کچھ ٹھیک نہیں چل رہا، سرکار ——— لیکن ابھی ابھی میں نے وناٹک گپتے کو جاتے دیکھا ہے۔ وہ اور آپ کے یہاں ؟

کیدار ناتھ : (مجبوری کی ہنسی لاتے ہوئے) ——— ہاں آیا تھا۔ مجھ سے سودا کرنے آیا تھا۔ دھمکی دے رہا تھا۔ میں نے اسے باہر نکلوا دیا۔ بن بلایا مہمان! ہوں!!

شونرائن : پکا بدمعاش ہے، سرکار ———

غفور بھائی : خیر کیدارناتھ جی ——— وہ جو میونسپلٹی کے قرض کی بات تھی نا!

کیدار ناتھ : (ہنستے ہوئے) کیوں، اس کا ذکر کیسے!

شونرائن : سرکار، وہ اس لیے بولا کہ سالا ہڈی گلے میں تھوڑا پھنس گیا ہے۔ اس کو نیچے اتارنا ہی ہوگا۔ کچھ لوگ ہوتا ہی ایسا ہے، خود کھا نہیں سکتا۔ دوسرا کھائے گا تو اس کا پیٹ میں درد پڑے گا۔ کل میونسپلٹی کا میٹنگ میں کچھ ممبر لوگ بولا کہ قرضہ کے معاملے میں کچھ گڑبڑ لگتا ہے۔

کیدار ناتھ : گڑبڑ۔

غفور بھائی : یہ گھبرانے کا کوئی بات نہیں ——— گڑبڑ کا بات بولنے والا دو چار ہی ممبر لوگ تھا۔ میجارٹی بولا۔ گڑبڑ کا بات مت بولو یہ قرضہ ہمارا میئر کیدارناتھ جی نے منظور کیا۔ میجارٹی اتنا بولو کہ گڑبڑ کرنے والا لوگ گڑبڑا گیا۔ میجارٹی بولا ہمارا میئر صاحب راجہ ہریش چندر ہے۔ ایک دم ایمان دار ——— سالا لوگ آپ کا ایمان داری کا تعریف کیا ——— اور زندہ باد بولا۔

کیدار ناتھ : ہوں!

غفور بھائی : میونسپلٹی میں آپ کا پارٹی والا میجارٹی میں ہے۔ اگلے برس چناؤ ہونے والا ہے اس لیے وہ لوگ پورا پورا کوشش کیا کہ آپ کا نام خراب نہیں ہو وے۔

کیدار ناتھ : ہوں!

غفور بھائی : آپ کا پارٹی والا لوگ بولا۔ میئر کیدارناتھ جی، ایمانداری، سچائی، نیکی، کا جیتا جاگتا سمبل ہے۔

کیدار ناتھ : ہوں!

شونرائن : یہ سب ٹھیک ہے ——— لیکن اس کے بعد دو ٹنگ پھلا اور سب لوگ بولا کہ سارے معاملے کا چھان بین کرنا مانگتا ہے۔ سانچ کو آنچ کیا!

کیدار ناتھ : چھان بین ؟؟

غفور بھائی : لیکن اس معاملے میں اپنا کوآپریٹیو ایک دم صاف ہے ——— لون کولڈ اسٹوریج کو دیا گیا تھا ———

کیدار ناتھ : گوکل بھائی کی کمپنی کو ——— !

غفور بھائی : اس لیے انکوائری ہووے گا تو گوکل بھائی کی کمپنی کا یعنی کہ آپ کا۔ گوکل بھائی کی کمپنی سے پوچھا جائے گا کہ کولڈ اسٹوریج کے لیے جو روپیہ دیا گیا تھا اس کا کاغذ کا حساب دکھاؤ۔

شونرائن : انکوائری کا کام سین صاحب کرے گا۔

غفور بھائی : اس لیے اپن لوگ کو اپنے بھروسے کا آدمی مانگتا ہے جو انکوائری کے بعد بولے سب ٹھیک ہے۔ کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔

شونواش : اپن کو ـــــ یعنی اپنے بھروسے کے آدمی کو یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ گوکل بھائی ـــ نہ جاستی بولے نہ کمتی۔ وہ اتنا بولے جتنا کہ اپن لوگ اس کو بولنے کو بولے ـــــ

کیدارناتھ : میں سمجھ رہا ہوں!

غفور بھائی : آپ سمجھ رہے ہیں' سرکار تو اپن کو فکر کرنے کا کوئی بات نہیں۔ اب آپ ہم کو اپنا مکان گھماؤ۔ صاحب اُدھر دیکھو کھڑکی سے ـــــ کیا لمبا لمبا ناریل کا جھاڑ ہے ـــــ سرکار واہ وا!

کیدارناتھ : میں سمجھ رہا ہوں کہ ہمیں بھروسے کا آدمی ڈھونڈنا ہوگا۔

غفور بھائی : سرکار' آپ میونسپلٹی کے لفڑے کو بھول جاؤ ـــــ ادھر دیکھو سرکار جھاڑ کے اوپر چڑیا لوگ کیسا چوں چوں کرتا۔

پانچواں منظر

میونسپلٹی ہال۔ ایک طرف غفور بھائی' شونواش اور کیدارناتھ کا بیٹا ـــــ دوسری طرف کیدارناتھ ہے جس کے منہ پر سفید چک پٹی بندھی ہے۔

شونواش : (دھیمی آواز میں) ـــــ اسے آنے میں اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے ـــ؟

غفور بھائی : وہ گوکل بھائی کو لانے کو گیا ہے ـــ جب تک گوکل بھائی آنے کو راضی نہیں ہوتا وہ کیسے آسکتا ہے۔ اکھا رات گوکل بھائی کے ساتھ معاملہ پٹانے کا بات چلتا رہا۔ گوکل بھائی کو اپنا گواہی میں بولنے کا ہے کہ وہ ابھی تک کمپنی کا مالک ہے ـــ

شونواش : ارے۔ ارے ـــــ یہ تو لفڑے کا بات ہے ـــــ گوکل بھائی اکھا پبلک کے سامنے کیسے بولے گا کہ وہ گھپلا کیا ـــــ

کیدارناتھ کا بیٹا : ایسا وہ کبھی نہیں بولے گا!

غفور بھائی : اس کا باپ بھی بولے گا۔ بولے گا نہیں تو کدھر جائیگا

بیٹا : وہ کیوں بولے گا ـــــ بولے گا تو پانچ برس جیل جائے گا۔ ـــــ پانچ برس!

غفور بھائی : تو تمہارا پاپا کس واسطے ہے ـــــ تم دیکھنا کہ گوکل بھائی جیل کے اندر نہیں جائے گا۔ تمہارا پاپا ایسا بندوبست کرے گا کہ گوکل بھائی کو سزا ملے گی ـــــ لیکن کاغذ کے اوپر ـــــ لیکن گوکل بھائی جیل سے باہر رہے گا ـــــ تم اپنے پاپا کو کیا سمجھتا ہے؟

(اخبار بیچنے والے لڑکوں کی آوازیں۔ ڈیسوزا ہاتھ میں اخبار لیے ہوئے آتا ہے)

ڈیسوزا : گوکل بھائی کو قتل کر دیا گیا!

غفور بھائی : اوہ!

ڈیسوزا : گوکل بھائی کی لاش ہوٹل کے کمرے میں ملی۔

شونواش :۔ (اخبار پڑھتے ہوئے) اس کی جیب سے ایک ٹکٹ بھی ملا کشمنڈو کا۔

غفور بھائی : (دھیمی آواز میں) ـــــ میرا خیال ہے کہ ان کے بیچ معاملہ پٹا نہیں۔

کیدارناتھ : کیا گوکل بھائی مر گیا ہے۔

ڈیسوزا : گوکل بھائی کا مرڈر ہو گیا ہے ـــــ مرڈر!

غفور بھائی : کیدارناتھ جی' آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟

کیدارناتھ : (مشکل سے) ٹھیک ہو جائے گی۔ ٹھیک ہو جائے گی۔

(انکوائری افسر سین اور کلرک رگھوناتھ داخل ہوتے ہیں)

سین : سب لوگوں کو معلوم ہوگیا ہے کہ مسٹر گوکل بھائی کی موت ہو گئی ہے۔۔۔۔۔

غفور بھائی : آپ کا مطلب ہے گوکل بھائی کا بے ٹائم موت سے انکوائری کا کام مشکل ہو جائے گا۔

سین : کچھ مشکلیں ایسی ہوتی ہیں جو کچھ لوگ اپنی آسانی کے لیے پیدا کرتے ہیں اور کچھ مشکلیں ایسی ہوتی ہیں جو مشکل سے مشکل بات کو آسان بنا دیتی ہیں۔ بہرحال دوستو ـــــ مجھے اس انکوائری کے سلسلے میں آپ لوگوں سے بہت سے سوال کرنے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ لوگ جواب میں یہ نہیں کہیں گے کہ گوکل بھائی سے پوچھا جائے کیوں کہ آپ سب جانتے ہیں کہ گوکل بھائی

سے اب کچھ پوچھا نہیں جا سکتا۔ اخبار والوں کی اطلاع ہے کہ گوکل چند کو کل رات سے ہی خاموش کر دیا گیا ہے

شونواتش: لیکن گوکل بھائی کا مرنے کے بعد انکوائری کیسا۔؟ قرضہ تو گوکل بھائی کی کمپنی کو ہی دیا گیا تھا۔

سین: کیوں کیدار ناتھ جی آپ کو بے حد پسینہ آ رہا ہے۔ ذرا کیدار ناتھ جی کو ہوا لگنے دیجئے۔ (دوسروں سے) گوکل چند کو چند گھنٹوں کے بعد آگ کے سپرد کر دیا جائے گا اور میں آپ لوگوں سے امید رکھتا ہوں کہ ایسی حالت میں اس کی ذات پر کوئی کیچڑ نہیں اچھالا جائے گا مجھے شک ہے کہ۔۔۔۔

غفور بھائی: سین صاحب، آپ شک کا کا ہے کو کرتا ہے اپنا ملک میں قانون ہے کہ۔۔۔

شونواتش: گھبرانے کا کوئی بات نہیں۔ گوکل بھائی مر گیا تو مرجانے دو ——— اپنا میر صاحب ایک اور آدمی کو پکڑا ہے۔ جو سچ سچ بولے گا اور ایک دم اکھا سچ بولے گا۔

غفور بھائی: اور سچ کے سوا کچھ نہیں بولے گا۔

سین: اگر ایسا ہے تو بڑی اچھی بات ہے ——— ہمیں سچ بولنے والے آدمی کی ہی ضرورت ہے۔ اور جو آدمی اس سارے معاملے کی سچائی بیان کرے گا ——— وہ یقیناً بے حد شریف آدمی ہو گا اسے پیش کیا جائے۔

شونواتش: وہ آ گیا حضور ———

(ونایک گپتے، راموجوشی اور ان کے باڈی گارڈ حاضر ہوتے ہیں۔

ونایک گپتے: غفور بھائی سلام، میر صاحب نمستے، سب کو نمستے!

غفور بھائی: دادا تم آ گیا ——— بہت اچھا ہوا ——— تم سین صاحب کو سچ سچ بولو ———

ونایک گپتے: سین صاحب پوچھیں گے تو ضرور بولوں گا۔

سین: کیوں میر صاحب ——— یہ آپ کا ہی آدمی ہے!

غفور بھائی: ہاں صاحب ——— میر صاحب اس آدمی کو سچ سچ بولنے کو بلایا ہے۔

ڈیسوزا: اس کا نام ہے ونایک گپتے ——— مہا دادا ——— مہا داؤں کا دادا ———

(سب لوگ ہنستے ہیں)

سین: خاموش، خاموش! میر صاحب کیا آپ اس آدمی کو سنجیدگی کے ساتھ میرے سامنے پیش کر رہے ہیں کہ یہ سچ بولے گا؟

(کیدار ناتھ چپ ہے) آپ کی خاموشی ہی آپ کی زبان ہے

(ونایک گپتے کے باڈی گارڈز پر نظر ڈالتے ہوئے اور انہیں غور سے دیکھ کر) یہ لوگ کون ہیں؟

ونایک گپتے: یہ سب میرے دوست ہیں۔

سین: (راموجوشی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ——— اور وہ کون ہے؟

ونایک گپتے: میرا سکریٹری ہے حضور ——— راموجوشی۔

سین: سو تم ہی وہ آدمی ہو جس پر میر صاحب کو پورا پورا بھروسہ ہے ——— میرا خیال ہے کہ تم چاہو گے کہ ہم بھی تم پر بھروسہ کریں! اچھا تو بتاؤ کنٹراکٹ کے وہ کاغذات کہاں ہیں؟

ونایک گپتے: کونسا کنٹراکٹ۔؟

سین: کونسا کنٹریکٹ! گوکل بھائی کی کمپنی نے گولڈا سٹوریج بنانے کے لیے ایک فرم کو ٹھیکہ دیا تھا۔ اور اس ٹھیکہ کے سلسلے میں ایک کنٹریکٹ پر دستخط کیے گئے تھے۔ میں اسی کنٹریکٹ کی بات کر رہا ہوں!

ونایک گپتے: میں اس قسم کے کسی بھی کنٹریکٹ کے بارے میں نہیں جانتا!

سین: تو تم اس کنٹریکٹ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے

غفور بھائی: تمہارا مطلب ہے کہ ایسا کوئی بھی کنٹریکٹ نہیں ہوا

سین: (جلدی سے) ونایک گپتے، تم گوکل چند سے آخری بار کب ملے۔؟

ونایک گپتے: (انکار میں سر ہلاتا ہے) میں گوکل بھائی سے کبھی نہیں ملا۔

سین : اچھا ـــــ تو تم گوکل بھائی سے نہیں ملے!
ونایک گپتے : (غصے میں بھڑک اٹھتا ہے) ـــــ جو کوئی بھی یہ کہتا ہے کہ میں گوکل بھائی سے ملتا رہا ہوں، وہ ایک نمبر کا جھوٹا ہے۔!
سین : میرا خیال تھا کہ تم گوکل بھائی سے ملتے رہے ہوگے کیونکہ تم اس سارے معاملے کی سچائی معلوم کرنے کی کوشش کرتے رہے ہو ـــــ کیا ایسا نہیں ہے؟
ونایک گپتے : یقیناً میں سارے معاملے کی سچائی تلاش کرتا رہا ہوں۔!
سین : تو شری ونایک گپتے، تو اس سچائی کی تلاش میں تم نے کیا پایا؟
ونایک گپتے : ہمارے میئر صاحب، جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں ایمان داری اور نشکام سیوا کا جیتا جاگتا نمونہ ہیں۔ وہ جنتا کے روپیہ کو برباد ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتے ـــــ ان کا کہنا ہے کہ میونسپلٹی جو روپیہ لوگوں سے ٹیکسوں کی کی صورت میں لیتی ہے وہ جنتا کے پسینے کی کمائی کا روپیہ ہے۔ اس کا ایک ایک پیسہ جنتا کی بھلائی پر خرچ ہونا چاہیے۔ اس لیے انھوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اس معاملے کی جانچ کروں اور پتہ چلاؤں کہ سچائی کیا ہے۔ ـــــ اور مجھے سچائی کا پتہ چلانے کے لیے بڑی کٹھن محنت کرنی پڑی۔ ـــــ اور جو کچھ مجھے پتہ چلا وہ بے حد بھیانک اور خطرناک ہے مجھے پتہ چلا کہ میونسپلٹی کے روپے کا انتہائی غلط استعمال کیا گیا ہے۔ یہ پہلی کڑوی سچائی تھی جو میرے ہاتھ آئی ـــــ اب میرے سامنے اگلا سوال یہ تھا کہ آخر اس روپے کا غلط استعمال کون کر رہا ہے ـــــ مجرم کون ہے ـــــ مجھے کہنے کی اجازت دیجیے کہ اس گتھی کو بھی سلجھانے میں مجھے کامیابی حاصل ہوئی ـــــ اصلی مجرم ـــــ بھگوان اسے معاف کرے ـــــ
سین : اصلی مجرم کون ہے ـــــ بولو!

ونایک گپتے : گوکل بھائی ـــــ
سین : گوکل بھائی! بے چارہ گوکل بھائی ـــــ گوکل بھائی جس سے تم ملے تک نہیں!
ونایک گپتے : آپ میری طرف اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں۔ آپ گوکل بھائی کو یہاں کٹہرے میں کھڑا کیجیے اور پوچھیے!
سین۔ لیکن گوکل چند مر چکا ہے ـــــ
ونایک گپتے : کیا گوکل چند مر چکا ہے؟ مجھے نہیں معلوم۔ میں کل رات نہا نگری میں نہیں تھا۔ میں پونا گیا تھا اور رات وہیں گزاری۔ اس لیے تو گوکل بھائی کی موت کا مجھے پتہ نہیں، میرا اسکریٹری راموجوشی بھی میرے ساتھ تھا!
راموجوشی : گوکل بھائی مر گیا کتنے سنجوگ کی بات ہے کہ اسے اسی ٹائم مرنا تھا۔
ونایک گپتے : یہ سنجوگ کی بات نہیں ہے۔ گوکل بھائی کی خودکشی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ مجرم تھا!
سین : گوکل چند نے خودکشی نہیں کی!
ونایک گپتے : کچھ بھی ہو لیکن میں ایک بات جانتا ہوں ـــــ اور جانتا ہوں کہ آپ سب لوگ بھی جان جائیں کہ وہ شخص جس کا نام گوکل بھائی ہے اور جو ایمان دار بزنس مین نظر آتا تھا ـــــ وہ دراصل ایک نمبر کا بے ایمان چار سو بیس تھا!
سین۔ گوکل چند مر چکا ہے۔ اب کوئی بھی اس کی لاش پر تھوک سکتا ہے ٹھوکر مار سکتا ہے اور گوکل چند کچھ بھی نہیں کر سکتا ـــــ کچھ بھی نہیں بول سکتا۔ اچھا تو میئر کیدار ناتھ جی، میں آپ سے کچھ پوچھوں گا۔
کیدار ناتھ : مجھ سے؟
غفور : (تیزی اور غصے سے) اب آپ میئر صاحب سے کیا پوچھیں گے؟
سین : صرف اتنا کہ ونایک گپتے کے بیان کے مطابق روپیہ ایک کمپنی کو دیا گیا اور اس کمپنی نے روپے کا غلط استعمال کیا اور سارا روپیہ گول مال کر دیا۔ اب سوال یہ نہیں کہ کمپنی کا نام کیا تھا۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ کمپنی کا مالک کون تھا میئر صاحب آپ کی

اس بارے میں کیا رائے ہے؟

کیدارناتھ: میری رائے؟

سیٹھ: کیا یہ ہو سکتا ہے کہ جس وقت روپے کا غبن ہو رہا تھا، بے ایمانی کی جا رہی تھی، کنٹریکٹ کی شرطوں کو روندا جا رہا تھا، اس وقت کمپنی کے مالک آپ ہی ہوں۔

غفور بھائی: سیٹھ صاحب کیا آپ کا مستک پھر گیا ہے؟

سیٹھ: میئر صاحب، آپ کو اپنا وہ بھاشن یاد ہوگا جو آپ نے گومتی کے بیچ پانی کی کشتیوں کے بارے میں میونسپلٹی کے ہال میں دیا تھا۔ اور آپ کے زوردار بھاشن کی وجہ سے میونسپلٹی نے قرض کی منظوری دی تھی۔ کیا آپ کے بھاشن میں یہ اثر اتنا زور صرف اس لیے نہیں تھا کہ آپ بھی گومتی کے بیوپار میں شامل ہو چکے تھے۔!

شونواش: آگے ہمارے میئر صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، اوپر سے سیٹھ صاحب اتنا گندہ بات بولتا ہے!

غفور بھائی: سیٹھ صاحب کو اتنا بھی خیال نہیں کہ میئر صاحب کا کتنا جاستی عمر ہے۔ وہ کتنا بڈھا ہے!

شونواش: آپ لوگ میئر صاحب کا سر کا سفید بال کی طرف دیکھ کر بولو کیا میئر صاحب پاپ کر سکتا ہے۔

راموجوشی: اور سب کچھ بنا ثبوت کے کیا جا رہا ہے!

سیٹھ: جہاں تک ثبوت کا تعلق ہے۔ . . .

ونایک گپتے: خاموش، خاموش — مہربانی کر کے تھوڑا چپ رہو۔

ایک آواز: میئر صاحب، بھگوان کے لیے آپ کچھ بولو — آپ بولو کہ یہ سب جھوٹ ہے۔!

پہلا باڈی گارڈ: دادا بولتا ہے کہ سب لوگ چپ رہو — ہلا مت کرو۔

دوسرا باڈی گارڈ: دادا چپ کرنے کو بولا — دادا کا بات سنو!

ونایک گپتے: سب پبلک جانتا ہے کہ ہمارے میئر صاحب نے جنتا کی سیوا میں سارا جندگی کاٹ دیا۔ ان کے سر کا بال سفید ہو گیا۔ لیکن میئر صاحب کو سیوا کا کیا پھل ملا۔ یہ ناکہ ہم لوگ ان کو بڑھاپے میں ذلیل کر رہے ہیں۔ ان پر بے ایمانی کا الزام لگا رہے ہیں اور یہ کتنے شرم کی بات ہے کہ وہ لوگ جو خود کو میئر صاحب کا دوست بولتا تھا وہ آج چپ کھڑا ہے۔ لیکن ہم کو میئر صاحب پر پورا بھروسہ ہے۔ اگر پبلک ان کے سر کے سفید بال کو دیکھ کے بولے کہ کیا میئر صاحب کوئی کالا دھندہ کر سکتا ہے۔ میئر صاحب کا منہ بچہ لوگ کی طرح معصوم ہے۔ ان کے منہ کو دیکھ کے بولو کیا میئر صاحب کوئی کھوٹا کام کر سکتا ہے!

غفور بھائی: کیدارناتھ جی کی ایمانداری پر شک کرنے کا کس کو ہمت ہے۔ کون مائی کا لال ہے جو میئر صاحب کو بے ایمان بول سکتا ہے۔

سیٹھ: بے ایمانی سے بھی بڑھ کر کیدارناتھ نے جنتا کے ساتھ دھوکہ دیا ہے۔ کیدارناتھ نے اس جنتا کے روپے کا غبن کیا جو جان توڑ کر بچتی آئی تھی۔ کیدارناتھ نے اس جنتا کے روپیہ کی چوری کی ہے جو ان کے سفید بالوں کی عزت کرتی چلی آئی ہے — میں کیدارناتھ پر الزام لگاتا ہوں کہ وہ کمپنی جس کی بے ایمانی کے متعلق بہت کچھ کہا جا چکا ہے، دراصل کیدارناتھ ہی کی کمپنی ہے۔ جس وقت اس کمپنی نے روپے کا گول مال کیا، اس وقت کمپنی کا مالک کیدارناتھ ہی تھا۔

ایک آواز: یہ سب سفید جھوٹ ہے!

ونایک گپتے: ہم کیدارناتھ کے لیے اپنی جان دے سکتے ہیں۔ ان کے شہر سے پوچھا جائے۔ ان کی پبلک سے پوچھ لیا جائے — اور پوچھا جائے کہ کیا کیدارناتھ بے ایمان ہے — ان کا پبلک ایک زبان ہو کے بولے گا کہ نہیں — نہیں — ! — نہیں!!

دوسری آواز: میئر کیدارناتھ پر بھرشٹاچار کا الزام — رام، رام، رام!

تیسری آواز: آج کیدارناتھ جی کو بے ایمان کہا گیا ہے۔ کل کوئی مہاتما گاندھی جی کو بھی بے ایمان بولے گا — تھو!

چوتھی آواز: الزام تو لگایا، سیٹھ بابو آپ نے — پر کوئی

گواہ ہو آپ کے پاس

سیین: گواہ ــــ؟ آپ کو گواہ کی ضرورت ہے تو لیجیے گواہ کو بلا لیتے ہیں ــــ گواہ حاضر کیا جائے!

(رگھوناتھ کلرک دروازے پر جاتا ہے اور کسی کو اندر آنے کا اشارہ کرتا ہے۔

سب

لوگ دروازے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ لمحہ بھر کے لیے خاموشی ــــ اور پھر افراتفری اور بھگدڑ مچ جاتی ہے)

ایک آواز: یہ کیا ہو رہا ہے ــــ گولی چلی ہے ــــ کہاں؟ بلڈنگ کا باہر ــــ نہیں نہیں سیڑھیوں پر مشین گن ــــ ہے بھگوان ــــ یہ کیا ہو رہا ہے ــــ

بھئی گواہ کا کیا نام تھا ــــ

سیین: (چیخ کر) گواہ کو میرے سامنے لاؤ!

(پولس ایک لاش لاتی ہے)

پولیس مین: اس کا نام نارائن داس ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ نارائن داس آج اپنی گواہی پیش کرنے کے قابل نہیں ہے ــــ

(شور اور ہل چل بڑھ جاتی ہے)

سیلا رناتھ: مجھے یہاں سے جانے دو، مفرور بھائی!

(ونایک گپتے کیدارناتھ کی طرف بڑھتا ہے تاکہ ان کا ہاتھ پکڑ سکے۔)

ونایک گپتے: بدھائی ہو کیدارناتھ جی ــــ میں اس طرح کے دو ٹوک فیصلے پسند کرتا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے فیصلہ کر لیا۔

(کیدارناتھ کا ہاتھ پکڑ کر اونچا کرتا ہے۔ شور بڑھ جاتا ہے۔ ونایک گپتے کیدارناتھ کو آگے لے آتا ہے۔)

ونایک گپتے: قتل ہو کہ خون، لاٹھی چلے یا گولی ــــ بلیک میل ہو یا لوٹ مار ــــ یا پھر آگ برسے۔ سچائی سچائی ہے ــــ سچائی کو آگے بڑھنے سے کون روک سکتا ہے۔

ــــ سچائی سورج کی روشنی ہے۔ روشنی کو پھیلنے سے کون روک سکتا ہے ــــ کیدارناتھ کی جے ہو ــــ سچائی کے دیوتا کی جے ہو ــــ ستیم، شیوم، سندرم کے دیوتا کی جے ہو ــــ

جے ہو ــــ کیدارناتھ کا ایمان، دیش کا ایمان ہے۔ ــــ کیدارناتھ کا ایمان ہمارے دھرم کا ایمان ہے۔ کیدارناتھ کا ایمان ہماری سنسکرتی کا ایمان ہے ــــ کیدارناتھ کی جے ہو ــــ لوک نایک کی جے ہو ــــ ستیم، شیوم، سندرم کے دیوتا کی جے ہو ــــ ستیم، شیوم ــــ سندرم۔

چھٹا منظر

ہوٹل عالی شان میں ونایک گپتے کا کمرہ۔ اس کے باڈی گارڈ ایک خستہ حال ایکٹر کو لے کر داخل ہوتے ہیں۔ پس منظر میں کریم بھائی نظر آتے ہیں۔

پہلا باڈی گارڈ: دادا، میں ایکٹر کو پکڑ کر لایا ہوں۔ گھبرانے کی بات نہیں اس کے پاس بندوق وندوق نہیں ہے۔ میں اس کی تلاشی لیا ہے۔

دوسرا باڈی گارڈ: یہ ڈھشوم، ڈھشوم، مار ماری کرنے والا ایکٹر نہیں ہے۔ یہ پہلے سیریس رول کرتا تھا لیکن پبلک نے اس کو خلاص کر دیا۔ آج کل یہ خالی آنٹی کے اڈے پہ ڈائیلاگ بولتا ہے اور آنٹی کا گراک لوگ کو خوش کرتا ہے۔ ایکٹر بہت اچھا ہے۔ آپ اس کا ڈائیلاگ سن کر دیکھو۔

ونایک گپتے: تو سنو، ایکٹر بھائی ــــ ہم کوئی پڑھا لکھا آدمی نہیں ہے۔ پہلے تو ہم ایک دم چالو بھاشا بولتا تھا لیکن ابھی کافی ٹھیک کیا۔ پھر بھی لوگ بولتے ہیں کہ میرا بول چال ٹھیک نہیں ہے۔ کیا ہے کہ اب میں لیڈری کرنے لگا ہوں۔ پبلک کے سامنے

بولنا پڑتا ہے۔ اس لیے تم ہم کو بھاشن کرنا سکھاؤ۔
پالٹکس میں ہم کو کیا کیا شبد بولنا ہے وہ سکھاؤ۔

ایکٹر: پالٹکس اور شبد —— آہا! آپ نے کیا کام کی بات کہی ہے۔ جناب، آج کل شبدوں کی بھی پالٹکس چلنے لگی ہے۔ اب دیکھئے نا جناب، اچھے بھلے لیڈر بکس کو شبدوں کی پالٹکس نے پٹر گھسیٹر بنا دیا ہے۔ اچھی بھلی نکٹائی، کنٹھ لنگوٹ بن گئی ہے۔ آنریری سکریٹری بے چارہ پھوکٹ منتری ہو گیا ہے اور جیسا کہ ہمارے مرزا غالب نے کہا ہے کہ

آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

ونایک گپتے: مرزا غالب کا نام تو ہم نے بھی سنا ہے۔

ایکٹر: مرزا غالب تو رہیں ہی سننے کی چیز —— اور سمجھنے کی چیز۔ مرزا غالب کو سن کر ایک بڑے کام کی بات میں نے سمجھی ہے۔ وہ یہ حضور کہ کہاں پریم کرنا چاہیے اور کہاں عشق! —— ہوا یوں کہ ایک بار میں ڈرامے میں کام کر رہا تھا۔ مجھے اپنی پریمیکا کا ہاتھ پکڑ کر کہنا تھا کہ مجھے تم سے پریم ہو گیا ہے —— لیکن پبلک کو ایسے لگا کہ مجھے زکام ہو گیا ہے۔ مگر دوسری بار جب میں نے کہا۔ جانِ من! مجھے تم سے عشق ہو گیا ہے ——
تو پبلک کو پتہ چلا کہ واقعی کچھ ہوا ہے —— سرکار۔

ونایک گپتے: بولنا تو تم مجھے سکھا دو گے لیکن میں یہ بھی سیکھنا چاہتا ہوں کہ جب مجھے کسی میٹنگ میں، کسی ہال میں بلایا جائے تو میرے سمّان میں کوئی جلسہ کیا جائے تو وہاں مجھے کیسا داخل ہونا چاہیے، لوگوں کے سامنے کیسے چلنا چاہیے۔ تم ایکٹر لوگ اسٹیج پر جیسے چلتے ہیں ویسے۔

ایکٹر: میں سمجھ گیا سرکار —— آپ آئینہ منگوا لیجیے!

ونایک گپتے: آئینہ لاؤ۔

(باڈی گارڈ قدِ آدم آئینہ لاکر رکھ دیتے ہیں)

ایکٹر: میرا خیال ہے کہ آپ شاہانہ چال چلنا پسند کریں گے جیسے شیکسپیئر کے ڈراموں میں ہیملٹ، رومیو، جولیس سیزر وغیرہ چلتے ہیں۔ میں آپ کو ابھی دس منٹ میں سکھا دوں گا۔

کریم بھائی: دادا، یہ کوئی جھوٹا ٹائپ کا ایکٹر معلوم ہوتا ہے۔

ونایک گپتے: ابھی معلوم پڑ جائے گا —— تو تم مجھے اب شیکسپیئر کی طرح چل کے دکھاؤ۔

(ایکٹر (Comic) انداز میں چل کر دکھاتا ہے)

کریم بھائی: ایسا کوئی آدمی لوگ چلتا ہے دادا!

ونایک گپتے: آدمی لوگ کی طرح چلنا ہی کون چاہتا ہے —— آج کل آدمی لوگ آدمی کہاں ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب میں چلوں اور میٹنگ میں داخل ہوں تو سب لوگ مجھے اور صرف مجھے دیکھیں —— بس!

(ایکٹر کی نقل کرتے ہوئے چلتا ہے)

ایکٹر: ذرا اپنا منڈی اوپر کیجیے، سرکار!

(ہاتھ سے ونایک گپتے کے سر کی پوزیشن ٹھیک کرتا ہے)

آپ کا پنجہ پہلے زمین کو چھونا چاہیے —— بہت خوب —— ایک دم ٹھیک —— خالی اپنے ہاتھوں کا دھیان رکھیے۔ ان کو اکڑائیے مت اور دیکھیے آپ اپنے ہاتھ اس جگہ رکھیں۔

(وہ شرمگاہ کی طرف اشارہ کرتا ہے)

ہاں فائن —— ویری فائن —— مگر سر ذرا اور اونچا —— ہاں یہ ٹھیک ہے —— واہ کیا چال ہے سرکار۔ واہ۔ واہ

ونایک گپتے: اب مجھے بتاؤ کہ پبلک کے سامنے کیسے کھڑا ہونا چاہیے۔

ایکٹر: بس آپ اپنے پیچھے دو تگڑے پہلوان لوگ کھڑا کر دیجیے وہ امپریشن پڑے گا کہ بس ——

ونایک گپتے: نہیں —— جب میں کھڑا ہوں تو لوگوں کا دھیان پہلوانوں پر نہیں بلکہ میری طرف اور صرف میری طرف ہونا چاہیے —— اب دیکھیے یوں کھڑا رہوں تو کیسے رہے گا!

(ونایک گپتے پینٹ پہنا رہا ہے اور دونوں بانہیں باندھتا ہے)

ایکٹر: ایسا بھی چلے گا —— لیکن اپنے ڈرامے میں ایسا
خالی حجام ٹک کھڑا ہوتا ہے —— اگر آپ اپنے دونوں
بازو —— لمبے نوزایوں کرلیں تو بات بن جائے گی۔

(ونایک گپتے ایکٹر کی ہدایت پر عمل کرتا ہے)

ہاں —— یہ ٹھیک ہے!

کریم بھائی: پن دادا' تم اس اسٹائل میں کوا پریٹو کا بڑا
بڑا لوگ کے سامنے جائے گا تو وہ سب ہنسے گا!

ونایک گپتے: میں کوا پریٹو کے لوگ کی —— ان تھوڑے سے
بڑے بڑے لوگ کی پرواہ نہیں کرتا —— کالج کا ماسٹر
ہمارے بارے میں یا یہ تھوڑا پڑھا لکھا لوگ ہمارے
بارے میں کیا سوچتا ہے۔ اس کی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔
میں جنتا کے بارے میں سوچتا ہوں —— ایک عام
آدمی کے بارے میں —— عام آدمی پر میرا رعب
پڑنا چاہیے —— اور عام آدمی عام آدمی کو نہیں اپنے سے
ذرا الگ ٹائپ کے آدمی کو پسند کرتا ہے۔ سمجھے!

کریم بھائی: ارے دادا! ایک آئیڈیا آیا —— تم پبلک کے
سامنے 'بالو' کا مافک آؤ —— کڑک اسٹائل میں نہیں۔
بلکہ نرم —— میٹھا —— ہنس مکھ —— مسکراتا ہوا
—— چہرہ۔

ونایک گپتے: یہ کام کے لیے ہمارا کیدارناتھ ہے —— ہم نہیں
سمجھے —— پبلک کو کڑک آدمی کا بھی ضرورت ہے۔
—— جس سے پبلک ڈرے۔

کریم بھائی: کیدارناتھ —— ٹھیک ہے دادا —— ابھی
لوگ اس کا عزت کرتا ہے لیکن ہم بولتا ہے کہ اس کو
خالی گوبھی کے دھندہ میں ہی رکھو۔

ونایک گپتے: کس کو کہاں رکھنا ہے —— یہ فیصلہ میں کروں گا'
سمجھے ——

کریم بھائی: میں کیدارناتھ کے خلاف نہیں ہوں —— دادا
ابھی وہ اپنے کام کا آدمی ہے۔ میونسپلٹی والا لوگ بھی
ابھی اس کو نہیں ہٹائے گا —— اس کو ابھی ہٹائے گا
تو بڑا دھمال مچے گا ——

ونایک گپتے: (ایکٹر سے) تو اچھا اب تم ہم کو بیٹھنا سکھاؤ

ایکٹر: بیٹھنا! بس سرکار بیٹھنا ہی سب سے مشکل ہے
نیا ایکٹر لوگ چلنا بھی سیکھ جاتا ہے —— کھڑا
ہونا بھی سیکھ جاتا ہے۔ پن سرکار —— بیٹھنا
بہت کم ایکٹر لوگوں کو آتا ہے۔ اپنے ملک میں تو کوئی
ایکٹر ایسا ہے ہی نہیں —— راج کپور بیٹھتا ہے
ایک دم خرگوش لگتا ہے۔ دھرمیندر تو ۱۵ پکچر کینسل
کردیا۔ پوچھو کیوں —— اس کو بیٹھنے کا نہیں —— وہ
بولا ہم چلے گا' بھاگے گا' سوئے گا' جھاڑ پر چڑھے گا
موٹر کے نیچے آئے گا' چلتا ٹرین سے چھلانگ مارے گا
پر بیٹھے گا نہیں۔ دلیپ کمار ایک پکچر میں بیٹھنے کا ٹرائی
کیا تو اس کا پکچر بیٹھ گیا —— لیکن ہم آپ کو بیٹھنا
سکھائے گا۔ آپ یہ آرام کرسی لیجئے —— بیٹھئے
مگر پیٹھ پیچھے مت کیجئے۔ ٹیک مت لگائیے ——
سیدھا اکڑ کر —— اور اپنا ہاتھ یوں ران پر اور
پیٹ کے ساتھ ساتھ —— کبھی جسم کو نہیں چھونا
چاہیے —— ہاں —— یوں —— سرکار! آپ
اس طرح کتنی دیر تک بیٹھ سکتے ہیں۔؟

ونایک گپتے: جتنی دیر چاہوں!

ایکٹر: تب ٹھیک ہے —— ایک دم فائن۔

کریم بھائی: دادا' اب کیدارناتھ بوڑھا ہو گیا ہے
آج نہیں تو کل مرے گا —— اس کی جگہ اپنے کو دوسرا
آدمی تیار رکھنا چاہیے۔ پالٹکس میں یہ ضروری ہے
—— میں بولتا ہوں کہ اس کام کے لیے ہم پانڈو
کو تیار کریں۔ وہ ایک دم جوکر آدمی ہے —— ادا
کو ہنسا ہنسا کر پیٹ میں بل ڈال دیتا ہے —— پن

کو بہت پسند کرتا ہے ۔۔۔ کبھی کبھی وہ مسخرے پن میں اپنا بھی ٹوپی اچھالتا ہے ۔۔۔ اور آپ کا بھی!

وِنایک گپتے: میرا بھی؟

کریم بھائی: ہاں دادا ۔۔۔ آپ کا بھی ۔۔۔ میں اس کو بولنا نہیں کہ ہم تم کو بولا ۔۔۔ نہیں تو وہ ہمارا جوک بنائے گا ۔۔۔ آپ خالی اس کا ٹوپی اتارنے کا عادت ٹھیک کرو ۔۔۔

ونایک گپتے: ٹوپی اتارنے کی عادت ۔۔۔ کیا مطلب؟

کریم بھائی: ہاں دادا، اس کا عادت ہے کہ وہ جب کسی کا مرڈر کرتا ہے تو اس کو گولی مارنے کے بعد اس کا ٹوپی اتار لیتا ہے ۔۔۔ خالی اتنا نہیں ۔۔۔ سالا مردے کا ٹوپی پہن کر اس کے شہر میں گھومتا بھی ہے ۔۔۔ کتنی ہلکا بات ہے ۔۔۔ ایک دم بُرا!

ونایک گپتے: اتنی چھوٹی اور معمولی کمزوری کی میں کوئی پرواہ نہیں کرتا ۔۔۔ پانڈو رنگ اپنا وفادار ہے ۔ یہ کافی ہے ۔۔۔ (ایکٹر سے) ۔۔۔ اچھا تو تم اب مجھے بولنا سکھاؤ!

ایکٹر: ہاں سرکار، یہ تو بہت ضروری ہے ۔۔۔ آپ کو اب پبلک کے سامنے بولنا پڑے گا ۔۔۔ لمبا بھاشن دینا پڑے گا ۔۔۔ تو اس کے لیے پہلے آپ کو اپنی زبان صاف کرنی چاہیے ۔۔۔ وہ میں کر دوں گا۔ اس میں تھوڑا ٹائم لگے گا ۔۔۔ اور دوسرا ... آپ فکر مت کیجیے ۔۔۔ میں آپ کو سب سکھا دوں گا

ساتواں منظر

"کرپشن کو ابھیشیو" کا دفتر۔ ونایک گپتے، رامو جوشی، پانڈو رنگ، کریم بھائی اور باڈی گارڈز موجود ہیں ۔ ونایک گپتے [illegible]

ہیں ۔ کیدار ناتھ، ونایک گپتے کے پاس کرسی پر بیٹھا ہوا ہے ۔ کیدار ناتھ صورت سے بیمار نظر آتا ہے ۔ پس منظر میں غفور بھائی دکھائی دیتا ہے ۔

ونایک گپتے: آج سارے شہر میں لوٹ مار، قتل، فراڈ، بلیک میل اور داداگیری کا دور دورہ ہے ۔ آج ادھر گولی چلنے کی خبر آتی ہے تو کل اُدھر چھرا بھونکنے کی ۔ شہر کے شریف لوگوں کے دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہو گئی ہے ۔ کوئی ماں بہن رات کو گھر سے باہر نہیں نکل سکتی ۔ میونسپلٹی اور اسمبلی کے ممبروں کو حالات بدلنے کی ذرا بھی فکر نہیں ۔ میں پوچھتا ہوں کہ آخر جنتا کے یہ نمائندے کس مرض کی دوا ہیں ۔ کیا وہ حالات سے بے خبر ہیں لوگ اپنا پھٹا ہوا سر، ٹوٹی ہوئی ٹانگ، پھوٹی ہوئی آنکھ لے کر جنتا کے ان نمائندوں کے سامنے آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ کیا اس غنڈہ گردی کو نہیں روکا جا سکتا؟ لیکن ان کی کوئی نہیں سنتا ۔ آج میونسپلٹی اور اسمبلی کے یہ ممبر حضرات بدامنی، اشانتی، افراتفری اور بھرشٹاچار کو روکنے کے بجائے "غریبی ہٹاؤ" اور "ڈیموکریسی بچاؤ" جیسے فضول سوالات پر بحث کرنے میں اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں ۔ جب کہ ان کا کام جنتا کی حفاظت کرنا ہے ۔

کریم بھائی: Hear! Hear!

ونایک گپتے: لیکن دنیا میں بدی کی کبھی جیت نہیں ہوئی ۔ یہ دوسری بات ہے کہ آج بدی کی طاقتیں مضبوط ہیں ۔ مان لیجیے کہ میرے پاس ایک چھوٹی سی دکان ہے اور میں بڑے امن اور بڑی شانتی کے ساتھ اپنا کام کرنا چاہتا ہوں

(سلسلہ صفحہ ۶۰ پر)

یا پھر میں ٹرک ڈرائیور ہوں اور مجھے صرف اپنے کام سے
دل چسپی ہے ـــــ مگر اس سے کیا ہوتا ہے! ایک سر
پھرا غنڈہ آتا ہے، میرے منہ پر طمانچہ مارتا ہے اور
میری دکان لوٹ لیتا ہے اور میں کچھ نہیں کرسکتا۔ میں اپنے
ٹرک میں مال لے کر جا رہا ہوں، چند لوگ راستہ روک لیتے
ہیں۔ ٹائر پنکچر کر دیتے ہیں اور سامان لوٹ لیتے ہیں اور
میں کچھ نہیں کرسکتا۔ ہم اس کا مقابلہ کیسے کریں ـــــ
ہمت سے ـــــ لیکن یہ ہمت کیسے آسکتی ہے؟ اس ہمت
کو ہم ایکتا سے حاصل کرسکتے ہیں۔ ہم سب کو ایک ہوکر
منظم ہوکر اس غنڈہ گردی کا مقابلہ کرنا ہے۔ دوسری
چیز جس کی ہمیں ضرورت ہے وہ ہے تیاگ کی بھاؤنا
قربانی کا جذبہ! ہم قربانی سے ڈرتے ہیں، کتراتے ہیں ـــــ
میں نے قربانی کا نام لیا تو میں دیکھ رہا ہوں آپ لوگوں کے
چہروں کا رنگ ہی بدل گیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ
خود سے سوال کر رہے ہیں کہ ہم قربانی کیوں دیں ـــــ ہم
اپنی رکھشا کے لیے اپنے منافع کا دس پرسنٹ کیوں خرچ
کریں۔ میرے دوستو، دنیا میں کوئی چیز مفت نہیں ملتی۔ ہر
چیز کی ایک قیمت ہے۔ اگر کوئی چیز اس دنیا میں مفت
ملتی ہے تو وہ ہے موت! کیا آپ موت چاہتے ہیں؟ یقیناً
نہیں ـــــ تو پھر زندگی کی ہمیں قیمت چکانی ہوگی! دنیا
میں ہر چیز کی قیمت ہے ـــــ رکھشا کی بھی قیمت ہے
ـــــ یہ قدرت کا قانون ہے اور قدرت کا قانون اٹل
ہوتا ہے، اسے نہ آپ بدل سکتے ہیں نہ میں ـــــ اس لیے
میں نے اور میرے دوستوں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم آپ کی
حفاظت کریں گے۔ میرے دوست، جن میں سے کچھ تو
یہاں کمرے ہی میں موجود ہیں اور کچھ کمرے سے باہر کھڑے
ہیں، اسے اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ آپ کی رکھشا کریں۔ ہمیں
اپنا فرض نبھانے سے دنیا کی کوئی بھی طاقت نہیں روک سکتی!
(کریم بھائی اور راموجوشی تالیاں بجاتے ہیں)

میں نے آپ کو اپنا ارادہ بتایا ہے ـــــ اب میں غفور بھائی
کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں تاکہ وہ اس پلان پر اور
روشنی ڈالیں ـــــ آپ غفور بھائی کو جانتے ہیں ـــــ
وہ گوبھی کے بیوپار کے راجہ ہیں!
(راموجوشی غفور بھائی کو آگے لاتا ہے۔ گوبھی کے
بعض بیوپاری تالیاں بجاتے ہیں)

غفور بھائی: گوبھی کے بیوپاری بھائیو اور دوستو! اسلام علیکم۔
آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ آج کل دھندے کا حالت کیا
ہے۔ آج ایک ایک پیسہ کمانا کتنا مشکل ہوگیا ہے۔ آپ
لوگوں کا جو مشکل ہے، جو شکایت ہے وہ بھی ہم کو خبر ہے۔
آپ لوگ بولتا ہے کہ آج کل گوبھی بہت مہنگا ہے۔
اس کا بھاؤ ایک دم جاستی ہے۔ لیکن کبھی آپ لوگ ـــــ
سوچا کہ گوبھی کا بھاؤ اتنا جاستی کیوں ہے؟ کبھی دھیان دیا
اس بات پہ۔ گودی کا کلرک لوگ، ٹرک کا ڈرائیور
لوگ، بیکر لوگ ـــــ سب لوگ جاستی پگار مانگتا
ہے۔ ان لوگوں کا یونین ہے۔ وہ لوگ جلسہ کرتا ہے،
سڑک پر جھنڈا لے کر چلتا ہے۔ اس کے پیچھے کوئی
دوسرا ملک کا بھی ہاتھ ہے۔ ان لوگوں کا پگار ہم لوگ کتنا
بڑھا دیا۔ اس کی وجہ سے گوبھی کا بھاؤ بڑھ گیا۔ ابھی یہ
لوگ اور پگار بڑھانے کی بات کرتا ہے۔ دادا اور اس کا
کا دوست لوگ فیصلہ کیا کہ وہ لوگ ان ورکر لوگ کے
ساتھ لڑے گا اور ان کو چپ کرائے گا!

ایک دوکان دار: غفور بھائی، آپ کبھی یہ سوچا کہ اگر ہم ورکر
لوگ کا پگار کمتی کرے گا تو لوگ خریدی بھی کمتی کرے گا۔
اس سے ہمارے دھندے کو اور بھی نقصان ہوگا۔

وفا ٹنک گیتے: میرے دوست، تمہارا سوال ایک حد تک ٹھیک
ہے۔ لیکن میں اس کا جواب دوں گا۔ آپ لوگ اس کو
پسند کریں یا نہ کریں ورکر تو رہے گا۔ مزدوروں کو ختم نہیں
کیا جاسکتا! میں نے تو ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے کہ

محنت مزدوری کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔ ہمیں مزدور کا اور اس کی محنت کا آدر کرنا چاہیے۔ مزدور کی محنت ہی سے منافع پیدا ہوتا ہے اور خوش حالی بڑھتی ہے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ میں خود بھی مزدور رہ چکا ہوں۔ گاؤں سے آنے کے بعد اس مہانگری میں آیا میں نے بھی مزدوری کی میں نے مکانوں میں رنگ لگانے کا کام کیا اور بھی دوسرے اس طرح کے کام میں نے کیے ہیں۔ اس لیے مزدوروں سے مجھے بھی ہمدردی ہے۔ لیکن یہ ہمدردی اس وقت تک ہے جب تک مزدور مزدور ہے ——— اور مزدوری کرنے سے ہی اسے دلچسپی ہے۔ لیکن جب وہ جھنڈا لے کر سڑک پر آتا ہے، یونین بناتا ہے ——— جب وہ مہنگائی کیوں ہوتی ہے۔ مہنگائی کا اثر اس کی مزدوری پر کیا پڑتا ہے۔ محنت اور منافع کا کیا سمبندھ ہے، ان سوالوں پر سوچنے لگتا ہے تو پھر وہ اپنی حد سے بڑھ جاتا ہے۔ تب ضرورت پڑتی ہے کہ اسے کہا جائے کہ اے مزدور بھائی! ان سمسیاؤں پر سوچنا تمہارا کام نہیں۔ تمہارا کام صرف محنت کرنا اور کام کرنا ہے۔ لیکن جب تم کام بند کرتے ہو۔ ان سوالوں کو بنیاد بنا کر ہڑتال کرتے ہو، مظاہرہ کرتے ہو، جلوس نکالتے ہو، زندہ باد مردہ باد کے نعرے لگاتے ہو تو تم مزدور نہیں بلکہ غنڈہ بن جاتے ہو۔ اور تم اپنی ماتربھومی کے لیے کلنک بن جاتے ہو ——— اور ہم نے غنڈوں اور دیش کے غداروں کو کچلنے کا عہد کر لیا ہے۔ ہم انہیں کچل دیں گے۔

(غفور بھائی تالی بجاتا ہے)

کریم بھائی: اور دوستو، ہم اب اپنا میئر صاحب سے آپ کا تعارف کراتا ہے۔

ونایک گپتے: آئیے میئر صاحب

(بیوپاری زور زور سے تالیاں بجاتے ہیں)

ونایک گپتے: میں میئر صاحب کا انتہائی آبھاری ہوں کہ انہوں نے مجھ جیسے نوجوان کو مہانگری کی سیوا کے مہان کام میں اپنے ساتھ رکھا ہے۔ میں تو گاؤں سے آنے والا ایک معمولی آدمی ہوں لیکن میئر صاحب کی مجھ پر بڑی مہربانی ہے۔

(ونایک میئر صاحب کا ہاتھ محبت سے دباتا ہے)

کریم بھائی: واہ، دونوں باپ بیٹا کا مافک لگتا ہے

چاندل ورنگ: اچھا تو بھائی لوگ آپ دادا کا بات سنا وہ آپ کو سیدھا سادا صاف صاف بات سمجھ اگر آپ لوگ کو کچھ پوچھنے کا ہے تو پوچھو۔

(بیوپاری خاموش رہتے ہیں)

کریم بھائی: اس میں ڈرنے کا کوئی بات نہیں۔ آپ لوگ میرے کو کریم بھائی پھول والے کو اچھی طرح سے جانتا ہے۔ ہم بھی آپ لوگ کا ساتھ ہے۔

باڈی گارڈ: کریم بھائی بھی اپنا ساتھ ہے!

کریم بھائی: آپ لوگ بولو ——— اپنے کو ہوت مانگ کر حفاظت!

ایک دوکاندار: جہاں تک میری دوکان کی بات ہے کوئی لفڑا نہیں ہوا۔ اپنے باجو کے محلے میں گڑبڑ ہوا تھا اب ادھر بھی شانتی ہے۔

دوسرا دوکان دار: ہمارے دوکان میں بھی کوئی گڑبڑ نہیں ہوا!

تیسرا دوکان دار: اپنے کو بھی کوئی ہاتھ نہیں لگایا

کریم بھائی: (مسکرا کر) ——— کمال ہے!

دوسرا دوکان دار: جس قسم کا گڑبڑ کی بات ونایک صاحب کیا، ایسا گڑبڑ ادھر بڑا ہوٹل میں ہوا تھا کہ کچھ غنڈہ لوگ کانچ پھوڑا۔ دارو کا باٹلی رستہ پر پھینک دیا اور بولا کہ "رکھشا" کرنے کو دو۔ لیکن اپنی دوکان پہ ابھی تک ایسا گڑبڑ نہیں

دامو جوشی: ایسا ؟ تو پھر بتاؤ کہ گوکل بھائی کا مرڈر کیسے ہوا؟
نارائن داس کیسے مرے؟

دوسرا دوکاندار: ان باتوں کا ہم سے یا گوبھی کے دھندے سے کیا تعلق ہے ؟

دامو جوشی: کچھ بھی نہیں ــــ خیر تمہارا نام کیا ہے ؟

دوسرا دوکان دار: گوردھن ــــ !

(دامو جوشی اٹھ کر ونایک گپتے کے پاس جاتا ہے جو لمبی تقریر سے کچھ تھکا ہوا سا ہے۔ دونوں میں کانا پھوسی ہوتی ہے۔ پانڈورنگ اور کریم بھائی بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ پانڈورنگ پہلے باڈی گارڈ کو کچھ اشارہ کرتا ہے۔ اور وہ لوگ باہر چلے جاتے ہیں)

کریم بھائی: دوستو ' ذرا دھیان سے سنو! ابھی ابھی کوئی بہن ونایک گپتے جی کا شکریہ کرنے آئی ہے۔ میں اسے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

(پھلجھڑی بدذوقی سے میک اپ کئے ہوئے بھڑکیلے کپڑے پہنے ہوئے آتی ہے۔ اس نے ایک چھوٹی سی بچی کا ہاتھ پکڑ رکھا ہے۔ وہ سٹیج پر آتے ہیں)

کریم بھائی: دوستو ' یہ ہماری بہن سورگباشی نرائن داس کی بیوہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ نرائن داس کو اپریٹیو میں اکاؤنٹنٹ تھے۔ اور جنہیں بڑی بے دردی سے اس وقت کچھ انجان لوگوں نے قتل کر دیا تھا جب کہ وہ میونسپلٹی کی میٹنگ میں گواہی دینے آ رہے تھے۔ ہماری عزیز بہن آپ کے سامنے کچھ کہیں گی۔ آپ ذرا غور سے سنئے!

پھلجھڑی: شریمان ونایک گپتے ! ــ بھائیو! میرے پتی کو غنڈوں نے قتل کر دیا اس لیے کہ وہ ایک ناگرک کی حیثیت سے اپنے کرتویہ کا پالن کرنا چاہتے تھے۔ ان کی موت نے مجھے اور میری اس چھوٹی بچی کو بے سہارا بنا دیا۔ لیکن میں شریمان ونایک گپتے کی ابھاری ہوں کہ اس بپتا کی گھڑی میں انھوں نے ہمیں ڈھارس دی۔ اور میری بچی کے سر پر پیار کا ہاتھ رکھا۔ میں آپ سے سچ بات کہہ رہی ہوں کہ اگر شریمان ونایک گپتے جی نے ہماری مدد نہ کی ہوتی تو آج میں ایک بیوہ اور میری یتیم بچی در در کی ٹھوکریں کھاتے۔ آج ہم کہیں کے نہ ہوتے ــــ کہیں کے بھی نہ ہوتے۔ ....

(ونایک گپتے پھلجھڑی کی پیٹھ پر ہاتھ رکھتا ہے اور بچی کو پیار کرتا ہے۔ اتنے میں پانڈورنگ ' نارائن داس کی ٹوپی پہن کر بھیڑ کو چیرتا ہوا آتا ہے۔ اس کے پیچھے چند غنڈے ٹرک ڈرائیوروں کے لباس میں۔ کیروسین کے ڈبے اٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ سٹیج سے چلے جاتے ہیں)

ونایک گپتے: بہن ساری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔ میں تمہارے دکھ کو اچھی طرح سے سمجھتا ہوں لیکن بہن میں نے قسم کھائی ہے کہ اس تمام غنڈہ گردی کو ایک دم ختم کر کے رہوں گا جو آج پورے شہر میں پھیلی ہوئی ہے جس کی وجہ سے تمہارا سہاگ لٹ گیا ــــ لیکن تم اکیلی نہیں ہو ــــ شہر کی بہت سی بہنوں کا سہاگ خطرے میں ہے ہمیں ان کو بچانا ہے۔ ہم اس غنڈہ گردی کو اب اور زیادہ نہیں چلنے دیں گے۔

(بیوپاری بغیر کسی جوش کے آہستہ آہستہ تالی بجاتے ہیں۔ باہر سے پولس کی سیٹیوں اور سائرن کی آواز آتی ہے۔ پس منظر کی کھڑکی پہلے سرخ اور پھر سرخ تر ہوتی جاتی ہے)

دامو جوشی: آگ ــــ آگ ــــ باہر سڑک پر آگ!

پہلا باڈی گارڈ: (داخل ہوتا ہے) کیا گوردھن نام کا کوئی دوکان دار یہاں ہے ــــ کوئی گوردھن ہے ؟

گوردھن: ہاں ہاں ہے ــــ کیوں کیا ہوا ــــ باہر کیا ہو رہا ہے !

پہلا باڈی گارڈ: تمہاری دکان جلا دی گئی ــــ وہ بری طرح جل رہی ہے۔

(گوردھن گھبرا کر باہر بھاگتا ہے۔ کچھ دکان دار بھی

اس کے ساتھ باہر جاتے ہیں۔ اور کچھ کھڑکی سے باہر
جھانکنے لگتے ہیں)

راموجوشی: خبردار کسی کو باہر مت جانے دو ــــ باہر
آگ لگی ہوئی ہے۔

پہلا باڈی گارڈ: ہاں باہر غنڈے دوکان جلا رہے
ہیں۔ گوردھن کی دوکان کے پیچھے کیروسین کے ڈبے
بھی ملے ہیں!

تیسرا دوکان دار: میں نے کچھ دیر پہلے یہاں سے کچھ لوگوں کو
کیروسین کے ڈبے لے کر جاتے ہوئے دیکھا۔

راموجوشی: (غصے میں) بکواس مت کرو! تمہارا مطلب ہے
کہ یہ آگ ہم لوگوں نے لگائی ہے!!

پہلا باڈی گارڈ: (دوکان دار کی پسلی پر بندوق رکھتے ہوئے)
ــــ کیا بولا؟ تم نے کن کو یہاں سے کیروسین کا ڈبہ
لے جاتا دیکھا؟ بولو؟

دوکان دار وہ کپڑوں سے ٹرک ڈرائیور لگتے تھے۔

راموجوشی: پھر دادا نے ٹھیک بولا تھا کہ غنڈہ گردی کرنے
والے یہی ٹرک ڈرائیور مزدور ہیں کچھ!
سارا غلطی ان ٹرک ڈرائیوروں
کا ہے۔

کریم بھائی: یہی گوردھن تھا جو بڑھ بڑھ کر بولتا تھا کہ شہر
میں کوئی خاص گڑبڑ نہیں ہے دوکان داروں کو کوئی خطرہ
نہیں ہے۔ اور اب اس کی دوکان کو آگ لگ گئی۔ کیا
ہم لوگوں کو اب بھی عقل نہیں آئے گی۔ کیا ہم لوگ اب ایک
ہو کر غنڈہ گردی کا مقابلہ نہیں کریں گے؟

دنایک گپتے: (گرج دار آواز میں) برداشت کی بھی آخر ایک حد
ہوتی ہے ــــ پہلے توڑ پھوڑ اور مار پیٹ اور قتل ہوتا تھا
اور اب دوکانوں کو آگ بھی لگائی جا رہی ہے ــــ اب
سونے کا وقت نہیں ــــ اٹھو کر مقابلہ کرنے کا وقت آگیا
ہے۔ دوکان دارو ــــ اٹھو ــــ جاگو ــــ اب بھی
سنبھل جاؤ ــــ ایک ہو کر غنڈہ گردی کا مقابلہ کرو ورنہ
تباہ ہو جاؤ گے ــــ!

آٹھواں منظر

ایک سڑک۔ مشین گنوں کی گونج۔ خون میں لت پت
ایک عورت ایک تباہ کئے ہوئے ٹرک سے باہر
نکلتی ہے۔

عورت: مدد کرو اے لوگو۔ میری مدد کرو ــــ بھاگو مت۔
تم سب گواہ رہنا کہ میرے پتی کو اسی ٹرک میں مار
ڈالا گیا اس کی لاش ابھی تک وہیں ہے ــــ لوگو!
گواہ رہنا ــــ میرے سر سے خون بہہ رہا ہے مجھے
پٹی باندھو ــــ نہیں تو میں مر جاؤں گی ــــ یہ لوگ
ہمیں مار رہے ہیں جیسے ہم کیڑے مکوڑے ہوں۔
ہے بھگوان! تو ہماری رکشا کر ــــ میرے دیوتا
سروپ پتی! تم کہاں ہو ــــ لوگو، قاتل کو پکڑو
ــــ اس کا قاتل لوگو! جانتے ہو کون ہے۔ دنایک
گپتے ہی میرے پتی کا قاتل ہے۔ یہ جو خدائی فوجدار
بنا پھرتا ہے وہی میرے پتی کا قاتل ہے ــــ وہ
ہتیارا ہے ــــ اس نے ہی میرا سہاگ اجاڑا ہے
وہ راکھشس ہے ــــ لوگو! اس پر بھروسہ مت
کرو ــــ اے اچھے اور بھلے لوگو! بھا دادا سے بچو
ــــ اس خدائی فوجدار کو پہچانو ــــ وہ قاتل
ہے ــــ ہتیارا ہے ــــ پاپی ہے۔

(مشین گنوں کی گونج۔ عورت گولیوں کی بوچھاڑ میں
چلاتی ہے)

ــــ بھا دادا قاتل ہے ــــ قاتل ہے ــــ
اس راکھشس کو پہچانو ــــ لوگو تم کچھ نہیں کر سکتے
کیا؟ ــــ تم اس آگ کو نہیں بجھا سکتے ــــ اے لوگو!
بھلے لوگو ــــ

(عورت گر جاتی ہے)

نواں منظر

گوردھن کے گودام کی آتش زدگی کا مقدمہ چل رہا ہے۔
بمہ لیس ریپورٹرس جج، سرکاری وکیل، دفاعی وکیل، کیدار ناتھ کا بیٹا، پانڈورنگ، کریم بھائی، پھلجھڑی، سرکاری ڈاکٹر، باڈی گارڈز، ملزم سدانند اور بیوپاری۔

پانڈورنگ: (چلاتے ہوئے) یہی ہے وہ آدمی سرکار جس نے اپنے ہاتھوں سے آگ لگائی۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے اس کے ہاتھ میں کیروسین کا ٹن دیکھا ——— جب میں نے اسے پکڑا تو یہ دکان پر کیروسین چھڑک رہا تھا ——— کھڑے ہو جاؤ ——— تم بیٹھے کیوں ہو ——— کھڑے ہو جاؤ!

(عدالت کے اردلی سدانند کو کرسی سے اٹھاتے ہیں۔ وہ جھومتا ہوا کھڑا ہوتا ہے)

جج کیدار ناتھ: ملزم سدانند! خود کو سنبھالو اور ہوش میں آؤ ——— تم اس وقت عدالت میں ہو ——— اور تم پر آگ لگانے کا الزام ہے ——— تم کو بہت کڑی سزا مل سکتی ہے۔ اس لیے یہاں جو کچھ بھی کہو سوچ سمجھ کر کہو ———

سدانند: بلا ...... بلا ...... بلا ......

جج: تم کیروسین کے ٹن کہاں سے حاصل کئے!

سدانند: بلا ...... بلا ...... بلا ......

(جج اس پر سرکاری ڈاکٹر کو اشارہ کرتا ہے۔ ڈاکٹر سدانند کا معائنہ کرنے کا ڈھونگ رچاتا ہے۔ اور پانڈورنگ سے آنکھوں آنکھوں میں بات کرتا ہے)

سرکاری ڈاکٹر: یور آنر، ملزم ڈھونگ کر رہا ہے۔ اسے کسی قسم کی کوئی بیماری نہیں!

دفاعی وکیل: وکیل دفاع کی حیثیت سے میں عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ملزم کا کسی اور ڈاکٹر سے معائنہ کرائے!

جج: (مسکراتے ہوئے) عدالت دفاع کی اس درخواست کو نامنظور کرتی ہے۔

دفاعی وکیل: پانڈورنگ ——— ملزم سدانند پر یہ الزام ہے کہ اس نے گوردھن کے گودام کو آگ لگائی جس کی وجہ سے آس پاس کی ۲۲ اور دوکانیں بھی جل کر خاکستر ہو گئیں ——— میں تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ جس وقت ملزم سدانند یہ جرم کر رہا تھا، تم عین وقت کس طرح موقعۂ واردات پر پہنچ گئے!

پانڈورنگ: میرا پیٹ خراب ہے جناب، اس لیے میں کھانے کے بعد تھوڑا سیر کرتا ہوں۔

(باڈی گارڈز قہقہہ لگاتے ہیں۔ پانڈورنگ بھی ہنستا ہے)

دفاعی وکیل: پانڈورنگ، کیا تم یہ جانتے ہو کہ ملزم سدانند ایک بے کار مزدور ہے اور یہ کہ وہ آگ لگنے کے واقعہ سے صرف ایک ہی روز پہلے مہانگری میں آیا ——— دوسرے لفظوں میں یہ شہر اس کے لیے اجنبی ہے!

پانڈورنگ: ——— کیا ———؟

وکیل دفاعی: کیا تمہاری کار کا لائیسنس نمبر آٹھ ہزار سات سو بیانوے ہے؟

پانڈورنگ: ٹھیک ہے، یہی نمبر ہے!

وکیل دفاعی: کیا یہ سچ ہے کہ جس دن آگ لگنے کا واقعہ ہوا اس دن تمہاری کار ۸۷ ویں سڑک کے ایک ہوٹل کے سامنے کھڑی تھی۔ اور وہیں ملزم سدانند کو جو بیہوشی کے عالم میں سڑک پر پڑا ہوا تھا، اٹھا کر تمہاری کار میں ڈالا گیا!

پانڈورنگ: اس بارے میں میں کچھ نہیں جانتا ——— میں نے وہ پورا دن اندھیر نگری میں گزارا ——— میں آپ کے سامنے بیسیوں چشم دید گواہ پیش کر سکتا ہوں جنہوں نے مجھے مہانگری میں نہیں اندھیر نگری میں دیکھا ———

(باڈی گارڈز قہقہہ لگاتے ہیں)

دفاعی وکیل: کیا ابھی کچھ دیر پہلے تم نے اپنے بیان میں نہیں

کہا کہ تم کھانے کے بعد مہانگری میں گوردھن کے گودام کے
پاس سیر کر رہے تھے؟

پانڈو رنگ: جناب کیا یہ اعتراض کی بات ہے کہ میں
کھانا اندھیر نگری میں کھاؤں اور سیر
مہانگری میں کروں!

(عدالت میں لوگ قہقہہ لگاتے ہیں۔ جج بھی ان میں شامل ہے۔ سٹیج پر اندھیرا ہو جاتا ہے۔ ماتمی موسیقی کی دھن اور رقص کی آواز سٹیج پر روشنی ہوتی ہے۔ اب ہم گوردھن کو گواہ کی کرسی پر دیکھتے ہیں)

دفاعی وکیل: گوردھن داس، ملزم سدانند پر تمہارے گودام کو آگ لگانے کا الزام ہے۔ کیا تم کوئی ایسی وجہ بتا سکتے ہو جس کی بنا پر ملزم نے یہ حرکت کی ہو؟

گوردھن: جی نہیں!

دفاعی وکیل: کیا تم نے ملزم سدانند کو پہلے کبھی دیکھا ہے؟

گوردھن: کبھی نہیں!

دفاعی وکیل: تو اچھا، کیا تم نے پانڈو رنگ کو پہلے دیکھا ہے؟

گوردھن: جی ہاں!

دفاعی وکیل: کہاں؟

گوردھن: گوبھی کے بیوپاریوں کی میٹنگ میں میں نے پانڈو رنگ کو دیکھا تھا۔ اور اس دن میٹنگ کے دوران میرے گودام کو آگ لگا دی گئی تھی۔

دفاعی وکیل: کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ آگ لگنے سے تھوڑی دیر پہلے تم نے پانڈو رنگ کو دیکھا تھا؟

گوردھن: جی ہاں، پانچ منٹ پہلے!

دفاعی وکیل: وہ کیا کر رہا تھا؟

گوردھن: میں نے اسے چار اور آدمیوں کے ساتھ کیروسین کے ڈبے لے جاتے ہوئے دیکھا۔

(پولیس رپورٹرز اور پارٹی کارکنوں میں ہلچل)

جج: پولیس رپورٹرز سے درخواست ہے کہ وہ خاموش رہیں!

دفاعی وکیل: گوردھن تمہارا گودام کہاں تھا؟

گوردھن: گوکل بھائی کی کمپنی والے بلاک میں ہی تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ گوکل بھائی کی کمپنی اور میرے گودام کے بیچ بس ایک پتلی سی گلی ہے۔

دفاعی وکیل: کیا تم جانتے ہو کہ پانڈو رنگ اس کمپنی میں ملازم ہے اور کمپنی میں ہی اس کے رہنے کا انتظام ہے؟

گوردھن: جی ہاں!

دفاعی وکیل: تو پھر پانڈو رنگ کو تمہارے گودام کے تمام راستوں کا پتہ ہے؟

گوردھن: جی ہاں!

(عدالت میں شور شرابہ مچ جاتا ہے۔ پارٹی کارکنوں، گوردھن اور اخباری نمائندوں کی طرف دھمکی آمیز رویہ اختیار کرتے ہیں۔ کیدار ناتھ کا بیٹا اپنے باپ جج کے پاس آکر کچھ کھسر پھسر کرتا ہے)

جج: آرڈر — آرڈر — ملزم کی طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے آج عدالت کی کارروائی ملتوی کی جاتی ہے!

(Black out — ماتمی موسیقی — اور رقص کی آواز — جب سٹیج پر روشنی آتی ہے تو گوردھن پھر گواہ کی کرسی پر نظر آتا ہے۔ اس وقت وہ ایک ٹوٹا ہوا آدمی ہے۔ ہاتھ میں لکڑی ہے۔ اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہے)

سرکاری وکیل: گوردھن، اب تمہاری آنکھیں کیسی ہیں؟

گوردھن: (مشکل سے بولتے ہوئے) اچھی نہیں ہیں حضور!

سرکاری وکیل: کیا تم بتا سکتے ہو کہ لوگوں کو اور ان کے چہروں کو پہچان سکتے ہو؟

گوردھن: نہیں حضور!

سرکاری وکیل: مثلاً کیا تم اس آدمی کو (پانڈو رنگ کی طرف اشارہ کرتا ہے) پہچان سکتے ہو؟

گوردھن: نہیں!

سرکاری وکیل : کیا تم کہہ سکتے ہو کہ تم نے اس آدمی کو پہلے کبھی دیکھا ہے ؟

گوردھن : نہیں !

سرکاری وکیل : اچھا تو اب ایک اور سوال ——— مگر یہ سوال بہت ضروری ہے ۔ گوردھن ——— ذرا سوچ کر جواب دو ——— کیا تمہارا گودام گوکل بھائی کی کمپنی والے بلاک میں تھا ؟

گوردھن : بالکل نہیں !

سرکاری وکیل : بس مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا ہے !

(مکمل Black out ——— دوبارہ ماتمی موسیقی ۔ جب روشنی ہوتی ہے تو گواہ کی کرسی پر پھلجھڑی نظر آتی ہے)

پھلجھڑی : (میکانیکی انداز میں) میں ملزم کو بڑی آسانی سے پہچان سکتی ہوں ——— کیوں کہ وہ شکل سے ہی بدمعاش معلوم ہوتا ہے ——— اس کے ملزم ہونے کا یہ بھی ثبوت ہے کہ اس کا قد ۵ فٹ ۷ انچ ہے ۔ اس کے علاوہ میری چچا کی اکلوتی لڑکی کی ماموں زاد بہن نے بھی مجھے بتایا تھا کہ اس نے ملزم کو میونسپل بلڈنگ کے ارد گرد مشتبہ حالت میں گھومتے ہوئے دیکھا ——— اس کی بغل میں ایک پستول بھی تھا حضور !

(Black out ۔ ماتمی موسیقی ۔ جب روشنی ہوتی ہے تو گواہ کی کرسی پر کریم بھائی نظر آتے ہیں ۔ اس کی کرسی کے نزدیک باڈی گارڈ کا میلے کھڑا ہے)

سرکاری وکیل : اس عدالت کے سامنے یہ بیان دیا گیا ہے کہ جس وقت گوردھن کے گودام کو آگ لگی ، گوکھی کوا پرشٹھ کے دفتر سے کچھ لوگ کیروسین کے ڈبے لے کر جاتے ہوئے دیکھے گئے ۔ کیا تم اس سلسلے میں کچھ روشنی ڈال سکتے ہو ؟

کریم بھائی : میرا خیال ہے کہ آپ کا میلے کے بارے میں یہ بات کہہ رہے ہیں !

سرکاری وکیل : کیا کا میلے تمہارا ملازم ہے ۔

کریم بھائی : جی سرکار ، وہ میرا دوکان پر ہی کام کرتا ہے !

سرکاری وکیل : تمہارا کس چیز کا دوکان ہے ؟

کریم بھائی : سرکار میں پھول بیچتا ہوں !

سرکاری وکیل : کیا پھولوں پر کیروسین ڈالنے سے ان کی خوشبو بڑھ جاتی ہے ؟

کریم بھائی : نہیں سرکار !

سرکاری وکیل : تو پھر کیروسین کا تمہارے دھندے کے ساتھ کیا تعلق ہے ؟

کریم بھائی : سرکار ، پودوں کا کیڑا مکوڑا مارنے کے واسطے تھوڑا بہت کیروسین ہم کو لگتا ہے !

سرکاری وکیل : تمہارا ملازم کا میلے گودام میں کیوں گیا تھا ؟ وہ وہاں کیا کر رہا تھا !

کریم بھائی : سرکار وہ وہاں گانا گانے گیا تھا ۔

سرکاری وکیل : جب وہ گانے گیا تھا تو کیا کیروسین کا ڈبہ ساتھ لے کر گیا تھا ؟

کریم بھائی : نہیں سرکار

سرکاری وکیل : کیا کا میلے گوردھن بھائی کے گودام کو آگ لگا سکتا ہے ؟

کریم بھائی : حضور میں کہہ چکا ہوں کہ کا میلے گودام میں گانا گانے گیا تھا ——— پر وہ کوئی تان سین تو نہیں ہے کہ اس کے گانا گانے سے گودام کو آگ لگ جائے ۔ !

(عدالت میں ہنسی)

سرکاری وکیل : میرے سوال کا سیدھا جواب دو !

کریم بھائی : سرکار ، کا میلے ایسا کام کبھی نہیں کر سکتا !

سرکاری وکیل : یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو کریم بھائی !

کریم بھائی : حضور کا میلے میرا دس سال سے ملازم ہے ۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں ۔ اس کو خالی گانے کا شوق ہے آگ لگانے کا نہیں !

سرکاری وکیل : میں عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ

کا میے کو وہ گیت گانے کے لیے کہے جو وہ اس وقت گا رہا تھا جب گودام کو آگ لگائی جا رہی تھی!

جج: عدالت اس درخواست کو نامنظور کرتی ہے —— کا میے کے گانے کی کوئی ضرورت نہیں!

کریم بھائی: میں پروٹسٹ کرتا ہوں —— سرکار —— یہ سراسر ناانصافی ہے —— یہ ایک دم ناانصافی ہے — آپ کا کام انصاف کرنا ہے حضور! .....

(قہقہہ بلند ہوتا ہے blackout - ماتمی موسیقی جب روشنی ہوتی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ عدالت میں سب تھک چکے ہیں)

جج: کچھ اخبار والے اس قسم کی گمراہ کن افواہیں پھیلا رہے ہیں کہ بعض حلقوں کی طرف سے عدالت پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ یہ تمام افواہیں بے بنیاد اور غلط ہیں۔ اور میرے اس بیان کو آخری حرف تسلیم کرتے ہوئے عدالت کو غیر جانب دار اور انصاف کے اصولوں کا پابند سمجھا جائے!

سرکاری وکیل: یور آنر! ملزم سدانند دماغی طور پر ٹھیک نہ ہونے کا مستقل ڈھونگ رچائے ہوئے ہے اس لیے پراسیکیوشن کا خیال ہے کہ مزید عدالتی کارروائی کا کوئی فائدہ نہیں اور اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا اس لیے....

دفاعی وکیل: یور آنر! ملزم کو ہوش آ رہا ہے —— دیکھیے!

سدانند: (ہوش میں آتے ہوئے) —— پا —— نی ..... !

دفاعی وکیل: پانی —— جلدی سے ... یور آنر —— اب میں ملزم کو اگلے گواہ کی حیثیت سے پیش کرنا چاہتا ہوں!

(عدالت میں ہل چل مچ جاتی ہے)

سرکاری وکیل: یور آنر! ملزم کی دماغی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ دفاعی وکیل پبلک کو الو بنانے کے لیے اور سنسنی پھیلانے کے لیے اس قسم کے ملزم کو گواہ بنانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ میں اس مانگ کے خلاف پروٹسٹ کرتا ہوں!

سدانند: پا ..... نی!

(دفاعی وکیل کی مدد سے سدانند اٹھ کھڑا ہوتا ہے)

دفاعی وکیل: سدانند! کیا تم میرے سوالوں کا جواب دے سکتے ہو

سدانند: ہا ..... ں!

دفاعی وکیل: تم عدالت کو بتاؤ کہ کیا ۲۸ فروری کے دن تم نے گوردھن بھائی یا کسی اور کے گودام کو آگ لگائی تھی؟ ہاں یا نہیں میں جواب دو!

سدانند: نہیں —— نہیں!

دفاعی وکیل: تم جہانگری میں کب آئے تھے؟

سدانند: پانی!

دفاعی وکیل: پانی لاؤ جلدی سے!

(عدالت میں افراتفری مچ جاتی ہے۔ کیدار ناتھ کا بیٹا اپنے باپ جج کی بنچ پر پہنچ جاتا ہے۔ اور جج کے کان میں کچھ کہتا ہے)

پانڈورنگ: (چلاتے ہوئے) —— یہ سالا جھوٹ بولتا ہے —— یہ جھوٹا ہے ایک نمبر کا۔

دفاعی وکیل: (سدانند سے، پانڈورنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کیا تم نے اس آدمی کو پہلے کبھی دیکھا ہے!

سدانند: ہاں —— پانی!

دفاعی وکیل: کہاں دیکھا ہے —— کیا تم نے اسے [illegible] سڑک والے ہوٹل میں تو نہیں دیکھا؟

سدانند: وہیں ..... دیکھا .....

(عدالت میں شور بڑھ جاتا ہے۔ باڈی گارڈ بندوقیں تان لیتے ہیں اور booing کرتے ہیں۔ سرکاری ڈاکٹر دوڑا دوڑا آتا ہے۔ اس سے پہلے کہ دفاعی وکیل اسے روک سکے وہ ایک گلاس سے سدانند کو کچھ پلا دیتا ہے)

دفاعی وکیل: میں ڈاکٹر کی اس حرکت پر اعتراض کرتا ہوں۔ اور مانگ کرتا ہوں کہ اس گلاس کا معائنہ کرایا جائے کہ اس میں کیا تھا!

جج: (سرکاری وکیل سے آنکھ ملانے کے بعد) اعتراض رد کیا جاتا ہے!

چمپلیھمٹرھی: (سدا نند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چلاتی ہے)
—— قاتل!

دفاعی وکیل: (ڈیوانتزا) کیوں کہ یہ لوگ اپنی پوری مکاریوں کے باوجود سچائی کو ابھرنے سے نہیں روک سکے اس لیے یہ قانونی قلابازیوں سے سچائی کا منہ بند کرنا چاہتے ہیں۔ اور آپ —— جو کہ انصاف کی کرسی پر بیٹھے ہیں ان کے ہاتھوں کا کھلونا بن کر رہتے۔ وقار اور انصاف کے نام کو مٹی میں ملا رہے ہیں۔ یہ لوگ انصاف کے سینے پہ بندوق رکھ کر انصاف کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ ایک منچلی غنڈہ گردی نے ہی اس جیالی نہا نگری کا کاویون لوٹ لیا ہے۔ ایک بالکشنس نے اس شہر کا کا گلا دبوچ رکھا ہے اور وہ دن دہاڑے کر رہا ہے۔ اب انصاف کی دیوی سے بھی بلا انکار کیا جا رہا ہے۔ میں آپ سے اپیل کرتا ہوں، یور آنر کہ آپ انصاف کی آبرو بچائیں!

سرکاری وکیل: میں دفاعی وکیل کے اس بیہودہ بیان کے خلاف پروٹسٹ کرتا ہوں!

پانڈو رنگ: (دفاعی وکیل سے) —— حبیب ٹیے —— کتے زہر فروش، ماسکو کے دلال —— تم ذرا عدالت کے کمرے سے باہر نکل کر دیکھو کہ میں تمہاری کس طرح ٹانگ توڑتا ہوں —— تم باہر نکلو —— میں تمہاری آنکھیں نوچ لوں گا!

دفاعی وکیل: ہر شخص جانتا ہے کہ پانڈو رنگ کس طرح کا آدمی ہے۔

پانڈو رنگ: بکواس بند کرو! (جج مداخلت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پانڈو رنگ جج سے) —— اچھا تو تم بھی اس حرامزادے کی طرف داری کرنا چاہتے ہو —— تم کو بھی میں زندہ نہیں چھوڑوں گا —— !

(پانڈو رنگ غصے سے ہانپنے لگتا ہے —— جج کو عدالت سے خطاب کرنے کا موقع دیتا ہے۔)

جج: آرڈر —— آرڈر —— دفاعی وکیل کو عدالت کی توہین کرنے کے جرم میں پچاس روپیہ جرمانہ کیا جاتا ہے۔ عدالت کو پانڈو رنگ سے پوری پوری ہمدردی ہے۔ دفاعی وکیل نے اسے بلاوجہ غصہ دلایا ہے اور وہ اپنے غصے کا اظہار کرنے میں حق بجانب ہے (دفاعی وکیل سے) —— آپ اپنے گواہ سے سوالات کر سکتے ہیں۔!

دفاعی وکیل: سدانند، کیا تم کو ۸۰ ویں سڑک والی ہوٹل میں خوب شراب پلائی گئی تھی؟

سدانند: (لڑکھڑانے لگتا ہے) یا —— بلا —— بلا ——

دفاعی وکیل: سدانند —— سدانند —— سدانند!!!

پانڈو رنگ: (گرج کر) اب یہ قیامت کے دن اپنی زبان کھولے گا —— تمہارا یہ جھوٹ کا غبارہ پھٹ گیا ہے —— اور اب تم باہر نکلو —— حرام زادے دیکھو کہ میں تمہاری کیا گت بناتا ہوں اور تمہیں بتاتا ہوں کہ اس مہا نگری پر کس کا راج ہے —— سمجھے!

(عدالت میں ہلچل ہوتی ہے۔ بلیک آؤٹ ہوتی ہے۔ جب روشنی دوبارہ آتی ہے تو جج اپنا فیصلہ سنانے کے لیے تیار نظر آتا ہے۔ سدانند کا چہرہ ایک دم سفید ہے)

جج: ملزم سدانند، عدالت تمہیں آتش زنی کے الزام میں مجرم قرار دیتی ہے اور تمہیں . . . . .

دسواں منظر

(ایک عالی شان ہوٹل میں دنایک گپتے کا کمرہ۔ دنایک گپتے ایک آرام کرسی پہ دراز ہے —— اور خلا میں گھور رہا ہے۔ کریم بھائی کچھ لکھنے میں مصروف ہے۔ ماموجوشی اور پانڈو رنگ اس کے کندھوں پر جھک کر دیکھ رہے ہیں کہ وہ کیا لکھ رہا ہے —— باڈی گارڈ منز

بھی موجود ہیں۔)

کریم بھائی (لکھتے ہوئے پڑھتا ہے) ـــــ میں میٹر کیدارناتھ وصیت کرتا ہوں کہ میرا ہوٹل منشی کریم بھائی کو دیا جائے۔

پانڈورنگ: اور میرا مکان بہادر لاولد پانڈورنگ کو ملے گا!

راموجوشی: اصیل مادر زاد مر ہوشی کو میں اپنا بیٹا سونپتا ہوں! یہی لکھا ہے نا!

کریم بھائی: جہاں تک عہدوں کی تقسیم کا سوال ہے اس میں قابلیت کا خیال رکھا جائے ـــــ پانڈورنگ کو

پانڈورنگ: جج بنایا جائے!

کریم بھائی: اور راموجوشی کو......

راموجوشی: پولیس چیف!

کریم بھائی: اور میرے پیارے کریم بھائی کو......

پانڈورنگ: صفائی کا محکمہ دیا جائے!

کریم بھائی: اور جنتا کی بھلائی اور سیوا کے محکمے کے لیے میں دنیا کے گپتے کو صحیح آدمی سمجھتا ہوں ـــــ آپ کا میٹر کیدارناتھ ـــــ! تو بس یہ ہے ہمارا کھیل ـــــ بڈھا کیدارناتھ آخری سانسیں لے رہا ہے ـــــ اسے دل کا دورہ پڑا ہے اور سارا شہر اس کی شاندار ارتھی کا انتظار کر رہا ہے ـــــ اس کی لاش کو اچھی طرح نہلایا جائے گا تاکہ اس کی عزت پر جو بھی کیچڑ لگا ہے وہ دھل جائے۔ اس کا ماتم سنسکار بڑی دھوم دھام سے کیا جائے گا۔ اس کے لیے بڑی شاندار سمادھی بنائی جائے گی۔ لیکن اس کی ڈاکٹری رپورٹ کا کیا ہوا؟

پانڈورنگ: اس نے ہمارے ڈاکٹر کو اپنے نزدیک تک نہیں آنے دیا!

کریم بھائی: تمہارا اشارہ مس ڈاکٹر کی طرف ہے جس نے گوبردھن کا علاج کیا تھا!

پانڈورنگ: نہیں نہیں۔ اس ڈاکٹر کو تو میں نے کیدارناتھ کے نزدیک تک پھٹکنے دیا ـــــ بدقسمتی بہت بڑا بچ گیا ہے!

کریم بھائی: بڑ بڑیے تو تم بھی کم نہیں ہو پانڈورنگ ـــــ تم بھی کیدارناتھ کے ساتھ گھلتے ملتے رہے ہو!

پانڈورنگ: کریم بھائی ـــــ ہمارے بارے میں تم ایسا بکواس کیا تو پھر تمہارا خیر نہیں ہے!

کریم بھائی: اچھا تو تم بتاؤ کہ کیدارناتھ کی اصلی وصیت کہاں ہے!

پانڈورنگ: وہ ابھی تک اس کے پاس ہے۔ وہ اسے پبلک کے سامنے رکھنا چاہتا ہے ـــــ لیکن میں نے اس کے بیٹے کو پانچ مرتبہ اس وصیت کو عمل کرنے سے روک دیا۔

راموجوشی: وہ وصیت کہاں ہے ـــــ؟ مجھے وصیت کے کاغذات چاہئیں!

پانڈورنگ: کیا مطلب ہے تمہارا! میرے پاس وہ وصیت نہیں!

راموجوشی: تم بڈھے کے ساتھ دن رات اٹھتے بیٹھتے رہے ہو ـــــ اب بولو پانڈورنگ، تمہارے دل میں کیا ہے اور تم کیا کرنا چاہتے ہو۔ قدم سنبھال کے رکھو اور حد سے آگے مت بڑھو ـــــ مجھے بہت کچھ معلوم پڑ گیا ہے۔ اور یاد رکھو کہ میں راموجوشی ہوں ـــــ مجھ سے ہوشیاری کروگے تو تمہاری لاش کا بھی پتہ نہیں چلے گا!

پانڈورنگ: تم مجھ سے ایسے بات کر رہے ہو جیسے میں کوئی موالی ہوں!

راموجوشی: موالی گیری میں حرج ہی کیا ہے! (زیادتی کا لہجہ) شاید پانڈورنگ تم لوگوں کو موالی سمجھتے ہو اور خود کو شریف اس لیے کہ یہ بھی لوگوں کے بیوپاریوں کے ساتھ ـــــ ان بڑے اور شریف لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگا ہے۔ یہ ریشمی قمیص جو اس نے پہن رکھی ہے وہ عنفوز بھائی نے اس کو دلائی ہے ـــــ ہم سب خون خرابہ اس کے لیے کرتے

تمہیں اور تم (ونایک گپتے سے) اسے ہمارے چھوکروں کی بے عزتی کرنے کی اجازت دیتے ہو!

ونایک گپتے: (جیسے نیند سے چونکتے ہوئے) میں کیا کرتا ہوں؟

پانڈو رنگ —— تم نے اسے شو نرائن کا ٹرک اڑانے کی اجازت دی —— جب کہ شو نرائن خود کو آپریٹیو کا ممبر ہے!

ونایک گپتے: (راموجوشی سے) تم نے شو نرائن کا ٹرک اڑایا تھا —— بولو، اڑایا تھا کہ نہیں!

راموجوشی: ہاں —— ہمارے چھوکروں کی غلطی تھی۔ لیکن ان چھوکروں کو کون سمجھائے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم صرف چھوٹے دوکانداروں اور معمولی بیوپاریوں کو ہی مارتے پیٹتے ہیں —— ہم بڑے دوکانداروں اور ٹرک کے بڑے بیوپاریوں پر کیوں ہاتھ نہیں اٹھاتے —— سچ تو یہ ہے کہ یہ سوال میرے من میں بھی اٹھتا ہے!

کریم بھائی: ٹرک والا لوگ بہت غصے میں ہے کہ شو نرائن کا ٹرک کیوں اڑایا!

پانڈو رنگ: کل ہم اس بات پر غفور بھائی کے چھوکرا لوگ کو دم بھی دیا۔

ونایک گپتے: (غصے سے) راموٗ ایسی حرکت دوبارہ نہیں ہونی چاہیئے۔ سمجھے!

کریم بھائی: لیکن ایسی حرکتوں کو روکنے کے لیے کچھ کیا جانا چاہیئے۔ اب کو آپریٹیو والوں کے غصے کو کون ٹھنڈا کرے گا!

راموجوشی: بس بس، بہت ہو چکا۔ زیادہ بھاؤ کھانے کی ضرورت نہیں ہے!

ونایک گپتے: یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ یہ لڑائی کیوں؟ راموجوشی، تمہاری حرکتوں سے سب لوگ پریشان ہیں —— خیر ایک ٹرک پر گولیاں چلائی گئیں —— تو پھر کیا ہوا —— اسے نظرانداز کیا جاسکتا ہے —— اب اچھے دن آگئے ہیں ہمارا آگ لگانے والا پلان کامیاب ہوا۔ اب دوکاندار لوگ ہمیں اپنی حفاظت کے بدلے میں منافع کا ۱۰ ٹکا دینے کے لیے تیار ہوگئے ہیں۔ ایک ہفتہ میں ہی انھوں نے ہمارے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔ لیکن میرے پاس اس سے بھی بڑے پلان ہیں۔

کریم بھائی: (جلدی سے) —— اور بھی بڑے پلان —— کیا ہیں وہ؟

پانڈو رنگ: لیکن پہلے، ونایک دادا —— اس کو ہٹانا ہوگا!

راموجوشی: ہاں دادا، پہلے تو سوچ لو کہ تم کس کے ساتھ ہو؟

کریم بھائی: ہاں۔ پہلے بولو کہ تم کس کی طرف ہو؟

ونایک گپتے: سوال یہ نہیں کہ میں کس کے ساتھ ہوں سوال یہ ہے کہ تم میرے ساتھ ہو یا نہیں!

(تینوں بدھوؤں کی طرح ونایک گپتے کو تکنے لگتے ہیں۔ وہ مسکراتا ہے)

ونایک گپتے: تم سب میرے بغیر ادھورے ہو —— تمہیں میری ضرورت ہے۔ اس لیے تینوں میرے ساتھ رہو۔ اب میں تم لوگوں کو اپنا اگلا پلان بتاؤں گا جو پچھلے پلان سے بھی زیادہ شاندار ہے۔

راموجوشی: بولو دادا —— میں سن رہا ہوں۔

کریم بھائی: شبھ کام میں دیر کیسی!

ونایک گپتے: مہانگری اب ہماری جیب میں ہے۔ لیکن ہمیں اب آگے بڑھنا ہے۔

راموجوشی: کہاں ——؟

ونایک گپتے: یہاں کے دوکانداروں نے ہماری مانگ مان لی ہے لیکن دوکاندار صرف مہانگری میں تو نہیں رہتے۔

پانڈو رنگ: تو تمہارا مطلب ہے کہ ہمیں دوسرے شہروں میں بھی وہی کرنا ہوگا جو یہاں کیا ہے!

ونایک گپتے: ہاں ہم پچھلے دروازے سے داخل ہوں گے
اور اگلے دروازے سے بھی ــــ اور کھڑکی سے
بھی کودیں گے ــــ ہمیں کوئی بلائے یا نہ بلائے ــ
لیکن ہم جائیں گے ــــ ہم ہاتھ بھی جوڑیں گے اور
مکہ بھی دکھائیں گے ــــ ہم دھمکی بھی دیں گے ــ
اور پچکاریں گے بھی ــــ ہم پھول بھی برسائیں گے اور
آگ بھی ــ

راموجوشی: لیکن دوسرے شہروں میں حالات کیسے ہیں
ہمیں کیا معلوم!

ونایک گپتے: ہر شہر ایک جیسا ہوتا ہے!

راموجوشی: تو پھر کہاں سے شروعات کرنے کا ارادہ ہے؟

ونایک گپتے: بھیرونگر سے۔

راموجوشی: لیکن وہاں سدھیر پھڑکے ہے ۔ جو سبزی
کے بیوپاریوں کے لیے لڑ رہا ہے اور کہتا ہے کہ دوکان
داروں کو آزادی سے کام کرنے کی آسانیاں دو۔ اس
کا اخبار مجھے دن رات گالیاں دیتا ہے۔ مجھے گوکل
بھائی کا قاتل کہتا ہے۔

ونایک جوشی: ہاں تو اس کی زبان بند ہونا چاہیے۔

راموجوشی: مگر یہ کام فوراً ہونا چاہیے!

ونایک گپتے: فوراً ہو جائے گا۔ اخبار والوں کے بہت
سے دشمن ہوتے ہیں۔ ویسے میں تمہیں یہ بتا دوں
کہ ہمارے گوبھی کے بیوپاری بھیرونگر کے بیوپاریوں
سے بات چیت کرنے جا رہے ہیں۔ ہم وہاں گوبھی
بیچنے کا کاروبار چالو کریں گے اور اخبار بند کرنے کا پلا

راموجوشی: بیوپار کی بات چیت کون کر رہا ہے؟

ونایک گپتے: غفور بھائی ــــ لیکن ہماری وجہ سے اسے
بات چیت کرنے میں مشکل ہو رہی ہے!

راموجوشی: مجھے غفور بھائی پر ذرا بھی بھروسہ نہیں!

کریم بھائی: بھیرونگر میں ہر شخص کی زبان پہ ہے کہ ہم لوگ
گوا پریشیو کے دلال ہیں ــــ وہ لوگ گوبھی خریدنے
کے لیے تیار ہیں۔ مگر ہمیں چھونے کے لیے تیار نہیں۔

پانڈورنگ: چھوٹے دوکان دار ہمارے نام سے ہی تھر تھر
کانپتے ہیں ــــ صرف وہی نہیں سدھیر پھڑکے
کی بیوی بھی ہمارے نام سے گھبراتی ہے ۔ وہ سبزیوں
کی سب سے بڑی فرم کی مالک ہے۔ وہ بھی کوا پریشیو
میں شامل ہونا چاہتی ہے لیکن جب تک ہم ہیں وہ
نہیں آئے گی!

راموجوشی: کوا پریشیو کا نام یوں آ رہا ہے جیسے بھیرونگر کو
فتح کرنے کا پلان تمہارا نہیں دادا، بلکہ کوا پریشیو کا
ہے۔ میں سب سمجھ چکا ہوں ــــ تم دونوں اڑ دو
آسمان کو چھو لو ــــ اور میں ــــ مجھے ــــ
وصیت نامہ دے دو!

پانڈورنگ: وصیت نامہ میرے پاس نہیں ہے!

راموجوشی: (پانڈورنگ کی جیب تلاشی لیتے ہوئے) ــــ
حرامزادے ــــ تمہارے پاس ہے ــــ تمہارے
پاس ہی ہے!

پانڈورنگ: میں قسم کھاتا ہوں کہ میرے پاس نہیں ہے۔
(وصیت نامہ راموجوشی کو مل جاتا ہے)

راموجوشی: تم دونوں بزدل ہو ــــ اور میں مرد ہوں
مرد ــــ پانڈورنگ اور کریم بھائی میں تم دونوں
کو جانتا ہوں!

کریم بھائی: تم سالے لنگڑے ہو بھی کہ نہیں ــــ یا
صرف لنگڑے ہونے کا ڈھونگ کرتے ہو ــــ
پتہ نہیں ــــ تم پیسوں کے لیے اپنی ماں کو بھی بیچ
سکتے ہو ــــ حرامزادے اس سے پہلے کہ میں تمہاری
دوسری ٹانگ بھی توڑ دوں۔ تم یہاں سے دفع ہو جاؤ
ــــ اور پانڈورنگ تم بھی!

(راموجوشی پستول نکال لیتا ہے۔ پانڈورنگ اور

(کریم بھائی ہاتھ اونچے کیے ہوئے باہر نکلتے ہیں)

پانڈورنگ : مجھے تمہاری ٹوپی پسند ہے!

کریم بھائی : رامو، تم اچھا نہیں کر رہے ہو، یاد رکھنا۔

راموجوشی : بھاڑ میں جاؤ تم دونوں! (ونایک سے کہتے ہے)
دیکھا دادا، کیدارناتھ کی اصلی وصیت پانڈورنگ
کے پاس سے نکلی کہ نہیں —— یہ سراسر دھوکہ ہے
(وصیت کھول کر پڑھتا ہے) "میں جانتا ہوں کہ ونایک
گپتے نے کیا کیا، کیا ہے —— گوکل بھائی کا قتل۔ آگ
لگانا۔ جھوٹا مقدمہ چلانا اور غنڈہ گردی پھیلانا۔
یہ سب اس کے پلان سے ہوا۔ اس نے سین جیسے
بہادر آدمی کو بھی توڑ ڈالا" —— دادا، یہ بیان کا پرچہ
نے ہی تیار کرایا ہے۔ یہ لوگ بھیرونگر پر بھی قبضہ
کرنا چاہتے ہیں —— لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتے
—— کیونکہ تم آڑے آتے ہو —— اس لیے اب
وہ تم کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ ان کو جو بھی کام تم سے
کروانا تھا کروا لیا۔ اور اب تم ان کے لیے سڑے
ہوئے آلو سے زیادہ کچھ نہیں ہو —— سمجھے دادا! اسی
لیے یہ وصیت تیار کی گئی ہے جسے وہ کیدارناتھ کا
"اقبال جرم" بتا کر پبلک کے سامنے رکھیں گے۔
تو یہ ہے دادا ان کا پلان —— اور یہ لوگ پانڈورنگ
اور کریم بھائی دونوں اس سازش میں شامل ہیں ——
پانڈورنگ نے اس وصیت کا بیان تیار کیا ہے،
خود بھائی بھیرونگر کی پوری کمائی اکیلا ہڑپ کرنا
چاہتا ہے۔ وہ ہم دونوں کو کباب میں ہڈی سمجھتا
ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں دادا، اٹھو —— ان
سب غداروں کو آج ہی رات ختم کر ڈالو —— ان میں سے
کوئی بھی حرام زادہ زندہ نہ بچے۔!

ونایک گپتے : تو تمہارا مطلب ہے کہ یہ سب لوگ میرے
خلاف سازش کر رہے تھے —— میں سمجھ نہیں پا رہا
تھا کہ آخر یہ سب مجھے بھیرونگر جانے سے کیوں روک
رہے ہیں!

راموجوشی : دادا مجھے ان سے نپٹ لینے دو —— میں اور
میرے آدمی آج رات کو کیدارناتھ کے گھر جائیں گے
اسے بستر سے اٹھائیں گے اور کہیں گے کہ ہم اسے
اسپتال میں داخل کرانے کے لیے آئے ہیں ——
اسے ہم اسپتال کے مردہ خانے میں دوسری لاشوں
کی طرح پھینک دیں گے۔!

ونایک گپتے : لیکن پانڈورنگ بھی وہاں ہوگا!

راموجوشی : پانڈورنگ کو کھلی ہوا پسند ہے —— ہم اس
کی لاش کو جھیل میں پھینک دیں گے!
(وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں)

ونایک گپتے : اور کریم بھائی کا کیا کریں گے؟

راموجوشی : میں واپسی پر کریم بھائی کی پھولوں کی دوکان
پر جاؤں گا اور کیدارناتھ کی ارتھی کے لیے تازہ پھول
خریدوں گا —— اور پھولوں کے دام اس سے (پستول
دکھاتا ہے) نقد ادا کروں گا!

ونایک : ٹھیک ہے رامو، اس سازش کا سرا ابھی سے کچل دینا
ہوگا اور بڑی بے رحمی سے کچلنا ہوگا —— میں اس
کام میں تم پر پورا بھروسہ کرتا ہوں، رامو!

رامو : دادا، تم مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہو۔ لیکن تمہیں میرے
آدمیوں کے سامنے آنا ہوگا —— انھیں سمجھانا
ہوگا کہ ہم یہ سب کیوں اور کس لیے کر رہے ہیں۔
دادا، میں تمہاری طرح بھاشن نہیں کر سکتا۔

ونایک گپتے : ٹھیک ہے —— میں آؤں گا!

راموجوشی : دادا میں جانتا تھا —— اچھی طرح جانتا
تھا کہ ایک دن تم اور میں —— ایک ہوں گے!

ونایک گپتے : اچھا تو ہم کس وقت ملیں گے؟

راموجوشی : ٹھیک گیارہ بجے رات۔

ونایک گپتے ـــــ کہاں؟
راموجوشی: گیرج میں۔
ونایک گپتے: تو میں ٹھیک وقت اور ٹھیک جگہ پر تم کو ملوں گا!

راموجوشی: (اپنے باڈی گارڈز سے) دادا ہمارے ساتھ ہے ـــــ دیکھا میں نے تم لوگوں سے پہلے ہی کہا تھا کہ دادا ہمارا ساتھ دیں گے۔ دادا، میں اب خود کو ایک دم نیا محسوس کرنے لگا ہوں ـــــ اب تم اور میں مل کر ساری دنیا کو فتح کر لیں گے!

(راموجوشی اپنے باڈی گارڈز کے ساتھ جاتا ہے۔ ونایک گپتے اس تقریر کی ریہرسل کرتا ہے جو اسے راموجوشی کے آدمیوں کے سامنے کرنی ہے)

ونایک گپتے: (خطیبانہ انداز میں)۔ دوستو، مجھے بڑے دکھ کے ساتھ آپ لوگوں کو یہ بری خبر سنانی ہے کہ ہمارے کچھ ساتھی جن پر ہم نے بھروسہ کیا ہے، ہمارے خلاف ایک گندی سازش تیار کر رہے ہیں ـــــ لالچ نے ان کو اندھا کر دیا ہے۔ یہ سازش آپ جانتے ہیں کس کے اشارے پر کی جا رہی ہے ـــــ گوبھی کے بیوپاریوں کے اشارہ پر یہ سازش کر رہے ہیں ـــــ نہیں، نہیں ـــــ یہ ٹھیک نہیں ہوگا ـــــ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ یہ لوگ ان کے اشاروں پر مجھے قتل کر دینا چاہتے ہیں اور ہماری ساری محنت اور سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دینا چاہتے ہیں ـــــ یہ غدار ہیں اور ہمارے قانون میں غداری کی سزا موت ہے۔ اس لیے میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ راموجوشی کی ہدایت میں آپ ان غداروں کا سر کچل کر رکھ دیں ـــــ مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کیوں کہ آپ جانتے ہیں کہ راموجوشی ہمارا وفادار ہے۔

(غفور بھائی، پانڈورنگ اور شریمتی سدھیر پھڑکے داخل ہوتے ہیں۔ ونایک گپتے سٹپٹا جاتے ہیں)

پانڈورنگ: گھبرانے کی کوئی بات نہیں دادا! سب دوست لوگ آیا ہے۔

غفور بھائی: دادا، شریمتی سدھیر پھڑکے سے ملو یہ بھیرونگر سے آئی ہیں۔ کواپریٹو کا خیال ہے کہ آپ کو ان کے کہنا دھیان دینا چاہیے۔

ونایک گپتے: (گھبیرتا سے) میں سن رہا ہوں!

غفور بھائی: کواپریٹو کا یہ بھی خیال ہے کہ ان سے اپنا ایگریمنٹ ہونا چاہیے۔

ونایک گپتے: آگے کہیے۔

غفور بھائی: مہانگری اور بھیرونگر کے گوبھی بیوپاریوں کے بیچ جو آپس میں مل کر کام کرنے کے بارے میں جو بات چیت چل رہی تھی اس کو بھی روک دیا گیا۔ بھیرونگر میں آپ کے گروپ کا کام کرنے کے ڈھنگ کے بارے میں بہت غلط فہمی تھی اپنا کواپریٹیو نے شریمتی پھڑکے سے مل کر دور کر دیا ہے۔ اب معاملہ بالکل صاف ہو گیا ہے۔

ونایک گپتے: تو مجھے بتاؤ کہ پھڑکے جی کے وہ لیکھ کس کے خلاف تھے؟

غفور بھائی: دادا، میں تمہیں بات کھول کر بتاتا ہوں ـــــ دیکھو گوکل بھائی کا مرنے سے بھیرونگر کا لوگ کو بہت دھکا لگا۔ گوکل بھائی کوئی معمولی آدمی نہیں تھا ـــــ دوسری بات یہ کہ شو نرائن کی کمپنی کی بھی شکایت ہے۔ اس کے لڑکوں پہ تمہارے آدمیوں نے دو بار گولی چلایا۔ شریمتی پھڑکے ہم کو بولا کہ کواپریٹو کی گوبھیوں کے پتوں سے خون رستا ہے۔

ونایک گپتے: سب لوگ سمجھتے ہوں گے کہ سارا قصور میرا ہے۔ وہ میرے منہ پر تھوکتے ہوں گے!

پانڈورنگ: نہیں دادا، لوگ جانتے ہیں کہ سارے خون خرابے کا ذمے دار راموجوشی ہے۔

(ونایک گپتے غصے سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے)

غفور بھائی: ٹھنڈے دماغ سے کام لو دادا۔
پانڈورنگ: تم کو برا نہیں ماننا چاہیے۔

ونایک گپتے: (غصے میں) میں یہ سب سننے کے لیے تیار نہیں ہوں
تم لوگ مجھے آخر سمجھتے کیا ہو ــــ تم کو معلوم ہونا چاہیے
کہ راموجوشی میرا دوست ہے اور رہے گا ــــ میں
تم لوگوں کو یہ حق نہیں دیتا کہ مجھے حکم دو کہ میں کسے اپنے
ساتھ رکھوں اور کسے نہ رکھوں۔ میں اسے اپنی بے عزتی
سمجھتا ہوں ــــ میں کبھی اسے برداشت نہیں کروں گا!
غفور بھائی: دادا، کوآپریٹو سٹرکچر کا ساتھ ہے۔ تم
ذرا عقل سے کام لو ــــ تم بزنس اور دوستی کا میل
پوری مت بناؤ۔ بولو تم رام جوشی کا ساتھ ہے کہ کوآپریٹو
کا ساتھ!
(سٹیج پر گہری تاریکی چھا جاتی ہے۔ Drums بجتے
ہیں گویا ونایک گپتے کی دماغی حالت کا اظہار کر رہے
ہوں)

گیارھواں منظر

ایک گیراج ــــ رات کا وقت ــــ بارش کی آواز
راموجوشی، نوجوان انّا اور پس منظر میں کچھ بندوق دھاری
لوگ۔

انّا: رات کا ایک بج چکا ہے!
راموجوشی: کسی وجہ سے دادا کو آنے میں دیر ہو رہی ہے، انّا!
انّا: شاید وہ فیصلہ نہیں کر پائے۔
راموجوشی: یہ ممکن ہے انّا۔ دادا اپنے تمام ساتھیوں سے
پیار کرتے ہیں۔ اپنے ساتھیوں پر ہاتھ اٹھانے سے
پہلے وہ اپنی جان دینا پسند کریں گے۔ کریم بھائی
اور پانڈورنگ جیسے ذلیل کتوں کی جان لینے میں بھی
شاید وہ اپنی آتما سے لڑ رہے ہوں گے۔ انھیں آتے
آتے شاید دو بج جائیں۔ ہو سکتا ہے تین بھی بج جائیں
ــــ لیکن دادا ضرور آئیں گے انّا ــــ میں دادا
کو اچھی طرح جانتا ہوں ــــ جب پانڈورنگ کی
لاش میرے سامنے تڑپ رہی ہوگی تب میرا کلیجہ ٹھنڈا
ہوگا۔
ایک گن مین: دیکھو کریم لوگ کو دارو مانگتا ہے۔!
راموجوشی: نہیں ــــ میں چاہتا ہوں کہ وہ آج ہوش میں
رہیں۔
ٹنگو: باس، میں نے پولس اسٹیشن سے دو کاروں کو نکلتے
دیکھا ہے جس میں پولیس والے ڈائنامیٹ لے کر جا
رہے تھے۔
راموجوشی: اچھا! ــــ تو دیکھو گلی میں تو کوئی نہیں
ہے ــــ او کے ــــ شٹر ڈاؤن کر دو ــــ ممکن
ہے کہ وہ پولس والے نہ ہوں مگر ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے
(گیرج کا آہنی شٹر دھیرے دھیرے آواز کرتا ہوا نیچے
گرتا ہے)
انّا: (سر ہلاتا ہے) یہ سالی سگریٹ بھی کمال کی چیز ہے۔
ــــ ایک دم مارو تو دل چاہے اندر سے کانپتا
رہے لیکن چہرے پر سے گھبراہٹ غائب ہو جاتی ہے۔
راموجوشی: (مسکراتے ہوئے) ــــ مجھے اپنے ہاتھ دکھاؤ۔
انّا: (ہاتھ دکھاتے ہوئے) میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں اور
یہ کتنی بری بات ہے!
راموجوشی: اس میں بری بات کیا ہے۔ دیکھو انّا میں
بے رحم اور پتھر دل موالیوں اور داداؤں کے بارے
میں اچھی رائے نہیں رکھتا ــــ یہ لوگ بے حس ہوتے
ہیں کیوں کہ انھیں کوئی چوٹ نہیں پہنچا سکتا ــــ
اس لیے یہ لوگ بھی کسی پر بھرپور چوٹ نہیں کر سکتے
ــــ تم کانپتے ہو تو یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔
ایک آواز: (باہر سے) ــــ پولس کی کار سڑک پر گشت
کر رہی ہے۔
راموجوشی: کیا کار رکی؟
آواز: نہیں چل رہی ہے ــــ چرچ کے پاس پارکنگ کی

کی جگہ نہیں ہے

(گن مین . داخل ہوتا ہے کار سامنے نکڑ پر آکر رک گئی ہے۔ اس کی ہیڈ لائٹ مدھم ہو گئی ہے۔)

راموجوشی: ایسا لگتا ہے کہ پولیس دادا کی طرف آئی ہے۔ ان حرامزادے کریم بھائی اور پانڈورنگ نے دادا کو بھی بیچ ڈالا ہے۔ دادا ان کے جال میں پھنس گیا ہے۔ دادا کو بھی ختم کرنا ہوگا۔

اننا: (صاف اور تیز آواز میں) شٹر اوپر اٹھا دو!

راموجوشی: سب لوگ تیار رہیں!

اننا: شٹر اوپر اٹھاؤ!!

(آہنی شٹر دھیرے دھیرے اوپر اٹھتا ہے۔ کار کی ہیڈ لائٹس سے روشنی آتی ہے۔ اور کار رک جاتی ہے۔ ونایک کھیتے اور کریم بھائی جلدی سے اندر آتے ہیں)

راموجوشی: دادا!

اننا: (دھیمی آواز میں) ـــــ اور کریم بھائی!

راموجوشی: یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

ونایک کھیتے: یہی میں جاننا چاہتا ہوں کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے!

(ونایک کھیتے آگے بڑھ کر راموجوشی کو کندھوں سے پکڑ لیتا ہے۔ کریم بھائی پستول نکال کر راموجوشی کو شوٹ کرتا ہے۔ راموجوشی گرتا ہے)

ونایک کھیتے: سب لوگ دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ!

(راموجوشی کے تمام آدمی ایک طرف دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ حیران ہیں کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ راموجوشی زمین پر گر پڑا۔ کریم بھائی اس پر جھکا ہوا ہے)

کریم بھائی: (آہستہ سے) ابھی سانس چل رہی ہے۔

ونایک کھیتے: (راموجوشی کے آدمیوں سے) تم سب نے مجھے اور کیدارناتھ کو جو قتل کرنے کا پلان بنایا تھا وہ مجھے معلوم ہو چکا ہے۔ میں عین موقعے پر تمہارے پلان کو ناکام بنانے آ پہونچا ہوں ـــــ دیکھو، کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا۔ ـــــ خبردار! ابھی تم لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ میری پیٹھ میں چھرا بھونکنے کی ذلیل کوشش کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ کریم بھائی، میں کیدارناتھ کے پاس جا رہا ہوں۔ ضرورت پڑے تو وہاں دیکھ لینا۔

(ونایک کھیتے چلا جاتا ہے ـــــ کریم بھائی دیوار کے ساتھ کھڑے تمام آدمیوں کو مشین سے اڑا دیتا ہے اور چلا جاتا ہے)

راموجوشی: (کراہتا ہے) ہے ایشور۔

(راموبڑی مشکل سے پلٹتا ہے۔ اس کا چہرہ چاک کی طرح سفید ہو چکا ہے)

ـــــ کیا ـــــ ہوا ہے ـــــ ؟ اُف میری آنکھوں کو کیا ہوا ـــــ مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا۔ دادا کہاں ہے!

(راموزمین پر گھسیٹتا ہے جیسے دادا کو تلاش کر رہا ہو)

بارھواں منظر

کریم بھائی کی پھلوں کی دوکان۔ ـــــ سدھیر پھڑکے اور اس کی بیوی ارمیلا کھڑے ہیں۔

سدھیر پھڑکے: مجھے یہ اچھا نہیں لگا! اُرمیلا۔

ارمیلا: لو۔ تم ہی راموجوشی کے خلاف اتنے بڑے بڑے بیک لکھتے تھے ـــــ اب وہ نہیں رہا تو تمہیں بُرا لگ رہا ہے!

سدھیر: اب وہ نہیں رہا سے تمہارا مطلب ہے کہ اسے مار ڈالا گیا ہے۔

ارمیلا: مار ڈالا گیا ہے ـــــ یا مر گیا ہے ـــــ لیکن اب وہ اس دنیا میں نہیں رہا ـــــ اور غفور بھائی نے مجھے بتایا کہ ونایک کھیتے کی جوانی کی حرمستیاں بھی کچھ سرد پڑ گئی ہیں ـــــ جوانی میں خیر کس نے حرمستیاں نہیں کیں۔ کسی نے تھوڑی، کسی نے زیادہ ـــــ

لیکن ونایک گپتے میں کافی سدھار ہوا ہے ۔ اب
اسے بھلے لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے کا سلیقہ بھی آگیا ہے۔
اس کی بھاشا میں بھی کافی سدھار ہوا ہے ۔
پچھلے کئی ہفتوں سے اس نے کوئی قتل بھی نہیں
کیا۔ لیکن اگر تم اس پر حملہ کرتے رہے، اس کے
خلاف لکھتے رہے تو ممکن ہے کہ اس کو کچھ غصہ
آجائے۔ اور اس سے تمہیں نقصان پہنچ سکتا ہے
اگر تم اپنی زبان بند رکھو گے تو میرا خیال ہے کہ وہ شریف
آدمیوں کی طرح برتاؤ کرے گا ۔

سلدھیں : مجھے شک ہے کہ زبان بند رکھنے سے کچھ فائدہ ہوگا ۔

ارمیلا : میرا خیال ہے کہ فائدہ ہوگا ۔ آخر یہ لوگ انسان ہیں جانور نہیں!

(پانڈو رنگ پیچھے سے آتا ہے ۔ اس کے سر پر
رامو کی ٹوپی ہے)

پانڈو رنگ : ہلو! دادا تم دونوں کو دیکھ کر خوش ہوں گے
وہ بس میرے پیچھے آ رہے ہیں ۔ لیکن میں تو چلوں گا
دادا نے مجھے یہاں دیکھ لیا تو ناراض ہوں گے۔
اور کریم بھائی نے میرے سر پر رامو کی ٹوپی دیکھ
لی تو مجھے بھی اپنی طرح لنگڑا بنا دیں گے ۔ یہ ٹوپی میں
نے کریم بھائی کے یہاں سے چرائی ہے۔

(پانڈو رنگ آنکھ مارتا ہے ۔ ایک قہقہہ لگاتا ہے
اور چلا جاتا ہے)

سلدھیں — یہ لوگ بولتے ہیں تو غصہ آتا ہے ۔ ہنستے
ہیں تو نفرت ہوتی ہے ۔

ارمیلا : تمہارے جو من میں ہوتا ہے تم وہ بک دیتے ہو
یہاں تو تمہیں نہیں بولنا چاہیے!

سلدھیں : (تلخی سے) اب ہم کہیں بھی نہیں بول سکیں گے۔
بولنے کے دن گئے!

ارمیلا : لیکن ہم اب کر بھی کیا سکتے ہیں — بھیڑ نگر
میں یہ بات پھیل گئی ہے کہ مہانگری میں اب سور گیا ہے شی
کیدار ناتھ کی جگہ ونایک گپتے کو میئر بنایا جا رہا ہے
— اور اس سے بھی بڑی بات یہ کہ دوکان دار
لوگ اب گربھی کو اپر پیٹھ کو پسند کرنے لگے ہیں ۔

سلدھیں : میرے دو چھاپے خانوں کو آگ لگا دی گئی ہے ۔
انہیں تباہ کر دیا گیا ہے — ارمیلا، میں جانتا
تھا کہ یہ سب ہوگا ۔ اس کا مجھے پہلے ہی سے اندازہ
تھا۔

ارمیلا : ونایک گپتے آ رہا ہے ۔!

(کریم بھائی اور ونایک گپتے آتے ہیں ۔ مصافحہ
کے لیے وہ ہاتھ بڑھاتے ہیں)

ونایک گپتے : آپ آگئے — مجھے بے حد خوشی ہے!

سلدھیں : گپتے جی، میں بہت صاف گو آدمی ہوں — سچ
کہوں تو میں آنا نہیں چاہتا تھا۔

ونایک گپتے : اب تو آپ آگئے ۔ بھادر آدمیوں کا ہر جگہ سواگت
ہوتا ہے۔

سلدھیں : گپتے صاحب، اگر میں آپ کا ورودھ کرتا رہا ہوں تو
اس کی وجہ یہ نہیں کہ میری آپ سے کوئی ذاتی دشمنی ہے
لیکن میرے کچھ اصولوں کا سوال ہے اور آپ کا ورودھ
کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں!

ونایک گپتے : میں فرض شناس اور با اصول لوگوں کی بیحد
قدر کرتا ہوں ۔ لیکن بعض غلط فہمیاں ایسی ہوتی ہیں
جو ایک دوسرے کے نزدیک آنے سے دور ہو جاتی ہیں۔
اگر ہم آپ ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے تو ایک
دوسرے کو زیادہ سمجھ سکتے — آپ دیکھئے کہ میں
کتنا شانتی پریہ آدمی ہوں!

سلدھیں : تو پھر یہ ہنسا، طاقت کا استعمال.....

ونایک گپتے : گاندھی اور گوتم کے اس دیش میں ہنسا کون

پسند کرتا ہے۔ لیکن اگر لوگ عقل سے کام لیں اور مناسب بات کو مان لیا کریں تو پھر ہنسا کی ضرورت ہی نہیں پڑیگی۔

سدھیر: دراصل میں چاہتا ہوں کہ.....

ونایک گپتے: جو آپ چاہتے ہیں میں بھی وہی چاہتا ہوں.. چھوٹے موٹے دوکاندار چاہتے ہیں کہ وہ شانتی کے ساتھ اپنا مال بیچ سکیں اور جب کوئی ان پر حملہ کرے تو ان کی حفاظت کی جائے!

سدھیر: (سختی سے) —— ضروری بات یہ ہے کہ انھیں یہ فیصلہ کرنے کی آزادی ہونی چاہیے کہ انھیں کسی کی حفاظت کی ضرورت ہے یا نہیں؟

ونایک گپتے: آپ کا کہنا ٹھیک ہے —— انھیں یہ فیصلہ کرنے کی آزادی ہونی چاہیے لیکن اس کے لیے انہیں اپنے اوپر یا کسی اور پر بھروسہ کرنا ہوگا اور میں نے بھروسے اور وشواس کی اہمیت پر ہمیشہ زور دیا ہے۔

سدھیر: آپ کے منھ سے یہ باتیں سن کر مجھے خوشی ہو رہی ہے اور میں آپ پر بھروسہ کرنے کا خطرہ مول لے سکتا ہوں مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پھر دنگر کے لوگ ہنسا اور طاقت کے سامنے کبھی نہیں جھکیں گے۔

ونایک گپتے: سدھیر صاحب میں آپ کی بات سمجھتا ہوں۔ کیونکہ کوئی بھی طاقت کے سامنے اس وقت تک جھکنے کے لیے تیار نہیں ہوتا جب تک طاقت کے ذریعے اسے جھکنے پر مجبور نہ کر دیا جائے۔

سدھیر: اگر جہانگیری کی طرح یہاں بھی وہی حرکتیں ہوئیں —— وہی خون خرابہ اور غنڈہ گردی ہوئی تو میں کبھی نہیں معاف کروں گا۔

ونایک گپتے: سدھیر صاحب، مجھے بھی صاف آدمی بہت پسند ہیں —— ممکن ہے کہ دو چار ایسی گھٹنائیں ہو جائیں جو شکنا کے پیمانے پر پوری نہ اتریں —— لیکن میں اتنا وشواس دلاتا ہوں کہ جہاں تک دوستوں کا تعلق ہے انھیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے —— سدھیر صاحب میں آپ سے اتنی گزارش کرتا ہوں کہ آپ مجھ پر بھروسہ کریں۔ وشواس رکھیں —— دوستوں سے وفاداری اور ان پر جان دینا میرا دھرم ہے۔ آپ اپنے اخبار میں جب میرے بارے میں بھیانک باتیں لکھتے ہیں اور میری ایسی تصویر پیش کرتے ہیں کہ جیسے میں بہت خوفناک آدمی ہوں —— تو اس سے دل کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔

ارمیلا: میرے پتی انسانی کمزوریوں سے خوب واقف ہیں —— اور اتنی چھوٹ دینا وہ جانتے ہیں۔

کریم بھائی: سدھیر صاحب اپنی سمجھداری اور انسان دوستی کے لیے تو اتنے مشہور ہیں کہ..... خیر یہ بہت اچھا ہوا کہ ہماری بات چیت بڑے دوستانہ ماحول میں ہوئی ہے —— آئیے اب میں آپ کو اپنا سٹور دکھاؤں۔

ونایک گپتے: (سدھیر سے) پہلے آپ!

(کریم بھائی اور سدھیر سٹور میں داخل ہوتے ہیں)

ارمیلا (ونایک گپتے سے) —— بڑی خوشی کی بات تو یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھ گئے ہیں۔

ونایک گپتے: میری ماں کے بعد اگر کسی نے مجھے سمجھنے کی کوشش کی ہے تو وہ آپ ہیں!

ارمیلا: دراصل مشکلوں میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے سے ہی دوستی کی جڑیں گہری اور مضبوط ہوتی ہیں۔

ونایک گپتے: مجھے خوشی ہے کہ آپ عورت ہوتے ہوئے بھی اتنی سمجھدار ہیں۔

(سدھیر سٹور سے باہر آتا ہے)

سدھیر: ارمیلا! چلو —— اب میں یہاں اور زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا!

ارمیلا: کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ الوداع کہتے ہوئے اچھا

نہیں لگتا۔

وناینک گپتے: لیکن ہم لوگوں کے بیچ سمجھوتہ ہو گیا ہے — یہ اچھی بات ہے۔

(کریم بھائی باہر نکلتا ہے اور ارمیلا کو پھول پیش کرتا ہے)

کریم بھائی: آپ کے لیے یہ نازک اور خوب صورت پھول!

ارمیلا: ہائے کتنے پیارے ہیں (پھول سونگھتی ہے)

(سدھیر اور ارمیلا چلے جاتے ہیں)

وناینک گپتے: یہ آدمی مجھے پسند نہیں ہے!

تیرھواں منظر

(شمشان گھاٹ) — کچھ لوگ ارتھی اٹھائے آتے ہیں)

آواز: شری سدھیر پھڑکے آج ہمارے بیچ نہیں رہے — زندگی بھر وہ انیائے اور بے انصافی کے خلاف لڑتے رہے — سچائی کے راستے پر ان کے قدم کبھی نہیں ڈگمگائے — دنیا کی کوئی بھی طاقت ان کو اور ان کے قلم کو نہیں خرید سکی — وہ ایک نڈر اور بے باک پترکار تھے — ان کے قلم کا ان کے وچاروں کا آدر پورے دیش میں کیا جاتا ہے — ان کے دشمن بھی ان کی ایمان داری اور بہادری کے سامنے سر جھکاتے تھے — اپنے جیون کے انتم سمے تک انھوں نے نہ تو اپنا سر جھکایا اور نہ ہی قلم۔ بھگوان ان کی آتما کو شانتی دے!

کریم بھائی: بہت خوب — ہوشیار آدمی معلوم ہوتا ہے — سدھیر کس طرح مرا اس کے بارے میں اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا!

(پانڈورنگ سدھیر کی ٹوپی پہنے ہوئے آتا ہے)

پانڈورنگ: بڑا بھلا آدمی تھا — بھگوان اچھے آدمیوں کو جلدی اپنے پاس کیوں بلا لیتا ہے!

کیلاش ناتھ کا بیٹا: (اشوک) — تم لوگ یہاں اس لیے کھڑے ہو کہ ارتھی کے ساتھ سچائی کو بھی آگ میں جھونک دو —

کریم بھائی: اشوک، سامنے سدھیر کی ارتھی تیار ہے اور تم اوٹ پٹانگ بک رہے ہو — ! جانتے بھی ہو کہ دادا کو سدھیر کی موت کا کتنا دکھ ہے!

پانڈورنگ: (وناینک گپتے سے) — ہم لوگ ارتھی کے پاس کھڑے ہیں اور یہ لوگ اداس بھی نہیں ہوتے۔

کریم بھائی: شریمتی پھڑکے آ رہی ہیں۔

(شریمتی پھڑکے ایک عورت کے سہارے داخل ہوتی ہے۔ وناینک گپتے اس کے قریب آجاتا ہے۔ موسیقی)

وناینک گپتے: میری ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں، ارمیلا جی!

پانڈورنگ (چلا کر) — ارے — تم لوگ رکو!

(شریمتی پھڑکے مڑ کے دیکھتی ہے — اس کا چہرہ بالکل زرد ہے)

وناینک گپتے: ارمیلا جی میں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں۔ — سدھیر جی اب ہمارے بیچ نہیں رہے — ایشور ان کی آتما کو شانتی دے — لیکن بیوپار تو بیوپار ہے — دنیا اس کے بغیر کیسے چل سکتی ہے — سدھیر جی کی بے وقت موت سے مجھے — اور آپ کو — ہم سب کو صدمہ پہنچا ہے — آپ کی آنکھوں میں آنسو ہیں — لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ آنسو آپ کو وہ خطرہ دیکھنے سے روک دیں جو ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ رات کو غنڈے ٹرک لوٹ لیتے ہیں۔ لوگوں کو مار ڈالتے ہیں — کہیں ایسا نہ ہو کہ ان غنڈوں کے ہاتھ ہماری سبزی کے بیوپار کو آگ لگا دیں — سبزی کے بیوپاریوں کو رکھشا کی ضرورت ہے — یا نہیں ہے — میں آپ سے پوچھ رہا ہوں، ارمیلا جی!

ارمیلا: ہے بھگوان، تو سن رہا ہے — ابھی میرے پتی کی لاش اگنی کے سپرد بھی نہیں کی گئی اور مجھ سے بیوپار کے

بارے میں پوچھا جا رہا ہے!

ونایک گپتے: سدھیر جی کی موت کا مجھے کتنا صدمہ ہے — اس کا شاید کسی کو اندازہ نہیں ہے — وہ میرے ہم عصروں میں سے تھے!

ارمیلا: میں جانتی ہوں کہ تم اس کے دوست تھے — لیکن میرے پتی کا خون بھی انہیں ہاتھوں نے کیا ہے جو اس کی طرف دوستی کے لیے بڑھے تھے — وہ ہاتھ تمہارے تھے — میرے پتی کے قاتل تم ہی ہو تم

ونایک گپتے: آپ بھی سنی سنائی باتوں پر وشواس کریں گی۔ ایسی امید مجھے نہیں تھی — جب میرے خلاف کوئی بے ہودہ بہتان لگاتا ہے تو میرا خون کھولنے لگتا ہے — میں کوئی نیک کام کرتا ہوں تو لوگ اس میں کیڑے نکالتے ہیں۔ لوگ مجھے کتنا غلط سمجھتے ہیں۔ — میرے دوستانہ ویوہار کو بھی بلیک میل اور دھمکی کا نام دیتے ہیں — جب میں ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں تو وہ اسے جھٹک دیتے ہیں

ارمیلا: کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ تمہاری دوستی کا مطلب ہے موت —

ونایک گپتے: دیکھا دوستو، سن رہے ہو لوگو! — غلط فہمی کی وجہ سے لوگ مجھ سے کس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں! سدھیر صاحب بھی مجھے نہیں سمجھ پائے۔ انہوں نے میری دوستی کو چاپلوسی سمجھا — میری فراخ دلی کو میری کمزوری جانا — وہ میری ہر بات پر خاموشی اختیار کر لیتے تھے — جبکہ میں ان کے ساتھ ساجھے داری کے لیے تیار رہتا تھا — میں ان کے ساتھ جتنا بھی دوستانہ برتاؤ کرتا تھا ان کی نفرت میرے لیے اور بھی بڑھ جاتی تھی — آپ نے خاموش رہنے کا وعدہ کیا تھا لیکن اب آپ مجھ پر قاتل ہونے کا الزام لگا رہی ہیں — کیا یہی تھا آپ کا وعدہ شریمتی بھرتکے! آپ میری شرافت کا زیادہ فائدہ نہ اٹھائیں — آخر صبر کی بھی ایک حد ہوتی ہے!

ارمیلا: تم نے ان کے ساتھ ساتھ مجھے بھی خاموش کر دیا۔

ونایک گپتے: خاموش تو پتھر بھی ہوتے ہیں — آپ کے سینے میں دل نہیں، پتھر ہے!

ارمیلا: ہاں، اور تمہارے سینے میں دل ہے — تم اپنے دل کی گہرائی سے لوگوں کو قتل کرتے ہو — تم اتنی شدت سے نفرت کرتے ہو جتنی شدت سے دوسرے لوگ محبت کر سکتے ہیں — تم عیاری، مکاری اور چالاکی میں آپ اپنی مثال ہو — تم بڑی ایمانداری سے جھوٹ بولتے ہو — تم بڑی سچائی کے ساتھ قتل کرتے ہو — بہتا ہوا خون دیکھ کر تمہارا دل گلاب کے پھول کی طرح سرخ ہو جاتا ہے!

ونایک گپتے: ارمیلا جی، میرا اصول ہے کہ سامنے والے کی بات دھیرج سے سنو — چاہے وہ گالیاں ہی کیوں دیتا ہو — میں جانتا ہوں کہ آپ کے حلقے میں مجھے اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ آپ کے دوستوں میں اونچے طبقے کے لوگ ہیں — مجھے آپ لوگوں کی طرح میز پر بیٹھ کر چھری کانٹے سے کھانے کی تمیز نہیں ہے۔ اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ جو چھری اور کانٹے سے نہیں کھا سکتا وہ دھندا اور بیوپار کی اونچ نیچ کو کیسے سمجھ سکتا ہے — وہ سمجھتے ہیں کہ جب وہ لوگ بجٹ، ملٹری، منڈل، فائنانس، بینک ریٹ، ٹیکس، ٹیرف — اور اس قسم کے بھاری بھرکم لفظ بولتے ہیں تو میں انہیں سمجھ نہیں پاتا۔

ونایک گپتے: اور شوربے میں لت پت اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو چوستا ہوں — میں اونچی سوسائٹی میں بیٹھنے کے لائق نہیں ہوں — لیکن شریمتی بھرتکے! دھندا اور بیوپار ان اونچے بڑے لوگوں کی جاگیر نہیں ہے — میں صاف گوئی کو مانتا ہوں — میں سفید کو سفید اور سیاہ کو

میں یہ کہنا چاہتا ہوں ——— اور صاف بات یہ ہے کہ آپ لوگ بھی بیوپار کرتے ہیں اور میں بھی ——— یہی بیوپار آپ کے اور ہمارے درمیان ایک پل کی طرح ہے ——— یہ مجھے آپ سے جوڑتا ہے۔

ارمیلا: لیکن بھیرونگر میں اس پل کے نیچے تم نے جو خون کی ندی بہائی ہے وہ تم کو ہم سے جدا کرتی ہے۔

ونایک گپتے: شریمتی بھرتیکے ——— اوہ ——— میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کو شریمتی بھرتیکے کہوں یا ارمیلا جی ——— بہرحال شریمتی بھرتیکے، تجربے نے مجھے یہ سکھا دیا ہے کہ اگر میں آپ سے انسانوں کی طرح کوئی بات کروں تو وہ آپ کی سمجھ میں نہیں آتی ——— اس لیے اب میں آپ سے ایک بااثر امپورٹ اور ایکسپورٹ فرم کے مالک کی حیثیت سے بات کروں گا ——— کہیے شریمتی جی بزنس کا کیا حال ہے (بیک گراونڈ میں چتا کے شعلے بلند ہوتے ہیں) کیا آپ مجھ سے بزنس کریں گی ——— انسان مر جاتا ہے لیکن بزنس چالو رہتا ہے کیونکہ آدمی کے مرنے سے سب انسان نہیں مرتے۔

ارمیلا: میں جانتی ہوں کہ ابھی میں زندہ ہوں ——— اور میں سوگند کھا کر کہتی ہوں ——— میں اپنے پتی کی سوگند کھاتی ہوں کہ اب میری زندگی کا مقصد تمہیں ختم کرنا ہے ——— سمجھے، میں تمہیں ختم کر کے چھوڑوں گی!

بانکے ورنگ: آپ اتنا اونچا بولیں گی تو لکڑیوں کے جلنے کی آواز دب جائے گی!

ارمیلا: اسد ھیر! اسد ھیر ——— میں جانتی ہوں کہ اب تم اس دنیا میں نہیں ہو!

ونایک گپتے: ہاں اسد ھیر اب اس دنیا میں نہیں رہے ——— اب بھیرونگر میں ہنستا اہنستا ——— تیاگ اپنائے جیسے کھوکھلے شبدوں سے کھیلنے والا اسد ھیر باقی نہیں ہے ——— یہ بڑے دکھ کی بات ہے ——— اور میں آپ کے دکھ میں برابر کا شریک ہوں اور سمجھتا ہوں کہ آپ کو رکھشا کی ضرورت ہے ——— اس اندھیری اور ظالم دنیا میں آپ اکیلی ہیں اور آپ کی رکھشا کی جانی چاہیے ——— مجھ سے بہتر آپ کی رکھشا کون کر سکتا ہے؟

ارمیلا: (خلا میں گھورتے ہوئے) یہ باتیں مجھ سے وہ شخص کہہ رہا ہے اور اس شخص کی بیوہ سے کہہ رہا ہے جس کے پتی کو اس نے اپنے ہاتھوں سے قتل کیا ہے۔

ونایک گپتے: میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ بھیرونگر کی رکھشا میں کروں گا ——— بھیرونگر میری شرن میں ہوگا ——— دنیا کی کوئی طاقت اس کو نہیں روک سکتی!

ارمیلا: (دھیمے لہجے میں) بھیرونگر کی رکھشا اپنے ہاتھوں میں لینے سے پہلے تمہیں میری لاش سے گزرنا ہوگا۔

ونایک گپتے: شاید اس کی بھی ضرورت پڑ جائے!

چودھواں منظر

(مہانگری کے بیوپاریوں کی میٹنگ ——— ان کے چہرے سفید ایک سے پتے ہوئے ہیں ——— اسٹیج پر مائیکروفون ہے۔)

پہلا دوکان دار: قتل، خون، لوٹ مار، فراڈ ——— بس یہی چل رہا ہے مہانگری میں ———

دوسرا دوکان دار: اور ہم ڈرپوک لوگوں کی طرح سر نیچا کر لیتے ہیں ——— اور ایک تم بزدل

تیسرا دوکان دار: بزدل کون ہے؟ پچھلی جنوری میں دو غنڈے میری دوکان میں گھس آئے۔ اور داداگیری کرنے لگے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں تم لوگوں سے ڈرنے والا نہیں ہوں ——— خالی تمہاری بندوق سے ڈرتا ہوں ——— اور بھلا بندوق سے کون نہیں ڈرتا! ان کے پاس بندوق تھی ——— میں نے کیش بکس اٹھایا اور انھیں دے دیا ——— سالے بندوق کے بغیر آتے تو ٹانگ توڑ

دنیا ان کی!
چوتھا دوکان دار: میں بھی اپنی بیوی کا سے یہی بولا ــــ کہ
یہ غنڈہ لوگ کے پاس بندوق نہ ہو تو میں ان کو مزہ
چکھا دوں!
دوسرا دوکان دار: اپن لوگ میں دم نہیں ہے۔
چوتھا دوکان دار: دم نہیں! اپن لوگ کے پاس خالی دم
ہے اور ان کے پاس بھری بندوق ہے ــــ
تیسرا دوکان دار: دم ہے تو ایک دن کوئی مائی کا لال
اٹھے ــــ اور ان حرامزادوں کے آگے سینہ تان
کر کھڑا ہو جائے یہ لوگ ایک شہر سے دوسرے شہر
کی طرف بڑھ رہے ہیں ــــ کہیں تو ان کو کوئی روکے!
(بھیرونگر کے دوکان دار بھی میٹنگ میں آکر شامل ہوتے
ہیں۔ ان کے چہرے بھی چاک سے سفید ہیں)
بھیرونگر کے دوکان دار: مہانگری کے دوستوں کو سلام
سلام!
مہانگری کا دوکان دار: کہو بھیرونگر کے دوستو! ادھر
کیسے آئے؟
بھیرونگر کا دوکان دار: آئے نہیں، لائے گئے ہیں۔
ــــ ہمیں حکم ملا ہے کہ ہم بھی میٹنگ میں آئیں۔
مہانگری کا دوکاندار: کس نے حکم دیا بھائی!
بھیرونگر کا دوکاندار: ونایک گپتے کا حکم ہے۔
مہانگری کا دوکان دار: وہ کون ہوتا ہے تم لوگوں کو
حکم دینے والا ــــ تم لوگوں نے اسے اس بات کی
اجازت ہی کیوں دی کہ وہ حکم دے!
بھیرونگر کا دوکان دار: بھائی ہم ونایک دادا کے حکم
سے نہیں اس کی بندوق کے حکم سے آئے ہیں۔
مہانگری کا دوکان دار: تم لوگ آدمی ہو یا چوہے۔
ــــ کیا تمہارے شہر میں عدالت، کورٹ، کچہری
کچھ نہیں ہے!

بھیرونگر کا دوکان دار: پہلے یہ سب تھا ــــ اب کچھ
نہیں ہے ــــ اب بھیرونگر میں صرف بندوق ہے۔
ــــ ونایک گپتے کی بندوق۔
مہانگری کا دوکان دار: لیکن آپ لوگوں کو اس غنڈہ گردی
کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ اس پلیگ کو پھیلنے سے روکنا
چاہیے ورنہ یہ لوگ آپ کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالیں گے۔
آپ کو برباد کر دیں گے ــــ آپ نے مقابلہ کیوں
نہیں کیا؟
بھیرونگر کا دوکان دار(۱): صرف ہمیں ہی کیوں مقابلہ کرنا چاہیے!
بھیرونگر کا دوکان دار(۲): مقابلہ کرنے سے آپ کو کس نے
روکا تھا؟
بھیرونگر کا دوکان دار(۳): یہ پلیگ تو آپ کے یہاں سے یہاں
سے شروع ہوئی تھی!
مہانگری کا دوکان دار: ہم اس امید پر بیٹھے تھے کہ یہاں بھی
کوئی مائی کا لال اٹھے گا اور ان حرامزادوں کا (ہاتھ سے
گلے پر چھری چلانے کا اشارہ کرتا ہے)!
(ڈھول بجنے کی آواز ــــ ونایک دادا اور اس کے پیچھے
غفور بھائی، پانڈورنگ، کریم بھائی اور باڈی گارڈز
آتے ہیں)
پانڈورنگ: تو بھائیو، بھیرونگر کے سب دوکان دار آگئے؟
بھیرونگر کا دوکان دار(۱): ہاں سب آگئے ہیں!
پانڈورنگ: اور مہانگری کے دوکان دار؟
مہانگری کا دوکان دار(۱): جی ہاں ہم بھی موجود ہیں!
پانڈورنگ (ونایک گپتے سے) سب آگئے دادا۔
کریم بھائی: دوکان دار بھائیو! میں آپ کا سواگت کرتا ہوں
ــــ گوبھی کو آریہ بیٹھا آپ کا سواگت کرتا ہے۔ اب غفور
بھائی آپ کے سامنے بولیں گے۔
(شریمتی پھڑکے ماتمی لباس میں آتی ہے۔ اس کے ساتھ
کئی آدمی ہیں۔ وہ سب پیچھے بیٹھ جاتے ہیں)

غفور بھائی: بھائیو ——— مجھے آپ کو ایک خوش خبری سنانی ہے ——— وہ یہ کہ شرمتی بھرڈکے کا کمپنی بھی ہماری کوآپریٹیو میں شامل ہو گئی ہے۔ اس سلسلے میں ہفتوں سے بات چیت چل رہی تھی ——— اور کئی بار ایسا موقعہ آیا کہ بات چیت فیل ہو جاتی لیکن ہمارے دادا کی عقلمندی اور شرمتی بھرڈکے کی سمجھداری نے اس بات چیت کو فیل ہونے سے بچا لیا ——— اب آپ لوگ اپنی دوکانوں کے لیے ہمارے کوآپریٹیو اور صرف کوآپریٹیو سے ہی سبزی خریدیں گے ——— اس میں آپ کا کتنا فائدہ ہے وہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے ——— آپ کو اب مال فوری سپلائی ہوا کرے گا۔ ہاں دام پہلے سے کچھ زیادہ ضرور ہوں گے۔ لیکن دام کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے۔ میں شرمتی بھرڈکے کا ایک بار اور شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے ہماری کوآپریٹیو میں شامل ہو کر ہمارے بیوپار کو ایک نیا راستہ دکھایا ہے!

کریم بھائی: بھائیو اب آپ کے سامنے دادا اپنے وچار پرگٹ کریں گے۔

ونایک گپتے: (اسٹیج پر آکر سہانگری اور بھیرونگر کے بیوپاری بھائیو (وہ شرمتی بھرڈکے کی طرف دیکھتا ہے)، بہنو ——— دوستو اور ساتھیو۔ اس وقت مجھے سورگباشی سیٹھ کیدارناتھ کی یاد آ رہی ہے ——— بھگوان ان کی آتما کو شانتی دے۔ ان کے دل میں سارے دیش کا درد تھا اور ان کی خواہش تھی کہ ہمارا بیوپار خوب ترقی کرے ——— لیکن جب کاروبار میں سنکٹ آیا تو وہ بڑی چنتا میں پڑ گئے ——— ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ بیوپار کو سنکٹ سے بچانا ہے ——— تو میرے پاس ان کا حکم ماننے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا جس وقت یہ ذمہ داری میں نے اپنے کندھوں پہ لی تو مجھے خود بھی وشواس نہیں تھا کہ اس مہان کاریہ کو کر سکوں گا ——— سیٹھ کیدارناتھ جی کے سپنوں کو ساکار کر سکوں گا ——— لیکن آپ ان کے اس آخری خط کو دیکھ سکتے ہیں جس میں انھوں نے مجھے اپنا بیٹا کہا ہے اور بیوپار کی سیوا کے لیے مجھے آشیرواد دیا ہے، بدھائی دی ہے۔ اب میں اپنا سارا جیون بیوپار کی کے لیے ارپن کر دیا ہے ——— میں بیوپار کی رکھشا کروں گا ——— اور آپ سہانگری کے بیوپاری جانتے ہیں کہ میں نے بیوپار کی اور بیوپاریوں کی کس طرح سے رکھشا کی ہے ——— میری اس کامیابی سے پربھاوت ہو کر بھیرونگر کے سورگباشی سدھیر بھرڈکے نے مجھ سے نویدن کیا تھا کہ میں سہانگری کے بیوپاریوں کی طرح بھیرونگر کے بیوپاریوں کی بھی رکھشا کروں ——— اس سمے میں نے ان کے سامنے ایک شرط رکھی ——— وہ یہ کہ یہ درخواست اس نگر کے دوکان داروں کی طرف سے کی جائے۔ یہ لوک شاہی کا زمانہ ہے ——— یہ فیصلہ بھیرونگر کے دوکان داروں کو خود ہی کرنا ہے کہ انھیں میری رکھشا کی ضرورت ہے یا نہیں ——— لوک شاہی میں ایسا ہی ہونا چاہیے ——— اس لیے میں نے آپ لوگوں کو بلا لیا ہے تاکہ آپ کی رائے معلوم کر سکوں اور اپنی طرف سے میں صرف اتنا کہوں گا کہ مجھے آپ کا دو ٹوک جواب نہیں سیدھا اور سپشٹ جواب چاہیے ——— مجھے اجازت دیجیے کہ میں سارا معاملہ آپ کے سامنے دو ٹوک رکھ دوں (شرمتی بھرڈکے ایک مشین گن کو اپنی ساری میں چھپاتی ہے)

آپ میں سے کون میرے ساتھ ہے؟ یہاں میں ایک اور بات کہہ دینا چاہتا ہوں ——— اسے اچھی طرح دھیان میں رکھیں کہ جو میرے ساتھ نہیں ہیں انھیں

میں اپنا دشمن سمجھتا ہوں ــــ اور میری دشمنی کا جو نتیجہ نکل
سکتا ہے وہ آپ جانتے ہیں ۔ اب آپ لوگ آزادی
کے ساتھ اپنی رائے دے سکتے ہیں ــــ ہاں، میں پہلے
شریمتی بھڑکے سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ وہ اپنی رائے
کا اظہار کریں۔

شریمتی بھڑکے: دوستو، آپ جانتے ہیں کہ میرے پتی
سورگباشی سدھیر بھڑکے اب ہمارے بیچ نہیں رہے۔

پانڈو رنگ: بھگوان ان کی آتما کو شانتی دے!

شریمتی بھڑکے: میرے پتی آپ جانتے ہیں کہ سب کی مدد
کرنے کے لیے تیار رہتے تھے ــــ ان کے قلم میں
طاقت تھی ــــ وہ ہر غلط بات کے خلاف آواز
اٹھاتے تھے ــــ لیکن آج وہ ہم میں نہیں ہیں ــــ
وہ ہماری مدد نہیں کر سکتے ــــ اس لیے میں آپ سے
پرارتھنا کرتی ہوں کہ جس طرح میں نے شری ونایک گپتے
کی رکشا قبول کی ہے اسی طرح آپ بھی ان کو اپنا وشواس
دیں!

کریم بھائی: اب آپ لوگ اپنی رائے دے سکتے ہیں۔

پانڈو رنگ: جو لوگ دادا کے ساتھ ہیں ــــ وہ لوگ
ہاتھ کھڑا کریں۔

(کچھ دکاندار ہاتھ اٹھاتے ہیں)

بھیرو نگر کا ایک دوکاندار: اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو
کیا میں اپنے گھر جا سکتا ہوں؟

کریم بھائی: آپ لوگ اپنی مرضی سے جو چاہے کر سکتے
ہیں۔

(بھیرو نگر کا دوکاندار اٹھ کر باہر جاتا ہے ــــ دو باڈی
گارڈز اس کے پیچھے جاتے ہیں۔ پھر باہر سے گولی چلنے
کی آواز آتی ہے)

پانڈو رنگ: اگر کوئی دوسرا بھی باہر جانا چاہتا ہے تو جا
سکتا ہے ــــ اچھا تو اب آپ لوگ اپنا ووٹ دے
سکتے ہیں۔

(سب لوگ اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہیں)

کریم بھائی: دادا، آپ دیکھ رہے ہیں کہ سب آپ کے
ساتھ ہیں ــــ مہانگری اور بھیرو نگر کے سب دوکان
دار آپ کے ساتھ ہیں اور آپ کی رکشا قبول کرتے ہیں
ــــ آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

ونایک گپتے: میں آپ کا شکریہ قبول کرتا ہوں ــــ مجھے
گرو ہے کہ آپ سب کا مجھے وشواس حاصل ہے میرے
دوستو، آج خوشی سے میری آنکھوں میں آنسو آ رہے ہیں
کہ آپ مجھ جیسے آدمی پر اتنا بھروسہ کرتے ہیں ــــ میں
گاؤں سے شہر آنے والا ایک معمولی آدمی ہوں۔ پندرہ
برس پہلے ایک گمنام آدمی کی طرح اس شہر کی سڑکوں پر
مارا مارا پھرتا تھا۔ میں نے در در کی ٹھوکریں کھائیں ــــ
لیکن میرے دل میں ایک خیال بس گیا ــــ وہ خیال تھا
وشو شانتی کا کہ ساری دنیا میں شانتی ہو ــــ اور امن ہو۔
ــــ اور خاص طور پر بیوپار میں ــــ جس وقت میں یہاں
آیا ــــ اس وقت اکیلا تھا ــــ پھر میرے ساتھ ساتھی
اور آئے ــــ اور آج آپ سب لوگ میرے ساتھ ہیں۔
ــــ میں نے جیسا کہ آپ جانتے ہیں مہانگری کے سب
بیوپاریوں کو شانتی دلائی ہے ــــ انھیں رکشا دی ہے۔
ــــ اور آج بھیرو نگر کے بیوپاری میری رکشا میں آگئے
ہیں۔ آج ہی میں نے مشین گنوں، پستولوں اور بندوقوں
اور گولیوں کا نیا آرڈر دیا ہے ــــ کیونکہ شانتی بنائے رکھنے کے
لیے اور آپ کی رکشا کے لیے ان چیزوں کی ضرورت ہے۔ اور
مجھے صرف مہانگری اور بھیرو نگر کی رکشا نہیں کرنی ہے بلکہ دیش
کے دوسرے شہروں کی بھی رکشا کرنی ہے ــــ ہمیں
سری نگر سے کنیا کماری اور ادھر مہانگری سے کلکتہ، شیلانگ اور
دارجلنگ تک جانا ہے ــــ رکشا کے لیے میں کہیں بھی جا سکتا
ہوں ــــ آپ لوگوں کی رکشا کرنا میں اپنا پرم دھرم سمجھتا ہوں

[ایکانکی]

مشتاق گوہر سرحدی

بھوکے بھجن نہ ہوئے گوپالا

کردار:
۱۔ پرنس
۲۔ رومیو
۳۔ ماما
۴۔ مہا بھاڈجی
۵۔ جنتا۔۱
۶۔ جنتا۔۲
۷۔ جنتا۔۳

(اصل میدان کا ایک حصہ ــــ دوپہر کا وقت ــــ ماما پرنس کا کوٹ لوٹے کے تلے سے پریس کر رہا ہے۔ وہ بری طرح چھینک رہا ہے۔ رومیو پرنس کی ٹائی کو گانٹھ لگا رہا ہے)

رومیو: یار تو اپنا آرکسٹرا بند کر۔ چھینکنے کا تو بارات راستہ بھول جائے گی۔

ماما: اس کو پتہ تھا کہ مجھ کو ٹھنڈ لگتی ہے۔ پھر ڈھیر ساری آئس کریم کھلادی۔

رومیو: کھلادی یا کھا گئے؟ تلا تک تو چاٹ رہے تھے۔ پھر ایسی آئس کریم تیرے باپ نے بھی کھائی ہے۔ پستہ، بادام اور خوشبو والی میٹھی میٹھی آئس کریم۔

ماما: مجھے بھوک لگی تھی۔ اس وقت تو مجھے گھاس کھلاتے تو بھی کھا جاتا۔

رومیو: تو آج تم گھاس کھانا

ماما: لیکن یہ کیسا انصاف ہے۔ بھوک لگتی ہے روٹی کی اور تم کھلاتے ہو آئس کریم۔ طبیعت کرتی ہے کہ سالن کھاؤں چٹپٹا، تیکھا، مسالے دار اور تم کیک پیسٹری منہ میں ٹھونس دیتے ہو۔

(ماما پرنس کو کوٹ دیتا ہے)

پرنس: (سونگھ کر) اس سے بدبو آتی ہے۔

رومیو: اور کیا خوشبو آئے گی؟

پرنس : ماما

ماما : بول۔

پرنس : تم ایک سینٹ کی شیشی چوری کر کے لاؤ۔

رومیو : اس کو مت بھیجنا، واپس نہیں آئے گا۔

پرنس : کیوں ؟

رومیو : ارے صورت دیکھ، مردار لگتا ہے۔ بھکاری اور بھوکا! دکان دار دیکھتے ہی سمجھے گا کہ اڑانے آیا ہے۔

ماما : مجھ سے تو چلا نہیں جاتا۔

پرنس : دیکھ ماما۔ تو یہ رونا چھوڑ دے۔ دیکھ میں بھی تو بھوکا ہوں نا، رومیو نے بھی کیا کھایا ہے کل سے۔ جتنی آئس کریم میں کل مار کے لایا تھا، تیرے کو دیدی تھی۔ رومیو رات بھر گانے گاتا رہا اور میں تارے گنتا رہا۔

ماما : آج آئس کریم مت لانا۔ نہیں تو مجھے نمونیا ہو جائے گا۔

پرنس : لو بھائی۔ اب یہ میرے ہاتھ میں ہے آج کل شادی بیاہوں پہ آئس کریم ہی بٹتی ہے۔ کیک پیسٹری تو بھیا کسی مل اونر کی شادی میں ہی نظر آتی ہے۔

رومیو : ماما، ہم لوگ کچھ دنوں کے مہمان ہیں۔ بہت جلد ایک ایک کی چھٹی ہونے والی ہے۔ اس لیے آئس کریم کھا کر مر جاؤ یا کیک پیسٹری کھا کر۔

ماما : نہیں کھانا کبھی نہیں ملے گا ؟

رومیو : کیا رومانٹک باتیں کرتے ہو یار۔

ماما : میں مرنے سے پہلے گرم گرم روٹی کھانا چاہتا ہوں۔ سوندھی، سوندھی خوشبودار، تیز تیکھا سالن۔

رومیو : چل ماما آج رومیو یہ وعدہ کرتا ہے کہ تیری یہ آخری آرزو پوری کی جائے گی۔ کیوں پرنس ؟

پرنس : مجھے تو شبہ ہے کہ آج آئس کریم بھی ملے گی یا نہیں۔

رومیو : کیوں ؟

پرنس : یار یہ سوٹ تو دیکھ، دور سے ایسا بھیکا مارتا ہے کہ چھچھڑ بھی لات مارے

رومیو : ارے پچھلے سے گھس جانا۔

پرنس : یہی تو مرنے کی بات ہے نا، پچھلے سے گھسے تو پکڑے گئے۔ جتنا سینا تان کر چلو گے، اتنا سکھی رہو گے۔ جب ہم نے چور بازار سے یہ سوٹ خریدا تھا تو میں یوں سینا تان کے چلتا تھا جیسے دولھے کا باپ ہوں اور شان سے دس دس بار کیک پیسٹری اور آئس کریم کھا کر، ڈکار مار کر لوٹتا تھا۔ آج دعا کرو کہ کسی اچھے آدمی کی شادی ہو۔

(جانے کے لیے بڑھتا ہے)

ماما : پرنس۔

(پرنس رکتا ہے، پلٹتا ہے)

ماما: (بھرائی ہوئی آواز میں) ایسا لگتا ہے کہ تم اپنے باپ ہو۔

(وقفہ)

پرنس: اپنی ماں سے نہ کہنا۔

ماما: تم ادھر نہ ہوتا تو ہم کب کا مر گیا ہوتا۔

پرنس: دیکھو ماما، تم اس طرح کا بات کرے گا تو ہم کو کورس میں رونا پڑے گا۔ اور یہ پروگرام دو دن ہوگا۔ اس کا رزلٹ معلوم کیا ہوگا؟ ہم تینوں کا چھٹی ہو جائے گا۔

ماما: پن اپن سچی بولتا ہے۔

پرنس: آج سے ماما تم پرومس کرو کہ تم سچی بات نہیں کرے گا۔ دیکھو ہم تیرے کو بیتے کی بات بولتا ہے۔

ماما: کیا؟

پرنس: تم کو یاد ہے، ہم تینوں کا دوستی اسٹارٹ کب سے ہوا تھا؟

رومیو: مجھے یاد ہے۔

پرنس: بولو کب ہوا تھا؟

رومیو: چوپاٹی پہ۔ چاندنی رات تھی۔ ماما ریت پہ بھوک کے مارے ایسا پڑا تھا جیسا بیت ڈک الٹا پڑا ہو۔ اور میں اپنی سانسیں گن رہا تھا، پھر اس دن تم نے ہمیں اوسل پاؤ کھلایا تھا۔ اس دن میں نے تمہارا نام پرنس رکھا۔

پرنس: اور اسی دن مجھے گیان پراپت ہوا۔

ماما: میں اوسل پاؤ کھا کو ریت پر ایسا سو گیا جیسے ماں کی گود ہو۔

پرنس: رومیو۔

رومیو: ہاں

پرنس: ماما سو گیا تھا، تم اپنے پیار کی باتیں مجھے سنا رہے تھے اور مجھے گیان پراپت ہوا۔

رومیو: (ہنس کر) کیا؟

پرنس: دوپہر کو میں بھٹک رہا تھا۔ ایک بڑے امیر آدمی کی شادی تھی ہزاروں آدمی دعوت میں شامل ہو رہے تھے مجھے بڑے زور کی بھوک لگی تھی۔ میں نے کہا میں بھی کیوں نہ ہاتھ ماروں۔ سیکڑوں آدمی جا رہے تھے میں نے کہا ایک آدمی سے کیا فرق پڑتا ہے۔ رومیو اس دیش میں جب ہزاروں آدمی بھوک سے مرتے ہیں اور ایک امیر آدمی اپنی شادی بیاہ پر ہزاروں، لاکھوں روپیے پانی کی طرح بہاتا ہے۔ صرف اپنا نام رکھنے کے لیے اور میں نے جی بھر کے کیک پیسٹری کھائی۔ پھر چائے پی۔ پھر کوکا کولا پھر چائے پھر پیسٹری پھر کوکا کولا اور لڑھکتا ہوا ایسے باہر نکلا جیسے پوری بوتل دارو کی پی لی ہو۔

ماما : منہ کھولے بہتی سپنی!

پرنس : اور سوئی کا نشہ معلوم ہے کیسا ہوتا ہے، ہر چیز خوب صورت لگتی ہے حسین اور مہکی ہوئی۔

ماما : تم اسمارٹ ہو، اپن تو ڈر کے مارے اندر نہیں جاسکتا۔

پرنس : اور اس چاندنی رات میں جب ماما تم او سل پاؤ کھا کر سو گئے تھے۔ مجھے گیان پراپت ہوا کہ کیوں نہ معنہ میں یہی کیا کروں۔ شادی بیاہ روز ہوتے ہے اور آدمی کی کمی نہیں۔ پھر اپن نے چور بازار سے سوٹ خرید لیا اور تانی عزیز بھاں شادی بیاہ کا منڈپ لگا اپن جاتی۔

(ماما چھینکتا ہے)

ماما : پرنس اپن کو ڈر ہے کہ کہ اپن بچنے والا نہیں ہے

رومیو : یار اس کو ایڈوانس میں مل جا۔ کیا معلوم تم واپس لوٹے اور اس سے پہلے یہ بھائی چلتا بنے۔

پرنس : ہاں یہ ٹھیک ہے۔ آدمی کاہے کو چانس لیوے؟ اور مرنے کا ٹائم کس کو پتہ ہے۔

(وہ واپس لوٹتا ہے اور ماما سے بغلگیر ہوتا ہے)

ماما : تمہارا کوٹ بھبکا مارتا ہے۔

پرنس : ناک بچھالے ——

(ماما ناک پکڑتا ہے۔ پرنس پھر اسے سینے سے لگاتا ہے)

پرنس : آرام سے مرنا۔

ماما : کوشش کروں گا۔

رومیو : میں تمہاری موت پر ایک کویتا لکھوں گا۔

ماما : میں جاکر بھگوان سے پرارتھنا کروں گا کہ تم لوگوں کو بھی جلدی بلالے اور تکلیف کی زندگی سے خلاصی ہو۔

رومیو : آمین۔

پرنس : ماما ابھی تو اپن کی آنکھوں میں آنسو نہیں۔ لیکن جب زندگی میں آنسو آئے گا تو ہم تمہارے واسطے ضرور رونا۔

ماما : ایک اور مہربانی کرنا۔

پرنس : بول ماما۔

ماما : جب تیرے کو ماما کی یاد آوے تو اچھا سا سالن اور روٹی کھانا۔ بھگوان قسم ماما کی آتما کو بہت شانتی ملے

پرنس : بھگوان تیری آتما کو شانتی دیوے اور میرے کو روٹی اور سالن۔

(پرنس باہر نکل جاتا ہے)

ماما : رومیو، مرنے سے پہلے آدمی کیا کرتا ہے؟

رومیو : سنا ہے بھگوان کو یاد کرتا ہے۔

ماما : کون سا بھگوان ؟

رومیو : پکچر والا نہیں۔

ماما : یار اپنے کو بھگوان نے کیا دیا ہے جو اس کو یاد کریں۔

رومیو : یہ تو ٹھیک ہے۔

ماما : اپن پرنس کو یاد کرے گا جو ہمارے واسطے وردی جان جوکھم میں ڈالتا ہے۔

رومیو : ہاں پرنس، بہت اچھا۔ خود بھوکا رہتا ہے لیکن ہمارے واسطے کچھ نہ کچھ لے کر آتا ہے۔

ماما : رومیو۔

رومیو : ہاں ماما۔

ماما : تیرے کو بھوک نہیں لگتی ؟

رومیو : جس کسی کا پیٹ ہے ماما، اس کو بھوک لگتی ہے۔

ماما : یار تو کبھی کہتا نہیں۔

رومیو : مجھے ماما جب بھوک لگتی ہے نا، تو میں گانے لگتا ہوں ——

تیرے من کی گنگا۔ میرے من کی جمنا۔ بولو بھی بٹ گا نا ہوتا ہے گاتا رہتا ہوں۔ پھر میں سوچتا ہوں۔ چاند کتنا اچھا ہے پھر میں اس لڑکی کے بارے میں سوچتا ہوں جس سے میرا پیار ہوا تھا۔

ماما : یار اپن کو جب بھوک لگتی ہے تو کچھ نہیں سوجھتا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا آتا ہے۔

رومیو : تبھی تو تو روتا ہے۔ دیکھ ماما، آج تیرے کو پتے کی بات بولتا ہے۔ آدمی کوئی سہارا بنا لے تو جینا آسان ہو جاتا ہے۔ ہمارے لوگوں کی مٹی میں یہی سچائی ملی ہے۔

ماما : کیسا سچائی۔

رومیو : دیکھ، امیر آدمی بڑے بڑے ہوٹلوں میں کھانا کھاتا ہے۔ تاج محل ہوٹل، نٹراج ہوٹل۔ اس کے سامنے بیس ڈش کھانے ہوتے ہیں۔ اور بیرا غلام کی طرح سر جھکائے کھڑا رہتا ہے اور امیر آدمی پیسے پھینک کہتا ہے کھانے کا مزا نہیں آیا۔ سروس بکواس ہے۔ ادھر غریب آدمی مکئی اور جوار کی روٹی پانی سے نگلتا ہے اور کہتا ہے کہ بھگوان تیرا شکر ہے۔

ماما : تو غریب آدمی بڑا لڈ پک ہے۔

رومیو : ہاں۔ اس کو یقین ہے کہ یہ مکئی اور جوار کی روٹی جو آج کھا رہا ہے کل شاید وہ بھی نہیں ملے گی اور امیر آدمی جانتا ہے کہ کل جو کھانا کھائے گا اس میں ایک ڈش زیادہ ہوگی۔ غریب آدمی کہتا ہے دانے دانے پہ لکھا ہے کھانے والے کا نام اور امیر آدمی چوتھے کا شوربہ پیتا ہے اور منہ بنا کر کہتا ہے سالا ٹیسٹ نہیں ہے۔

ماما : اور ہم ؟

رومیو: ہم بھی غریب آدمی ہیں۔ سچائی سے ڈرتا ہوں۔ بھوک لگتی ہے تو کہتا ہوں کہ بھیل کتنا سندر ہے میرے دوست لڑکی کی آنکھوں کی طرح۔ حالانکہ اس لڑکی کی آنکھیں کبھی خوبصورت نہ تھیں۔

ماما: کدھر ہے وہ لڑکی؟

رومیو: معلوم نہیں۔

ماما: تم اب اس کو نہیں ملتا۔

رومیو: وہ اب میرے کو نہیں ملتا۔

ماما: کب ملا تھا وہ؟

رومیو: یاد نہیں۔

ماما: کیسے بچھڑ گیا؟

رومیو: اس نے سوچا میں کام کا نہیں رہا۔ شاید میں چوزے کے شوربے کی طرح بدذائقہ ہو گیا تھا۔

ماما: تم نے بہت مزا کیا؟

رومیو: ہاں۔

ماما: کب کی بات ہے؟

رومیو: کب کی بات ہے یاد نہیں، وہ دن کہاں ہیں، جب میں پیٹ بھر کھانا کھایا کرتا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے رنگ ناچا کرتے تھے۔ وہ مجھے ملا کرتی تھی۔ پکچر میں لے جاتی تھی دور شہر سے دور لے جاتی تھی اور پیار کرتی تھی اور پھر اور پھر بہت جلد میں بدذائقہ ہو گیا۔

ماما: ایسا کوئی اور چھوکری پھانس نا۔ تھوڑا سا اس کے آگے میرا تعارف کر۔ ہم برابر کرتا ہے۔ باپ قسم ہم کچھ نہیں کرینگا۔ بس کبھی کبھی اس کی گود میں سو جائے گا۔

رومیو: ماما چھوکری پھانسنے سے یا کوشش کرنے سے نہیں ملتا۔ خود ہی چلی آتی ہے چھم سے۔ تم کبھی پہاڑ پر گئے ہو؟

ماما: کون سا پہاڑ؟ ہمالیہ پربت؟

رومیو: نہیں یار ہل اسٹیشن!

ماما: اپن ادھر سے چنچپوکلی تک نہیں گیا اور پہاڑ پر میرا باپ چڑھے گا؟ ادھر کیا ہوتا ہے؟

رومیو: سالا تیرے ساتھ بات کرنا ایک دم خراب ہے۔ سب بھلا دیتا ہے۔

ماما: یار نخرے کاہے کو کرتا ہے؟

رومیو: بس تھوڑا شاعری کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہوں اور تو بات کر کے چوپٹ کر دیتا ہے۔

ماما: ہاتھ پاؤں کاہے کو مارتا ہے رومیو۔ پتھر مارنا۔ بھیجہ پر روز مارنا۔

رومیو: اچھا بابا۔ تو چپ رہ۔

ماما: بول ہاں اسٹیفن پر کیا ہوتا ہے؟

رومیو: ارے کچھ نہیں ہوتا۔

ماما: پہلے بول تو کبھی گیا ہے؟

رومیو: نا۔ کتابوں میں پڑھا ہے۔

ماما: کیا۔؟

رومیو: ادھر دھوپ صبح میں آتا ہے۔ بس پتہ نہیں لگتا۔ ایسے چھپ کر آنکھیں میچکر۔ بس چھوکری بھی آتی ہے تو ایسے ہی آتی ہے۔

ماما: تو ابھی تک چھوکری کی بات پو چلتا ہے؟

رومیو: سالا تم ہی تو پوچھا تھا۔

ماما: میں تو تیرا دل رکھنے کی خاطر بولا تھا۔

رومیو: اچھا تو کتنا اچھا ہے ماما!

(ماما ہنستا ہے)

رومیو: گدھا کہیں کا۔

ماما: ارے، رہا۔

رومیو: ہاں۔

ماما: ایک بات بول؟

رومیو: کیا؟

ماما: ہم تھوڑا کام کرنے کی کوشش کریں یار۔

رومیو: دیکھ ماما، پہلے تو کام ملتا نہیں۔ پھر اس حالت میں کیا کام ہوگا۔ چلا تو جاتا نہیں اور پھر اپن سوچتا ہے کہ جو آدمی ادھر کام کرتا ہے۔ وہ تو بھوکا رہتا ہے اور جو کام نہیں کرتا وہ سونے کے گھر میں رہتا ہے۔

ماما: یہ کیسا دنیا ہے سالا رومیو!

رومیو: بہت بکواس ہے اور ہم لوگ اس سے بھی زیادہ پھٹیچر ہیں۔ جو کچھ ہم بیلا پڑھا ہے بولتا ہے۔ بھگوان کا رنگ بھگا اگر نردئی ہے، سب کو بھوکا مارتا ہے تو ایسا بھگوان کا کیا فائدہ؟

ماما: یار، ایک بڑا اچھا بات بولتا ہے۔ دل کا بات۔

رومیو: ہاں

ماما: یار اپنے پاس کوئی چیز آجائے۔ جس کو کھانے سے بھوک لگے نہیں کچھ ایسی جڑی بوٹی۔

رومیو: مزا آجائے۔

ماما: ہم کسی کو بتادیں نہیں۔ ڈھیر سارا چھپا کر رکھیں۔

رومیو: ہاں

ماما: رومیو اپن کتنا سکھی ہو جادیں۔ کوئی بھوک سے مرنہیں۔ کوئی بھیک مانگے نہیں۔ کوئی غلامی کرے نہیں۔

رومیو: دنیا سکھی ہو جاوے۔

ماما: پھر ہم سارا شہر میں گھوما کریں۔ ایک سائیڈ میں تم ایک طرف پرنس اور ایک طرف اپن۔ جتنا بھوکا آدمی ہے اس کو جھٹ روٹی دلویں۔ وہ سب لوگ ہم کو کتنا دعا دیویں۔ رومیو ہمارے واسطے پرارتھنا کر۔

رومیو: اپن کو چولہے پیلاٹش نہ ملے۔ گھروں میں اندھیرا نہ ملے۔ بھائی بھائی میں جھگڑا نہ ہو۔ پریمی پریمیکا کو چھوڑ کر نہ جاوے۔ ہاں ماما، سورگ بن جاوے یہ دنیا۔ جو اتنی بڑی ہے ماما، اتنی بھیانک اور اتنی کالی ہے سورگ بن جاوے۔

ماما: آؤ بھگوان سے پرارتھنا کریں۔

رومیو: ہے بھگوان سب کو روٹی دے۔

ماما: یا کوئی ایسا چیز دے جس سے بھوک مر جاوے۔

رومیو: پتھر ہو۔

ماما: مٹی ہو۔

رومیو: ریت ہو۔

ماما: لکڑی ہو۔

رومیو: جس کے کھاتے ہی پیٹ کی آگ بجھ جاوے۔

ماما: لیکن ابھی ہم کو روٹی کھلا۔ بڑا بھوک لگا ہے۔

رومیو: ہاں۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا ہے۔

ماما: پرنس ابھی تک نہیں آیا۔

رومیو: ہاں بہت دیر ہو گیا ہے۔

ماما: بیچارہ بھٹکتا ہوگا ہمارے واسطے۔

رومیو: یار ماما۔

ماما: بول میرے یار

رومیو: ایک بات تو ہم بھول ہی گئے۔

ماما: کونسا بات؟

رومیو: دیکھ ماما، اگر ہم سو جاویں تو ہم کو بھوک کیسے لگے گا۔ سالا ہم کو پتہ ہی نہیں ہوگا کہ ہم بھوکا ہے۔

ماما: ارے ہاں۔

رومیو: بس جلدی سے سو جائیں۔

ماما: رومیو، نیند میں ہم سپنا بھی دیکھ سکتا ہے۔

رومیو: ہاں۔ اچھی اچھی پریوں کا۔

ماما: پریوں کا نہیں رومیو، اچھے اچھے کھانے کا ڈھیر سے کھانے کا۔ طرح طرح کے کھانے کا۔ ہم سب مزا لے سکتا ہے۔

رومیو: ارے بڑا مزا آسے گا۔

ماما: تو سو جا۔

رومیو: تو بھی سو جا۔

(دونوں لیٹ جاتے ہیں ـــــ سانہ)

ماما: رومیو!

رومیو: بول ماما۔

ماما: تو یار کون سے کھانے کا سپنا دیکھے گا؟

رومیو: کیوں بتاؤں تیرے کو؟

ماما: بتانا یار اپنا دوستی ہے نا۔ اگر تو نے سپنے میں مجھ سے اچھا کھانا کھا لیا تو ہم کو بہت افسوس ہوگا۔

رومیو: تو تو سب سے اچھا کھانا کھانے کا سپنا دیکھنا۔ تیرے کو کون منا کرتا ہے۔

ماما: میں نے اچھا کھانا کبھی کھایا ہے جو سپنا دیکھوں، میں نے تو خالی نام سن رکھا ہے۔ میرے کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا سواد کیسا ہوتا ہے۔

رومیو: ماما تو ایسا کر کہ جتنے کھانے کا نام تیرے کو یاد ہے سب کا سپنا دیکھ لے۔ سب کو چکھ لے۔ مرغی، بریانی۔ انڈے کا پلاؤ اور شیرنی، گوشت کے دو تین سالن۔

ماما: اتنے کھانے میں ایک ساتھ دیکھ لوں گا رومیو، تو مجھ سے ایک نوالہ نہیں کھایا جائے گا۔

رومیو: سالا تو ہر جگہ گڑبڑ کر دیتا ہے۔ اچھا ایسا کر۔ ایک سپنا آج دیکھ۔ کھانا چکھ۔ ایک کل۔ ایک پرسوں۔

ماما: سالا کیا تم سپنا ہی دیکھتا رہے گا؟ ہم کو کھانا نہیں نہیں ملے گا؟

رومیو: ارے بڑا مشکل ہے یہ تو۔

ماما: اچھا تو بتا کس کا کس کا سپنا دیکھے گا؟

رومیو: میں صرف کھانے کا سپنا نہیں دیکھوں گا۔ کھلانے والی کا بھی۔ شرماتی ہوئی چھوکری کا۔ ناک میں نتھ ہو، بالوں میں ڈھیر ساری جوڑیاں کھی کھی کرتی ہوئیں۔ ہاتھوں اور پیروں میں مہندی لگی ہوی۔ ماتھے پر ٹیکا۔ میرے سامنے بیٹھی ہو۔ اور مجھے پنکھا کرے۔ جوار باجرے کی روٹی ہو۔ چٹنی اور چھاچھ کا گلاس۔

ماما: سالا ہم بھی یہی سپنا دیکھے گا۔

رومیو: تو ماما، ادھر بھی میرے سپنے میں آگیا نا تو! تیرا بھرکس نکال دے گا۔ ہاں جھگڑا ہو جائے گا۔

ماما: اپن دوست ہے نا-؟

رومیو: دوستی اس معاملے میں نہیں چلتا -

ماما: ارے ہم اس کو بھائی بولے گا- بس اس کو اپنا اچھا ٹھیہ مل جائے گا نا-؟

رومیو: بھائی بولے گا تب چلے گا-

ماما: تو سو جائیں؟

رومیو: ہاں -

(دونوں سو جاتے ہیں)

ماما: رومیو، سو گیا کیا؟

رومیو: نا

ماما: سالا ادھر پاس آتا ہے -

رومیو: کس کا!

ماما: یہ بولے گا تو تو بھاگ جائے گا -

رومیو: مت بول -

(وقفہ ــــ ماما اٹھ کر کھجانے لگتا ہے)

ماما: دیکھ رومیو کتنا ڈبل ڈبل چونٹی ہے سالا کاٹتا ہے رے -

رومیو: (اٹھ کر) تو اتنا دھاندلی کرے گا - خاک نیند آئے گا کیا!

ماما: اس میں میرا کیا دوش ہے! چونٹی کاٹے گا تو کیسا سوئے گا؟

رومیو: دوسری جگہ چلا چل -

(وہ دوسری جگہ لیٹ جاتا ہے)

ماما: رومیو!

رومیو: اب کیا ہوا؟

ماما: کتنا دھواں ہے رے - چمڑی جلتا ہے -

(وقفہ -)

(ــــــ رومیو چپ ہے -)

ماما: رومیو!

رومیو: کیا ہے؟

ماما: یار کاہے کو حیران ہوتا ہے - کیا بھوکے پیٹ کوئی سو سکتا ہے؟

(رومیو اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے)

رومیو: ہاں۔ بھوکے پیٹ نیند نہیں آئے گی ماما!

(مہا بھاؤ جی جو ایک گیروا سا انگوچھا لپیٹے ہیں۔ داخل ہوتے ہیں۔ ان کا باقی بدن ننگا ہے۔ جسم دبلا پتلا۔ نہایت آہستہ آہستہ بولتے ہیں۔ ان کے پیچھے جنتا نمبر ۱ جو مڈل کلاس سے ہے پوسٹر لیے داخل ہوتا ہے۔ پوسٹر پر لکھا ہے کہ مہا بھاؤ جی اَن شن برت رکھے ہیں۔ دوسرا پوسٹر جنتا نمبر ۲ لیے داخل ہوتا ہے۔ وہ بھی مڈل کلاس سے ہے۔ اس کے پوسٹر پر لکھا ہے۔

جنتا کو روٹی دو۔ جنتا نمبر ۳ جو مزدور کلاس سے ہے۔ تیسرا پوسٹر لیے داخل ہوتا ہے جس پر لکھا ہے۔

راج چھوڑ دو۔

مہا بھاؤ جی بیٹھ جاتے ہیں۔

(دوسرے کونے میں ماما اور رومیو بڑی دلچسپی سے تماشہ دیکھتے ہیں)

جنتا-۱: میں نے آج اپنے بڑے لڑکے سے کہا، بیٹا تم کوئی چھوٹی موٹی نوکری کرلو۔ وہ کہنے لگا میں پڑھائی کروں کہ نوکری کروں؟ میں نے کہا پڑھائی کا کیا فائدہ جب گھر میں اتنی پریشانی ہے۔

جنتا-۲: ڈاکٹر نے مجھے کہا ہے میری پسلی میں پانی ہے۔ مجھے کام پر نہیں جانا چاہیے۔ اب میں زندگی کے بارے میں سوچوں یا اپنے بال بچوں کی؟

جنتا-۳: اپنا چھوٹا چھوکرا میرے پاس آیا۔ بولا باپو فیس دو ماسٹر مانگتا ہے۔ میں نے کہا تیرے باپ نے روپیے بنانے کی مشین بنا رکھی ہے؟ بولتا ہے ماسٹر مارے گا۔ میں کہا سالے نے تیرے کو ہاتھ لگایا تو جا قصے منا دو نگا۔ وہ بولا میرا نام کٹ جائے گا۔ میں نے کہا تیرا باپ جیسے بلا پاس ہے کہ تو پڑھائی کرے گا؟

جنتا-۱: کپڑے کی قیمت مہنگی ہوگئی ہے۔

جنتا-۲: اسکول کی کتابوں، کاپیوں، جوتوں کی قیمت بڑھ گئی ہے۔

جنتا-۳: راشن نہیں ملتا۔ چاول چھ مہینوں سے دیکھا نہیں۔

جنتا-۱: میری بڑی لڑکی کا چہرہ پیلا زرد ہے۔ ڈاکٹر کہتا ہے کہ اس کو وٹامن چاہیے، پھل چاہیے اور میں کچھ نہیں دے سکتا۔ اور ابھی تو اس کی شادی کی عمر ہے۔

جنتا-۲: میں صبح پانچ بجے سے اٹھتا ہوں۔ دودھ کے لیے لائن لگاتا ہوں۔ بچوں کے لیے لائن لگا کر پانی بھرتا ہوں۔ ایک ایک کپ چائے پی کر آفس جاتا ہوں۔ پھر ایک دو گھنٹے اوور ٹائم کرتا ہوں۔ میری ساری زندگی اس طرح کٹ گئی۔ اس پر بھی قرض دینا ہے۔

جنتا-۳: کل ہم راشن لینے گیا۔ بولا راشن نہیں ہے۔ ہم بولا کب آئے گا۔ بولا اپن کو معلوم نہیں۔ ہم نے کہا کس کو معلوم ہے؟ بولا سرکار کو۔ ہم بولا۔ گھر میں ایک دانہ نہیں۔ سالا بولا اچھا ہے مر جاؤ۔ تھوڑا آبادی کم ہوئے گی۔

جنتا-۱: آج سے پانچ سال پہلے میں گھر میں بیس روپیے راشن پانی کے لئے دیا کرتا تھا۔ اس میں میری بیوی ایک دو

دو پیسے میں آتی تھی۔ اب میں ڈیڑھ سو روپے دیتا ہوں اور میری بیوی مجھے کاٹنے کو دوڑتی ہے۔ ایک چیز ہے تو دوسری نہیں۔

جنتا – ۲ : ہم نے تین مہینے سے سبزی نہیں کھائی۔ ٹماٹر دیکھا نہیں۔

جنتا – ۳ : تم کو معلوم ہے شکر کیا ہوتا ہے؟

جنتا – ۲ : پہلے میوزیم میں ایک طرح کی مٹھائی ہوا کرتی تھی۔

جنتا – ۱ : نہیں۔ گڑ کی طرح میٹھی ہوا کرتی تھی اور دودھ چائے میں ملایا کرتے تھے۔ اس کا رنگ سفید ہوا کرتا تھا۔

جنتا – ۳ : اب وہ کدھر ہے؟

جنتا – ۱ : تھوڑی میوزیم میں رکھی ہے۔ میں پچھلے ہفتے بچوں کو لے کر گیا تھا۔ سفید برف کے گالوں کی طرح ایک چاندی کے پیالے میں رکھی تھی۔ بچوں کے منہ میں پانی آگیا تھا۔

جنتا – ۳ : تم رائیس کتنے دن کھاتے ہو؟

جنتا – ۲ : ہفتے میں ایک بار۔

جنتا – ۱ : دو تین بار ہفتے میں۔

جنتا – ۳ : میں چاول لایا۔ بیوی کو دیئے۔ بولتی ہے یہ چاول نہیں ہے۔ میں نے اس سے کہا سالی تیرا دماغ کام نہیں کرتا یہ سرکار بہت دور دور سے لاتی ہے۔ اس کو چاول نہیں بولے گی تو سالا بھس بولے گی۔ سالی بولتی ہے۔ بھس بولیگی، چاول نہیں بولے گی۔ میں نے سالی کو ایک لافا دیا۔ اس نے پکی ہوئی ہانڈی میرے سامنے رکھ دی۔ میں نے کھایا سالا وہ چاول نہیں تھا ــــــ بھس تھی ــــــ

جنتا – ۲ : میں پار سال گیہوں لایا تھا۔ کالا سیاہ گیہوں۔ اور میرے بیٹے کو food poisoning بھی ہو گیا تھا۔

جنتا – ۱ : بھائیو تم لوگوں کو خودکشی کرنے کا آسان طریقہ معلوم ہے؟

جنتا – ۲ : آسان طریقہ۔ گاڑی کے نیچے کٹ مرو۔

جنتا – ۳ : نہیں۔ سمندر میں جان دے دو۔

جنتا – ۱ : چلو بھائیو ڈوب مریں۔

(وہ تینوں نکل جاتے ہیں)

مہا بھاؤ جی : پہلے آگیا ہے۔ ہا ہا کاریچ گیا ہے۔

(ماما آہستہ آہستہ مہا بھاؤ جی کے پاس آتا ہے)

ماما : سوامی جی پرنام!

مہا بھاؤ جی : جیتے رہو۔

ماما : یہ لوگ آپ کے پاس کیوں آیا۔

مہا بھاؤ جی : اپنی ویدنا سنانے کے لیے۔

ماما: وِدیا سنانے سے دوہو جاتی ہے؟
مہابھاؤجی: مہاپرش ودیا اپنے سر لے لیتے ہیں۔
ماما: وہ کیسے؟
مہابھاؤجی: میں پارسال ان کشن برت رکھا تھا۔
ماما: پہلے یہ بتائیے آپ کو اَن مل جاتا ہے؟
مہابھاؤجی: کیا ابھی پیاسے ہے تمہارا؟
ماما: جس آدمی کو اَن ملتا ہے وہی برت رکھ سکتا ہے۔ جیسا ہم کو تین دن میں کھانے کو نہیں ملا۔ ہم اسے برت کہہ سکتے ہیں
مہابھاؤجی: نہیں۔
ماما: کیوں برت کے دن بھی کھانا نہیں کھاتا ــــ کھانا ہم بھی نہیں کھاتا۔
مہابھاؤجی: برت کسی مہان آدرش کے لیے رکھا جاتا ہے۔ غریب اور بھیک منگے برت کرنے کا ادھیکاری نہیں۔
ماما: تو سوامی جی ایک بات بولوں؟
مہابھاؤجی: سوچ سمجھ کر پرشن کرنا۔
ماما: کوشش کروں گا۔ اب یہ بتائیے کہ آپ کو اَن کھانے کا بھی ادھیکار ہے اور بھوکا رہنے کا بھی۔
مہابھاؤجی: ہاں
ماما: کیوں؟
مہابھاؤجی: کیوں کا مطلب؟
ماما: ویسے ہی ہم پوچھتے نا۔
مہابھاؤجی: ہم مہان پرش ہیں سنیاسی ہیں۔ دنیا کا درد اور بوجھ اپنے سر لیتے ہیں۔
ماما: آپ کام کیا کرتے ہیں۔؟
مہابھاؤجی: کیا مطلب؟
ماما: میرا مطلب صاف ہے سوامی جی۔ آپ ہل چلاتا ہے۔ حالی کرتا ہے۔ آفس میں جاتا ہے۔ کوئی دھندا کرتا ہے۔؟
مہابھاؤجی: مورکھ!
ماما: آپ گالی دے رہے ہیں؟
مہابھاؤجی: پاکھنڈی
ماما: آپ کو ناراض ہو گیا ہے۔
مہابھاؤجی: تم پاپی ہو۔ کیا سوامی لوگ کوئی کام کرتے ہیں؟ کیا مہاپرش لوگ کام کرتے ہیں؟
ماما: اسے سے سے سے۔ میں غلط جگہ پر آگیا۔ معاف کر دو گرو جی۔ معاف کرو سوامی جی!

مہا بھاوجی : کوئی بات نہیں۔ ہمارا دل ساگر کی طرح مہان ہے۔ ہم گھور اپرادھیوں کو بھی معاف کر دیتے ہیں۔

ماما : دھنیہ ہو، دھنیہ ہو

(ماما زمین پر لیٹ جاتا ہے، رومیو اس کے پاس آتا ہے)

رومیو : ماما کیا ڈنڈ بیٹھک لگا رہے ہو کیا ؟

ماما : ارے رومیو عورت سے بول سوامی جی انٹ شنٹ برت رکھے ہیں۔

(رومیو زور سے ہنستا ہے)

ماما : ارے رومیو، ہنستا ہے پاپ لگے گا تیرے کو۔ نرک میں جائے گا۔

رومیو : نرک اس دنیا سے کہیں اچھا ہے

ماما : ارے کیسا بات بولتا ہے۔ ؟ سوامی جی شراپ دے گا۔ اور تیرے کو پتھر بنا دے گا۔

رومیو : اور تیسرے کو کبوتر۔

ماما : چپ رہے۔

رومیو : سوامی جی، ہمارے گاؤں میں ایک فقیر آئے تھے۔ میں بچہ تھا ان دنوں۔ گلی کوچوں میں بھاگا پھرتا تھا۔

مہا بھاوجی : کونسی جاتی کے ہو ؟

رومیو : جاتی ؟ ماما کون جاتی، نبادری کے ہیں ہم لوگ ؟

ماما : ہم تو اتوہیں سوامی جی ! ہم کو تو پتہ ہی نہیں

رومیو : کمال ہے —— ہم نے تو سوچا ہی نہیں آج تک ——

مہا بھاوجی : تجھ ہے تمہارا جیون۔ اس پوتر دھرتی کو آپوتر کرتے ہو ؟ اس پوتر لپن کا آپوتر کرتے ہو ؟ اس پوتر مٹی سے جو تم بنے ہو نادر کرتے ہو !

ماما : چل رومیو، ہم بھی انٹ سنٹ برت رکھتے ہیں۔ کھانا تو ویسے ہی نہیں ملتا۔ پُن بھی ہو جائے گا۔

(رومیو زور سے ہنستا ہے)

رومیو : سالا تو ہمیشہ غلط ٹائم پر ہنستا ہے۔

رومیو : ماما، مجھے وہ وقت یاد آ گیا ہے جب وہ ننگ فقیر ہمارے گاؤں میں آیا تھا تو سارا گاؤں ان کے پاؤں چھونے گیا تھا۔ اس سادھو مہاتما کا قد ساڑھے چھ فٹ تھا۔ کالا بھجنگ چہرہ۔ ایک چادر سے تن ڈھکے ہوئے اور کوئی وستر وہ نہیں پہنتے تھے۔ کھڑے ہو کر کرتن کرتے تھے۔ بھگوان کی آرادھنا میں لین ہو کر بھگوان کی مہیا گاتے تھے ——

ماما : (جھوم کر) آہا ہا۔

رومیو : گاؤں میں جیسے بھگتی رس کی گنگا بہہ نکلی ہو۔ ہر چھوٹا بڑا صبح و شام ان کی کٹیا میں جاتا اور ان کی اس بانی سے پوتر ہوتا۔

ماما : دھنیہ ہو جاتا۔

رومیو : اور ماما ! لوگوں نے جب یہ سنا کہ مہنت اُن بالکل نہیں کھاتے دال، سبزی، ترکاری، ماس، انڈا، مچھلی، ساگ۔ سالن بالکل نہیں چھوتے۔

ماما : کتنا بڑا فقیر، کتنا مہان سادھو، رومیو!

رومیو : لوگوں کو جب پتہ چلا تو لوگ ناک رگڑنے لگے۔ پرتھوی پر لوٹنے لگے۔ اور میں چھوٹا بچہ تھا۔ ماما میں رو پڑا۔ وہاں اس مہنت کو دیکھ کر۔ اور مہاتما کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ انہوں نے بڑے پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا وہ بھی رو رہے تھے پیار میں رو رہے تھے۔ دیا دھرم کے کارن رو رہے تھے۔ انھوں نے کہا۔ یہ بالک مہان پرکش بنے گا۔ ان کشن برت رکھے گا۔ مگر (مسکراتے ہوئے) ہمیشہ برت رکھے گا۔ ماما کتنے سچے تھے وہ مہان آتما۔ ہم روز ہی تو برت رکھتے ہیں۔ کیا اُن کو چھوتے ہیں ؟

ماما : سالا ایسا بات سنائے گا تو ہم رو بیٹھے گا۔

رومیو : یاد آ گئی بھی بات۔ تو سوامی جی ہم بھی ان کشن برت رکھتے ہیں۔

ماما : رومیو۔

رومیو : بول ماما۔

ماما : وہ کھاتے کیا تھے ؟

رومیو : کون ؟

ماما : وہ سادھو مہاتما !

رومیو : وہ کہاں کھاتے تھے ! (ہنستا ہے) وہ اُن کو نہیں چھوتے تھے۔ ایک سیر گائے کا دودھ صبح۔ ایک سیر شام کو۔ آدھ سیر آلو اصلی گھی میں بھنے ہوئے اصلی۔ صبح۔ آدھ سیر آلو اصلی گھی میں بھنے ہوئے شام کو۔

ماما : رومیو

رومیو : بول۔

ماما : ہم بھی اَن نہیں چھوئیں گے۔ ایک سیر گائے کا دودھ صبح۔ ایک سیر شام کو آدھ سیر آلو اصلی گھی میں صبح۔ آدھ سیر شام کو۔ کیوں ؟

رومیو : ماما !

ماما : ہاں

رومیو : تیرے باپ نے اصلی گھی دیکھا ہے ؟

ماما : سالا گائے ہی نہیں دیکھا۔

رومیو : تیرے کو پتہ ہے آلو کا کیا بھاؤ ہے ؟۔

ماما : رومیو !

رومیو: ہاں

ماما: یہ آلو ہوتا کیا ہے؟

رومیو: یہ ـــــ یہ گیند کے مافق گول گول ایک چیز ہوتا ہے۔ لوگ اس کو ابال کر کھاتے ہیں۔ پرانے زمانے میں اس کی بھاجی ترکاری بھی بنتی تھی۔

ماما: اب نہیں ملتا؟

رومیو: اس کا ایک آدھ نمونہ میوزیم میں ملتا ہے۔

ماما: چلو میوزیم میں چلیں۔

رومیو: ابھی تو پہرہ ہے نا۔ رات کو چلے گا۔ پچھلے دروازے سے۔ آج وہ آلو اڑا لائے گا۔ اچھا۔

ماما: اچھا!

(رومیو سیٹی بجاتا ہوا دوسری طرف چلا جاتا ہے)

ماما: سوامی جی!

مہا بھاؤجی: میرا دھیان بھنگ کر رہے ہو بالک۔!

ماما: بس ایک چھوٹا سا بات پوچھے گا۔

مہا بھاؤجی: بولو ـــــ

ماما: آپ ہی ایسا برت رکھتے ہیں؟

مہا بھاؤجی: ہم ڈھونگی نہیں ہیں بالک۔ ہم لوگوں کا دکھ اپنے سر لیتے ہیں۔ جب جنتا بھوک سے مرنے لگتی ہے تو پہلے ہم نے چاول کھانے چھوڑے۔ پھر سبزی ترکاری ـــ اب ان پانی بھی تیاگ رہے ہیں۔

ماما: اس سے کیا ہوگا!

مہا بھاؤجی: میرے مرن برت رکھنے سے پہلے آجائے گا۔ بڑے بڑے لیڈر بھاگتے ہوئے آئیں گے۔ مجھے برت توڑنے سے روکیں گے۔

ماما: ہمارے پاس نہیں آئے گا!

مہا بھاؤجی: تمہارے پاس کیوں؟

ماما: ہم بھی کئی دن سے بھوکے ہیں۔ کھانا نہیں کھاتے۔

مہا بھاؤجی: نہیں۔ جن لوگوں کے پاس آتما نہیں ان کے پاس لیڈر نہیں آتے۔

ماما: آتما کیا ہوتا ہے؟

مہا بھاؤجی: من کی شکتی۔

ماما: من کیا ہوتا ہے!

مہابھاوجی : من شریر کے اندر ایک نیتر رہتا ہے جو انوبھو کرتا ہے ۔

ماما : کیا انوبھو کرتا ہے ؟

مہابھاوجی : دکھ سکھ ۔

ماما : دکھ سکھ تو ہم بھی انوبھو کرتا ہے سوامی جی ۔ کیا بات ہے ۔

ماما : ہمارے دکھ سکھ کا کوئی پرواہ نہیں کرتا اور جب آپ مرن برت رکھیں تو پیسے آجاتا ہے ؟ لیڈر بھاگے آتے ہیں ؟

مہابھاوجی : تم میرا اپمان کر رہے ہو ۔

ماما : ایک بات بتلائیے سوامی جی ۔

مہابھاوجی : جلدی بولو ۔

ماما : اگر تم مر جائے گا تو کیا ہوگا ؟ ادھر کل ایک بھکاری مر گیا تھا ۔ تھوڑے دن پہلے ٹرک کے نیچے تین آدمی آگئے اور ایک تو اچھل کر پیڑ سے لٹک گیا ۔ بھوک سے لوگ یہاں روز مرتا ہے ۔ ہم کو معلوم ہے سوامی جی ، روز مرتا ہے ۔ پھر لیڈر لوگ آپ کے پاس کیوں نہیں آتا ہے ؟ آپ جڑی بوٹی دیتا ہے کیا ؟ منتر والا ایسا دوا دیتا ہوگا جس سے من کا شکتی ختم ہوتا ہے ۔ آپ زہر دیتا ہوگا ۔ میں پوچھتا ہوں سوامی جی ، آپ مر جائے گا تو کیا ہوگا ؟

مہابھاوجی : ہم مر جائیں گے تو ہماری پوجا ہوگی ۔ ہماری گنتی دیوتاؤں میں ہوگی ۔ ہزاروں لاکھوں آدمی ہماری لاش کو گنگا میں بہائیں گے ۔ استھان استھان پر میری سمادھیاں بنیں گی ۔ یگ یگ پر یگ یگ میں جنتا میری سمادھی پر آکر شردھا کے پھول چڑھائے گی ۔ دیش کے تمام نیتا میرے جیون کی گاتھا گائیں گے ۔ سماچار پتروں کے مکھیہ پرشٹ پر میری تصویر پرکاشت ہوگی ۔

ماما : ارے رومیو !

رومیو : ہاں ماما ۔

ماما : نیتا آدمی سچ بولتا ہے کیا ؟

رومیو : بالکل سچ بولتا ہے ۔

ماما : ہم لوگ اتنا بے وقوف ہیں ؟

رومیو : اس سے بھی زیادہ ۔

ماما : تب تو سالا بہت گڑبڑ ہے ۔

رومیو : ہاں ماما بہت گڑبڑ ہے ۔

مہابھاوجی : اور سنا

ماما : ایں ؟

مہابھاوجی : تمہارے نیتا پرجا تنتر کی باتیں کرتے ہیں ۔ سوشلزم کی باتیں کرتے ہیں ۔ جنتا اور غریبی دور کرنے کی باتیں کرتے ہیں ۔ آج تک ان سے کوئی کام نہیں ہو سکا ۔ ماما : بالکل نہیں ۔ مہابھاوجی : آدمی مر رہے ہیں

ماما : پھر ، مکھیوں کے مافق ۔

مہا بھاوجی: بھوک ہے۔

ماما: تین دن سے کھانا نہیں کھایا۔

مہا بھاوجی: قیمتیں بڑھ گئی ہیں۔

ماما: دس گنا۔

مہا بھاوجی: جنتا اتنا الاپ کرتی ہے کوئی سنتا ہے؟

ماما: کسی کو فرصت نہیں۔

مہا بھاوجی: دیکھنا کل ہی دیکھنا۔ کونے کونے سے پتر آئیں گے۔

مہا بھاوجی: تم پڑھنا۔ آدمی مرتے ہیں تو نیتا نہیں مانتے۔ اب میں کہوں گا کہ آدمی مرتے ہیں تو نیتا مانیں گے —— کچھ ورش پہلے میں نے پدیاترا کی تھی۔

ماما: پدیاترا معنی؟

مہا بھاوجی: پاؤں کے بل چلنا۔

ماما: لوگ کیا سر کے بل چلتے ہیں؟

مہا بھاوجی: لوگ بھی پاؤں کے بل چلتے ہیں۔ لیکن وہ پدیاترا نہیں کہلاتی۔ پرنتو جب میں پاؤں کے بل چلتا ہوں تو وہ پدیاترا کہلاتی ہے۔

ماما: کمال ہے۔

مہا بھاوجی: میں نے زمین داروں سے کہا۔ اپنی زمینیں مجھے دان دے دو۔ میں غریب کسانوں میں بانٹوں گا۔

ماما: دے دیا انھوں نے؟

مہا بھاوجی: کچھ اپنے دوست سے

ماما: یہ دوست ایہ سچ ہے کیا؟

رومیو: ہاں سچ ہے۔ لیکن غریبی دور نہیں ہوئی۔ کسان اب بھی غریب ہے۔ جو زمین کے ٹکڑے زمین داروں نے دیئے تھے وہ اپجاؤ نہیں تھے۔ سوکھے، خشک اٹھے ہوئے زمین کے ٹکڑے۔ وہ اب بھی بنجر ہیں۔ کئی کسان کے پاس ——————— زمین جوتنے اور بونے کے سادھن نہیں تھے۔ انھوں نے بھوک سے بچنے کے لیے امیر کسانوں کے پاس اپنی زمینیں گروی رکھ دیں۔ وہ اب بھی محنت کرتے ہیں اور جن کے پاس سادھن ہیں۔ پیسے ہیں۔ آج بھی زمین دار ہیں۔

ماما: اے رومیو

رومیو: ہاں

ماما: سالا تیرا پاس اتنا بھیجہ ہے میرے کو معلوم نہیں۔

رومیو: میں روز نیوز پیپر پڑھتا ہوں ماما۔

ماما: سالا ہم تیری عزت کرے گا رے رومیو۔

رومیو: آج سے

ماما: نہیں: آج اپنے کو فرصت نہیں۔ پر رومیو ٹائم اچھا پاس ہو گیا رے۔ بھوک کا پتہ نہیں لگا۔ سائی جی تم بھی اچھا بولا اپن اپنا رومیو بھی چاہیر پا چھا ہے۔

مہا بھا دجی: تم لوگ دکھی ہو کیونکہ بھوک سے پیڑت ہو۔ میں بھگوان سے پرارتھنا کروں گا کہ تم لوگوں کو شانتی دے۔

(وہ سمادھی لے کر دائیں طرف ایک پیڑ کے نیچے بیٹھ جاتا ہے)

ماما: ہم کو کھانا مانگتا ہے۔ اور بولتا ہے کہ بھگوان ہم کو شانتی دے۔ اور ہم کو شانتی ملے گا تو رکھیں گے کہاں؟ اے رومیو۔

رومیو: بول ماما

ماما: سالا پرنس کو کتنا ٹائم ہو گیا ہے۔

رومیو: ہاں۔ آج بہت ٹائم ہو گیا۔

ماما: ارے وہ پکڑا تو نہیں گیا۔

رومیو: کیا معلوم۔ پکڑا گیا تو سالا جیل میں جائے گا۔

ماما: اس کا باپ رہے۔

رومیو: لیکن ادھر دو ٹائم کھانا تو ملے گا۔ رہنے کو سونے کو جگہ تو ملے گا۔

ماما: سچ؟

رومیو: ہاں ادھر دس آنے کا بھتہ بھی ملتا ہے سونے کو جگہ ملتا ہے۔ اوڑھنے کو کمبل۔

ماما: سالا تو بناتا ہے مجھ کو

رومیو: باپ قسم۔ پرنس ادھر رہے گا تو تگڑا بن جائے گا۔

ماما: چل رومیو۔ بھگوان سے پرارتھنا کریں کہ پرنس کو جیل بھیجے۔

رومیو: چل　　(دونوں ہاتھ جوڑتے ہیں)

دونوں: اے بھگوان ہمارے پرنس کو جیل بھیج تاکہ وہ بھوکا نہ رہے۔ دو وقت کھانے کو ملے۔

ماما: لیکن میرا کیا ہوگا۔؟

رومیو: ہاں یار ہمارا کیا ہوگا۔

(پرنس داخل ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں اور جیب میں کوکا کولا کی تین بوتلیں ہیں)

ماما: پرنس!

(پرنس اس کی طرف بڑھتا ہے)

ماما: یہ کیا ملا تیرے کو؟

پرنس ۔ کوکا کولا

ماما : دیکھ ہم یہ پیئے گا نا تو ہم مرجائے گا ۔

پرنس : تیرے کو کوکا کولا پینا پڑے گا ۔

ماما : دیکھ پرنس کل وہ آئس کریم کھایا تھا ۔ میرے کو ٹھنڈ لگ گئی تھی ۔

(چھینکتا ہے)

دیکھ کتنا ٹھنڈ ی لگا ہے میرے کو ۔۔۔

(پھر چھینکتا ہے)

اب یہ کوکا کولا پئے گا تو نمونیا ہو جائے گا ۔

پرنس : تیرے کو کوکا کولا پینا پڑے گا ماما ۔

ماما : نہیں نہیں ۔

پرنس : ہاں ہاں

ماما : نہیں پرنس

پرنس : ہاں ماما ۔

ماما : (زور سے) نہیں پیوں گا ۔

پرنس : (اسی طرح چیخ کر) تیرا باپ بھی پیئے گا ۔

ماما : ہم تیرے پاؤں پڑتا ہے ۔

(اس کے پاؤں پر گر پڑتا ہے)

پرنس : ہم تیرا باپ ہے جو رونے سے تم پر مہربانی کرے گا ۔ ہم نے ماما اس بوتل کے واسطے بہت محنت کیا ہے ۔ جان کو جوکھم میں ڈالا ہے ۔ دیکھ یہ پیٹھ ۔ تین آدمیوں نے مار مار کر میرے کو باہر کر دیا ۔ بولا کہ ہم چور ہے ۔

پرنس : میں پھر اندر گیا بولا تم دونوں ادھر بھوکا میرے واسطے انتظار کرتا ہوگا ۔ ہم ادھر مزدوری کیا ۔ خالی بوتل اٹھا کیا سارا دن محنت کیا ۔ دس میل پیدل چلا ۔ پھر یہ تین بوتل مار کر لایا ۔ سالا تو میری محنت کا یہ قدر کرتا ہے ؟ تیرے کو ہمارا پاس نہیں ؟ ہماری دوستی کا پاس نہیں ؟ رد میو پکڑو اسے ۔

(دونوں اس کو پکڑتے ہیں جیسے کسی جانور کو دبوچ رہے ہوں ۔ پرنس زبردستی اس کو کوکا کولا پلاتا ہے)

پرنس : پی اور بھگوان کا بھلا مان ۔ پی اور سرکار کو سلام بول ۔ پی اور میرے گن گا ۔ یہ امریکن قادھا ہے ۔ سب سے اچھا مال ہے کوکا کولا ۔ تو بھاگیہ وان ہے ۔ جو تیرے کو ملتا ہے ۔ پی اور مر جا ۔

(خود پرنس رو پڑتا ہے)

(پردہ)

●●

ڈرامہ نویس : وسنت آبا جی ڈہاکے (مراٹھی)
مترجم : اوشا جوگ اور ابراہیم ٹنگلا

ورثہ

(ایک المیہ نظم)

ایک

[رنگ منچ (اسٹیج) کے پچھلے حصے میں بائیں طرف اترنے والی سیڑھیاں آگے آکر تماشائیوں کے سامنے رکتی ہیں ۔ پیچھے کالا پردہ ہے اور سیڑھیوں کا سفید رنگ نظروں کو کھینچ لیتا ہے ۔ سیڑھیوں سے لگا فرش ہے ۔ چوکور ٹکڑے ۔ سفیدی میں کالے رنگ کی جھلکیاں ۔ اسٹیج کے قریب بورڈر سے کچھ دور فرش ختم ہوتا ہے ۔ تین لیولز (LEVELS) صاف دکھائی دیتے ہیں ۔ بائیں اور دائیں سمت کالے پردے ہیں ۔ پچھلے حصہ میں تنگ زاویئے والی اور اگلے حصہ میں بڑے زاویئے والی چوکور سیڑھیاں ہیں اور فرش ہے ۔ کھلی اور وسیع جگہ کا احساس ہوتا ہے ۔ دائیں ونگ کے کونے سے " الف " آتا ہے ۔ بوڑھا تھکا ہوا اسٹیج کے کنارے سے فرش پر چلتا جاتا ہے ۔ تماشائیوں کے سامنے والی سیڑھی کی سب سے نیچی پائیدان پر بیٹھتا ہے ۔ نظریں نیچی ، بدن پر بوسیدہ کپڑے ، سفید بالوں کی لٹیں ، داڑھی الجھی اور بڑھی ہوئی ۔ وہ چپ چاپ فرش کی چوکور کو دیکھ رہا ہے ، کندھے جھکے ہوئے ہیں]

الف ۔ (اپنے آپ سے) زندگی ختم ہونے کو آگئی ۔ بہت تھک گیا ہوں ۔ لیکن سکون نہیں ملا ۔ یہ سامنے والے ٹکڑے جوڑتے جوڑتے زندگی بیت گئی ۔ پھر بھی کچھ باقی رہ گیا ہے ۔ کیا باقی ہے سمجھ میں نہیں آتا ۔ یہ ٹکڑے کیوں جوڑتا رہا ، معلوم نہیں ۔ پوری زندگی بیت گئی اور آج یہ سب کیوں کرتا رہا ، سمجھ نہیں پا رہا ہوں ۔ جب کام کرتا تھا تب ذہن میں کوئی سوال نہیں تھا ۔ ایک نشہ سا تھا ، سب کچھ بھلانے والا عجیب سا نشہ ۔ ہر ٹکڑا جوڑتے وقت دل میں ہونے والی الجھن ۔ ان سیڑھیوں کا بیلنس نہ بگڑ جائے ؛ اسی فکر میں رات دن من میں چلنے والا جھگڑا ۔ نئی نئی کلپنا ، رک رک کر لگائے ہوئے ایک ایک ٹکڑے کو دیکھتے رہنا ۔ تھکن ، پیاس بھوک کسی بات کی بھی پرواہ نہیں تھی ۔ لیکن اب جل ہی بیٹھ گیا ۔

[سنّاٹا]

..... میرا باپ ایسے ہی بیٹھا تھا۔ یہیں پر اس کی تراشا سے جھکی ہوئی آنکھیں۔ سامنے اونچی نیچی بدشکل زمین۔ ان سفید سیڑھیوں سے ایک دم الگ۔ لیکن وہ تھک گیا تھا۔ یہ چار سیڑھیاں جوڑتے جوڑتے ہی اس کی زندگی ابوند بہہ گئی۔ ...(سنّاٹا) ..... اس نے مجھے زبان سے کچھ بھی نہیں بتایا۔ اسے بھی میری طرح چپ لگ گئی ہوگی .... لیکن اس کا جھکا ہوا بدن، بجھی ہوئی آنکھیں ــــ ان سب نے مجھ سے کچھ کہا، یا مجھے ایسا محسوس ہوا ــــ یہ بدشکل زمین مجھے چبھنے لگی .... لیکن اس کے آگے مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا ..... (سنّاٹا)۔

[بائیں ونگ کے کونے سے "ب" آتا ہے۔ وہ "الف" سے بھی زیادہ بوڑھا ہے۔ فرش پر چل کر سیڑھیاں چڑھتا ہے۔ اُوپر کی سیڑھی پر جاکر بیٹھتا ہے۔ وہ اس طرح آتا ہے جیسے وہاں کوئی موجود نہ ہو۔ "الف" کو بھی اس کے آنے کا احساس نہیں ہوتا۔ تھوڑی دیر سنّاٹا۔ بائیں ونگ سے "جیم" آتا ہے۔ وہ "بے" سے بھی زیادہ سن رسیدہ ہے۔ فرش پر سے گزر کر سامنے والی سیڑھیاں چڑھ کر آگے بڑھتا ہے۔ اور بائیں طرف اُترنے والی سیڑھیوں پر اُوپر کی پائیدان پر بیٹھ جاتا ہے۔ اسے "الف" اور "بے" کی موجودگی کا احساس نہیں ہوتا۔ "الف" اور "بے" بالکل ساکت بیٹھے ہیں۔ ان کے بیٹھنے کے انداز سے تھکن کا احساس ہوتا ہے ــــ (سنّاٹا) ــــ

الف: ..... آگے کچھ دکھائی نہیں دیتا ..... کچھ کرنے کے لئے نہیں ہے اسی لئے شاید ..... کچھ سوجھتا نہیں۔ لیکن میں یہ سب کچھ کیوں کرتا رہا۔ بے معنی ہونے کے احساس نے مجھے گم سُم کر دیا ہوگا، ہے نا؟ اس کا بھی یہی حال ہوا ہوگا۔ (کانپ اُٹھتا ہے۔ اندر ہی اندر وہ خوف زدہ ہے) ــــ (سنّاٹا) ..... اور میں اپنے باپ کی نظروں کا مطلب سمجھ گیا ــــ (دکھ سے ہنستا ہے) ..... لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ دیوانگی تھا مگر وہ جھوٹ نہیں تھا۔ (جوش سے)۔ میری آنکھوں میں کچھ بن رہا تھا اور اس کو باہر کی دنیا میں لانے کی کوشش ..... وہ جھوٹ نہیں تھا۔ بیتے ہوئے دنوں میں وہ عظیم تھا، بامعنی تھا ..... پھر اسے بے معنی کیوں کہوں؟ اس کی وجہ تھکن ہے۔ میں تھک گیا ہوں۔ بہت تھک گیا ہوں، بس ..... (سنّاٹا)۔

[الف کی آنکھیں جھکی ہوئیں، کندھے ڈھلے ہوئے۔ دائیں ونگ سے "دال" آتا ہے۔ عمر تیس سال کے قریب۔ اسے صرف "الف" دکھائی دیتا ہے۔ وہ "الف" کی طرف غور سے دیکھتا ہے۔ اس کے پاس فرش پر بیٹھ کر اسے گھورتا ہے۔ پھر اپنے خیال میں کھو جاتا ہے]

["الف" "بے" "جیم" ایک ساتھ اس کی طرف دیکھتے گھورتے اور پھر نظریں جھکا لیتے ہیں]

["دال" کا چہرہ کھل اٹھتا ہے۔ وہ اٹھتا ہے۔ اونچی طرف سامنے کی سیڑھیوں پر، فرش پر، ہر طرف غور سے دیکھتا ہے۔ فرش جہاں ختم ہوتی ہے۔ وہاں دیکھتے ہی چہرے پر نفرت کا جذبہ

اُبھر آتا ہے۔ پھر آنکھیں چمک اُٹھتی ہیں] (اندھیرا)۔

[اسٹیج پر روشنی آتی ہے۔ پہلے کی فرش سے آگے نیچے کے LEVEL پر بھی فرش بڑھائی ہوئی ہے۔ اسٹیج کے کنارے تک بڑھی ہوئی۔ پہلی اونچی فرش کے کنارے "دال" پیر لٹکائے بیٹھا ہوا ہے۔ نظریں جھکی ہوئیں۔ وہ بوڑھا ہو چکا ہے۔ پیچھے "الف" "بے" "جیم" پہلے کی طرح بیٹھے ہوئے ہیں]

دال ــ (اپنے آپ سے ہی) میرے باپ کی آنکھوں کے سامنے یہی ہوگا کیا؟ اس سے پہلے دل میں یہ خیال نہیں آیا تھا۔ اوپر جس طرح فرش جمایا گیا ہے اسے دھیان میں رکھ کر آگے بڑھانا۔ یہی ایک خیال، یہی ایک لگن ــ اور یہ سب کتنا مشکل تھا۔ میرے باپ کی لگن اب میری سمجھ میں آرہی ہے۔ ایسا لگتا ہے اس کا کام زیادہ ہی کٹھن تھا۔ میں نے اس کے بنائے ہوئے نقشے کو آگے بڑھایا ہے۔ بس اتنا ہی نا ــ! اس کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہوگا وہ مجھے محسوس بھی نہیں ہوا۔ پھر اس کے باپ کی نظریں.... یہ سامنے والی سیڑھیاں...... کس گھڑی اس کی نظروں نے ان کا مطلب پایا ہوگا؟ اور اس سے بھی پہلے جب یہاں کچھ بھی نہیں تھا اس وقت یہ بل کھاتی ہوئی سیڑھیاں بنانے والا اس کا باپ.... ہم صرف آگے بڑھتے رہے...... اس نے تو ایک اچھوتا سپنا دیکھا تھا...... آسمان کی اتھاہ گہرائیوں میں اس نے کیا دیکھا ہوگا؟ خالی فضا میں چار سیڑھیاں۔ کس کے چڑھنے اُترنے کے لئے؟ اس کا تصور، اس کی کلپنا، آئینے کی طرح صاف ہوگی...... لیکن مجھ تک پہنچتے پہنچتے یہ سب کتنا مبہم ہوگیا ہے، دھندلا گیا ہے۔ (سناٹا)۔

...... بیتے دنوں کی کوئی بات مجھ سے نہیں سلجھتی...... اور آگے کچھ دکھائی نہیں دیتا.... زندگی کس چیز کی لگن میں بتائی یہ بھی بھولتا جا رہا ہوں۔ اُوپر کی سیڑھیاں، سامنے والی سیڑھیاں اس طرف آگے بڑھایا ہوا یہ فرش سب دھندلا ہوتا جا رہا ہے......

[روشنی کم ہوتی ہے۔ پھر بڑھ جاتی ہے۔ چاروں بوڑھے ساکت ہیں۔ "جیم" عجیب انداز میں ہنستا ہے۔ "بے" اس کی طرف دیکھتا ہے۔ پہلے جھجکتا ہے۔ پھر وہ بھی عجیب انداز سے ہنستا ہے۔ ان کی ہنسی سفاک ہوتی جا رہی ہے۔ "الف" کانپ اُٹھتا ہے۔ مشکل سے گردن اُٹھا کر پیچھے دیکھتا ہے۔ ہنسنے والوں پر نظریں گاڑتا ہے۔ خود بھی ان کی ہنسی میں شامل ہو جاتا ہے۔ آواز بڑھتی جا رہی ہے۔ "دال" کا دھیان ٹوٹ جاتا ہے۔ کچھ دیر وہ آوازوں پر کان لگاتا ہے پھر مُڑ کر دیکھتا ہے۔ اس کا پورا جسم خوف سے تھر تھراتا ہے نظریں جھکی ہوئیں، کندھے اور جھکے ہوئے۔ چند لمحوں بعد اس کی کپکپاہٹ تھم جاتی ہے۔

ہنسی کا بھیانک پن اور بڑھتا ہے۔ ہنسی ایک دم بند ہو جاتی ہے۔ چاروں بوڑھے نظریں جھکائے ساکت بیٹھے ہیں] (سناٹا)۔

["واو" آتا ہے۔ وہ دائیں ونگ سے داخل ہوا ہے۔ وہ "دال" کی طرف دیکھتا ہے۔ اسی طرح "الف" "بے" اور "جیم" کی طرف دیکھتا ہے۔ لیکن ان کے وجود سے وہ بے خبر ہے۔ ماحول سے بے خبر نہیں۔ وہ مختلف زاویوں سے منظر کو دیکھتا ہے۔ نیچے فرش سے گزر کر اوپر جاتا ہے۔ سامنے والی سیڑھیوں پر کھڑا ہو کر چاروں جانب دیکھتا ہے۔ پہلے دیکھتا ہے اور پھر چھو کر اطمینان کرتا ہے۔ یہ سب کرتے ہوئے اس کا چہرہ جذبات سے عاری ہے۔ چاروں بوڑھے اس کی ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہیں ان کے چہروں پر خوشی، غم، بیزاری اور غصے کے بدلتے ہوئے جذبات]

("واو" اسٹیج کے بائیں جانب سوچتا ہوا کھڑا ہے)

واو ــــ (اپنے آپ سے) یہ کیا ہے؟ اس چوکھٹے میں یہ بناوٹ اس کا مطلب کیا ہے؟ یہ کس لئے ہے؟ ان سیڑھیوں پر سے کون اترے گا، کون اس فرش پر سے گزرے گا؟ خلا کے اس حصے پر اس بناوٹ نے قبضہ جما لیا ہے۔ لیکن اس بناوٹ کا کسی چیز سے کوئی تعلق نہیں، یہ کسی کا حصہ نہیں۔ اوپر چھت نہیں، چاروں طرف دروازے نہیں۔ اس چوکھٹ کے باہر ہر طرف جنگل ہی جنگل ہے اور اوپر لامحدود آسمان۔ (چڑ کر) بے معنی بناوٹ کے گھیرے میں ہمارے باپ نے پوری زندگی گنوا دی۔ اس کے دل میں ایک بار بھی خیال نہیں آیا ہوگا؟ کیا مطلب ہے اس کا۔ کس لئے اسے آگے بڑھایا جائے۔ ایسے ہی چھوڑ دیا جائے یا اکھاڑ کر سب کچھ پھینک دیا جائے۔ ایسا کبھی نہیں سوچا اس نے؟ وہ اس بناوٹ کی موہ میں پھنس گیا ہوگا۔ "نشہ" ــــ ہاں، یہ موزوں لفظ ہے۔ "ایک طرح کی بے خودی" ــــ پھر سوال ہی نہیں اٹھتا کہ یہ غلط ہے یا صحیح، مناسب ہے یا نامناسب ایسی کوئی کشمکش نہیں۔ فقط یہ بات کہ اس ٹکڑے کو ایسے بڑھایا جائے یا ویسے، بس یہی لگن ــــ کچھ نیا کیا جائے نئے خیال کو رنگ روپ دیا جائے، یہ کبھی اس نے نہیں سوچا۔ اس لئے کہ اس کی طاقت محدود تھی۔ وہ صرف پرانے کام کو آگے بڑھا سکتا تھا۔ لیکن میں کیوں بڑھا رہا ہوں۔ یہ خیال اسے نہیں آیا۔ اسے اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ (سناٹا)۔

.....لیکن مجھے اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے (سخت لہجے میں)۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی بنیاد ہی غلط ہے۔ (چاروں بوڑھوں کے چہروں پر غصے اور بے چینی کے تاثر)۔ میں اسے بڑھاؤں گا نہیں۔ اسے جڑ سے اکھاڑنے ہی میں زندگی بتا دوں گا۔ (چاروں بوڑھے اٹھ کر دھیرے دھیرے اس کے پاس آتے ہیں) اس بے معنی تخلیق کو ڈھانا ہی میرا مقصد ہے۔ میں ان سب سے مختلف ہوں۔ نئی تخلیق کے لئے میں فضا صاف کروں گا۔ (چاروں بوڑھے "واو" کو گھیر لیتے ہیں۔ ان کے چہروں پر غصہ، ان کے لرزتے ہاتھ اس کا گلا گھونٹنے کو تیار۔ اچانک "واو" کو ان کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ ان کے چہروں کے تاثرات سے وہ چونکتا ہے۔ ادھر ادھر دیکھتا ہے۔ چہرے پر عجیب خوف۔

اس کے گلے کی طرف بڑھتے ہوئے آٹھ ہاتھ چار سفاک چہروں کے بیچ میں "واو" کا سہما ہوا چہرہ)۔

(اندھیرا)۔

(اجالا۔ "واو" زمین پر پڑا ہوا۔ چاروں بوڑھے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے ساکت اور جذبے سے عاری)۔

(بائیں ونگ سے "زرے" آتا ہے۔ پچیس کی عمر۔ ٹکٹکی لگائے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے بوڑھے اور بیچ میں پڑی ہوئی "واو" کی لاش۔ اتنا ہی اسے محسوس ہوتا ہے۔ پہلے وہ ڈر سے کانپتا ہے اور پھر دھیرے دھیرے سنبھلتا ہے)

زرے — تو وہ ختم ہوگیا۔ نہیں تم لوگوں نے اسے ختم کر دیا۔ اس کا خاتمہ طے ہوچکا تھا۔ مٹا دینے کی آرزو لئے میرا باپ کچھ بھی نہیں مٹا سکا، خود ہی مٹ گیا بلکہ مٹا دیا گیا۔ وہ اندر ہی اندر ڈر گیا ہوگا اور تم لوگوں کی سفاکی کو محسوس کر رہا ہوگا۔ تمہارے قاتل لرزتے ہاتھ اور اس کا گھٹتا ہوا گلا۔ (چار بوڑھے اسی حالت میں) خوف اور ظلم۔ اس چوکور خلا میں نہ بند ہونے والی لافانی تخلیق۔ (اس کے چہرے پر طنز ہے)۔ جو قدریں تم نے بنائی تھیں اسے خود ہی مٹا دیا تم نے ایک آرزو کی حرارت کو محسوس کیا اور اس کو حاصل کرنے کی خاطر اپنی زندگی قربان کردی۔ لیکن وہ اس کی آرزو پوری ہونے سے پہلے اس کی زندگی ختم ہوگئی۔ ڈور ٹوٹ گئی۔ اب اس کی آرزوؤں اور ارمانوں کا بوجھ میرے سر پر اور میری زندگی اس کی آرزو پوری کرنے کے لئے ..... اور میری آرزو ...... اور وہ میرے بیٹے کے سر ..... اور اس کی آرزو ..... (بہت چڑکر) کیا دیا تم نے مجھے؟ کیا دیا؟ (بوڑھے ویسے ہی جمے ہوئے) خوف اور ظلم۔ جنگلی جانوروں کی طرح تمہارے گلے گھونٹ کر، ناخنوں سے تمہارے چہرے نوچ لینا چاہئے۔ تمہارے جسم میں دانت گڑو دینا چاہئے ..... ڈر گیا ہوں میں — عجیب سا ڈر۔ گندے ہاتھ میری طرف بڑھ رہے ہیں۔ مجھے گھن آتی ہے ..... میں ہر چیز کو ختم کر دوں گا۔ (زرے ہاتھ میں ریوالور لیتا ہے۔ ساکت اور جمے ہوئے بوڑھوں پر گولیاں برساتا ہے۔ وہ نیچے گرتے ہیں پھر بھی وہ گولیاں برساتا رہتا ہے)۔

(اندھیرا)

(روشنی۔ سامنے کی سیڑھیوں کی سب سے نیچی پائیدان پر "زرے"۔ بوڑھا تھکا ہوا، کندھے جھکے ہوئے ہاتھ میں ریوالور لٹک رہا ہے)۔

[بیک گراؤنڈ موسیقی بہت تیز، کان کے پردے پھاڑنے والی۔ جیسے دل سے چیخ اٹھ رہی ہے]

(اندھیرا)

دو

[روشنی۔ قریب اور سامنے والی سیڑھی کے پیچھے اونچا سا ٹیبل۔ اس کے پیچھے کرسی۔ کرسی پر بیٹھا ہوا شخص۔ اس کا چہرہ ٹیبل پر ٹکا ہوا بالکل سامنے آنکھ کے کنارے سے لعنت دائرے

والا کٹہرا جو بائیں سے دائیں ونگ تک چلا گیا ہے۔ کٹہرے کے اندر تماشائیوں کے سامنے نفے کھڑا ہے۔ ہاتھ میں ریوالور ہے)

نفے ــ (اپنے آپ سے لیکن سب کو سنانے کے لئے)۔ یہ ریوالور میرے باپ کا ہے۔ اس میں آخری ایک گولی ہے۔ یہ اس نے اپنے لئے بچا رکھی تھی۔ مگر وہ ایسے ہی مر گیا۔ اپنے سر کی طرف اس کا ریوالور پکڑا ہوا ہاتھ بڑھنے لگا۔ لیکن بیچ ہی میں وہ ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا۔ ریوالور اس کے پاؤں میں گر پڑا۔ اس کا بے جان ہاتھ خالی تھا۔ زندگی بھر اس کے ہاتھوں نے گولیاں چلائیں، آخری موقعہ پر وہ دغا دے گیا۔ اس لئے یہ آخری گولی بچی ہے۔ (دھیمی ہنسی) ــ

(سنّاٹا)

نفے ــ .... میں نے اپنے باپ کی پوری زندگی نہیں دیکھی۔ تھوڑی سی دیکھ پایا ہوں۔ اس کا جذبات سے خالی چہرہ، کھردرے ہاتھ اور .... اور سامنے والے آدمی کا ڈرا ہوا اور خوفناک چہرہ .... اور بعد میں میرا باپ بہت تھک جاتا تھا .... وہ مُردے کی طرح چُپ چاپ پڑا رہتا تھا .... شروع شروع میں مجھے اس بات سے بہت نفرت تھی، بہت چڑ تھی .... لیکن بعد میں کچھ نہیں کے برابر ہو گیا۔ یہ سب کیسے ہوا میں بتا نہیں سکتا۔

(سنّاٹا)

...... لیکن اب یہ میرے ہاتھ آیا ہے۔ اس کے اندر جو گولی ہے وہ کس کے لئے ہے، میں نہیں جانتا۔ مجھے اس سے کوئی مطلب بھی نہیں۔ یہ میرے لئے ہے یا پھر پیچھے بیٹھے انصاف کرنے والے جج کے لئے ہے۔

(سنّاٹا)

.... وہ اس کہانی میں کب آیا، یہ سامنے والا کٹہرہ۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم۔ شروع سے ہوگا یا نہیں ہوگا۔ ہوسکتا ہے بعد میں کبھی آیا ہو۔ (سنّاٹا)

..... میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آتا۔ یہ ریوالور اور اس کہانی میں کیا سمبندھ ہے؟ اس سوال کا جواب سوچتے سوچتے شاید میری پوری زندگی بیت جائے گی۔ (رُک کر) کچھ بھی ہو ــ یہ ریوالور، یہ میں، یہ کٹہرا، یہ جج ــ یہ سب اس کہانی کا حصّہ ہوں گے۔

..... حصّے دار ہوں گے، یہ میں کہنا نہیں چاہتا ہوں ...... لیکن میں کٹہرے کے پیچھے ہوں۔ اس کا مطلب ہے مجھ پر الزام ہے۔ میں مجرم ہوں یا نہیں یہ ..... وہ جج بتائے گا ..... وہ بھی سچ پوچھئے تو کٹہرے کے اندر ہی ہے۔ (دھیمی ہنسی)۔

(سنّاٹا)

[بائیں اور دائیں ونگ سے ایک ایک گارڈ آتا ہے۔ ایک نفے کے ہاتھ سے ریوالور چھین لیتا ہے۔ اس وقت نفے دھیرے سے ہنستا ہے۔ گارڈ کے چہرے جذبات سے خالی۔ دونوں گارڈ اسے دو طرف سے پکڑتے ہیں۔ دائیں طرف لے جائیں یا بائیں طرف فیصلہ نہیں کر پاتے ہیں۔

کچھ لمحوں کے لئے کھینچا تانی ہوتی ہے۔ پھر اسے دائیں ونگ میں لے جاتے ہیں۔ اسٹیج پر سناٹا۔ روشنی دھیمی۔ بنجے کے چہرے پر روشنی۔ یہ ڈرا ہوا جھوٹا چہرہ ہے، ایسا نظر آتا ہے]

(اندھیرا)

[روشنی ــ کٹہرا، چہرہ، ٹیبل، کرسی اسٹیج پر نہیں ہیں۔ بائیں طرف سے آنے والی سیڑھیاں تماشائیوں کے سامنے مڑی ہوئی ہیں۔ سیڑھیوں کا سفید رنگ نظروں کو کھینچ لیتا ہے۔ سیڑھیوں پر لگی ہوئی فرش اور اس کے آگے نیچے لیول پر بڑھائی ہوئی فرش اسٹیج پر بالکل خاموشی ــ پھر کانوں کے پردے چیرنے والی پُرشور موسیقی ــ پھر یکلخت خاموشی۔ روشنی بڑھتی جاتی ہے ۔

اور پردہ

پورٹریٹ

(مراٹھی ایکانکی)

ڈرامہ نویس ——— رتناکر مٹکری
مترجم ——— اوشا جوگ اور ابراہیم رنگلا

مصور کا اسٹوڈیو۔ ایک صاحب مصور کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ مصور ان کا پورٹریٹ بنا رہا ہے۔

آدمی: پورٹریٹ بنتے بنتے اگر میں بات کروں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ———؟

مصور: جی نہیں ———!

آدمی: کیونکہ چپ چاپ بیٹھنے سے تو اکتا جائیں گے۔ بیٹا کچھ لوگ کام کرتے وقت چپ چاپ رہنے کے عادی ہوتے ہیں۔ گھنٹوں یہ خاموش رہ سکتے ہیں یعنی کام کرتے وقت ہی نہیں ویسے بھی۔ کام کرتے وقت خاموش رہیں تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ اب دیکھئے نا آپ یہ پورٹریٹ بنا رہے ہیں اور اپنے کام میں مگن ہیں اس لئے آپ بک بک کر ہی نہیں سکتے۔ لیکن میری بات الگ ہے۔ میں صرف بیٹھا رہوں گا۔ اس لئے مجھے مُنہ چلانے کے لئے کچھ نہ کچھ تو چاہئے ہی ——— میری نانی جو تھی نا، کئی کئی دن تک مُنہ سے ایک لفظ نہیں کہتی تھی۔ یعنی بھگوان کا نام تک نہیں۔ کام کرتے وقت بھی خاموشی سے سب کچھ کر لیتی تھی۔ کوئی آواز نہیں، یہاں تک کہ زمین پر برتن رکھتے وقت بھی آواز نہیں۔ ہم بچوں کو بہت تعجب ہوتا تھا۔ اس وقت تو ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آیا لیکن بعد میں کسی نے بتایا کہ ہمارے ایک ماموں جوانی میں مر گئے۔ کسی لڑائی میں دُور پردیس میں مارے گئے۔ ان کی موت کی خبر آئی اور اس لمحے سے ہماری نانی کو چُپ لگ گئی جیسے وہ اپنے لڑکے کی موت کا سوگ منا رہی ہو۔ ایسے لگتا تھا کہ وہ کسی ہلکی آواز سے بھی ٹوٹ جائے گی، بکھر جائے گی لیکن بہت دن بعد کبھی کبھار۔ ایک آدھ لفظ بولتی جیسے کہ وہ اپنے من کے خلاف کوئی کام کر رہی ہو، گناہ کر رہی ہو۔ اس کے برعکس ہمارے نانا جب سے لڑکے کی موت کی خبر ملی اتنا بولنے لگے کہ پوچھئے مت پرانے لوگوں کو بھی گھر کی چھوٹی بڑی بات بتانے لگے۔

صرف مرحوم کے بارے میں ہی نہیں، کچھ بھی بتا دیتے۔ یہ سب اس کی موت کے بعد ہوا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دُکھ کا اثر ہر ایک پر الگ الگ ہوتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ دکھ کا مقابلہ کرنے کا طریقہ ہر ایک کا اپنا خاص ہوتا ہے۔ کوئی چُپ ہوجاتا ہے کوئی بے حد بولنے لگتا ہے۔ لیکن چپ رہے یا بولنے لگے دُکھی انسان تو دکھی ہی ہوتا ہے۔ آپ سُن رہے ہیں نا؟

مصور: جی؟ جی ہاں، سن رہا ہوں۔

آدمی: میری بک بک سے آپ کو تکلیف تو نہیں ہوتی؟ میرے خیال سے آپ کو تکلیف نہیں ہورہی ہے۔ میں نے یہ دیکھا ہے کہ جو خود چپ رہے وہ نہیں چاہے گا کہ دوسرا بھی چپ چاپ رہے۔ اور دوسرے بولتے ہیں تبھی تو وہ چپ رہ سکتا ہے۔ دہشت ہے صاحب کے سب چپ رہیں گے تو مشکل ہوجائے گی۔ اتنا سنّاٹا نہیں سہہ سکیں گے۔ اور میری حالت تو یہ ہے کہ پانچ منٹ بھی کسی نے بات نہیں کی تو بے چین ہوجاتا ہوں۔ لگتا ہے اس آدمی کے ساتھ دشمنی ہوگئی ہے، ہم دونوں کی بول چال بند ہوگئی ہے۔ کہنے کے لئے کچھ رہ ہی نہیں گیا ہے۔ وہ اپنے دل کی ٹھک ٹھک سُن رہا ہے اور میں نے اپنا دل اپنے کانوں میں سمو دیا ہے۔ کوئی تعلق دونوں میں ہے ہی نہیں۔ یہ عجیب سی بات ہے نا؟ جیسے آپ ابھی میرے سامنے بیٹھے ہیں اور میں آپ کے سامنے۔ اور پھر بھی کوئی تعلق ہم دونوں کے درمیان نہ ہو تو بات کیسے بنے گی؟ کچھ تو تعلق ہونا ہی چاہئے۔ اور اگر تعلق ہو تو کچھ بولنا بھی چاہئے، ایک طرف سے ہی کیوں نہ ہو، بولنا تو ضروری ہے۔ ایک بات آپ نے سوچی ——؟

مصور: کیا ——؟

آدمی: آپ میرا پورٹریٹ بنا رہے ہیں، رائٹ؟ اب پورٹریٹ بنانا، کسی کو سامنے بٹھا کر بنانا یعنی فوٹو پر سے کاپی کرنا تو نہیں۔ ٹھیک ہے نا؟ صرف ناک کان آنکھ بنانے سے کام نہیں چلے گا۔ سامنے بیٹھے ہوئے آدمی کا کیرکٹر بھی آنا چاہئے، تبھی وہ اچھا پورٹریٹ سمجھا جائے گا۔ ہے کہ نہیں؟ اور اگر میں چپ چاپ بیٹھا رہوں تو یہ میرے مزاج کے خلاف ہوگا۔ یعنی تصویر میں میرا مزاج کچھ دوسرا نظر آئے گا ایک دم رزروڈ۔ بالکل الگ تھلگ۔ اور میرا مزاج ایسا نہیں۔ میں تو ایک کھلے دماغ کا آدمی ہوں، بڑا ہی ملنسار۔ اور اس پورٹریٹ کو کامیاب بنانے کے لئے مجھے بولنا ہی پڑے گا۔ بولتے وقت انسان کا چہرہ کیسے کھِل اُٹھتا ہے۔ نہیں تو چہرے کی نس نس اینٹھ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ پورٹریٹ میں وہ کیا دکھائی دیتا ہے اس کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ انسان کیا بولتا ہے۔ ہاں، ورنہ مصور کو انسان کے مزاج کی اِنْ سائٹ (INSIGHT.) کیسے آئے گی، اور پورٹریٹ میں وہ کیا رنگ بھرے گا؟

مصور: ذرا اس طرف دیکھئے۔ ہاں، تھوڑا رائٹ کی طرف نہیں، اتنا نہیں، بالکل تھوڑا۔ بس اتنا ہی۔

آدمی: سچ پوچھئے تو پورٹریٹ —— خیر آپ کو محسوس نہیں ہوتا ہوگا کیونکہ آپ تصویر بناتے میں مصروف رہتے ہیں لیکن میرے لئے ایسے چپ چاپ بیٹھنا یعنی —— کل کی سٹنگ میں میں بہت بیزار ہوگیا کیونکہ شروع میں بالکل بچے کی طرح بیٹھنا پڑا۔ ذرا بھی حرکت نہیں۔ لیکن بعد میں طے کرلیا، میں تو بولوں گا

اس لئے آج شروع سے ہی بولنے لگا۔ آج تصویر بن جائے گی کیا؟

مصور: قریب قریب۔ تھوڑی سی فنشنگ (FINISHING) باقی رہے گی۔ اور تھوڑا سا بیک گراؤنڈ۔ لیکن اس کے لئے آپ کو بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

آدمی: اسی لئے تو مجھے پورٹریٹ سے کوئی دلچسپی نہیں۔ سوری، نو آفنس مینٹ (NO OFFENCE MEANT) یعنی پورٹریٹ کی اہمیت کو میں کم نہیں سمجھتا لیکن اس کے بنوانے کے لئے آدمی کو کچھ رسمیں نبھانی ہی پڑتی ہیں۔ اور ہمارے خاندان کا رواج ہے کہ گھر کے بزرگ کا پورٹریٹ باہر ہال میں لگایا جائے پچھلی پانچ پشتوں کی تصویریں ہیں ہال کی دیواروں پر اور سبھی تصویریں فرسٹ کلاس مصوروں نے بنائی ہیں سب میوزیم یا آرٹ گیلری میں رکھنے کے قابل۔ لگتا ہے کہ ابھی سب تصویریں بول پڑیں گی۔ ان کے بغل میں یہ پورٹریٹ لگنے والا ہے۔ اس لئے آپ بھی خیال رکھئے، تصویر اصل سے ہو بہو ہو۔ چہرے پر جذبات ہوں، یعنی دل کی بات چہرے پر نظر آئے ——— !

مصور: ویسے آپ کو ایک جگہ جمے رہنے کی ضرورت نہیں اِدھر اُدھر ٹہل سکتے ہیں۔ پھر بھی جب تک ہو سکے بیٹھے رہئے۔

آدمی: تھینکس (انگڑائی لیتا ہے) اصل میں ہم لوگوں کو چلنے پھرنے کی عادت ہے نا، اس لئے ایک جگہ بیٹھے رہنا مشکل ہوتا ہے۔ ارے بھائی، ہم ٹھہرے سپاہی۔ چار میل کی دوڑ لگانے کے لئے کہئے ——— ایک کندھے پر بندوق اٹھائے۔ لیکن ایک جگہ بیٹھنا، مر جائیں گے!! مگر کیا کریں خاندان کی عزت کا سوال ہے۔ ہر نسل کے بزرگ کا پورٹریٹ ہال میں لگنا ہی چاہئے۔ اگر پورٹریٹ بننا ہی ہے تو ابھی بنے ——— عمر ہو جانے کے بعد کیوں بنوائیں ——— ؟

[مصور اشارہ کرتا ہے۔ آدمی آکر اسی جگہ پر بیٹھ جاتا ہے۔ مصور اس کا پوز ٹھیک کرتا ہے]

آدمی: خیر اَب میں اتنا جوان تو نہیں رہا۔ فوج میں پندرہ سال سے اُوپر تو سروس ہو چکی ہے۔ ویسے جاب بھی فیلڈ پر نہیں۔ بالکل سویلین کی طرح۔ ڈگمگا کچھ مزا نہیں ایسے جاب (JOB.) میں۔ کبھی کبھی بہت برا لگتا ہے۔ آپ جیسے فن کاروں کو دیکھتے ہوئے اپنے کام کا کچھ مطلب ہے، دَم ہے۔ نہیں تو ہم صرف پیسہ کماتے رہتے۔ خیر یہ تو اپنی اپنی قسمت ہے۔ لاکھوں میں سے ایک دو ہی کلاکار بنتے ہیں۔ اور پھر آپ جیسا مشہور کلاکار ——— میں تو پریشان تھا، ہال میں پورٹریٹ لگانا ہے۔ پرانی تصویروں کا مقابلہ کر سکے ایسا مصور کہاں سے ڈھونڈوں۔ میری بیوی نے مجھے آپ کا نام بتایا۔

[مصور ایک لمحے کے لئے برش روک کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ پھر سے اپنا کام شروع کر دیتا ہے]

آدمی: کہنے لگی، آپ کی فن کاری کا جواب نہیں۔ کام کے بارے میں کوئی شک نہیں لیکن آپ مانیں گے یا نہیں یہ سوال تھا۔ آپ کو فرصت ملنی ہی مشکل۔ میں نے یہ کہا۔ اس پر وہ بولی کہ میں اس کی فکر نہ کروں، وہ آپ کو

لکھے گی اور آپ جھٹ راضی ہو جائیں گے۔ مجھے بڑا
تعجب ہوا۔ ویسے تعجب کی بات تو نہیں تھی۔ آخر آل
آپ ایک زمانے میں اس کے اُستاد رہ چکے ہیں اور
وہ آپ کی شاگرد۔ سفارش جب ایسی ہو تو بھلا
آپ کیسے نہیں مانتے ــــ بھئی ایک منٹ ــــ
میں سگریٹ پی لوں ــــ آپ بھی ذرا آرام کر لیجئے
ہیو اے سموک ! ریلیکس (HAVE A SMOKE !
RELAX).

[منصور کو سگریٹ پیش کرتا ہے۔ دونوں
سگریٹ سلگاتے ہیں۔ کچھ دیر خاموشی سے
دونوں سگریٹ کے کش لیتے ہیں۔]

آدمی: بھئی۔ ہر ایک کا مقدر الگ ہے ــــ مجھے دیکھئے نا !
اتنے برسوں سے فوج میں ہوں، پھر بھی زندہ ہوں، ہٹا کٹا
ہوں، اور ہمارے ماموں فوج میں بھرتی ہوئے نہیں اور
دوسرے سال ختم۔ اس پر بھی پتاجی نے مجھے فوج میں
بھیج دیا۔ یہ بھی خاص بات ہے۔ ایک کی تقدیر دوسرے
کی تقدیر جیسی نہیں ہوتی۔ ماما جی کی بدقسمتی کہ وہ چل بسے
اور میری خوش قسمتی کہ میں زندہ ہوں، کامیاب ہوں۔

[منصور پھر اپنی جگہ پر جاتا ہے، آدمی
بھی بیٹھ جاتا ہے]

آدمی: یہ سب تقدیر کی باتیں ہیں۔ اب یہی دیکھئے۔ اپنی جو
ملاقات ہوئی وہ بھی تقدیر ہی کا کھیل ہے۔

[منصور چونک کر دیکھتا ہے]

آدمی: آپ ہی کا نام اس نے سجسٹ (SUGGEST) کیا
عجیب ہے نا ــــ !

منصور: عجیب ؟ مطلب ؟

آدمی: یہی کہ ایک طرف تو وہ آپ کو بھولنے کی کوشش
کر رہی ہے اور دوسری طرف آپ ہی سے پورٹریٹ
بنانے کے لئے کہا۔ آپ کو تعجب ہوا ؟ اس میں تعجب
کی کوئی بات نہیں۔ اس نے آپ کے بارے میں مجھے
سب کچھ بتا دیا ہے۔ شاید سب کا سب نہ بتایا ہو
پھر بھی مجھے سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ یہ بھی بہت ہے،
ہے نا ؟ ویسے وہ بڑی سیدھی سادی ہے، وفادار ہے
چوری چھپی والی نہیں۔ اور چوری چھپی کرنا ہی کیوں، میرے
جیسا سمجھدار پتی جو ہے۔ شادی ہوتے ہی اس نے
مجھے نہیں بتایا۔ کچھ برسوں کے بعد بتایا۔ دونوں کو
ایک دوسرے پر پورا بھروسہ تھا۔ مجھے بھی کچھ بُرا نہیں
لگا۔ شادی سے پہلے بہتوں کے ایسے تعلقات ہوتے
ہیں اور پھر وہ بھی کلاکار۔ اس عمر میں آپ جیسا بڑا
کلاکار ملے۔ یہ تو بالکل نیچرل ہے۔ جو ہوا سو ہوا۔
جب اس نے بتایا تو ایک گھڑی کے لئے تو میں بے چین
ہوا لیکن پھر ــــ پھر کچھ نہیں۔ اور اپنی ملاقات ہوگی
اس وقت میں نہیں سوچ سکتا تھا۔ یہ تو اتفاق کی بات ہے۔

[ایک لڑکی شربت لا کر رکھتی ہے۔ دونوں
شربت پیتے ہیں]

منصور: بیٹھئے۔ اب تھوڑا ہی باقی رہ گیا ہے۔

آدمی: آپ تو ایک دم چُپ چاپ رہتے ہیں۔ شاید آپ کا
پورا دھیان کام میں ہے۔ آپ کو بولنے کی بھی فرصت
نہیں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ پھر بھی کب سے میں اکیلا
بولے جا رہا ہوں۔ آپ کچھ بولنے کا نام ہی نہیں لیتے۔
میں نے سوچا تھا کہ کم سے کم اس کا نام لینے پر آپ
بولیں گے۔ لیکن نہیں، آپ تو کچھ بولنے پر تیار نہیں
وہ بھی ایسی ہی ہے۔ زیادہ بولتی نہیں۔ پھر مجھے اکیلے
ہی بولنا پڑتا ہے۔ اس پر بھی وہ زبان نہیں کھولتی کیونکہ

شادی سے سب سُن لیتی ہے۔ کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ اسے اتنا برداشت نہیں کرنا چاہئے۔ پھر بھی مجھے اس پر غصہ نہیں آتا۔ (رُک کر) ۔ ویسے وہ بہت اچھی ہے۔ بہت لگن سے گھر سنبھالتی ہے۔ اتنا بڑا گھر اس نے اتنا اپ ٹو ڈیٹ رکھا ہے کہ پوچھو مت رشتے دار، مہمان کچھ کم نہیں۔ سب کی خاطر کرتی ہے نوکروں پر بھی کڑی نظر رکھتی ہے اور یہ سب کچھ بنا کہے بنا بولے کرتی ہے۔ لیکن اس کے رشتہ دار کہتے ہیں وہ پہلے ایسی نہیں تھی۔ بہت باتونی تھی، کھلکھلا کر ہنسنے والی۔ پھر وہ کب سے ایسی ہوئی ہوگی ؟ (رُک کر) شاید آپ دونوں کو ایک ساتھ ہی چپ لگی ہوگی۔ جس دن اس نے مجھ سے بیاہ کیا اسی وقت۔ اس سے پہلے دونوں نے خوب باتیں کی ہوں گی، دل کھول کر ہنسے ہوں گے۔ کبھی کبھی ان دنوں کی یاد سے اس کے ہونٹوں پر ہنسی کھیلتی ہے۔ "کیا ہوا" پوچھنے پر کچھ جواب نہیں دیتی۔ پھر میں سمجھ لیتا ہوں کہ یہ ہنسی میرے لئے تھی ہی نہیں، آپ کے لئے ہے۔ ایک دن ہم سرسوں کے کھیت سے گزر رہے تھے۔ شادی کے کچھ دنوں بعد کا ذکر ہے۔ میں اس کے لئے پاگل ہو گیا تھا۔ اس کی نظروں کا پیچھا کرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ وہ ایک الگ دنیا میں کھو گئی ہے۔ میں نے اسے بار بار پوچھا لیکن وہ چپ رہی کچھ دیر بعد بولی کہ اس سنہرے کھیت کی تصویر بنانے کے لئے بہت اچھے مصور کی ضرورت ہے اس وقت آپ کے بارے میں انجان تھا میں نے کہا "تم بھی تو مصور ہو۔ تم ہی اس کی تصویر بناؤ۔ کہنے لگی میں کہاں کی مصور ؟ اور ایک دم چپ ہو گئی۔ بعد میں جب مجھے پتہ چلا تب ..... کیوں صاحب! آپ کا پیار اگر اتنا شدید تھا تو سپنا کیوں نہیں ہوا؟

مصور: (ایک لمحہ رک کر) روشنی کی طرف چہرہ کر لیجئے اور ذرا گردن اُٹھائیے۔ بس ٹھیک ہے۔

آدمی: میرے سوال کا آپ نے جواب نہیں دیا۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ اس سوال کا اگر کوئی جواب ہوتا تو اس نے پہلے ہی دے دیا ہوتا۔ اور پھر میرے پاس پوچھنے کو یہ سوال ہی نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ آپ کی کچھ پریشانیاں ہوں کچھ مشکلیں، معمولی دشواریاں۔ یہ بھی تقدیر کا کھیل ہے۔ کئی بار اچھی اور حسین باتیں بہت کم کامیاب ہوتی ہیں اور سیکنڈ ریٹ چیزیں کامیاب۔ جیسے ہماری دنیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری زندگی میں کچھ کمی سی ہے۔ ایسا مت سوچئے۔ یعنی ایک کمی ہے۔ ہمیں اولاد نہیں، لیکن اس میں اس بیچاری کا کیا قصور ؟ اپنے پتی سے بچہ نہ چاہنے والی کونسی عورت ہو سکتی ہے ؟ اس کو مجھ سے پیار نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔ وہ مجھے پیار کرتی ہے، میرا خیال رکھتی ہے۔ اتنا بڑا گھر سنبھالتی ہے۔ یہ سب پیار کے بغیر کوئی کیوں کر سکتا ؟ اس جیسی عورت جس سے پیار نہ ہو اس کے ساتھ ایک منٹ نہیں ٹھہر سکتی اس لئے اس کو مجھ سے پیار نہیں۔ ایسا خیال دل میں نہ لائیے۔ اب بچہ ہوتا تو اور اچھا ہوتا، یہ سچ ہے۔ لیکن بہت سے لوگوں کو اولاد نہیں ہوتی۔ اور کہتے ہیں کہ ایسے پتی پتنی ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہتے ہیں اور اس کمی کو پورا کرتے ہیں۔ ہمیں بھی اولاد ہوتی تو ہم ایک دوسرے کو کم چاہتے۔ آپ کا کیا خیال ہے ؟

مصور: سچ ہے۔

آدمی: یہ ہوئی نا بات۔ ایک ہی بات کہی لیکن سچے دل سے۔

آپ جیسے کم بولنے والے بہت ہوشیار ہوتے ہیں بولتے کم ہیں لیکن بہت قیمتی۔ شاید چُپ رہنے کا فن اس نے آپ سے سیکھا ہے۔ شاید آپ کی یاد میں اس نے چُپ رہنا اپنا لیا ہے۔ اور اب یہ دوسری نشانی ہوگی۔ آپ کی دستخط والا یہ پورٹریٹ۔ یہ ہمیشہ ہمارے ہال میں رہے گا۔ ہر وقت نظر کے سامنے۔ اسے دیکھ کر آپ کی یاد آتی رہے گی۔ اسے بھی، مجھے بھی۔ لیکن ذرا سوچئے کیسی مزہ دار بات ہے۔ دستخط آپ کی ہوگی پھر بھی پورٹریٹ میرا رہے گا۔ پھر اسے دیکھ کر کس کی یاد آنی چاہئے؟ جس کی دستخط ہو اس کی، یا جس کی صورت ہو اس کی۔ پوری فریم میں صورت ہوگی اور دستخط ایک کونے میں۔ لیکن کس کو کیا زیادہ قیمتی لگے گا یہ نہیں کہہ سکتے۔ یا آپ کا چھوٹا سا نام اس فریم میں اسے میرے چہرے سے زیادہ قیمتی لگ سکتا ہے لیکن ایسا سمجھنا اس کے ساتھ ناانصافی ہے۔ ایسے دیکھا جائے تو وہ پتی ورتا ہے۔ آج تک اس نے میرے بارے میں کوئی لاپرواہی نہیں دکھائی۔ پتی ورتا دھرم اور کیا ہے؟ اوپری برتاؤ ہی تو ہے۔ ان پتی ورتاؤں کے من میں کون جھانکتا ہے؟ اور جھانکنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ چار دن ساتھ رہنا اور ایک دن مر جانا۔ اگر یہی زندگی کا مطلب ہے تو غلط ہی کیوں نہ ہو سکھ چاہئے۔ ابھی تک وہ آپ کو یاد کرتی ہوگی۔ مجھے یاد رکھنے کی اس کو ضرورت نہیں، شاید تڑپتی بھی ہوگی۔ آخر دل کا کیا بھروسہ۔ اور یہ نیچرل بھی ہے۔ سکھ سے زیادہ انسان کو دکھ یاد رہتے ہیں۔ کہیں یہ نہ سمجھئے کہ ابھی تک آپ ہی اس کے دل میں سمائے ہیں۔ شادی کے بعد اُسے آپ سے ملنے کے بہت موقعے تھے میں محاذ پر جاتا تو وہ یہاں آسکتی تھی۔ لیکن اس نے یہ نہیں کیا مجھے سب معلوم ہے۔ اس پر نظر رکھنے والوں نے ہی مجھے بتایا ہے۔ یعنی میں نے اس کے پیچھے جاسوس لگا رکھے تھے، یہ مت سمجھئے۔ لیکن میرے بھی کچھ لوگ تھے فوجی ہی کیوں، کوئی بھی پتی اپنی پتنی پر نظر رکھنا خود بخود سیکھ جاتا ہے۔ ایسے تو مجھے پورا بھروسہ ہے کہ اسے مجھ سے پیار ہے لیکن پھر بھی کبھی کبھی لگتا ہے .....

[مصور خاموشی سے آدمی کا پوز درست کرتا ہے اور پھر سے اپنے کام میں جُت جاتا ہے]

آدمی : کبھی کبھی اچانک وہ ضد کرتی ہے۔ بیڈ روم پر زیتونی ہرے رنگ کے پردے لگانے کے لئے۔ وہ یہ رنگ زیادہ استعمال نہیں کرتی اور مجھے بھی یہ خاص پسند نہیں۔ پھر یہ کس کی پسند ہوگی۔ ہمیشہ بے جان سی رہنے والی جب نیند میں مجھ سے چمٹتی ہے تو میں سوچتا ہوں کہ یہ اپنی باہوں میں اس طرح کسے جکڑنا چاہتی ہے۔ مجھے وہ کون سمجھ رہی ہے۔ کبھی کبھی دل میں آتا ہے کہ اس نے تصویریں بنانا بند کیوں کر دیا ہے۔ ٹھیک ہے فوجی زندگی میں اس کے لئے فرصت نہیں ملتی۔ اگر وہ اس زندگی سے بور ہو جائے اُکتا جائے تو۔ اسے تصویر بنانے کا شوق پھر پیدا ہو جائے تو ــــ پھر اچانک کسی روز آپ کی نمائش کی خبر کا تراشہ ملتا ہے۔ سوچتا ہوں، کیوں نہیں یہ سب بھول پاتی۔ جس سمجھ داری سے اس نے یہ تعلقات ختم کئے ہیں اتنی سمجھ داری سے ان یادوں کو وہ کیوں نہیں مٹا دیتی۔ میں جانتا ہوں، تعلقات پبلک ہوسکتے ہیں لیکن یادیں اپنی پرائیویٹ رہتی ہیں۔ یادوں پر انسان کا اپنا حق ہوتا ہے یہ سب مجھے منظور ہے، لیکن اس آدمی کا کیا ہوگا جس نے

زندگی بھر اسے چاہا۔ اس جیسا پیار کسی اور کو نہ دیا۔ ایسے آدمی کا حق زیادہ ہے یا ان یادوں کا جو ڈنک کی طرح چبھتی ہیں؟ میں جانتا ہوں آپ خوش ہو رہے ہوں گے۔ دل ہی دل میں مجھ پر ہنستے ہوں گے۔ آپ سوچتے ہوں گے کہ آپ کو چھوڑ کر اس نے مجھ سے شادی کر لی۔ لیکن مجھے شکہ نہیں ملا، کامیابی نہیں ملی، سیکنڈ ہینڈ پیار ہی۔ ڈرِک کی لیکن نہیں۔ اگر آپ ایسا سوچتے ہیں تو یہ آپ کی نادانی ہے۔ میں نے جو بھی کہا وہ تھیوری ہے صرف تھیوری، اصلیت نہیں۔ کبھی کبھار آنے والی یادوں پر زندگی تیرتی ہے نہ ڈوبتی۔ کیونکہ زندگی میں یادوں کے سوا بہت کچھ ہے۔ پیسہ کپڑا، مہمان، وقت پر سونا، کھانے پر اسپیشل ڈش بنانا۔ بال بچوں کی دیکھ بھال۔ ہمیں کوئی اولاد نہیں، مان لیا، لیکن اس سے آپ کا کیا تعلق۔ قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ آپ کی یادوں کا نتیجہ بھی نہیں۔ ڈرِک کی۔ اس لئے آپ کو خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹھیک سوچیں تو آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ میں نے بازی جیتی ہے، وہ میرا نام استعمال کرتی ہے، میرے گھر میں رہتی ہے۔ صرف کبھی کبھی ... لیکن اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اہمیت اس بات کی ہے کہ وہ میری پتنی ہے۔ نام آپ کا رہے گا لیکن صورت میری ہوگی۔ اس کا مطلب آخر جیت بھی میری۔

[بولتے بولتے جذباتی ہو جاتا ہے۔
مصور تصویر سے دور ہٹ کر اس کا
EFFECT دیکھتا ہے]

مصور: پورٹریٹ تقریباً پورا ہو گیا۔ دیکھنا چاہیں گے؟

آدمی: پورٹریٹ پورا ہو گیا ——— ؟

مصور: یس، ریلیکس۔ یُو آر فری ٹو مُوو ٹو۔ آئیے یہاں سے دیکھئے۔

[آدمی اس کے پاس جا کر تصویر دیکھتا
ہے۔ چونکتا ہے]

آدمی: یہ کیا بنایا ——— ؟ میرا پورٹریٹ ——— ! میں آپ کو ایسا دکھائی دیتا ہوں ——— ؟

مصور: کیوں؟ کیا غلط ہے؟

آدمی: کون جانے؟ غلط یا صحیح، یہ بھی سمجھ میں نہیں آرہا ہے میں آپ کو ایسا نظر آیا؟ ایک روتی صورت، زندگی سے ہارا ہوا انسان۔ کیا میں ایسا لگتا ہوں۔ بار بار میں نے آپ کو بتایا، میں سکھی ہوں، کامیاب ہوں، زندگی کی بازی میں نے جیتی ہے۔ (چیخ کر) آپ نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ خاموش رہ کر پیٹھ پر چھری بھونکی ہے میرے سب سوالوں کا ایک ہی جواب، اس اسٹینڈ پر لٹکا دیا آپ نے۔ صاف کیوں نہیں کہہ دیا کہ میں جھوٹ بولتا ہوں۔ لیکن نہیں کہنے کی، میرے منہ پر بولنے کی آپ میں ہمت کہاں تھی۔ مگر چپ رہ کر آپ نے وہی کیا۔ میری مایوسی، کمزوری سب آپ نے اس پورٹریٹ میں اتار دی۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امر کر دیا۔ (بہت دکھی ہو کر) آپ کیا جانیں گے میرے دل کا حال۔ چپ رہ کر، رومانٹک ہو کر اور اپنے پیار کی یادوں کے سہارے ایک دوسرے سے جدا ہونا آسان ہے۔ لیکن جیتا جس دل میں کسی اور کے پیار کی یاد جاگتی ہو، اسے پیار دینا کتنا کٹھن ہے، یہ آپ کیا جانیں گے۔ آپ جیسا ڈرپوک، خاموش آدمی ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے مجھ جیسا پتھر دل انسان چاہئے۔ آپ چھپ کر پیچھے سے وار کریں، اپنے برش سے میری بے عزتی کریں۔

لیکن میں . . . میں اس بے عزتی کو برداشت نہیں کرسکتا۔ پہلے ہی میں نے بہت سہا ہے اور اب یہ بے عزتی ــــــ !

[جیب سے ریوالور نکالتا ہے۔ مصور چونکتا ہے۔ خود پر گولی نہ چلا سے اس خیال سے۔ وہ ریوالور چھین لینا چاہتا ہے۔ ناکام ہوکر ڈرتے ڈرتے پیچھے ہٹتا ہے]

آدمی : کیوں ریوالور اچھا ہے نا ؟ اتنے اچھے ریوالور ہر جگہ تھوڑی ملتے ہیں۔ لائسنس شاید مل جائے گا' لیکن ریوالور نہیں۔ اسے حاصل کرنے کے لئے میں نے بڑے جتن کئے' ہر جگہ کوشش کی۔ مدھیہ پردیش کے ایک گاؤں میں مقامی لڑکے سے میں نے اس کو پایا ہے۔ اس لڑکے کو اس ریوالور سے نفرت تھی۔ کیونکہ اسی ریوالور سے اس کے باپ نے اس کی ماں کا خون کیا تھا۔ اسے یہ ریوالور اپنی نظروں سے دور کرنا تھا اور مجھے یہ چاہئے تھا۔ نیا خریدنے سے کیا فائدہ۔ انسان کی طرح ریوالور کا بھی کوئی ماضی ہونا چاہئے، تاریخ ہونی چاہئے۔ (رُک کر) آپ سمجھے میں خود پر گولی چلاؤں گا۔ میں اتنا بزدل نہیں۔ (اچانک اس کی طرف ریوالور گھما کر) میں اگر آپ پر گولی چلاؤں تو ؟ وہ بدلہ ہوگا، مزہ آئے گا۔ بدلہ کس بات کا ؟ آپ کی یاد کا ؟ لیکن آپ کے مرنے پر بھی یاد تو نہیں مرے گی۔ پھر آپ شہید کہلائیں گے پیار کے لئے بلیدان دینے والے۔ بہادر۔ اور میں ٹھہروں گا نیچ' بزدل' بدلہ لینے والا کمزور' ولن' نہیں۔ میں آپ پر گولی نہیں چلاؤں گا۔ آپ کے لئے میرے دل میں کوئی دشمنی نہیں۔ سچ پوچھئے تو اس ایک بات پر آپ کو مجھے پورٹریٹ میں بہادر پیش کرنا چاہئے۔ میری زندگی کی کتنی گھڑیاں آپ نے آج تک برباد کی ہیں۔ پھر بھی مجھے آپ سے بالکل دشمنی نہیں۔ مجھ جیسے دل والے کتنے ہوں گے دنیا میں ؟ پھر بھی آپ نے میرا پورٹریٹ ایسا بنایا کہ میں بہت دکھی' اکیلا آدمی ہوں۔ میں نے کتنی بار آپ سے کہا' میں ایسا نہیں ہوں۔ پھر بھی آپ یہی کہہ رہے ہیں کہ آپ نے مجھے اس روپ میں دیکھا ہے۔ سچ ؟ نہیں' نہیں۔ میں ایسا نہیں ہوں۔ اپنا یہ دکھی' ہارا ہوا چہرہ میں نہیں دیکھ سکتا۔ میں اسے مٹا دوں گا' مٹا دوں گا۔

(پورٹریٹ پر گولیاں چلاتا ہے)

مصور : نہیں۔ یہ میری تخلیق ہے۔ اسے مٹانے کا آپ کو .....

(پورٹریٹ پر اوندھا گرتا ہے اسے بچانے کے لئے۔ آدمی ریوالور خالی ہونے تک گولیاں چلاتا رہتا ہے اسٹینڈ مصور کے ساتھ نیچے گرتا ہے۔ مصور کی پیٹھ سے خون کی دھار بہتی ہے)۔

آدمی : بھگوان جانتا ہے کہ میں اس کا خون نہیں کرنا چاہتا تھا اس سے مجھے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ مجھے تو صرف پورٹریٹ کو مٹانا تھا۔ میرا جھوٹا غلط چہرہ دکھانے والا پورٹریٹ۔ کسی اور کا اسے دیکھنا ٹھیک نہیں تھا۔ سب لوگ مجھے خوش' کامیاب انسان کے روپ میں دیکھیں' یہی میں چاہتا تھا۔

(پردہ)

ترجمہ: اوشا جوگ اور ابراہیم زنگلا

ناکہ بندی

(مراٹھی ایکانکی ۔ چھایا داتار)

کالج کینٹین کا منظر۔

ایک کونے میں ٹیبل پر ٹانگ پھیلا کر کوئی لڑکا اخبار پڑھ رہا ہے۔
تین چار بہت ماڈرن قسم کے طالب علم اس کے پاس آکر میز کے گرد بیٹھ جاتے ہیں

ایک: سالا تو یہاں اخبار پڑھ رہا ہے اور ہم تجھے سترہ جگہ ڈھونڈتے پھرے۔

دوسرا: کہیں کلاس میں تو نہیں گیا یہ سمجھ کر ہم جو وہاں گئے تو سالا ہم ہی وہاں پھنس گئے۔

تیسرا: باہر نکلنا بھی مشکل۔

چوتھا: کمار پہلے تم اپنا پاؤں ٹیبل سے اٹھاؤ اور پھر سگریٹ کا پاکٹ نکالو۔

ایک: آج کل ایک دم کڑکی ہے یار۔ چار پیسے کے سگریٹ کے لئے بھی محتاج۔

دوسرا: ویٹر! چائے لاؤ

تیسرا: چائے ملے گی لیکن with out sugar

چوتھا: بغیر شکر کی چائے!!! ——— پھر تو بیئر ہی ٹھیک ہے۔

ایک: لاؤ بھائی لاؤ۔ اکال ہے، کسی طرح زندہ تو رہنا ہے۔ یہی ضروری ہے۔

دوسرا: سالا پیپر کیا پڑھ رہا ہے کیا اس میں؟

دوسرا: اکال فنڈ میں مدد کرو۔

تیسرا: بس کھٹمل جیسے منحوس الفاظ۔

چوتھا: تڑخی ہوئی زمین۔ مردہ سے جانور

دوسرا: پتھر توڑنے والے انسان ان کے خون سے لت پت ہاتھ۔

تیسرا: ہلاک ہونے والے خوفناک بھٹنا چار

چوتھا: دو کانوں سے اناج غائب

ایک: سرکاری سکھڑ بازار میں بیچنے کے لئے۔

دوسرا: ڈھائی روپے کیلو۔

تیسرا: سالا کچھ کرنا چاہیئے۔

چوتھا: اکال کے خلاف آواز اٹھانی چاہیئے۔

ایک: آواز اٹھانا یعنی دیوتا کے ساتھ بد سلوکی

کلانہ ہے کیا؟

دوسرا: اکال صرف قدرتی نہیں ہے

تیسرا: اکال یعنی بے کاری۔

چوتھا: اکال کا مطلب ہے غریبوں کو لوٹنے کا بہانہ۔

ایک: بیس لاکھ آدمیوں کو روزگار ملا، باقی اسی لاکھ کو بھوشیہ کا وعدہ۔

دوسرا: اس پردرشنی نے نیکن پرنسپل کی ڈنڈی گل کر دی

تیسرا: فنڈ جمع کر کے اکال سے مرنے والوں کی مدد کے سپنے سجائے تھے

چوتھا: اس پردرشنی میں دینا ناتھ نے سرکار کے خلاف تصویریں لگائیں۔

پہلا: پرنسپل کو پسینے چھوٹ گئے!

دوسرا: مینجمنٹ کا چمچہ ہے وہ!!

تیسرا: شکشا منتری مینجمنٹ کا چیرمین!

چوتھا: اب مارو بوم!!!

ایک: دینا ناتھ نکسلائیٹ ہے کیا؟

دوسرا: بندوقیں ہیں اس کے گھر میں۔

تیسرا: سالا اکال پر نمائش کرواتا ہے

چوتھا: ایک ایک کو گولی سے اڑا دو۔ ٹھائیں! ٹھائیں!!

ایک: ڈھائیں! ڈھائیں! ڈھائیں!!

(سب ایکشن کرتے ہیں)

دوسرا: تبھی اسے مانیں گے ہم، ہاں۔

تیسرا: یہ لکھنا پڑھنا بکواس لگتا ہے! ایک دم فالتو!

چوتھا: کچھ کرنے کو دل چاہتا ہے

ایک: کچھ بھی ہو ـــــ بس سنسنی پیدا ہو جائے۔

دوسرا: سالا جا۔ مس کانتا دیشپانڈے کا منہ چوم لے۔

تیسرا: اکنامکس پڑھاتے وقت کیا رعب دکھاتی ہے۔

چوتھا: آئیڈیا بڑا مست ہے۔

ایک: اسے اسے چڑھاؤ مت

دوسرا: ارے مورچے لے جائیں کیا۔؟

تیسرا: پچھلے سال ٹائٹ پینٹ کا مورچہ کیا نعرہ دار نکالا تھا!

چوتھا: آج کا مورچہ ہوگا دیہات کے ودیارتھی ساتھیوں کے لئے۔

ایک: دیکھو یار، یہ ساتھی بندھو بھائی وغیرہ - Senti-ment بولنے نہیں چاہئیں۔

دوسرا: سگے بھائی کو بھی بھائی نہیں مانتے۔

تیسرا: وہاں لوگ بھوک سے مرتے ہیں اور یہاں ہم مست پکچر دیکھتے ہیں۔

چوتھا: اور نہیں تو ان لوگوں کو چتا پر چڑھانے جائیں!

ایک: ارے ان کی خوش نصیبی سمجھو کہ وہ لوگ شاید بھارت دیش سے جلدی چھٹکارا پا گئے۔

دوسرا: مورچے میں شامل ہو کر کیا کریں گے؟

تیسرا: ایک دو پتھر پھینکیں گے!

چوتھا: آخر ہم ٹھہرے مڈل کلاس کے سچے وارث۔!

پہلا: ہمارے باپ دادا کا خون ہماری رگوں میں ہے۔

دوسرا: تشار احمد آباد سے واپس آیا ہے۔ کہتا ہے کہ حالت خراب ہے!

تیسرا: کسان ہی دانے دانے کو محتاج ہے۔!

چوتھا: جہاں اناج پیدا نہیں ہوتا ایسے بڑے شہروں کا حکم چلتا ہے۔

پہلا: مجھے تو لگتا ہے کہ یہاں چین جیسی کرانتی ہوگی!

دوسرا: کسان سب ایک ہوں گے۔

تیسرا: اور ایک دن ہلہ بول دیں گے!!

چوتھا: وہ شیو سینا کے جیسے چار دن کا دنگل نہیں کریں گے

پہلا: وہ تو پرلے ہوگا۔ قیامت ہوگی۔

دوسرا: ہم تو پھر کسی کی بھی پرواہ نہیں کریں گے۔
تیسرا: تب تک دوستو، چلو ہم پکچر کی لائین میں کھڑے ہو جائیں۔ رین ڈاس!!
(پیریڈ ختم ہونے کی گھنٹی بجتی ہے "اکال ختم" کے نعرے لگاتے ہوئے سب نکل جاتے ہیں)
فیڈ آوٹ)
(فیڈ اِن۔
مہیلہ منڈل کا ہال۔ ۴۔ ۵ عورتیں پیچھے کی بنچوں پہ بیٹھی ہوئی ہیں۔ آگے شاید بھاشن ہو رہا ہے۔ بیچ بیچ میں چند الفاظ سنائی دیتے ہیں۔ روشنی صرف ان چار عورتوں پر ہے۔ ایسا سمجھا جا سکتا ہے کہ جلسہ ہو رہا ہے)
آواز: "تو بہنو! آج راستے پہ آنے کے سوا کوئی اپائے نہیں رہا۔ ہم لوگوں نے بہت برداشت کیا! سرکار کی زمین کو ملائم سمجھ کر کچھ زیادہ ہی کھودنے لگو..."
ایک: کیوں جی کل والی پارٹی کیسی رہی؟
دوسری: اسے وں۔ لیکن chicken کچھ اچھا نہیں بنا تھا۔
تیسری: اور مہنگا کتنا! گیارہ روپیے کیلو!!
چوتھی: ڈالڈا کہاں سے لایا؟
پہلی: دو دن لیٹو دھا لائن میں کھڑی رہی!
دوسری: میں نے تو سولہ کیلو والا ڈبہ لے رکھا ہے۔
تیسری: سنا تم نے وہ دیدی جی کہہ رہی ہیں کہ ہم کو راشن پہ ملنے والا گیہوں امریکہ میں سوروں کو کھلایا جاتا ہے!
چوتھی: میں کہتی ہوں ان کے پاس بھیک کیوں مانگیں۔
ایک: بارش نہیں ہوئی اس میں سرکار کا کیا دوش۔!
دوسری: دیہات میں بے چارے کیسے کام کرتے ہوں گے؟
تیسری: پرسوں پیپر میں آیا تھا۔ نو مہینے کی گربھ وتی مہیلائیں بھی کام کرتی ہیں۔
چوتھی: اس طرح محنت کرنے سے کہیں وہیں پہ بچہ ہو گیا تو!
ایک: ان عورتوں کی بات ہی الگ ہے۔
دوسری: بچہ پیدا ہوتے ہی شام کو عورتیں کام پہ حاضر ہو جاتی ہیں۔
تیسری: یہ انسان ہیں یا جانور؟
چوتھی: ننھے ننھے بچوں کو پیڑوں کی چھاؤں میں ٹوکری ڈال کر سلا دیتے ہیں۔
پہلی: دھوپ رہے ہوا چلے۔
دوسری: مجھے تو یہ بڑھا چڑھایا لگتا ہے!
تیسری: سب پالیٹکس ہے۔
چوتھی: وہ کہتے تھے کہ اکال نہ ہو تو پھر بھی اپنے ضلعے میں اکال فنڈ سے کام چلانے کی کوشش ہوتی ہے۔
پہلی: ہاں! بس پیسہ کھانے کا ایک اور موقعہ!
دوسری: مجھے تو بڑی فکر لگی ہے۔ اس سال لینا کی شادی ہونے والی ہے۔
تیسری: گیہوں کا بورا لے رکھا ہوگا۔
چوتھی: اور آدھی بوری چاول بھی!
ایک: کالے بازار سے شکر!
دوسری: سب سے زیادہ مہمان ہوں گے۔
تیسری: قانون سے بچنے کے چھپے راستے بھی تو ہوں گے!
چوتھی: ایک ہی لڑکی
ایک: کچھ شوق تو ہوتا ہی ہے۔

دوسری: ہاں، اکال سا گیا، آئے گا اور چلا جائے گا!

تیسری: بڑے کا منہ کالا کر کھا ہوگا۔

چوتھی: تھوڑا سفید!

ایک: تھوڑا سا کالا!

دوسری: ہاں، عورت۔

تیسری۔ کیسے چھوڑیں گے؟

آواز: "کالے بازار سے ملنے والی چیزوں پر بندی کرنا چاہئے۔ ہر عورت کو آگے بڑھنا چاہئے۔"

(آواز مکالموں کے درمیان آتی رہتی ہے)

چوتھی: اپنے منڈل نے جو پیسے جمع کئے ان کا کیا ہوا؟

ایک: ڈنڈنگ سنی تھی دس ہزار جمع تھے!

دوسری: "ممار یکا" کی ذمہ داری بشودھن بائی نے لی تھی!

تیسری: اب کہتے ہیں کہ اشتہاروں کے پیسے ہی نہیں مل رہے!

چوتھی: سوشیل ورک کرنے کی شان دکھاتی تھی۔

پہلی: پھر اچھا ہوا کہ میں نے دس روپے کے دو ٹکٹ لئے۔

تیسری: میں نے تو دس ٹکٹ بیچے!

دوسری: اکال کی وجہ سے مہنگائی اور اوپر سے یہ دال کا حرم۔

چوتھی: کوئی بھی مائی کا لال کھڑا ہو جاتا ہے اور اکال فنڈ میں مدد دینے کے لئے کہتا ہے! اس لئے بہنو، ہمیں اب اپنے گھر کی چار دیواری سے باہر نکلنا چاہئے! ہماری ایکتا ہونی چاہئے! اور اتوار کے مورچے میں سب کو شامل ہو کر اپنی شکتی دکھانی چاہئے۔

ایک: لیکن اتوار کو مورچہ کیوں؟

دوسری: سب کے گھر والے گھر میں اور ہم لوگ باہر!

تیسری: سب لوگ ویسے ہی ہمارے مورچے کا مذاق اڑانے پر تلے ہوئے ہیں!

چوتھی: مجھے تو یہ حالات بڑے گمبھیر دکھائی دیتے ہیں۔

پہلی: پہلے یہ اکال والے کبھی کبھی آتے تھے۔!

دوسری: اب تو یہی لگتا ہے کہ بمبئی کا سہارا لے!

تیسری: بمبئی کیا "کام دھینو" ہے؟

چوتھی: سب کی اچھا پوری کرنے والی؟

پہلی: ایک تو ان جھونپڑپٹی والوں اور بھکاریوں نے ویسے ہی بمبئی کو گندہ کر رکھا ہے۔

دوسری: اس پر ان لوگوں کا حملہ!

تیسری: یعنی بمبئی کے راستوں پر چلنا بھی مشکل ہو جائے گا۔

(فیڈ آؤٹ)

(اپوزیشن پارٹی کا دفتر ۴-۵ آدمی مورچے کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں)

ایک: کیوں بھائی، سب بور ہو گئے؟

دوسرا: آج کے نعرے ایک دم نئے جوش دلانے والے چاہئیں۔ پرانے، گھسے پٹے نعرے نہیں چلیں گے۔

تیسرا: دیکھئے رہنا پاٹل صاحب، آج تو ہم کمیونسٹوں کی بھی چھٹی کر دیں گے۔

(جھنڈا ہاتھ میں لئے ایک کے پیچھے ایک سٹیج پر چکر لگاتے ہیں)

چوتھا: اناج کے گودام کھول دو!

ایک: لوبھی بنیوں کو پھانسی دو!!

دوسرا: بیوپاریوں کے گوداموں پر قبضہ کر لو!

تیسرا: سب ادھیکار جنتا کے ہاتھ!!

چوتھا: سماج کی تیسری آنکھ کھلنے والی ہے!!!

ایک: کسان مزدور ایکتا ـــــ زندہ باد!

دوسرا: اب کسان کا "کی" چھوٹا چاہیے۔

تیسرا: پچھلے چار مہینوں میں یہ پندرھواں مورچہ ہوگا ـــ نہیں؟

چوتھا: پہلے پانچ میں تو کوئی دم نہیں تھا!
ایک: ٹھیک ہے یار! تمہارے پاس کوئی بکسے ہیں کیا۔
آدمی بھر کر لانے کے لیے؟
دوسرا: یا پیسے کی جھولی؟ ایک آدھ سو روپے؟ کوئی بھی آ کر
لے لے، دو پیسہ!!
تیسرا: لیکن اکال کی وجہ سے لوگ سڑکوں پر نکل آتے ہیں۔
چوتھا: پچھلے دنوں، دو دفعہ کیا زوردار گیٹ میٹنگ ہوئی تھی!
ایک: اکال یعنی جنتا کے خون چوسنے کا ہتھیار — غریبی
ہٹاؤ کہنے والی یہ سرکار پونجی وادیوں کی ہے۔ بڑے
بیوپاریوں کی ہے۔ غنڈوں کی، شیطانوں کی ہے۔!
(ایک جوش سے بولنے لگتا ہے۔ دوسرا اسے بٹھا کر
خود بولنے لگتا ہے)
دوسرا: مزدور بھائیو! ادھر گاؤں میں تمہارے بھائی بند
کھیت مزدور اور غریب کسان دانے دانے کو ترستے
ہیں، انھیں اناج نہیں ملتا۔ اکال کے نام پر سرکار
انھیں پتھر ڈھونے پر مجبور کر رہی ہے۔ ان کے کھردرے
ہاتھوں کا خیال کرو۔ ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ۔
تیسرا: (دوسرے کو بٹھا کر خود کھڑا ہو جاتا ہے) مزدور کسانوں
میں ایکتا ہونا چاہیے۔ دیش کی سبھی جنتا ایک ہونی
چاہیے۔ اکال کے بہانے نعرے لگانے والی سرکار
سرکار کا روپ دیکھنے لگا ہے۔ ہری کرانتی کی بکواس
کرنے والی سرکار اب امریکہ کے سامنے گیہوں کے لیے
ہاتھ پھیلانے پر راضی ہو گئی ہے۔
چوتھا: (تیسرے کو بٹھا کر خود کھڑا ہو جاتا ہے) ٹوٹی پھوٹی
سرکار کو لات مار کر پھینک دو۔ دام بڑھنے کے
خلاف آواز اٹھاؤ۔ "جنتا کا خون چوسنے والی سرکار"
سب: مردہ باد!
چوتھا: بھوکے پیٹ کام لینے والی سرکار
سب: مردہ باد!
ایک: ارے مان گئے دوست — بڑا نشہ آتا ہے۔

دوسرا: یہ بیٹھا میٹنگ نہیں — اسٹیج پر بڑی شان سے
کھڑے ہو کر لوگوں کے سامنے بھاشن کرتے ہیں۔
تیسرا: پھر بھی اس دفعہ کے آندولن میں اتنا زور نہیں ہے۔
سنیکت مہاراشٹر کے موقع پر ایک ایک میٹنگ ایسی
ہوتی تھی — ایسی ہوتی تھی کہ بس! ایک دم ہاؤس فل!!
چوتھا: سالا، لوگوں کے دل جیت لئے — اور کانگریس بھی
اندر سے اپنی طرف!
ایک: پھر بھی مرارجی بھائی نے کافی زور لگایا — بہت گولی بار،
خون سے لت پت لوگ، 'کرفیو'، رستے پر لاشیں پڑے
ہوئے — ایک دم سناٹا!!
دوسرا: کیوں بھائی! آج کتنے آدمی آئیں گے؟
تیسرا: دس پندرہ ہزار فٹ شیٹ! ابھی [illegible] نے
زور لگایا ہے۔
چوتھا: آج کا مورچہ زوردار بنانے کے لئے کس کے کوشش کرو یار۔
ایک: کچھ بھی کر کے آج آگ بھڑکانی چاہیے۔ لاٹھی ڈنڈے
تیار رکھو۔ وقت آنے پر لیڈ نہیں ہی!
دوسرا: پتھر ملنا کوئی مشکل نہیں۔
تیسرا: سالی سوڈا واٹر کی بوتل جھٹ سے مل جاتی۔
چوتھا: مورچہ کے آگے رہنے والے مضبوط چاہئیں۔ پولس
کے ساتھ مقابلہ ٹھیک سے ہونا چاہیے۔
ایک: ہاں ابھی پیپر والے ٹھیک سے رپورٹ دیں گے۔
دوسرا: ان منتریوں کی سبھا کی رپورٹیں کا نمبر بعد کے —
ادھر ہم مزدوروں کی کسی کو فکر نہیں!
تیسرا: فری پبلسٹی ملتی ہے پھر بھی کاغذ کی کنجوسی۔
چوتھا: یہی تو خاص بات ہے — سالے سب ڈھونگی،
بدمعاش!
ایک: لیکن مجھے لگتا ہے کہ آج کا مورچہ زوردار رہے گا۔
دوسرا: سب رستوں پر پولس جم کر کھڑی ہے۔
تیسرا: یہ پولس گاؤں گاؤں میں چھپایا ہوا اناج نکالنے کے
لیے بھیجو تو کہنا۔

چوتھا: وہ جیلانکہ ٹوٹ کر آسانی سے نکل آئے گا۔

ایک: یہی تو گڑبڑ ہے — ان کے ہاتھ اوپر سے باندھ دیئے گئے ہیں۔

دوسرا: انہیں چھپانے والوں کے بجائے بند منتری منڈل میں جم کر بیٹھے ہیں۔

(ایک آدمی آتا ہے۔ اس کے ساتھ چار پانچ واری رومال کی لنگوٹی باندھے، گلے میں رنگین مالائیں، ننگے پاؤں آتے ہیں)

تیسرا: بہتر ہے۔ کام فتح۔ پچاس آدمیوں کا دل تیار!

چوتھا: فنٹاسٹک ——— آج کا مورچہ تگڑا جمے گا۔

ایک: ان کو ٹریننگ دو یار — مورچے میں چلنے کی

دوسرا: کچھ بھی کہو اپنے یہاں مورچے کا معاملہ کچھ بے جان سا لگتا ہے۔ اس طرح سے اور پچاس سال نکل جائیں گے کرانتی ہونے میں۔

تیسرا: سچ کہا، میری کرانتی کی کلپنا یہ ہے کہ . . . .

چوتھا: (سُر میں) اے ایشور، مزدوروں کو جاگرتی دے!

ایک: رستے رستے پر رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں۔

دوسرا: (سُر میں) اے ایشور، رستے والوں کو اٹھا!

تیسرا: ذرا سوچو۔

چوتھا: کھیتی کا منگاروں نے، غریب کسانوں نے بمبئی میں آنے والا اناج ———...

ایک: روک لیا۔

دوسرا: ریل گاڑیاں، بیل گاڑیاں، ٹرک، مال گاڑیاں....

تیسرا: سب پر قبضہ کر لیا۔

چوتھا: تو کیا ہوگا۔

ایک: دو دن میں بمبئی کی ہوا نکل جائے گی۔

دوسرا: پورا شہر مرگھٹ کی طرح سنسان، اکیلا۔

تیسرا: باہر سے گھرا ہوا۔

چوتھا: باہر سے گھرا ہوا

ایک: بمبئی والے گھروں میں بیٹھے ہیں

دوسرا: راشن کی دکانوں کے سامنے۔

تیسرا: ہاتھوں میں خالی جھولے لئے۔

چوتھا: راہ تکتے تکتے، تکتے . . . .

ایک: فنٹاسٹک (سب قہقہہ مار کر ہنستے ہیں)

(روشنی بند۔ پردے کے پیچھے سے آواز)

آواز: "صبح سہانی ہے۔ بھلی دل لبھانے والی۔ آسمان صاف، اجلا لیکن کچھ سوکھا سوکھا، پورب کی اور جگمگاہٹ۔ سورج آسمان پر لٹکنے والا ہے۔ ماچس کی طرح سٹے لگے دس والی یہ حویلی۔ دسویں منزل سے مل کی چمنی آسمان میں گھستی نظر آتی ہے۔ گول بل کھاتا ہوا دھواں۔ اڑوس پڑوس کی حویلیوں کی بھیڑ میں سے گردن اونچی کرتی ہوئی جانے والی یہ دسویں منزل سب سے الگ ہو جاتی ہے۔ اتنے اوپر پہنچتے پہنچتے آوازیں، شبد جیسے ہو جاتے ہیں نہیں کے برابر۔ شہر میں رہ کر آواز سے دور رہنا بہت کم لوگوں کے نصیب میں ہوتا ہے۔ ایسے نصیبوں والا یہ گھر۔

چاروں طرف سے بہت بڑا حصہ دکھائی دیتا ہے، سندر ہے تصویر جیسا۔ لینڈ اسکیپ کی مانند اونچی حویلیاں، ترچھے گھروں کے کارخانے، اس کو لگی ہوئی جھونپڑپٹی۔ ان سب کو گھیرے ہوئے کالے سانپ جیسے راستے۔ بسوں کی لال لال قطاریں۔ رنگ برنگی گاڑیوں کی لمبی قطار۔ یہ جھونپڑیاں ہونی ہی چاہئیں نہیں تو یہ شہر سب سمنٹ کا جنگل دکھائی دے گا۔

[اسٹیج پر روشنی۔ فرنیچر نہیں ہے لیکن کرداروں کی اداکاری سے فرنیچر کا تصور ہوتا ہے۔ بیٹھنے کے لیے تین اسٹول۔ پرمیلا باتی چالیس برس سے کچھ بڑھتی عمر کی سنجیدہ عورت۔ اونچا سہانا سا چہرہ، اُجلا پن چہرے سے جھلکتا ہے۔ صبح کے وقت گاؤن کے بٹن لگاتی ہوئی باہر آتی ہے۔ ٹیبل

پھر رات کا سامان پڑا ہے۔ جماہی لیتے ہوئے وہ شراب کی بوتل اور گلاس میز سے اٹھاتی ہے]

پرمیلا: (کام کرتے ہوئے) نیشو دھا نگیس پر چائے کا پانی رکھ دو اور تم جاؤ۔

(ریڈیو لگاتی ہے لیکن صرف کھڑکھڑاہٹ سنائی دیتی ہے۔ گملوں سے ایک دو سوکھے پھول اٹھا کر انھیں دیکھتی ہے)

پرمیلا: ابھی تک پروگرام شروع کیسے نہیں ہوا۔ دو دن سے کہہ رہی ہوں کہ ریڈیو بگڑ گیا ہے۔ شاہ اینڈ کمپنی کو فون کرنا چاہیئے۔

(اندر چائے بنانے کے لیے جاتی ہے۔ ریڈیو کی کھڑکھڑ چلتی رہتی ہے۔ دوسری طرف سے پپا آتے ہیں۔ عمر پچاس کے لگ بھگ۔ سوکھے بڑے افسر جیسے دکھائی دیتے ہیں۔ ململ کا کرتہ اور پیجامہ پہنے ہوئے۔ باہر آکر اخبار ڈھونڈنے لگتے ہیں)

پپا: نان سنس! پیپر والوں کی اب یونین بن گئی۔ کل پرسوں سے ایک روپیہ بڑھا دیا پھر بھی سروس پور۔

(پرانا اخبار اٹھا کر پڑھنے لگتے ہیں۔ پھر بے چین ہو جاتے ہیں)

پپا: ان پرانی خبروں سے "مارننگ کال" نہیں آئے گا۔ اس کے لیے تو تازہ تازہ خبریں چاہییں۔

(پرمیلا پانی چائے کا سامان ٹرے میں لاتی ہے)

پرمیلا: دیکھا آپ نے۔ اپنا ریڈیو ابھی تک شروع نہیں ہوا۔ صرف کھڑکھڑ ہو رہا ہے۔

(پیچھے سے چپکی جاتے ہوئے ہاتھ میں پیالی دیتی ہے)

پپا: Damn bloody radio سب کی ہڑتال ہے شاید — پیپر والے ریڈیو والے بند کر دیں ریڈیو!

پرمیلا: اپنی گھڑی تو ٹھیک ہے، ساڑھے چھ بج رہے ہیں۔

(اندر سے کمار انگڑائی لیتے ہوئے آتا ہے)

کمار: ام سویرے نیشو دھا کو میرے لیے گرما گرم چائے بنانے کے لیے کہو۔ میں برش کر کے ابھی آتا ہوں۔

پپا: آج چھٹی ہو کر برخوردار جلدی کیسے اٹھے؟

کمار: میٹنگ میں جانا ہے اکال سہایتا سمیتی کی میٹنگ ہے

پرمیلا: چائے خود ہی بنا لو۔ آج نیشو دھا نہیں ہے۔

کمار: اتنی صبح کہاں چلی گئی؟

پرمیلا: ڈالڈا کی لائن میں نمبر لگانے۔

کمار: ایڈیٹ! آج کل جب دیکھو نیشو دھا باہر۔ ڈالڈا نہیں کھایا تو کیا بگڑے گا؟

پرمیلا: کیوں مسٹر! اس دن آملیٹ ذرا پھیکا ہو گیا تو کتنا شور مچایا۔

کمار: یہ ریڈیو کیوں لگا رکھا ہے۔ سب بکواس پروگرام دیتے ہیں۔

(غصے سے ریڈیو بند کرتا ہے)

پپا: رہنے بھی دو۔ آج پیپر نہیں ہے کم سے کم ریڈیو نیوز تو سنیں گے آن کرو۔

(ریڈیو لگاتا ہے۔ کھڑکھڑ کی جگہ کوں کوں کی آواز۔ سب ایک دم tense ہو جاتے ہیں۔ پپا پیپر بازو میں رکھ دیتے ہیں۔ پرمیلا کا کپ رک جاتا ہے۔ کمار Attention کھڑا ہے)

آواز: ہمیں کھید ہے کہ آج آکاش وانی کا پروگرام دیر سے شروع ہو رہا ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک مہتو پورن اعلان کیا جائے گا ریڈیو جاری رکھیں۔

(موسیقی)

پرمیلا: ہائے رام! کہیں راشٹرپتی کا خون وون تو نہیں ہوا! شاستری جی کا دیہانت ہوا تب ایسی ہی اچانک خبر آئی تھی۔

پپا: کہیں فوجی انقلاب تو نہیں ہوا!

کمار: انقلاب ہی ہوگا — کمیونسٹوں نے قبضہ کر لیا ہوگا۔

پپا: Quite good — مجھے پسند ہے۔

کمار: فنٹاسٹک!

پپیا: یہ تو ہونا ہی تھا ۔۔۔ اندھیر نگری اتنی بڑھ گئی تھی۔

کمار: انقلاب کی آگ بھڑکنے ہی والی تھی۔ لوگوں میں بے چینی پھیل گئی تھی۔

پپیا: لشکری انقلاب!

کمار: لال انقلاب۔

پرمیلا: مجھے تو ڈر لگتا ہے۔ خون خرابہ، آگ، تباہی۔

پپیا: اپنی سینا بہت مہان ہے۔

کمار: جنتا کمیونسٹوں کے ساتھ ہے۔ ان کا پلہ بھاری ہے۔

پپیا: بھارت میں لوک شاہی کا رہنا ممکن نہیں تھا۔

کمار: پونجی وادیوں کی لوک شاہی کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں

پپیا: لوک شاہی صرف طاقتور دیش ہی میں پنپ سکتی ہے۔

کمار: جہاں ذات اور کلاسیز نہ ہوں وہی دیش لوک شاہی کا مطلب سمجھتا ہے۔

پپیا: یہاں پر لشکری عمل ہونا ہی چاہیئے۔ اس میں لوگوں کا بھلا ہے۔

کمار: ادھیکار جنتا کے ہاتھ ہونا ہی چاہیئے۔ اناج کے گوداموں پر قبضہ کرکے جنتا کو ساتھ لیا جا سکتا ہے۔

پپیا: سینا کے ڈر سے لوگ اچھا برتاؤ کریں گے۔ خون خرابے کا اندیشہ نہیں رہے گا۔

کمار: خون خرابہ ہو بھی تو کوئی حرج نہیں، لیکن ان پونجی وادیوں کو سر اٹھانے کا موقعہ نہیں ملنا چاہیئے۔

پرمیلا: میں فون کرکے دیکھوں۔ پولس تھانے میں پوچھوں یا آکاش وانی سے؟

پپیا: فون کا کوئی فائدہ نہیں۔ اتنی ضروری خبر آکاش وانی سے نشر ہوگی۔ ان ملٹری والوں کو اتوار کا دن ہی چننا تھا۔

کمار: ان کو اتوار نہیں چننا چاہیے تھا۔ آج مزدوروں کو چھٹی ہے۔ کام کرتے وقت جیت کی [illegible]

Take over on the spot

اسی وقت مزدوروں کو اپنے ادھیکار کا سنس آ جاتا اور لڑائی شروع ہو جاتی۔

پرمیلا: یہ ریڈیو والے فضول سسپنس بڑھا رہے ہیں۔ کوئی ناٹک ہے کیا!

(ریڈیو پر کھڑکھڑ کی آواز)

آواز: آکاش وانی کے بہت سارے کرمچاری کام پر نہیں آسکے چرچ گیٹ اسٹیشن پر لوکل گاڑیاں آئی نہیں۔ بمبئی بندر پر بھی سناٹا ہے۔ اُپ نگروں سے بسوں کا آنا بھی بند ہے۔ اس کی وجہ ابھی تک جانی نہیں جا سکی۔ پوچھتاچھ جاری ہے۔ پکی خبر ملتے ہی ریڈیو پر اعلان کیا جائے گا۔ مہربانی کرکے اپنے ریڈیو چالو رکھیں۔

(موسیقی)

پپیا: یہ کیا؟ کچھ گڑبڑ لگتی ہے۔

پرمیلا: کچھ نہیں جی، بجلی میں بگاڑ وغیرہ۔ کوئی فالتو وجہ ہوگی۔ اپنے لوگوں کو بات کا بتنگڑ بنانے کی عادت ہے۔

(چائے کا سامان اندر لے جاتی ہے)

کمار: میری intuition ہے کچھ خاص ہونے والا ہے۔ حالات نازک ہیں اور بھیانک اتھل پتھل ہونے والی ہے۔

پرمیلا: (اندر سے) چائے بنی ہے تو ابھی سے کہہ دو کمار

کمار: پلیز مام ۔ میں ابھی آیا برش کرکے۔

(اندر جاتا ہے)

(پپیا بے چین ہو کر سگریٹ جلاتے ہیں۔ ریڈیو پر گھُر گھُر کی آواز پر شور کرتا ہلکا ابھر آتا ہے)

آواز: ابھی ابھی ہاتھ آئے ہوئے تازہ سماچار کے انوسار بمبئی کے چوپ سے جہانگیر کی اور بڑی تعداد میں لوگوں کا ہجوم چلا آ رہا ہے۔ ان لوگوں کے ہاتھوں میں لاٹھیاں بھالے کلہاڑے وغیرہ نظر آئے۔ یہ لوگ پورے شہر میں پھیل رہے ہیں۔ بمبئی کے سب راستوں، ریلوے

اسٹیشنوں اور دوسری جگہوں پہ ان کی وجہ سے رکاوٹ
ہوگئی ہے ____

[پرمیلا (دروازے میں آکر) اسی لیے دودھ والا
بھی نہیں آیا]

.... ریڈیو اسٹیشن کی پہلی ڈیوٹی کے کرمچاری نہیں
آسکے اس لئے آج آکاش وانی کے سارے کاریہ کرم
بند رہیں گے۔ ناگرکوں کو سوچنا دی جاتی ہے کہ واتاورن
تنگ ہونے کا سنبھو ہے اس سے جہاں تک بن سکے
کوئی باہر نہ نکلے ۔ سب کارخانے، آفس وغیرہ بند
رہیں گے۔ یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں اسے
جانے بنا پولیس کوئی کارروائی نہیں کر سکتی ۔ سرکار
نے نشچے کیا ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس کا مقابلہ
شانتی سے کیا جائے۔ بمبئی کے ناگرکوں کو پھر ایک بار
سوچنا دی جاتی ہے کہ وہ ساودھان رہیں۔ کسی
بھی اجنبی کو بلا وجہ گھر میں داخل نہ ہونے دیں۔ پھر
سے ایک بار سوچنا ہے کہ ہوشیار رہیں۔

(خبریں چل رہی ہیں اس وقت سٹیج کے پچھلے
حصے میں ہجوم کا جمع ہونا۔ ایک خاص
لے کے ساتھ ہلچل۔ ہجوم بڑھتا معلوم ہو اس
طرح کا effect)

پرمیلا: ہائے دیا! یہ کتنے لوگ ہیں۔ کہاں سے آرہے ہیں
یا بدھسے؟

پپا: شرنارتھیوں کا ہجوم ____ گاؤں میں اناج ختم ہوا اب
بمبئی کی اور۔

کمار: ہائی گاڈ! Opposition پارٹی کا مورچہ تو
نہیں سر پیاز ____ سر پیا تو مورچہ۔ سرکار
کا فیہ گل۔

پرمیلا: یشودھا اچھا ہے دکان گئی ہے اگر دکان لٹ
گئی تو ڈالڈا نہیں ملے گا۔

پپا: This bloody inefficient
Government

ایک دم بے وقوف سرکار!

کمار: میرے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟

(جلدی سے فون کرتا ہے)

ہیلو! شاردا تشا سے ہے؟ پلیز بلائیے نا۔ (فون ہاتھ میں لئے
کھڑکی سے باہر دیکھتا ہے)

باپ رے! آدمیوں کا سیلاب! (فشا شکن طوفانی سمندر)

(دھیرے دھیرے فون رکھتا ہے)

(یہ سب چلتے وقت پیچھے ہونے والی ہلچل اسی طرح سے
جاری ہے۔ پپا بھی اٹھ کر دیکھتے ہیں۔ پرمیلا پاس
آکر کہتی ہے)

پرمیلا: آج تک اتنا بڑا کوئی مورچہ نہیں دیکھا۔!

(ریڈیو پر گڑگڑ کی آواز)

آواز: بمبئی کے سبھی آپ نگروں سے خبر پانے کے لئے فون
آرہے ہیں۔ ہر جگہ ہجوم بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ ابھی تک
یہ لوگ خاموش ہیں۔ بمبئی واسیوں کو شانت رہنے کا
آواہن کیا جا رہا ہے۔ سبھی گمبھیر ہے۔ آگ بھڑکنے
کا خطرہ ہے۔ (موسیقی)

پپا: پچھلے وقت کرانتی آئے تھے تبھی مجھے لگا تھا کہ ایسا
ضرور ہوگا۔

کمار: I think its all spontaneous اکال
کے مارے ہوئے لوگ ایک ہوگئے ہیں۔ سب چھنی
جاگ اٹھی ہے۔ بمبئی آج ان کے قابو میں ہے۔ بمبئی کی
آج ناکہ بندی ہے Bombay is
under seige.

پپا: Bombay is under danger

کمار: great۔ یہ انقلاب کا لمحہ ہے۔

پپا: یہ تباہی کا لمحہ ہے۔

کمار: I feel excited

پپا: I feel nervous

کمار: بمبئی میں موجیں مارتا ہوا آدمیوں کا سمندر۔

پپا: بمبئی میں چھایا ہوا آدمیوں کا ٹڈی دل۔

کمار: بمبئی کے شاندار مینار گھیرے جائیں گے۔ پپا: بمبئی کے مینار گر پڑیں گے۔

کمار: بمبئی میں آج آزادی کا اجالا ہوگا۔

پپا: بمبئی آج سمے کے اندھیرے میں ڈوب جائے گی۔

کمار: بمبئی کے میناروں پر آج انقلاب کے جھنڈے لہرائیں گے۔

پپا: بمبئی آج ایک قبرستان بنے گی۔

پرمیلا: ہائے رام۔ یہاں سے تو صرف سر ہی سر نظر آرہے ہیں۔ کالی چیونٹیوں کی طرح۔

پپا: ہاں چیونٹیاں لیکن آفریقہ کی آدم خور چیونٹیاں۔ چیونٹیوں کے لمبے لمبے دھیرے دھیرے سرکنے والی قطاریں۔ ان کے راستے میں آنے والے ہر پرانی کے جسم کو کھانے والی چیونٹیاں۔

کمار: ان کی کوئی آواز نہیں آتی ــــ نہ چیخ نہ آواز!

پپا: بنا سوچے سمجھے، اندھوں کی طرح آگے بڑھ رہے ہیں۔ گھسیٹتے ہوئے۔

پرمیلا: ادھر کار پر چھاپہ ہے۔

پپا: گولی باری کی بوچھار تا پھر کے ڈر سے۔

(دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز)

پپا: کون؟ یشودھا؟

پرمیلا: یشودھا بیل بجاتی ہے جی ــ (آواز بڑھتی جاتی ہے) دروازہ ٹوٹ جائے گا کھول دیجئے نا۔

پپا: کسی بھی اجنبی آدمی کو گھر میں مت آنے دیجئے۔

(آواز اور بڑھ جاتی ہے۔ اس وقت اکال سے دبے ہوئے لوگوں کی ہل چل بند ہو جاتی ہے۔ دروازہ ٹوٹنے کی آواز آتی ہے)

کمار: پپا، دروازہ کھولنا ہی ہوگا۔

[آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیتا ہے۔ دروازے کو دھکیل کر پانچ چھ آدمی لاٹھی لئے داخل ہوتے ہیں۔ دھوتی، پھٹا ہوا قمیص۔ دیہاتی لباس پہنے۔ ایک دوسرے پر کپڑا لپیٹے ہوئے چہرے پر بے خوفی۔ دو آدمی دروازے پر کھڑے۔ باقی آرام سے کام شروع کرتے ہیں۔ لاٹھی پر بندھے ہوئے بنڈل کھول کر پرانی ساڑیاں دھوتی زمین پر بچھا دیتے ہیں۔ کچھ لوگ گھر میں سامان ڈھونڈتے ہیں۔ ڈبے کھولنے کی، گرنے کی آوازیں آتی ہیں۔ ہال میں گھر کے سب لوگ ہاتھ اوپر کئے کھڑے ہیں۔ اتنے میں اندر سے ١٤ یا ١٥ برس کی شام لباس لڑکی نیند سے اٹھ کر باہر آتی ہے دوڑتی ہوئی]

نیتا: چور! چور ـــــــ ممی، میرے کمرے میں دیکھو کون گھس آئے ہیں!

(باہر کمرے میں سب کے ہاتھ اوپر دیکھ کر اپنے بھی ہاتھ اوپر اٹھا لیتی ہے)

ـــــــ شو شو ـــــــ کمار یہ سب کیا ہے؟

(کمار اس کو اشارے سے چپ کراتا ہے۔ ایک آدمی اندر سے ڈبا لا کر باہر پھیلائے ہوئے کپڑے پر خالی کرنے کا ایکشن کرتا ہے)

پرمیلا: ہائے آج میرا ایک بھی ڈبہ نہیں رہے گا گونگوں کی طرح کیا دیکھ رہے ہیں، پوچھیئے نا۔ ان سے کیا چاہیے۔ کہیں تو میں ان کو دال روٹی بنا کر کھلاؤں گی۔!

(کمار کے دل کی آواز پردے کے پیچھے سے۔

آواز: یہ شاید اس کے بوڑھے باپ کی دھوتی ہوگی۔ جس کے شریر میں طاقت نہیں، کمانے کھلانے کے لئے بوجھ۔ لڑکا بہو دونوں کام پر ہوں گے اور پانی پانی کہتا ہوا وہ بوڑھا چل بسا ہوگا۔ پتھر ڈھوتے ڈھوتے اس کی بیوی نے کسی پیڑ کے نیچے بچے کو جنم دیا ہوگا۔ اس بچے کا تن ڈھانکنے کے لئے

دھرتی کا ٹکڑا رکھ کر بچا ہوا بوسیدہ کپڑا اسے دیا ہوگا کہ اس میں کچھ اناج بھر لائے۔

بیل بیچ دیئے۔ گھر سے دور کام کی تلاش میں آوارہ پھرتا رہا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بھی اوجھل ہوگئے سوکھے کنویں، نرجل آنکھیں۔ میری تو سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ یہ اتنی بے انصافی برداشت کیسے کرلیتا ہے۔ مقابلہ کیوں نہیں کرتا۔ جھگڑا کیوں نہیں۔ بڑے بڑے امیر کسانوں کے گودام کیوں نہیں لوٹتا۔ نگنے کے کھیتوں کا پانی کیوں نہیں روکتا۔ سچ مچ یہ انسان ہے کہ رینگتا ہوا کیڑا۔

(کمار ہمت کرکے آگے بڑھتا ہے)

کمار: جے رام جی کی۔ آپ لوگ کس گاؤں سے آتے ہیں؟

(سب خاموشی سے اپنا کام کرتے ہیں)

پپیا: یہ انسان نہیں ہیں۔ چیونٹیاں ہیں چیونٹیاں۔

کمار: ارے بھائی کہاں سے آئے ہیں آپ؟ آپ کا نیتا کہاں ہے؟

پپیا: بلڈی باسٹرڈ! ہندی سمجھتے ہو یا نہیں؟

نیتا: پپا، یہ ڈاکو اپنے گھر میں گھس آئے اور آپ پولیس کو فون بھی نہیں کرتے! میں کروں!

پپیا: چپ رہو! آدم خور ہیں یہ لوگ زیادہ بات کروگی تو کھا جائیں گے۔

پرمیلا: سنئے، میں ذرا اندر جاؤں؟ انھیں جو چاہئے لیجانے دیجئے لیکن اگر کراکری (crockery) ٹوٹ گئی تو دوبارہ نہیں ملے گی۔ جاپانی کراکری ہے۔ کتنے شوق سے خریدی تھی میں نے۔

(کانچ ٹوٹنے کی آواز)

اگاڈ، خنزیر، اسٹوپڈ — سب چور چور کردیا میرا سامان۔ اب پرسوں والی پارٹی کیسے ہوگی۔!

نیتا: Its like a western movie

Marvellous آنکھوں کے سامنے سب کچھ لے جارہے ہیں۔ کل اسکول میں سب سہیلیوں کو یہ thrilling story سنانے میں کیا مزا آئے گا۔

کمار: I am just puzzled یہ لوگ ہیں کون؟

پپیا: کیڑے!

کمار: ان کی آنکھوں میں انقلاب کے دہکتے ہوئے شعلے نہیں۔

پپیا: انسان ہونے کی کوئی نشانی نہیں۔

کمار: ان کے دل میں بے انصافی کے خلاف لڑنے کا جذبہ نہیں۔

پپیا: آدمیوں جیسے کیڑے ہیں۔

کمار: انقلاب کی خوشی سے یہ سرشار نہیں۔

پپیا: اناج ملنے کی خوشی نہیں۔

کمار: ان کے چہرے پر کوئی امنگ نہیں، کوئی بھاؤ نہیں۔

پپیا: ان کے چہرے سے بے وقوفی برستی ہے۔ ان کی منزل کا کوئی راستہ نہیں۔

کمار: کیوں بھائی آپ کس پارٹی کے ہیں؟ دیکھئے ہمیں آپ سے پوری ہمدردی ہے۔ مجھے آپ لوگوں کی حالت پر دکھ ہوتا ہے شہر میں مزدور اور گاؤں میں غریب کسانوں کو بہت محنت مزدوری کرنی پڑتی ہے اور اس محنت کا پھل ملتا ہے پونجی پتی اور زمیندار کو۔ ہم چاہتے ہیں کہ راج جنتا کے یعنی تم لوگوں کے ہاتھ میں ہونا چاہئے۔ سب دھن جنتا کے ہاتھ — یہ ہے میرا نعرہ۔

(اندر کا کام پورا کرکے سب باہر آکر کھڑے ہوتے ہیں۔ چہرے پر بے تعلقی)

پپیا: اکال سے دکھی لوگوں کی ہم نے بہت مدد کی ہے۔ میں نے تنخواہ سے سو روپیے کٹوائے۔

پرمیلا: ہم نے مہیلا منڈل کی اور سے ناٹک کا شو کیا اور پانچ ہزار روپے سو تیرہ سے جمع کیا۔

نینا: اوّلیس، میں سنہ اسکول میں ڈبہ لے کر ۲۰ روپے جمع کئے
mine was the highest contri-
-bution

پپا: ہماری کمپنی کے ہر آدمی نے پانچ پانچ روپے دان کئے۔
پرمیلا: اور ہماری نوکرانی نے دو روپے دیئے۔
نیتا: سوشل ورک کے پیریڈ میں ہم جھونپڑ پٹیوں میں گئے۔ وہاں
سے ہم نے پیسے اکٹھے کئے۔

پپا: پرانے شرٹس وغیرہ چاہیں تو میں دے سکتا ہوں۔
پرمیلا: میں نے اپنی دو ساڑیاں نکال کر رکھی ہیں۔
نیتا: تمہارے بچے jeans پہنتے ہیں کیا؟
I dont mind giving two
(وہ لوگ آرام سے فرش پر بیٹھ جاتے ہیں اور گٹھے باندھنے
لگتے ہیں۔ اندر سے آٹے کا ڈبہ لڑھکتا ہوا آتا ہے۔ پرمیلا
دوڑ کر اندر جاتی ہے)
پرمیلا: دیکھا آپ نے، یہ لوگ سب صاف کر گئے کچھ بھی نہیں
چھوڑا۔ (باہر آ کر) تم لوگوں کے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ تھوڑے
چاول ہی رکھ دو۔ کم سے کم کھچڑی تو بنا سکیں گے۔
پپا: شٹ اپ پرمیلا، بھیک مت مانگو۔ یہ لوگ پتھر ہیں ان
سے انسانوں کے برتاؤ کی آشا مت رکھو۔
(گٹھے لاٹھیوں پر باندھ کر سب جانے لگتے ہیں۔ کمار بے چین
ہو کر انہیں روکتا ہے۔ دروازے پر کھڑے ہوئے دو آدمی
آگے بڑھتے ہیں)
پپا: انقلابی سمجھتے ہو اپنے آپ کو ٹھیک انقلابی۔ ہمت ہے تو
کالا بازاریوں کے گودام لوٹو۔ دوکانیں لوٹو۔

کمار: سچ کہوں تو تم لوگ ہمالیہ پر قبضہ جماؤ۔ (لے میں)
اندرا ڈاک میں کھیوں کے جہازوں پر پہرہ لگاؤ۔ بھاگتے
ہوئے امیروں پر پابندی لگاؤ۔ ہوائی اڈے پر بندوبست
کرو۔ پاور ہاؤس، واٹر ٹینکس، بس سٹیشن، ریلوے
سٹیشن ——— ہر جگہ انقلاب کے جھنڈے لہراؤ۔
مزدوروں کو ساتھ لو۔ سب سے پہلے آکاش وانی پر
جاؤ۔ رُلا دینے والا سنگیت بند کرو۔ انقلاب کے
گیتوں سے بھارت کا آکاش بھر دو۔ انقلاب کے نعرے
لگاؤ۔ سب ادھیکار جنتا کے ہاتھ۔
(آواز کم ہونے لگتی ہے۔ مایوس ہو کر کرسی پر گر جاتا ہے۔
اتنی دیر سے اس کا بھاشن سننے والے متاثر ہوئے بغیر
جانے لگتے ہیں)
نیتا: پپا، ان کو جانے دیں گے؟ روکنے کی کوشش نہیں
کریں گے؟ پھر پیپر میں اپنا نام کیسے چھپے گا؟
(دوڑ کر ان کے گٹھے چھیننے کی کوشش کرتی ہے۔
ان میں سے آٹے کے خالی ڈبے کو ٹھوکر لگاتا ہے۔
ڈبہ لڑھکتا ہوا آتا ہے۔ جس سے ٹکرا کر وہ گر پڑتی
ہے۔ زور سے دروازہ بند کر کے سب چلے جاتے ہیں)
پپا: چیونٹیاں، چیونٹیاں ——— ڈرپوک، نامرد چیونٹیاں۔

مصنف: ناہد حیدر
ترجمہ: شفیع حسن

کالا آئینہ (بنگلہ)

(ایکانکی)

بوڑھا	۷۰ برس	سلطانہ (منصور کی بیوی)	۳۵ سال
قیصر	۲۵ سال	حسین	۴۵ سال (بوڑھے کا اٹنڈنٹ)
منصور احمد	۴۵ سال	گھنٹی والا	۴۵ سال
شریف (بوڑھے کا لڑکا)	۲۸ سال	ڈاکٹر	۴۰ سال
رینی (قیصر کی محبوبہ)	۲۰ سال	ایک نرس	۲۹ سال

(اسپتال کے ضروری سامان کے ساتھ ایک کمرہ تماشا بینوں کے سامنے بائیں طرف سے ایک، دو اور تین نمبر دیوار دو نمبر دیوار دیکھنے والوں کے بالکل سامنے ہے۔ دو نمبر کی دیوار میں ایک کھڑکی، کھڑکی کے پیچھے برآمدہ اور کمرہ برآمدہ میں جانے کے لئے دروازہ۔
بوڑھے کے سر کے قریب کھڑکی کے نیچے بوڑھے کا بستر دیوار سے لگا ہوا۔ بوڑھے کے پیروں کی طرف ایک ڈریسنگ ٹیبل۔ آئینہ درمیانے سائز کا ہے۔ ٹیبل اس قاعدے سے رکھا ہے کہ بوڑھا لیٹے ہی لیٹے دیکھ سکتا ہے۔ ایک نمبر اور تین نمبر دیوار کے ساتھ ہی ترتیب وار منصور اور قیصر کا بستر۔ ہر بستر کی دیوار پر ترتیب وار ۷، ۸ اور ۹ لکھا ہے۔ کمرے میں داخلے کا دروازہ منصور کے پیروں کی طرف ہے۔ پہلے ہی دکھائی دیتا ہے۔ شریف بوڑھے کے پاس بیٹھا ہے۔ منصور احمد کروٹ لیٹے اخبار پڑھ رہے ہیں۔ بوڑھا بے خیال سا لیٹا ہے۔ قیصر کے بستر کے قریب فلمی پرچے پڑے ہیں وہ بستر پر نہیں ہے)

بوڑھا: کھڑکی بند کردو۔
شریف: کرتا ہوں
بوڑھا: کوے کائیں کائیں کرتے رہتے ہیں۔ بہت برا لگتا ہے۔
شریف: ڈاکٹر آیا تھا؟
بوڑھا: صبح آیا تھا۔ ایک بار۔
شریف: کوئی نئی دوا دی
بوڑھا: نہیں.... گھر سے کوئی آیا!

شریف: نہیں...... کل رتو کی چٹھی آئی ہے۔
بوڑھا: لائے ہو؟
شریف: بھولے سے چھوڑ آیا۔
بوڑھا: اچھی طرح ہے۔
شریف: جی
بوڑھا: اسے میری بیماری کی خبر دینا مت۔
شریف: اس نے آپ کے بارے میں جاننا چاہا ہے۔
بوڑھا: لکھ دینا اچھا ہوں۔
شریف: آپ کی بیماری اس سے چھپانا کیا مناسب ہوگا۔
بوڑھا: معلوم کرکے پریشان ہوگا پڑھائی کا حرج ہوگا۔
میرے بارے میں سوچتا رہے گا۔
شریف: لکھوں گا طبیعت خراب ہوئی تھی مگر اب تیزی سے
سدھر رہی ہے۔
بوڑھا: نہیں بیماری کی بات لکھو ہی نہیں......
[قیصر کے چارٹ پر نظر ڈالنے کے بعد] ذرا چارٹ لانا
دیکھوں۔
شریف: زیادہ بخار نہیں ہے۔
بوڑھا: پھر بھی ذرا دیکھوں تو سہی......
[شریف چارٹ نکال کے لے آتا ہے۔ بوڑھا چارٹ دیکھتے
ہوئے] دیکھ رہے ہو... پہلے لال نشانات اوپر کی طرف جاتے
تھے اس کے بعد کس طرح ٹوٹ سے گئے ہیں - ایک
دن سارے کاغذ ختم ہو جائیں گے۔
شریف: بابا آپ خاموش رہیئے۔
بوڑھا: میری کافی عمر ہو چکی ہے۔
شریف: ڈاکٹر نے زیادہ بات کرنے سے منع کیا ہے۔
بوڑھا: میں زیادہ بات نہیں کر رہا ہوں۔
شریف: آپ زیادہ مت بولئے! سانس پھولنے لگے گی۔
[شریف بوڑھے کا بایاں ہاتھ ہاتھ میں لےکر سہلانے
لگتا ہے]

بوڑھا: کیوں کیا دیکھ رہے ہو؟
شریف: نہیں سہلا رہا ہوں۔ آپ کو اچھا لگے گا۔
بوڑھا: چمڑی سوکھ گئی ہے نا۔ تم ہی لوگوں کی طرح میں بھی
تھا۔ تب دیکھا کرتا......
شریف: آپ کو بات کرنے کے لئے کس نے کہا۔
بوڑھا: تب میں بھی دیکھا کرتا بابا کے ہاتھ اور چہرے کی
سکڑ کر بہت بری لگتی تھی۔
شریف: زیادہ بات کرنے سے ڈاکٹر نے منع کیا۔
بوڑھا: زیادہ بات کرنے سے منع کیا تھا ڈاکٹر نے بابا کو
بھی۔
شریف: دادا جان مجھے زیادہ یاد نہیں۔
بوڑھا: میں آہستہ آہستہ پیلا پڑتا جا رہا ہوں۔
شریف: پہلے سے پیلا پن بہت کم ہوا ہے۔
بوڑھا: نہیں پہلے سے پیلا پن بہت بڑھ گیا ہے۔
[شریف منصور کی طرف دیکھتا ہے]
شریف: منصور صاحب کیا کر رہے ہیں؟
منصور: دوبارہ اخبار دیکھ رہا ہوں۔
شریف: پہلے سے اچھے ہیں نا۔
[منصور کے قریب کے سٹول پر جاکر بیٹھتا ہے]
منصور: جی
بوڑھا: وہ اگلے ہفتے چلے جائیں گے۔
منصور: نہیں، ایک ٹیسٹ اور باقی ہے۔
شریف: اس کے بعد بھی آپ کو روک نہیں پائیں گے۔
منصور: دعا کیجیے ایسا ہی ہو۔ یہاں اور اچھا نہیں لگتا
ہر طرف بیماری اور موت کی ہی خبر گونجتی رہتی ہے
شریف: قیصر صاحب دکھائی نہیں دیتے۔
منصور: ٹہلنے کرنے گئے ہیں۔
شریف: وہ تو اب ٹھیک ہی ہو چکے ہیں۔
منصور: ویسے بھی ان کو کوئی خاص بیماری نہیں تھی۔

شریف: اس کے باوجود بھرتی ہو گئے۔

منصور: پیسے والوں کی بیماری کا مطلب ہوتا ہے آرام۔

شریف: آپ سارا دن اخبار ہی پڑھتے ہیں کیا؟

منصور: اس کے علاوہ کرنے کے لیے کچھ ہے بھی نہیں!

شریف: کتابیں پڑھ سکتے ہیں۔

منصور: کتابوں میں بھی تو کسی نہ کسی قسم کے مریضوں کی ہی باتیں ہوتی ہیں۔ بیماریوں کے بارے میں کتنی دیر پڑھا جا سکتا ہے۔

شریف: آج ایک مزیدار خبر آئی ہے۔ آپ نے پڑھا؟

منصور: کس اخبار میں؟

شریف: روزنامہ "بنگلور" میں

منصور: کیا؟

شریف: ایک لڑکا لڑکی ہو گیا۔

منصور: ہاں... شروع میں تو میں بہت ہنسا۔ اس کے بعد لڑکے کا خیال کر کے کچھ اچھا نہیں لگا۔

شریف: ارتقا کسی دن دیکھیے گا۔ بغیر آنکھ کے انسان جنم لے رہے ہیں۔

منصور: اس کے باوجود چلتے پھرتے دکھائی دیں گے۔ ہر چیز ٹھیک طرح پہچانیں گے۔

شریف: اب اچھی طرح یقین ہونے لگا ہے کہ ہم پہلے بندر تھے....

[برآمدے کے دروازے سے قیصر کا داخلہ]

.... کیسے ہیں قیصر صاحب

قیصر: مزے میں.... آپ؟

شریف: کسی حد تک ٹھیک ہوں۔

قیصر: آپ لوگ، کسی حد تک کیوں؟ آپ لوگوں کو تو پوری طرح ٹھیک ہونا چاہیے۔

شریف: کیوں؟

قیصر: یہاں سے باہر ہر آدمی بھلا چنگا دکھائی دیتا ہے۔ لگتا ہے ان میں سے کسی کو کوئی روگ کبھی ہوگا ہی نہیں

شریف: بہت اکتا گئے ہیں کیا؟

[بوڑھے کے کھانسنے کی آواز گونجتی ہے۔]

قیصر: نہیں۔ لیکن کبھی کبھی بڑی حسرت ہوتی ہے۔

شریف: وہ تو ہو گی۔

قیصر: آپ لوگ جانے کس مسئلے پر بات چیت کر رہے

منصور: ایک لڑکا لڑکی ہو گیا۔ اسی پر۔

قیصر: آپ تو لیکن اخبار اٹھاتے ہی "آج کا دن کیسا گزرے" پڑھتے ہیں۔

منصور: اور آپ ہی مجھے کہتے ہیں "دیکھیے تو سینہ اور کرک راشی میں کیا لکھا ہے"

شریف: ان کی ایک ساتھ ہی دو راشیاں ہیں؟

قیصر: نہیں میری صرف سینہ ہے۔

منصور: اور دوسری 'ان کی پرسنل....

شریف: او... سمجھا۔

قیصر: یہاں آنے کے بعد ایک دن بھی اچھا نہیں لکھا کمبخت نے۔

منصور: آپ کے کچھ دن تو اچھے لکھے ہیں۔!

قیصر: کچھ دن کہاں.... "آج لکھا ہے: مناسب گزرے گا"

منصور: چلیے یہی سہی، میرے حصے میں تو ایک دن بھی نہ آیا۔

قیصر: یہاں آنے کے بعد اخبار کا یہی ایک topic رکھا ہے۔

شریف: یہاں رہ کر اور کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔

منصور: کیا وقت ہوا ہے۔

شریف: سوا پانچ بجے ہیں۔

قیصر: سوا پانچ بج گئے لیکن.....

منصور: وہ نہیں آئیں، کیوں

قیصر: اسی لیے سوچ رہا ہوں۔

منصور: ٹیلی فون پر ملی تھیں؟

قیصر: نہیں۔
منصور: میرے ہاں سے بھی کوئی نہیں آیا۔
قیصر: بہت برا لگتا ہے۔
شریف: یہ بھی ایک قسم کا دیس نکالا ہے۔
قیصر: بہت حد تک یہی کہا جاسکتا ہے
منصور: ہم لوگوں کو دیکھنے کے لیے تو دو ایک آدمی ہر روز ہی آجاتے ہیں لیکن کتنے بیچارے ایسے ہیں جن کا تو کوئی بھی کبھی نہیں آتا۔
شریف: ہاں... ایسے بھی ان گنت لوگ ہیں۔
قیصر: بھابی کا کیا حال ہے؟
(منصور کی بیوی سلطانہ دروازے سے داخل ہوتی ہے)
سلطانہ: مزے میں آپ؟
قیصر: گذار رہا ہوں کسی طرح...
[قیصر لوٹتا ہوا ایک رسالہ لے کر برآمدے کی طرف جاتا ہے۔ شریف باپ کے قریب آ بیٹھتا ہے۔ تھوڑی تھوڑی دیر سے آئینے کی طرف دیکھتا ہے۔ اخبار منصور کے بستر سے اٹھتے ہوئے وہ ساتھ لیتا آیا ہے]
منصور: آج بہت دیر کر دی۔
سلطانہ: اسکوٹر نہیں مل رہا تھا۔ آپ کیسے ہیں؟
منصور: کل سے بہتر ہوں۔ دیپا نہیں آئی تھی؟
سلطانہ: اسکول سے واپس نہیں آئی ابھی تک
منصور: تم گھر سے کتنے بجے نکلیں؟
سلطانہ: ساڑھے چار بجے۔
منصور: ساڑھے چار بجے تک دیپا واپس نہیں آئی؟
سلطانہ: آپ فکر نہ کیجیے۔
منصور: وہ ایسے کتنے بجے لوٹتی ہے؟
سلطانہ: ساڑھے چار کے لگ بھگ ہی لوٹتی ہے۔ ممکن ہے اپنے ماموں کے ہاں چلی گئی ہو۔
[بوڑھے کی کھانسی گونجتی ہے]
منصور: تم سے کچھ بول کر گئی تھی؟

سلطانہ: آپ فکر مت کیجیے... آپ کو اگلے ہفتے چھوڑ رہے ہیں نا؟
منصور: لگتا تو نہیں۔ ڈاکٹر نے Under observation کے لئے رکھا ہے۔
سلطانہ: کتنے دن رکھیں گے۔
منصور: پتہ نہیں۔
سلطانہ: ہر ایک کو رکھتے ہیں؟
منصور: شاید
سلطانہ: کیا دیکھ رہے ہیں ادھر؟
منصور: آئینہ
سلطانہ: آئینے میں کیا؟
منصور: خود کو دیکھ رہا ہوں۔
بوڑھا: (شریف سے) یہاں آئینے میں شکل نہیں دیکھتے۔
شریف: کیوں؟
بوڑھا: یہ ٹھیک نہیں۔
سلطانہ: آئینے میں شکل دیکھنا یہاں ٹھیک نہیں کیا؟
منصور: کس نے کہا تم سے؟
سلطانہ: یہ ماسٹر صاحب بول رہے ہیں۔
منصور: پتہ نہیں کیوں بول رہے ہیں۔
سلطانہ: سچ مچ یہاں چہرہ دیکھنا ٹھیک نہیں۔
منصور: دیکھنے سے کیا ہوتا ہے۔
سلطانہ: ایسے دیکھ کر جی خراب ہو سکتا ہے کسی کی بیماری بڑھ رہی ہے، کوئی دن بدن سوکھتا جا رہا ہے۔
منصور: جو اچھا ہو رہا ہے اس کے لئے تو آئینے کی ضرورت پڑتی ہے۔
سلطانہ: ہسپتال میں آئینہ کیوں؟
منصور: پہلے یہ ہوٹل جو تھا۔
سلطانہ: شاہی باغ ہوٹل... مجھے یاد ہی نہیں تھا۔
منصور: آئینہ بہت اچھے قسم کا ہے۔ بلجیم شیشے کا آئینہ۔

سلطانہ: آپ کے لئے بہت فائدہ مند ہے۔

منصور: میرے اور قیصر صاحب کے لیے .... ہر روز صبح دوپہر اور رات کو کم از کم ایک ایک بار ہم ضرور اس میں اپنی شکل دیکھتے ہیں۔ ہڈیاں کہاں تک ڈھلکی ہیں جاننے کے لئے۔ بکھری بکھری داڑھی خراب لگتی ہے لگتا ہے تیسرے درجے کے قیدی ہیں ہم لوگ ....

[رینی داخل ہوتی ہے]

رینی: کیسے ہیں؟

منصور: ٹھیک ہی ہوں .... آپ؟

رینی: میں بھی مزے میں ہی ہوں۔ قیصر کہاں ہے؟

منصور: برآمدے کی طرف جاتے دیکھا تھا۔

رینی: اچھا

[ریلنگ کے برآمدے کی طرف جاتی ہے]

سلطانہ: لڑکی کون ہے!

منصور: قیصر کی محبوبہ

سلطانہ: آپ کی صحت لیکن پہلے سے اچھی ہو رہی ہے

منصور: ہر مریض کو یہی تسلی دی جاتی ہے۔

سلطانہ: میں بھی کیا ایسے ہی بول رہی ہوں؟

منصور: بھئی ایسے بول کی ہر ایک کو ضرورت ہوتی ہے۔ مریضوں کے لئے یہ بول بہترین دوا کا کام کرتے ہیں۔

بوڑھا: آئینہ ہٹوانے کے لئے کہنا ہوگا۔

شریف: کیوں؟

بوڑھا: یونہی یہاں آئینہ پڑا رہنے کا مصرف۔

شریف: باہر کے لوگ آکر پریشان کرتے ہیں؟

بوڑھا: ہاں۔

شریف: ڈاکٹر ملک کو آنے دیجئے، میں ہٹانے کے لیے کہوں گا۔

[رینی قیصر کے ساتھ کھلکھلاتی ہوئی اندر آتی ہے۔ دونوں بستر پر آکر بیٹھتے ہیں]

قیصر: آج تم، بہت دیر کر کے آئی ہو۔

رینی: ڈارلنگ! جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔

قیصر: کہیں گئی تھیں؟

رینی: ہاں راکا آیا ہے

قیصر: اسے لیتی ہی آتیں۔

رینی: کہا ہے کل آئے گا۔

قیصر: تم پونے پانچ بجے گھر پہ نہیں تھیں؟

رینی: نہیں راکا کو لے کر آپا وغیرہ کے ہاں گئی تھی۔

منصور: کل اکرم صاحب آفس سے آئے تھے۔

سلطانہ: آفس میں کچھ کہا ہے کیا؟

منصور: چھٹی ختم ہو گئی ہے، دوسری Application دینے کے لئے بول گئے ہیں۔

بوڑھا: تم نے آفس سے چھٹی لینے کے لئے بات کی۔

شریف: وہی سوچ رہا ہوں۔

بوڑھا: چھٹی لینے کی ضرورت کیا ہے؟

شریف: میں سمجھتا ہوں آپ کے لئے چھٹی لینے کی ضرورت ہوگی۔

بوڑھا: میں نے اپنے والد کے انتقال کے وقت چھٹی نہیں لی تھی

شریف: آپ اس طرح کی بات کیوں کر رہے ہیں۔

بوڑھا: نہیں اچانک خیال آیا۔ میرے ریٹائر ہونے کے ایک سال پہلے کی بات ہے۔ جنگ کا زمانہ تھا۔

شریف: میرے ریٹائر ہونے میں کافی وقت ہے۔

بوڑھا: ریٹائرمنٹ لائف پل کے لیے اچھی لگتی ہے پل کے بعد خراب لگے ایک مکان میں پرانی کوئی کتاب سامنے رکھ کر وقت کاٹنا پڑتا ہے۔

شریف: آپ زیادہ بات مت کیجئے .....

بوڑھا: کھڑکی کھول دو ...

[شریف کھڑکی کھول دیتا ہے]

رینی: چلو باہر کے برآمدے میں چلیں۔ آؤ۔

قیصر: چلتا ہوں۔

رینی: کیا دیکھ رہے ہو؟

قیصر: آئینے میں تمہیں۔

ریتی: آئینہ خوب صورت ہے۔
قیصر: اس وقت زیادہ ہی خوب صورت ہے۔
ریتی: باہر برآمدے میں چلیے
قیصر: یہاں سارا دن اکیلا رہتا ہوں نا۔
[باتیں کرتا ہوا قیصر برآمدے میں آتا ہے۔ برآمدے کے دروازے کے قریب رکھے ریلنگ کے پاس آرام کرسی کو رینگتے کا لا کھڑتا ہے ریتی چہرہ قیصر کی طرف کئے ریلنگ کا سہارا لے کر کھڑی ہوتی ہے]
ریتی: اکیلے تم کہاں ہو!
قیصر: ماسٹر صاحب ہیں، منصور صاحب ہیں۔
ریتی: پھر اکیلے کی بات کیوں کہہ رہے ہو؟
قیصر: دراصل یہاں اکیلا پن محسوس ہوتا ہے۔
ریتی: یہاں کے بڑے بڑے درخت مر چکے ہیں۔
قیصر: سوکھے ڈال اور ٹہنیاں کبھی کبھی دیکھنے میں برے نہیں لگتے۔
ریتی: بُرے نہیں لگتے تمہیں؟
قیصر: وہ وقت بے وقت اچھے لگتے ہیں۔
ریتی: سوچنے کا ڈھنگ ہے یہ بھی۔ اور کچھ نہ سہی تم اچھا سمجھ سکتے ہو۔
قیصر: کوئی بھی الگ ہٹ کر نہیں بولنا چاہتا۔ خیال مت کرنا مراد تم سے نہیں تھی۔
ریتی: ہر ایک موقع ڈھونڈتا ہے اپنی بات کہنے کے لیے۔
سلطانہ: قیصر صاحب تو بالکل بھلے چنگے ہو چکے ہیں۔
منصور: اور چار دن یہاں ہیں شاید۔
سلطانہ: انھوں نے تو تقریباً یہاں گھر ہی بنا لیا ہے۔ دونوں اچھے ہی رہیں گے۔
منصور: ہماری جوڑی کیا اچھی نہیں رہی؟
سلطانہ: اب بھی تم ان جیسے ہی ہو۔
منصور: تم بھی
سلطانہ: یہ باتیں چھوڑو تو
منصور: ان کو اس عمر میں، ہر چیز اچھی لگتی ہے۔
سلطانہ: اس قسم کی بات جانے کہاں پڑھی تھی۔
منصور: اس عمر میں آسمان حسین لگتا ہے۔ نیلا رنگ من کو لبھاتا ہے سفید بادلوں کو بھٹکتے دیکھنے کی خواہش ہوتی ہے۔
بوڑھا: بادل امڈ رہے ہیں؟
شریف: نہیں تو
بوڑھا: طوفان آئے گا شاید آج رات کو۔
شریف: نہیں ایسے بادل نہیں ہیں۔ پھٹے پھٹے ہیں۔
منصور: بھلا لگتا ہے ندی کے کنارے گھومنا، کشتیوں کو جاتے ہوئے دیکھنا۔ بارش کی بوندوں کی مسلسل آواز، شیشے کی کھڑکی پر پانی کا پھسلنا، بادلوں کے پیچھے سے چاند کا نکلنا۔ رنگین تصویریں۔ اڑتے ہوئے رنگین غبارے نرم گھاس پر شام ڈھلے۔ ہلکے ہلکے اندھیرے میں باتیں کرنا۔
سلطانہ: سب اچھا لگتا ہے۔
منصور: یہ عمر اسی لیے تو ہے۔
سلطانہ: اس کے بعد کی عمر کس لئے ہے۔
منصور: جیتے رہنے کے لیے
سلطانہ: تم آج بھی یہ سب باتیں بول لیتے ہو۔
منصور: بولنا کیا بہت کٹھن ہے؟
سلطانہ: بالکل الگ سا لگتا ہے۔ سننے میں ذرا عجیب سا خیال ہوتا ہے۔ ایسا نہیں لگتا کہ بولنے والے کی ایک پندرہ سال کی لڑکی ہوگی۔
منصور: یہ عمر صرف زندہ رہنے کے لئے ہوتی ہے۔
سلطانہ: گھر بار بسانے کی نہیں ہوتی؟
منصور: اسی کو میں زندہ رہنا کہتا ہوں۔ اس عمر میں دوسری چیزیں اچھی نہیں لگتیں۔ اس وقت چھت پہ جانے کا مطلب ہوتا ہے کہ بارش میں جو کپڑے بھیگ رہے ہیں

انہیں اٹھا کر لے آنا۔ ندی کے کنارے کھڑے ہونے کا مطلب یہ کہ کشتی کا انتظار۔ بارش ہوئی تو خیال آتا ہے باہر کام ہے۔ راتوں کو جاگنے کا مطلب ... کسی طرح نیند نہیں آتی۔

بوڑھا: کئی دن سے نیند نہیں آتی۔

شریف: ڈاکٹر نے کچھ نہیں کہا۔

بوڑھا: کہا ہے جو دوائیں آپ کو دی ہیں۔ نیند آنی چاہیئے۔

شریف: پھر بھی نیند نہیں آتی۔

بوڑھا: آنکھیں موندے ساری رات جاگتا رہتا ہوں۔ ہر گھنٹے کی آواز سنتا ہوں اور صبح سنتا ہوں کوے کی کائیں کائیں۔

منصور: رنگین صورت ڈراؤنی لگتی ہے۔ غبارے دیکھتے ہی سوچتا ہوں کہ بیٹی کو بچپن میں دیا کرتا تھا.....

دیپتی: کوے کیسے اڑ رہے ہیں۔

قیصر: ہمارے سروں پر

دیپتی: ذرا بے چین ہیں۔

قیصر: بے چینی کے سائے میں سارا ڈھاکہ شہر ہے۔

دیپتی: ٹھیک کہتی ہوں۔

قیصر: کیا کہتی ہو؟

دیپتی: تمہاری کلپنا اچھی ہوتی ہے۔

قیصر: کلپنا یا تصور صحیح نہیں۔

دیپتی: نظریہ، چنتا دھارا۔ تمہارے خیالات سننے میں مزا آتا ہے۔

قیصر: لیکن امتحان کے پرچوں میں اچھے مارکس نہیں ملے۔

دیپتی: امتحان کے پرچے ہی تو سب کچھ نہیں۔

قیصر: ہمارے ملک میں یہی سب کچھ ہے۔

دیپتی: ان سب سے رہائی کے لیے ملک میں ایک انقلاب کی ضرورت ہے۔

قیصر: آج کل دیکھتا ہوں کافی بڑی بڑی باتیں سوچ رہی ہو۔

دیپتی: کوئی بھی بولنے کا موقع چھوڑنا نہیں چاہتا۔

قیصر: باتوں میں باتیں پیدا کرنے سے ہی لوگوں میں باتیں بڑھتی ہیں۔

دیپتی: باتوں میں باتیں پیدا ہوتی ہیں جبھی تو ایک سے دوسرے کی ملاقات بڑھتی ہے۔

قیصر: دوستی ہوتی ہے۔

دیپتی: دوستی ٹوٹ بھی جاتی ہے۔

قیصر: ترتیب سے سجا کر انہیں لکھنے پر حادثات بنتے ہیں۔

دیپتی: حادثات پہ کہانیاں بنتی ہیں۔

قیصر: ہم کہانیاں سنتے ہیں، کہانیاں کہتے ہیں۔

دیپتی: اسی طرح ہر چیز ہے.....

قیصر: ہر گھر کا آئینہ ہے اسی لیے اپنی شکل آپ دیکھ پانا ممکن ہے۔

دیپتی: آئینہ ہے خوب صورت۔

قیصر: اسی کی بدولت تیزی سے اچھا ہو رہا ہوں۔

دیپتی: کس طرح؟

قیصر: محسوس کرتا ہوں۔

دیپتی: کیا۔

قیصر: ہم نے کہاں تک ترقی کی۔

دیپتی: جو کمرے میں مر رہے ہیں۔؟

قیصر: میں تو اچھا ہو رہا ہوں۔ جو مر رہے ہیں ان کے لیے میں کیا کر سکتا ہوں۔

دیپتی: افسوس نہیں ہوتا؟

قیصر: میری صحت ان کی ہوتی اور ان کی موت...

دیپتی: میں نے اس حد تک سوچنے کے لیے نہیں کہا۔

قیصر: ہر ایک اپنی حد تک سوچنا چاہتا ہے۔

دیپتی: سچ... آئینے نے فائدہ پہنچایا ہے۔

قیصر: صبح! دوپہر شام اور سونے سے پہلے خود کو دیکھتا ہوں۔ آئینہ اچھے دوست سا لگتا ہے۔

دیپتی : ٹھہری ہوئی زندگی کا جیسا دوست ۔

قیصر : ہر رات لگتا ہے ، سارا کمرہ آئینہ ہو گیا ہے ۔ چاروں طرف سے مجھے دیکھے جا رہا ہے ۔ دیکھتا ہوں دنیا بڑی پرسکون ہے ۔ دور تک پھیلی نرم مخملیں سبز زمین ۔ ۔ ۔ ۔

بوڑھا : ہماری زمین سوکھے کی وجہ سے اس بار بھی جل گئی ۔

شریف : ہاں ۔

بوڑھا : ساری زمین زرد ہو گئی ہے ، دراڑیں پڑ گئی ہیں ۔

شریف : جی ۔

بوڑھا : تمہارے چھوٹے چچا جان نے کیا لکھا تھا ۔

شریف : بچارے کے لائق دھان بھی سوکھ گئے ۔

بوڑھا : جانے کیسا لگتا ہوگا ۔

قیصر : خوبصورت ، چاروں طرف ایک جیسا ۔ آسمان کی طرح ان کے بیچ اکیلا میں کھڑا دور تک دیکھ رہا ہوں ۔ سورج ڈھل چکا ہے ۔ نیلا پن سرخی کو ڈھکیل رہا ہے ۔

بوڑھا : گھر کی زمین کے پاس کچھ مٹی بھروائی تھی ۔ بھروایا ہے ۔

شریف : نہیں ۔

بوڑھا : بارش ہوتے ہی پانی جمع ہو جائے گا ۔ بدبو ، مچھر اور بیماری کا بہانہ بن جائے گا تم میرا حوالہ دے کر خط لکھ دینا ۔

شریف : اچھا ۔

قیصر : لگتا ہے میں اس بے انسان زمین پر دوڑ رہا ہوں ۔ بے فکری سے بھاگ رہا ہوں ۔ ذرا بھی ڈر نہیں لگ رہا جیسے میں وہاں کا راجہ ہوں ۔ چلا جا رہا ہوں ۔ اپنی منزل کی طرف ۔ چاروں طرف اندھیرے میری طرف بڑھ رہے ہیں ۔ میرے پیچھے دوڑنے والا سایہ کب میرے جسم میں چھپ گیا پتہ ہی نہیں چلا ۔ اپنا وجود گہرا نیلا محسوس ہوتا ہے ۔ آسمان کی طرح میں گم ہوں ۔ کچھ دیر بعد چاند نکلے گا ۔ تب تمہارا خیال آتا ہے ۔ اگر تم اس زمین پہ ہوتیں تو مجھے کہیں بھاگنا نہیں ہوتا ۔ یہیں ہمارا گھر ہوتا ۔

دیپتی : اکیلے اکیلے سوچتے ہوئے اچھا لگتا ہے ۔ ایسے میں کسی راج کا راجہ ہوتے ہوئے اعتراض نہیں ۔

منصور : گھر کی پچھلی دیوار میں دراڑ بڑھ گیا ہے ۔

سلطانہ : میں سوچ رہی ہوں اس بار برسات نہیں سنبھال پائے گی ۔

منصور : کافی پرانا مکان ہے ۔

سلطانہ : دکھن طرف کی کھڑکی میں دیمک لگی ہے ۔

منصور : کھڑکی بدلنا ہوگا ۔

سلطانہ : سارے مکان کے مرمت کی ضرورت ہے ۔

بوڑھا : شام ہو گئی کیا ؟

شریف : نہیں ہونے کو ہے ۔

بوڑھا : ذرا آنکھیں بند کی تھیں ایسا لگا چاروں طرف اندھیرا پھیلتا جا رہا ہے ۔

شریف : کافی وقت لگے گا ابھی ۔

بوڑھا : حسین میاں آ گئے ؟

شریف : نہیں ۔ لیکن آ ہی جائیں گے ۔

دیپتی : اور کچھ دیر بعد شام ہو جائے گی ۔

قیصر ۔ وقت ہوتے ہی گھنٹی والے کی گھنٹی سنائی دے ۔

دیپتی : میں بس کچھ ہی پل اور رہوں گی ۔

قیصر : گھنٹی بجے ، پھر جانا ۔

دیپتی : گھنٹی والے بڈھے کو دیکھنے کو جی نہیں چاہتا ۔

قیصر : اس بے چارے نے تمہارا کیا کیا ؟

دیپتی : اس دن جاتے وقت اس کا سامنا ہوا تھا ۔

قیصر : کچھ کہا ؟

دیپتی : نہیں

قیصر : پھر ؟

دیپتی : اس طرح گھور کر دیکھا جیسے میں کوئی مجرم ہوں ۔

قیصر : بڑا نہیں تو چھوٹا ایک جرم تو تم نے کیا ہی تھا ۔

دیپتی : کیسا جرم ؟

قیصر : بڈھا جب دوسری بار یہاں آیا تھا تب بھی تم یہیں تھیں ۔

دیپتی : اسی لیے کہتی ہوں میں اب چلوں ۔

قیصر : گھنٹی بجنے دو پھر جانا
ریبی : رات ہو جائے گی تو ماں فکر مند ہوگی۔
قیصر : رات نہیں ہوگی۔
ریبی : دیکھو راستے کی بتیاں جلنے لگیں۔ ایک لاش جا رہی ہے۔
قیصر : یہی شاید گذشتہ کل ایکسیڈنٹ ہو کے آیا تھا۔
ریبی : لاش کے ساتھ زیادہ آدمی نہیں ہیں۔
سلطانہ : دیکھو چھپکلی کو دیکھو کیڑے کی طرف کیسے جا رہی ہے۔
منصور : کیڑا روشنی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ پکڑ دوڑ ساتھ ہی ساتھ ہوگی۔ ... پکڑ لیا چھپکلی نے کیڑے کو پکڑ لیا۔
سلطانہ : کیسے پھٹ پٹ کر رہا ہے۔
منصور : لیکن بچ نہیں پائے گا۔
سلطانہ : رات ہو گئی۔
منصور : ہاں جلدی جاؤ۔ راستے گھاٹ کی جو حالت ہے۔
ریبی : تو چلوں۔
قیصر : اچھا اندر چلو۔
[گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دیتی ہے]
ریبی : دیکھو گھنٹی بج رہی ہے۔ اب جانا چاہیئے۔
[ریبی اور قیصر اندر آجاتے ہیں]
قیصر : گھنٹی والا ادھر آ رہا ہے۔
ریبی : کمرے میں آئے گا؟
قیصر : ابھی نہیں لیکن وارڈ میں زیادہ آدمی بیٹھے تو آئیگا۔
ریبی : میں چلوں۔
قیصر : بڈھے کو دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔
ریبی : گھنٹی بجاتا ہے نا اس لئے؟
قیصر : ہاں، ہم لوگ کوئی بھی اسے دیکھنا پسند نہیں کرتے۔
ریبی : کوئی مریض بھی دیکھنا پسند نہیں کرے گا۔
قیصر : یہاں کے لوگ بھی نہیں۔

ریبی : مگر کیا کرے، یہ اس کا کام ہے۔
سلطانہ : اب چلوں۔
منصور : کل سویرے آنا۔
سلطانہ : اچھا
منصور : ریبا کو ساتھ لانا
سلطانہ : قیصر صاحب اب چلوں
قیصر : اچھا پھر ملاقات ہوگی۔
ریبی : میں بھی ان کے ساتھ ہی چلی جاؤں گی۔
سلطانہ : آپ لوگوں کو کچھ بات کرنی ہو تو میں انتظار کروں۔
ریبی : اور کچھ بات ہے؟
قیصر : بات کبھی ختم ہوتی ہے؟
سلطانہ : تو کر لیجئے نا۔
قیصر : رانا کو ساتھ لانا
ریبی : (سلطانہ سے) پھر چلئے۔
قیصر : میں ساتھ آؤں۔
ریبی : تمہارے کمزور جسم کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔
قیصر : او ہو ... گھنٹی والا بڈھا آ رہا ہے۔
[گھنٹی والا آتا ہے]
ریبی : گھنٹی کی آواز سن نہیں پائی اس لئے ....
گھنٹی والا : شام ہو گئی آپ لوگ اب جایئے۔
قیصر : جا رہی ہیں۔
گھنٹی والا : وقت ہو گیا ہے۔
قیصر : ہم لوگوں نے گھنٹی سنی ہے۔
گھنٹی والا : وقت بہت پہلے ہو چکا ہے۔
قیصر : آپ کا یہ وقت اتنی جلدی کیوں آجاتا ہے۔
گھنٹی والا : اسی لئے تو میں گھنٹی کے لئے دروازے کے پاس بیٹھا رہتا ہوں۔
قیصر : اچھا آپ لوگ چلئے۔

[دونوں جاتی ہیں]

گھنٹی والا: جناب آپ؟

شریف: مجھ سے کہہ رہے ہیں؟

گھنٹی والا: جی

شریف: مجھے کچھ دیر اور ٹھہرنا ہوگا۔

گھنٹی والا: آپ کو جانا چاہیئے۔

شریف: کام ہے

گھنٹی والا: مریض کو تکلیف ہوگی

شریف: میرے رہنے سے تکلیف نہیں ہوگی۔

گھنٹی والا: میں کہہ رہا تھا کہ باہر کے لوگوں کے رہنے سے

شریف: آپ جائیے۔

گھنٹی والا: وقت ختم ہو چکا ہے۔

شریف: سارے ہسپتال میں گھنٹی بجا چکے؟

گھنٹی والا: یہ جاننا آپ کا کام نہیں۔

بوڑھا: (شریف کو) بحث مت کرو۔

گھنٹی والا: اچھا میں جاتا ہوں۔

قیصر: ہاں چھوٹی

گھنٹی والا: آپ تو تندرست ہوگئے ہیں۔

قیصر: آپ سے زیادہ؟

گھنٹی والا: میں یہاں کا ہر وقت کا روگی ہوں۔

شریف: بے کار کی باتیں چھوڑ کر آپ جائیے مریض کو تکلیف ہوتی ہے۔

گھنٹی والا: یہاں ٹھہر کر آپ خود ہی تکلیف دے رہے ہیں۔

قیصر: اس کی وجہ لیکن آپ ہیں۔

گھنٹی والا: شام کو میں اگر گھنٹی نہ بجاتا تو دروازہ کھلتا؟

قیصر: بے شک کھلتا۔

گھنٹی والا: اچھا میں جاتا ہوں۔

قیصر: دو بار کہہ چکے ہو۔

گھنٹی والا: آپ لوگوں کے ہی بھلے کے لیے تو میں ہوں۔

قیصر: اس کا نمونہ تو آپ دکھا ہی رہے ہیں۔

[گھنٹی بجاتے ہوئے گھنٹی والا جاتا ہے]

قیصر: بلا ٹلی۔

بوڑھا: حسین میاں ابھی تک نہیں آئے۔

شریف: ابھی آجائیں گے۔

قیصر: منصور صاحب آپ بہت چپ چاپ ہیں۔

منصور: آپ لوگوں کی باتیں سن رہا تھا۔

[قیصر اپنے بستر پر جاکر لیٹتا ہے]

قیصر: اور آئینے میں خود کو دیکھ رہے تھے۔

منصور: اس کے علاوہ نیا کچھ کرنے کے لئے نہیں ہے۔

قیصر: سارا دن اخبار پڑھ پڑھ کے چالیس پیسے کا اسی وصول کیا آپ نے۔

منصور: اس کے علاوہ اور کیا کروں کہئے۔

قیصر: ٹھیک ہی کہتے ہیں...... آج کی خاص خبر کیا

منصور: بہت کچھ ہے۔

[حسین میاں کا داخلہ]

شریف: کیوں اتنی دیر کیوں؟

حسین: لڑکی کو بخار آگیا ہے

شریف: زیادہ بخار ہے۔

حسین: جی

شریف: بابا میں چلتا ہوں۔

بوڑھا: ڈاکٹر سے بات کر کے جانا۔

شریف: اچھا۔

بوڑھا: ڈاکٹر کو ایک بار اس طرف آنے کے لئے کہنا۔ کہنا۔

مجھے اس سے منظوری(؟) کرنی ہے۔

شریف: اچھا ... چلتا ہوں قیصر صاحب چلتا ہوں منصور صاحب۔

قیصر اور منصور دونوں ہی اچھا بولتے ہیں۔ کچھ سکنڈ وقفے کے بعد دکھائی دیتا ہے، قیصر آئینے کے سامنے کھڑا ہے بڈھے کی انگلیاں کھینچ رہا ہے حسین منصور اخبار پڑھ رہا ہے

بوڑھا: آہستہ کھینچو۔

حسین: درد ہوتا ہے؟

بوڑھا: ہاں۔

حسین: لڑکی کو بہت بخار ہے۔

بوڑھا: سن چکا ہوں۔

حسین: میری چھوٹی اکلوتی لڑکی۔ دوسرے سبھی بال بچے مر چکے ہیں۔ کالرا سے ایک ساتھ دو مر گئے تھے۔ پاس پاس دو قبریں بنائی تھیں۔ آج وہ ہوتے تو میری یہ حالت نہ ہوتی۔

بوڑھا: زیادہ بات مت کرو۔

حسین: کیا کہہ رہے ہیں۔

بوڑھا: زیادہ بات مت کرو۔

حسین: اوہ

بوڑھا: کھڑکی بند کردو۔ ٹھنڈی ہوا لگ رہی ہے۔

(حسین کھڑکی بند کرتا ہے)

حسین: محلے کے لوگ کہتے ہیں یہ بخار بہت خراب ہے۔

بوڑھا: کس کا بخار

حسین: میں اپنی لڑکی کے بخار کی بات کر رہا ہوں۔

بوڑھا: آدمی کو بخار ہوتا ہے اور ٹھیک بھی ہو جاتا ہے۔ ٹھیک ہو جائے گی۔

حسین: آپ کہہ رہے ہیں؟ دعا کیجیے، میری ایک ہی اولاد ہے۔

[قیصر منصور کی طرف دیکھتا ہے]

قیصر: ابھی اخبار پڑھ رہے ہیں۔

منصور: ایتھوپیا میں کیا اکال پڑا ہے۔ دیکھا آپ نے۔

قیصر: دنیا میں اکال پڑتا ہی رہے گا اس میں سر کھپانے سے فائدہ۔

[قیصر بات کرتے کرتے منصور کے بستر کے قریب جا بیٹھتا ہے]

منصور: لیکن اس کا حل کیسے نکلے گا؟

قیصر: کھانے پینے کا اکال پڑا ہے۔ ضرورت ہے آدمیوں کے اکال کی

منصور: آپ نے حل کر ٹھیک نہیں کیا۔

قیصر: دراصل ذرا طبیعت سنبھلی کہ ہم لوگ اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔

منصور: یاد رکھو کر کتنے لوگ چلتے ہیں۔

قیصر: اکال، اس لفظ کی شکل ہی عجیب لگتی ہے۔

منصور: میں کہتا ہوں کتنے لوگ اس کا خیال کرتے ہیں۔

قیصر: خیال سب کرتے ہیں مگر صرف اپنی حد تک۔

منصور: اکال کا نام آتے ہی ہڈیوں کے ڈھانچے۔ پسلیاں نکلے ہوئے لوگوں کے چہرے، موت، میلوں جلے سوکھے کھیت۔ سوکھے تالاب اور اڑتی دھول کا منظر ہماری نظروں میں تیرنے لگتے ہیں۔ اصل میں ہر چیز کے ساتھ دوسری چیز بھی ہوتی ہے فکر اور اطمینان، ایک کو ہم مناسب کہتے ہیں دوسری کو غیر مناسب۔ بات اپنے اپنے دل کی ہے کس کو کیا بھاتا ہے۔

(ڈاکٹر داخل ہوتا ہے)

ڈاکٹر: لگتا ہے آپ لوگ خاص میٹنگ کر رہے ہیں۔

قیصر: ایسی بات نہیں صرف کچھ چرچے کر رہے تھے۔

ڈاکٹر: سمسیا کا سمادھان نکال رہے ہیں۔

[منصور کے بستر پر ڈاکٹر بیٹھتا ہے]

منصور: یہاں بیٹھ کر یہ تو ممکن ہی نہیں۔

ڈاکٹر: بس چرچے کرتے ہیں اور کیا۔

قیصر: اگلے بدھ تک جا پاؤں گا نا؟

ڈاکٹر: امید تو ہے

منصور: میرا بھی ٹیسٹ جلد ہی لے لیجیے۔

ڈاکٹر: آپ فکر مت کیجیے۔ جلد ہی چھٹی ہو جائے گی۔

منصور: اور کتنے انجکشن رہ گئے میرے؟

ڈاکٹر: آج کا چھوڑ کر اور پانچ۔

قیصر: بس تو چھوٹے۔

منصور: آپ بھی تو چھوٹ گئے۔

قیصر: اور چار دن۔

منصور: چار دن ہی نا۔

قیصر: چار دن میں دنیا میں بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر: (منصور سے) ذرا اپنا ہاتھ بڑھائیے۔

[ڈاکٹر نبض دیکھتا ہے]

منصور: مجھے ایک رپورٹ چاہیے۔

ڈاکٹر: کیوں؟

منصور: چھٹی ختم ہو گئی ہے۔ ایک اور درخواست دینی ہوگی۔

ڈاکٹر: ٹھیک ہے۔

منصور: اور کتنے دن لگیں گے آپ کے خیال میں؟

ڈاکٹر: پندرہ دن کے لگ بھگ۔

منصور: اس کا تذکرہ بھی کریں گے۔

ڈاکٹر: اچھا

[ایک نرس ٹرالی لے کر آتی ہے۔ ٹرالی میں ایک بوتل خون ہے۔ بدن میں خون داخل کرنے کے لیے دوسرے سامان بھی ہیں]

(ڈاکٹر بڈھے کی طرف جاتا ہے)

ڈاکٹر: آپ کیسے ہیں؟

[ڈاکٹر بوڑھے کی نبض دیکھتا ہے] [نرس ٹرے لے کر بڈھے کے قریب آتی ہے] ... فکر مت کیجیے۔

بوڑھا: صبح جو رپورٹ لی اس کا کیا ہوا؟

ڈاکٹر: آج سے آپ کو خون دیا جائے گا۔

[نرس خون چڑھانے کی تیاری شروع کرتی ہے]

بوڑھا: بدن میں خون نہیں ہے؟

ڈاکٹر: آپ کے بدن کو خون کی ضرورت ہے۔

بوڑھا: بدن کیا گرتا جا رہا ہے؟

ڈاکٹر: نہیں ... آپ اچھے ہو رہے ہیں۔

بوڑھا: پھر خون کیوں؟

ڈاکٹر: بس ... ضرورت

بوڑھا: میری صحت گر رہی ہے۔

ڈاکٹر: منہ کھولیے۔

[ڈاکٹر بوڑھے کا حلق ٹارچ سے دیکھتا ہے، تھرمامیٹر منہ میں دیتا ہے، نبض پر ہاتھ رکھ کر گھڑی کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔]

حسین: میری لڑکی کو بخار ہے۔

نرس: ٹھیک ہو جائے گی۔

حسین: بہت بخار ہے۔

نرس: دوا نہیں دی؟

حسین: دی ہے۔

نرس: پھر فکر مت کرو۔ ٹھیک ہو جائے گی۔

حسین: بہت خراب بخار ہے۔

نرس: دوا دی ہے پھر فکر کیسی۔

ڈاکٹر: ذرا تھرمامیٹر نکالنے

بوڑھا: کتنا بخار ہے؟

ڈاکٹر: ڈھائی۔
بوڑھا: اور بڑھے گا؟
ڈاکٹر: معمولی
بوڑھا: سب معمولی ہی ہوتا ہے۔
ڈاکٹر: آپ سوچئے مت
[ڈاکٹر بوڑھے کے داہنے ہاتھ میں خون کی نلکی وغیرہ لگاتا ہے نرس ہاتھ بٹاتی ہے۔ کام ختم کرنے کے بعد نرس جاتی ہے]
بوڑھا: آپ سے ایک بات کہوں؟
ڈاکٹر: کہئے۔
بوڑھا: میرے لڑکے نے آپ سے کچھ کہا ہے؟
ڈاکٹر: نہیں.... کوئی خاص بات تو نہیں کہی۔
بوڑھا: وہ لیکن کہنا چاہتا تھا۔
ڈاکٹر: مگر بولا نہیں۔
بوڑھا: کافی دنوں سے سوچ رہا ہوں۔
ڈاکٹر: کہئے
بوڑھا: آپ چاہیں گے۔ کسی کو تکلیف ہو؟
ڈاکٹر: نہیں میں نے کبھی آپ کو کوئی تکلیف دی؟
بوڑھا: لیکن... فرض کیجئے ایک....
[ڈاکٹر آئینے میں دیکھ کر بالوں کو سیٹ کرتا ہے]
بوڑھا:.... آپ میری بات سن رہے ہیں؟
ڈاکٹر: جی ہاں سن رہا ہوں۔
بوڑھا: فرض کیجئے کسی کو کسی چیز سے کافی تکلیف ہو کیا یہ آپ چاہیں گے!
ڈاکٹر: نہیں۔
بوڑھا: پھر آپ میری بات مانیں گے؟
ڈاکٹر: آپ کس چیز کے بارے میں بول رہے ہیں؟
بوڑھا: میرے لڑکے نے آپ کو کچھ نہیں کہا؟
ڈاکٹر: نہیں ایسی کوئی بات نہیں بتائی۔
بوڑھا: بڑی ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے، برا سا لگتا ہے۔ کچھ نہیں پا رہا ہوں۔
ڈاکٹر: کہہ ڈالئے نا۔
بوڑھا: میری بات رکھیں گے؟
ڈاکٹر: یہاں سے جانے کی بات؟
بوڑھا: نہیں۔
ڈاکٹر: پھر
بوڑھا: آپ بات رکھیں گے؟
ڈاکٹر: میرے بس میں ہوا تو نا.... وعدہ نہیں کر سکتا۔
بوڑھا: آپ کے بس میں ہے۔ آپ کو دقت نہیں ہوگی۔
ڈاکٹر: پھر بول ڈالئے۔
بوڑھا: وہ..... آئینہ
ڈاکٹر: آئینہ، آئینے نے آپ کا کیا کیا؟
بوڑھا: آئینے پر جب نظر پڑتی ہے، لگتا ہے میں ایسا نہیں تھا کبھی۔
ڈاکٹر: مجھے کیا کرنے کے لئے کہتے ہیں پھر؟
بوڑھا: آئینہ یہاں سے ہٹوا دیجئے۔
ڈاکٹر: دوسرے لوگ کچھ بولیں گے نہیں؟
بوڑھا: نہیں بولیں گے۔
ڈاکٹر: سنئے!
[قیصر اور منصور پلٹ کر دیکھتے ہیں]
یہ کہہ رہے ہیں آئینہ کی وجہ سے ان کو تکلیف ہوتی ہے، اس لئے آئینہ ہٹوانا ہوگا۔
قیصر: اس کمرے سے ہی ہٹوا دیں گے۔؟
بوڑھا: جی
منصور: نہیں، یہ نہیں رہے گا، مجھے اس سے بہو ... ہوتی

قیصر: مجھے بھی اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ میرے بھی کام آتا ہے۔

ڈاکٹر: یہ کہتے ہیں آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ کر انہیں اچھا نہیں لگتا۔

منصور: آئینہ دیکھ کر اچھا نہ لگنے کی کیا بات ہے۔

بوڑھا: آپ لوگ اپنے چہرے مہرے پر نکھار دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ مجھے ایسا محسوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ میری حالت ٹھیک نہیں، بلکہ دن بدن بدتر ہوتی جا رہی ہے۔

قیصر: آئینہ نہ رہنے سے ہم لوگوں کا دل اداس ہو سکتا ہے اور پھر نتیجے میں ہماری صحت بگڑ سکتی ہے۔

ڈاکٹر: بات بڑھانے سے فائدہ کیا۔ میں ہٹا ہی دیتا ہوں۔

منصور: نہیں۔

ڈاکٹر: ان کو تکلیف جو ہوتی ہے۔

قیصر: پھر ایک کام کیجئے۔

ڈاکٹر: کیا؟

قیصر: ہٹا کر ادھر رکھا دیجئے۔

[قیصر بستر کے اس طرف اشارہ کرتا ہے جدھر بوڑھے کا سامنا نہیں ہوگا]

ڈاکٹر: اس سے کیا ہوگا۔

قیصر: ان کے بالکل سامنے نہیں رہے گا۔ ان کی نظر نہ پڑے بس تو چاہیئے۔

ڈاکٹر: ٹھیک ہی کہتے ہیں آپ ایسا ہی کرتے ہیں۔

بوڑھا: نہیں اسے سرے سے نکلوا ہی دیجئے۔

ڈاکٹر: ہٹا کر ادھر رکھا دیا جائے تو آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

منصور: آپ اٹھ کر اپنا چہرہ دیکھنے تو جائیں گے نہیں۔

[قیصر اور ڈاکٹر مل کر آئینہ ہٹا دیتے ہیں]

بوڑھا: (منصور سے) آپ بالکل مت بولیے (ڈاکٹر سے) آپ اسے نکلوا ہی دیجئے۔ لے جائیے یہاں سے۔

قیصر: اب تو آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

ڈاکٹر: ہاں۔ کوئی تکلیف نہیں۔

بوڑھا: اسے اٹھا کر لے جائیے۔

منصور: نہیں یہ نہیں ہوگا۔

قیصر: یہ یہیں رہے گا۔

ڈاکٹر: (قیصر سے) اپنی چادر دیجئے ....

(قیصر چادر دیتا ہے) .... یہ چادر سے ہر وقت ڈھکا رہے گا۔ جس کو جب ضرورت ہوگی آئینہ کا استعمال کرے گا۔

منصور: ہاں یہی ٹھیک ہے۔

قیصر: اب تو آپ کو کوئی تکلیف نہیں؟

بوڑھا: آئینہ کیا ہٹایا نہیں جا سکتا تھا۔

منصور: آپ کے نزدیک سے ہٹا دیا گیا اس کے اوپر چادر بھی ڈال دی گئی۔ اس کے بعد آپ کو کیا تکلیف ہے؟

ڈاکٹر: ہاں۔ اب تو آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔

بوڑھا: ٹھیک ہے۔

ڈاکٹر: اچھا میں چلوں۔ آپ لوگ زیادہ رت جگا مت کیجیے رات کو جاگنا مریضوں کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔

[ڈاکٹر جاتا ہے]

منصور: کوئی بھی کسی کا بھلا دیکھنا نہیں چاہتا۔

قیصر: ٹھیک ہی کہتے ہیں۔

[قیصر منصور کے پاس جا کر بیٹھتا ہے]

بوڑھا: تم معاملے کو نہیں سمجھتے۔

حسین: نہیں، میں کہہ رہا تھا اب تو آپ کو کوئی تکلیف نہیں

بوڑھا: تم معاملے کو سمجھتے ہی نہیں۔
حسین: آپ بھی تو کبھی کبھار دیکھ سکتے ہیں کہ آپ کی صحت میں کہاں تک سدھار آیا ہے۔
بوڑھا: تم چپ رہو۔
حسین: کل رات آپ کو کتنے بجے نیند آئی۔؟
بوڑھا: میں نے دھیان نہیں دیا۔
حسین: آدھی رات ہو گئی۔
بوڑھا: تم تو چلے گئے تھے۔
حسین: آپ نے ہی تو مجھے جانے کے لئے کہا۔
بوڑھا: ابھی کتنے بجے ہیں؟
حسین: تقریباً دس بجے ہوں گے۔
بوڑھا: اکثر رات جاگتے جاگتے کٹ جاتی ہے۔
حسین: میری لڑکی کے لئے دعا کریں گے؟
بوڑھا: تمہاری لڑکی کو کیا ہوا؟
حسین: آپ کو بتایا نہ اسے کافی بخار ہے۔
بوڑھا: آج کل ہر بات بھول جاتا ہوں۔
منصور: رات ہو گئی ہے سو جانا چاہیے۔
قیصر: آپ کو ابھی نیند آتی ہے۔
منصور: آپ کو نہیں آتی؟
قیصر: آتی ہے مگر اکثر رات میں دو ایک بار ٹوٹ جاتی ہے۔
منصور: خواب دیکھتے ہیں کیا؟
قیصر: اچھی بات کہی، اس دن رات کو عجیب ڈراونا خواب دیکھا۔ لمبا سنسان ایک راستہ ہے۔ راستے کے آخر میں کئی سو سال پرانا ایک مکان ہے۔ دروازے کے پٹ کھلے ہیں مگر ان پر مکڑی کے بڑے بڑے جالے پڑے ہیں۔ ایک جالے کے بیچ ایک مکڑا چپ چاپ بیٹھا ہے۔ اس کے لمبے لمبے ہاتھ پیر پھیلے تھے۔ میرے نزدیک پہنچتے ہی اس نے ٹانگیں بڑھا کر مجھے جکڑ لیتا ہے۔ لاکھ کوشش کرکے بھی میں اپنے آپ کو نکال نہیں پا رہا ہوں۔ نیند ٹوٹ گئی مگر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہڈیوں کا پنجر ہوا جا رہا ہوں۔
منصور: مکڑی اپنے دائرے میں کوئی بھول نہیں کرتی۔
قیصر: جیسے ہم اپنے گھر پہنچنے میں بھول نہیں کرتے۔
بوڑھا: حسین من ہی من کرکے کیا بول رہے ہو؟
حسین: کہاں! نہیں تو کچھ بھی نہیں۔
بوڑھا: نیند میں بڑبڑا رہے تھے، شاید خواب دیکھ رہے تھے۔
حسین: بہت دن سے میں نے خواب نہیں دیکھا۔
بوڑھا: میں نے بھی نہیں دیکھا۔ تمہیں آج کچھ جلدی ہی نیند آ رہی ہے۔ جاؤ جاکر سو جاؤ۔
حسین: آپ کو تکلیف نہیں ہوگی؟
بوڑھا: نہیں۔
(بوڑھا ادھر ادھر کروٹیں لیتا ہے)
حسین: آپ زیادہ بیٹھے ڈلیئے نہیں۔ خون جانے میں دشواری ہوگی۔
بوڑھا: مجھے معلوم ہے۔
حسین: جا رہے آپ کو دوا کون کھلائے گا۔؟
بوڑھا: اس وقت بلا لوں گا تم جاؤ۔
(حسین برآمدے کی طرف جاتا ہے)
منصور: سویا جائے۔
قیصر: ٹھیک ہے۔ اچانک سسٹر آئی تو بہت ڈانٹ پلائے گی۔
منصور: آپ کے قریب ہی سوئچ ہے۔
قیصر: (بوڑھے کو) ماسٹر صاحب! سنئے۔
بوڑھا: کچھ کہہ رہے ہیں؟
قیصر: لائٹ بند کر رہا ہوں۔ مدھم روشنی رہنے دوں گا۔
بوڑھا: ہاں۔ میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ روشنی بند کر دیجئے۔ مجھے

بھی نیند آرہی ہے۔
(قیصر اپنے بیڈ کے قریب آکر لائٹ آف کرتا ہے مدھم لائٹ جلاتا ہے)
منصور: کل صبح ملاقات ہوگی۔
قیصر: انشاء اللہ ممکن ہے آج نیند اچھی آئے۔
منصور: اس کا مطلب ہے اچھے خواب دیکھیں گے۔
قیصر: امید تو کرنا چاہئے۔
(منصور اور قیصر انگڑائی اور جماہی لیتے ہیں جیسے بہت نیند آرہی ہو۔ دونوں ہی بوڑھے کی طرف دیکھتے ہیں۔ قیصر اٹھ کر آئینے پر سے کی چادر اٹھاتا ہے۔ اپنا چہرہ دیکھتا ہے۔ بال ٹھیک کرتا ہے ہلکے سے مسکراتا ہے۔ چہرہ طرح طرح بنا کر دیکھتا رہتا ہے۔ بوڑھا ترچھی نظروں سے دیکھتا ہے۔ اس کے چہرے پر حقارت کا انداز ابھر آتا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں منصور اٹھ کر آتا ہے قیصر اپنے بیڈ پر جاتا ہے۔ منصور، قیصر کی طرح وہ حرکتیں کرتا ہے۔ بوڑھا پہلے ہی کی طرح منہ بناتا ہے۔ نفرت اور غصہ سے پہلے ہی کی طرح آنکھیں سکوڑتا ہے۔ پھر لاپرواہی کے انداز میں کروٹ بدل لیتا ہے۔ کافی دیر بعد منصور اپنے بستر پر جاتا ہے..... منصور اور قیصر گہری نیند میں دکھائی دیتے ہیں۔ بوڑھا گھور رہا ہے۔ گھڑیال بارہ کا گھنٹہ بجاتا ہے۔ بوڑھا چونک پڑتا ہے۔ اٹھ کر بیٹھتا ہے۔ قیصر اور منصور کی طرف دیکھتا ہے۔ خون کا کنکشن کھولتا ہے۔ خون کی بوتل کو دیکھتا ہے اور بستر سے اتر پڑتا ہے۔ ایک پل کے لئے رکتا ہے جیسے ساری طاقت اکٹھا کرنا چاہتا ہو۔ دبے قدموں سے جاتا ہے۔ قیصر کے بستر کے پاس اس کے چہرے کی طرف جھک کر اطمینان کرتا ہے کہ وہ گہری نیند میں ہے کہ نہیں۔ منصور کے بستر کے قریب جاکر اسی انداز میں اس کو بھی دیکھتا ہے۔ دونوں ہی گہری نیند میں گم ہیں۔ اندازہ کر کے اطمینان کی مسکراہٹ بکھیرتا ہے بغیر آواز پیدا کئے آتا ہے۔ آئینے کے قریب خود کو غور سے دیکھ کر ایک پھیکی ہنسی ہنستا ہے۔ داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی انگلیوں پر ہاتھ پھیرتا ہے، خوف زدہ ہوتا ہے جیسے اچانک اپنے آپ پر نظر پڑ گئی ہو چوری کرتے ہوئے)
بوڑھا: اس وقت یہ گہری نیند میں گم ہیں۔ میری بات کا جواب دینے والا کوئی نہیں۔ اچانک کسی ڈراؤنے خواب سے جاگ سکتے ہیں۔ خواب ڈراؤنا.....
میں اپنے آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ دیکھ رہا ہوں، برسوں پہلے ریٹائرڈ ہوئے ایک آدمی کی تصویر۔ میرا فیس آئینے میں تیر رہا ہے، دھیرے دھیرے ڈوبتا جا رہا ہے۔ اس پاس کوئی چھوٹی سی بھی لہر نہیں۔ حالات میں اب کوئی فرق نہیں۔ میرے پیچھے کا سب کچھ میرے سامنے کے پیچھے کی طرف نظر آرہا ہے۔ پیچھے کا سب کچھ سامنے سے گذر رہا ہے۔ آواز مجھے سنائی نہیں دیتی ——— میں پکارتا ہوں تو کوئی سنتا نہیں۔ کوئی ہمدرد نہیں۔ آلوں سے کام لیا جا رہا ہے۔
مجھے ایک لال لکیر نے روک رکھا ہے۔ آڑی ترچھی لکیروں میں ایک آدمی کو زندہ رکھنے کی کوشش، لکیریں بہت سارے چھوٹے چھوٹے چوکنے سے گذر چکی ہیں۔ ہم صرف چوکونوں سے چوکونوں میں گذرتے رہے ہیں۔ ایک گھر سے نکل کر دوسرے گھر سے گذر رہے ہیں۔ (جالے نکال کر پھاڑ دیتا ہے)
(تھوڑا وقفہ پھر بوڑھا سارے کاغذ نکال کر موڑ توڑ کر پھینک دیتا ہے)
بوڑھا: لکیر ایک زہریلے اژدہے کی طرح ہے جو میری زندگی کی ابتدا سے پیچھے پیچھے لپک رہا ہے۔ میرے لڑکے کے پیچھے بھی لپک رہا ہے۔ لپک رہا ہے ہر ایک کے پیچھے

میں نے خود پڑھا ہے الف سے اندھا اُسے انگر
انگر، اندھ ہے سے ضد کیسی؟ آسمان؟ الف سے آسمان
"آ" سے آکاش۔ آسمان، آکاش سے دوسری ضد ہے۔
ذرا آسمان دیکھ آؤں۔

(برآمدے میں جاتا ہے پھر فوراً واپس آتا ہے)

ایک کالی بھری زمین دیکھی۔ ریت کی دلدل۔ آئینہ ایک دلدل ہے۔ وہاں کئی لوگ کھڑے ہیں کئی لوگ دوڑ رہے ہیں۔ کئی لوگ بغیر رکے چلتے رہتے ہیں....

(شلف پہ نظر جاتی ہے۔ وہاں ایک سوکھی روٹی پڑی ہے)

کھانا سوکھ گیا ہے۔ سوکھ گئی ہے میرے بچپن والی ندی "اچھا متی"۔ برسات میں بھی سوتے نہیں پھوٹتے ہر چیز میں سوتے پھوٹتے رہنے چاہئیں۔ سوتے پھوٹتے رہتے ہیں، آگے کی طرف ان لوگوں نے اس وقت کہا تھا کہ شہر کوشش کے سائے میں دوڑ رہا ہے۔

میں اس وقت کہیں دکھیں ڈھونڈ رہا ہوں۔ ہر ایک کہیں دکھیں ڈھونڈ رہا ہے۔ ڈھونڈتا ہی رہتا ہے۔ میرے سامنے کالے برف کا تودا ہے جو کبھی نہیں پگھلے گا لیکن میں پہل کرنا چاہتا ہوں جو لوگ آئندہ اس آئینے کو دیکھیں گے دیکھیں گے ایک چہرے کے نشان کے ساتھ سورج چاند طرف کرنوں کی طرح بکھر گیا ہے۔ بہت سی مٹی ہوئی لکیریں سیدھی نکلتی چلی گئی ہیں ادھر سے ادھر کی اور.....

اس وقت جب چہرہ ہزاروں حصوں میں بٹا ہوا دکھائی دے گا۔ ٹکڑے ٹکڑے میں بکھرا بکھرا۔ ایک آدمی کے چہرے کا مطلب ایک چہرے کے لاکھ چہرے۔ ایک لاکھ کا مطلب ہر کوئی اس وقت ہر ایک کا چہرہ ایک جیسا ہے اترا ہوا، تھکا ہوا ٹھہرا ہوا۔

(دیکھتا ہے خون کی بوتل کی طرف۔ ٹیوب سے بوند بوند خون ٹپک رہا ہے۔ ٹیوب نکال کر بوتل لے آتا ہے۔ خون کو پھیلا دیتا ہے آئینے پہ۔ بوتل شلف پہ رکھ دیتا ہے)

بوڑھا: میرے جسم میں کسی اجنبی انسان کا خون ہے۔ کالے آئینے میں خون۔ نیلے آسمیں گم۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے پیچھے۔ خون مرتا رہے بہتے رہتے کے ڈھلوٹے ہیں۔ الگ الگ۔ ٹھہر جانے کا روپ ایک اس آئینے میں آج شام ایک نیلا انسان تھا۔ وہ انسانوں کا خوبصورت خواب تھا۔ رنگین دھرتی۔ وہ ایک پھیلتے ہوئے خون والا انسان تھا۔ گرم خون والا، میرا خون ٹھنڈا ہو رہا ہے میرا تھرما میٹر ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ خون میں چھپا ہے لیکن یہی پرانا انسان پرانے انسان کو سبھی جانتے ہیں بہت دور جا چکا ہے یہ اب......

(شلف پہ پڑے ہوئے گلاس پر نظر جاتی ہے)

مجھے پیاس لگی ہے۔ ہر آدمی ہر وقت کسی نہ کسی پیاس سے پیاسا رہتا ہے۔

(جگ سے پانی ڈال کر پیتا ہے)

زیادہ دیر انتظار ٹھیک نہیں۔ انتظار کی تکلیف میں برداشت کر ہی نہیں سکتا۔ جو کرنا ہے اس میں ابھی کامیاب ہو سکتا ہوں۔ کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکے گا۔

(شلف سے ایک بوتل دوا نکال کر آدھا پانی ڈالتا ہے اس کے اندر گولیوں کی بوتل اٹھاتا ہے... اب اطمینان ہے۔

Bilkulle contrance. ہے

colourful dream

(بات پوری کر کے پوری قوت سے بوتل آئینے پر دے مارتا ہے۔ سب تماشا... بوتل اچھل پڑتی ہے، ہنستا رہتا ہے۔ اس آواز سے قیصر اور منصور جاگ پڑتے ہیں۔ دونوں حیرانی سے بوڑھے کو دیکھتے رہتے ہیں۔ بوڑھا نیند سے جاگنے کے انداز میں انہیں دیکھتا ہے۔ جیسے واقف ہو رہا ہے۔ بوڑھا اپنے بستر پہ جاتا ہے۔ دیوانوں کی طرح ادھر ادھر دیکھتا ہے۔ میز پر پڑا ہوا ٹیوب اٹھا کر دو تین بار ملاتا ہے۔ چہرہ خوف سے چھپا لیتا ہے۔ جیسے چیختی آواز میں کہتا ہے)

بوڑھا: حسین کمرے کی نیند کر دو بہت ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ جسم کی ٹھنڈک آ رہی ہے

ڈی۔ ایس۔ جی پرساد (تلگو)
مترجم: آر۔ ایم سنگھ
ہندی سے ترجمہ:
رشید سمیع جلیل

مُنافع

(تکنیک بائی ڈرامہ)

کردار: اچیّا۔ دشنو مورتی۔ نوکاٹو۔ ترتیا۔ مکھیا

آندھرا پردیش کے ضلع سری کاکولم کے گاؤں کی ایک کرانے کی دکان ہے۔ جس میں چیزیں بکھری پڑی ہیں، کچھ ایک کوٹھی کے کمرے کے ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے ہیں۔ باقی ادھر یہاں وہاں پڑے ہیں۔ دکان ٹھیک سے سنواری ہوئی نہیں ہے۔ دکان کے دائیں اور بائیں دونوں جانب دروازے ہیں۔ ایک گلی کی جانب کھلتا ہے اور دوسرا گھر کی طرف۔ دونوں آمنے سامنے ہیں اور دکان کے بیچ کا راستہ، اسٹور روم کی طرف جاتا ہے اور اس دروازہ کے اوپر لکشمی دیوی کی قدِ آدم تصویر لگی ہے اور دائیں طرف ایک بینچ پڑا ہوا ہے۔ جس پر دن کے وقت لوگ آکر بیٹھتے ہیں اور رات میں مالک کار اچیّا اپنا بستر ڈال کے سوتا ہے اور دکان کی رکھوالی کرتا ہے۔ بستر بچھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ بینچ کے پیچھے سوٹ کیس پڑا ہوا ہے۔ جس میں سودے پڑے ہیں۔ لیکن اصلی دکان بیچ کے دروازے کے بائیں جانب ہے۔ بیچ کے دروازے کے دونوں جانب دیوار کے ساتھ سٹی ہوئی تھیلیوں کے بورے پڑے ہیں۔ جن کا منہ کھلا ہوا ہے۔ اچیّا کی گدّی اور کیش باکس (Cash box) دکان کے بالکل بیچ میں رکھے ہیں۔ اچیّا نے ڈبے وغیرہ ہر چیز اس طرح سے رکھی ہے کہ جس سے وہ اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اُٹھا لے۔ اُس کی دکان میں ہر قسم کی چیزیں ملتی ہیں۔ جیسے سستی کوالٹی کے کپڑے، جلانے کی لکڑیاں، تانبے پیتل اور کانچ کے سامان وغیرہ۔ جس سے کسی کو کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ ایک طرح کا گاؤں کا چھوٹا سا سوپر بازار ہے۔ لیکن یہ سارا سامان صرف آدھی جگہ میں پڑا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ صبح صبح اچیّا اُٹھ کر لکشمی دیوی کو اگربتی اور دھوپ[1] وغیرہ چڑھا رہا ہے۔ اور پوجا کر رہا ہے۔ اُس کا منھ تصویر کی طرف ہونے سے ہمیں اُس کی پیٹھ ہی دکھائی دیتی ہے۔ (صرف اُس کے سر کی چوٹی ہی نظر آ رہی ہے)

---

[1] پوجا کے موقع پر آگ میں مسالوں کا جلانا۔

جوں ہی ہم ناٹک میں ساہوکار کے بارے میں سوچتے ہیں تو ہم اُس کی خاص امیج کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں لیکن یہ ساہوکار اُس طرح کا نہیں ہے جیسا ڈرامہ میں ہوتا ہے: بلکہ جیسا ہم سوسائٹی میں دیکھتے ہیں۔ وہ تھوڑا سا الگ ہے۔ جیسا ہم سوچتے ہیں ویسا نہیں وہ چھوٹا سا نہیں ہے۔ وہ کالا بھی نہیں ہے۔ زیادہ دُبلا بھی نہیں ہے۔ اُس کی آواز بھی گرتی ہوئی نہیں ہے۔ لیکن اُس کے کپڑے دھول اور مٹی سے بھرے ہوئے ہیں۔ انھیں دیکھ کر لگتا ہے جیسے دس دن سے تبدیل نہیں کئے گئے۔ جو پوری طرح سے اُس کا جسم بھی نہیں ڈھانک رہے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو گاندھی کا چیلہ مان کر تسلی دے لیتا ہے۔ ایک ہاتھ میں گھنٹی پکڑے اور دوسرے ہاتھ میں دھوپ لئے وہ بڑی تیزی سے لکشمی کی پوجا کر رہا ہے۔ یہی چیز وہ پچھلے چالیس سالوں سے کر رہا ہے۔

اچیتا: سری ماں مہالکشمی! سری لکشمی! شیرابدی جتا' سجاتا! سمردنگی ' نارائن اردنگی! ماں تیرے سوا ہماری اور کون رکھشا کرے گا۔ کلیا دلی میں سادھارن آدمی ہوں' غریب ہوں دکھیئے کو آدھا حصہ چڑھا دیتا ہے۔ بچا ہوا آدھا کیلا بنچ کے نیچے چھپاتا ہے) ماں میں غریب ہوں منافع کے لئے لالچی بنا ہوں۔

(سڑک پر سے کسی کی آواز سنائی دیتی ہے)

پس پردہ: اچیتا نانا تمہارے پاس مرچ ہے؟

اچیتا: (سڑک کی طرف مُڑ کر) مرچ کی کمی ہے' شملہ مرچ ہے۔ (واپس پوجا میں لگ جاتا ہے) منافع کی لالچ میں پاپی بن گیا ہوں

پس پردہ: مرچ ہے کیا؟

اچیتا: کہاں ہے! (جواب دے کر پھر پوجا میں لگ جاتا ہے) مجھے منافع پہ منافع دلا کر لکھ پتی بنا دو ماں! جئتی اجگت جننیؔ!

پس پردہ: مرچ ہے یا نہیں۔ پہلے یہ تو بتاؤ؟

اچیتا: (چڑ کر) ہے! ہے! ہے! صبح صبح میرے منہ سے 'نا' کہلوانا چاہتے ہو کیا؟ جا جا! چاہے تو شملہ مرچ ہے۔ مرچ کل آئے گی (پھر سے پوجا میں لگ جاتا ہے) مجھے لکھ پتی بنا ماں! میں نے 'ٹاٹا' 'برلا' یا 'نظم' بادشاہ بننے کی چاہ نہیں کی ہے ماں۔ ایک لکھ پتی بن جاؤں اتنا ہی کافی ہے!

دوسری آواز: دادا! میرے باپو نے گھوڑا چھاپ بیڑی کا بنڈل مانگا ہے۔ پیسے بعد میں بھجوا دینگے۔

اچیتا: کیا رے! صبح ہوئی تیرے باپو کی؟ جا جا ابھی بوہنی نہیں ہوئی۔ (اسی غصہ میں پوجا ختم کرتا ہے) لکھ پتی بنا ماں! او ماں! دیا مائی! نمستے! نمستے! نوہ! ماتا قسمت کو بھول چوک سدھار کر مجھ پر دیا کرو ماتا (جھٹ پٹ گالوں پر ہاتھ تھپکتا ہے۔ آنکھیں موند کر ہاتھ جوڑتا ہے۔ اور پوجا ختم کرتا ہے۔ کھو سکے ٹھیک کرتا ہے) چھی! چھی! چھی! نا کہلوانے والا ایک' اُدھار مانگنے والا ایک اور پوجا بھی نہیں کرنے دیتے۔ صبح صبح چلے آتے ہیں۔ منحوس کہاؤں۔ بیکار کھاؤں کہیں کا۔ (اندر کی طرف) دشنومورتی! ارے وشنو! وہ اگر سویا ہوا ہے تو مردے کے برابر ہوتا ہے۔ ابھی تک سو رہا ہے یا۔

دشنومورتی: (گول مٹول دیکھنے میں کدو کے جیسا پٹھانے

والا، شاید اپنی ماں پر گیا ہو، تھوڑا چھوٹا سا قد۔ تیرہ سال) کا وشنو مورتی داخل ہوتا ہے۔ اُس کے ہونٹوں پر ہمیشہ کے لئے بھگوان نے مسکراہٹ چپکا دی ہے مسکراتا ہوا، نیند بھری آنکھوں سے آتا ہے۔ بال بکھرے ہیں۔ ایک نیلی سی نیکر پہنے ہوئے ہے۔ کمر میں بیلٹ لٹک رہا ہے، بدن پر قمیص نہیں ہے۔) بلایا باپو!

اچھیا: (چڑ کر آگ بگولہ ہوتے ہوئے) اب تجھے بلانا بھی پڑے گا؟ صبح اُٹھ کر دکان کی صاف صفائی نہیں کرنی ہے کیا؟ وہ بینچ پر کا بستر لپیٹ کر اندر اسٹور روم میں رکھ۔ سُن! چوہے دانی میں چوہے اگر پکڑے گئے ہوں تو انھیں لے جا کر سڑک پر چھوڑ کر جلدی آ۔ جلدی!... جلدی کر۔ (وشنو مورتی بستر لپیٹ رہا ہے، اچھیا ایک دوسرے پر پڑے ہوئے کھوکے نکال کر ٹھیک سے سجا رہا ہے۔) ماں نے کافی بنائی؟

وشنو: بنا رہی ہے۔

اچھیا: دادی ماں اگر اُٹھ گئی ہے تو اُن سے کہنا کہ گندھے ہوئے آٹے کی جلدی سے بڑیاں بنا دے۔ اگر آج نہیں سوکھیں تو کھانا بک لوٹ جائیں گے۔

وشنو: دادی ماں کہہ رہی تھی کہ آٹے میں پیاز نہیں ہے۔

اچھیا: پیاز؟ بیچنے کی بڑیوں میں بھی پیاز چاہیئے اُسے؟ جیسے موت نزدیک آنے لگی ہے ویسے ہی دنیاداری کیان دُور جانے لگا ہے۔ (کھسیا کر) جا بول بڑیاں بنائے۔ پیاز ویاز کی کوئی ضرورت نہیں۔

وشنو: کہہ دوں گا (بستر لپیٹ کر بغل میں دبا کر کھڑا ہے)۔

اچھیا: کھڑا کیا دیکھ رہا ہے۔ جا جلدی!

وشنو: ہے نا (ہچکچاتا ہے)

اچھیا: کیا ہے؟

وشنو: ماں نے کہا ہے۔

اچھیا: کیا؟

وشنو: وہ ہے نا۔

اچھیا: کیا ہے رے؟

وشنو: کچھ نہیں آج ناگ چوتھ ہے نا!

اچھیا: ہاں ہے۔

وشنو: تو پھر سانپ کے بل میں دودھ ڈالنے کے لئے اور تل کا حلوہ بنانے کے لئے ناگ کچھا خریدنے کے لئے۔

اچھیا: کیا؟ کیا؟ ناگ کچھا چاہیئے اُسے۔ تل کا حلوہ بنا کر نگلنا چاہتی ہے سنار سے! ایسی بے ایمانی کرنے لگی تو سمجھو ہو گیا دھر اُدھار کہہ دیتا ہڈی پسلی ایک کر کے رکھ دوں گا کیا مذاق کر رہی ہے؟

وشنو: دیدی کریم سے آئی ہے نہ۔ وہ کل ہی واپس جا رہی ہے نا۔ اس لئے تل کے لڈو بھی بنانا چاہتی ہے ماں۔

اچھیا: تل بھی نہیں ہے اور ناگ کچھا بھی۔ زیادہ بڑبڑائی تو کہنا ناگ چوتھ ہی نہیں منانا۔ یہیں سے ناگ دیوتا کو پرنام کر لو بس۔ ادھر دیکھ یہ دیوی ہے نا لکشمی ماں۔ اگر اس کی کرپا ہو تو اتنی ساری پوجاؤں کی کیا ضرورت ہے؟ کہہ دے ناگ چوتھ نہیں منانی ہے۔

وشنو: (ضد کرتے ہوئے) تل کا حلوہ بابو!

اچھیا: چُپ رہ!

وشنو: مجھے اچھے لگتے ہیں۔

اچپیاّ: چپ کرے کہا یا لگاؤں ایک ہاتھ۔ تل کا حلوہ کیوں؟ کل ہی دیوالی کے بہانے ڈیڑھ روپے کے پٹاخے چھوڑے اور بگاڑ ان جوا کر کھا یا۔ کیا پورا نہیں ہوا؟ تیوہاروں کا کیا نہ کام نہ کاج انکم ٹیکس والوں کی طرح جب چاہو، تب سے چلے آتے ہیں۔ وہ کھوکا ادھرلا۔

وشنو: (کھوکا دیتے ہوئے) نہیں باپو، دیدی کو ہے نا تل کے لڈو۔

اچپیاّ: اپنے پاس تل نہیں ہے۔ بڑ بڑ مت کر۔

وشنو: تو پھر اور کہیں سے خرید کر لاتا ہوں۔

اچپیاّ: کیا ہے رے؟ (کھوکا ہاتھ سے لے کر وشنو پر اٹھاتے ہوئے) کیا زندہ رہنا نہیں چاہتا ہے؟ ایک بار کہہ دیا تو مانتا کیوں نہیں؟ چل یہاں سے کوئی چوتھو منانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کافی بن گئی ہے تو جھٹ پٹ لے آ۔ جا، جا، جلدی۔ (دھمکانے پر وشنو مورتی بستر لے کر اسٹور روم میں چلا جاتا ہے) منحوس کہیں کا۔ ہمیشہ کھانا۔! کھانا! کھانا۔ تیرہ سال کا ہوگیا ہے۔ دھندا کیا ہوتا ہے، جینا کیا ہے؟ اس کی کوئی فکر نہیں!

(سڑک کے دروازے سے نوکالو آتا ہے)

نوکالو: اچپیاّ ماما!

اچپیاّ: (ادھر دیکھ کر چہرے پر ہنسی لاکر) کون ۔؟ نوکالو! آؤ ۔ آؤ بھائی

نوکالو: کیا بات ہے؟ کس پر بگڑ رہے ہو؟

اچپیاّ: کچھ! کچھ۔ تم پر نہیں بھائی ۔ آؤ اس بینچ پر بیٹھو تمباکو کی پتی دوں۔ پانچ پیسے کی بوہنی کرا دے۔

نوکالو: ہاں دے دینا۔ لیکن ابھی تو ہاتھ میں (چرٹ) ہے۔

اچپیاّ: او ہاں ہاں۔ میں نے دیکھا نہیں بھائی۔ (نوکالو کے ہاتھ میں کی چرٹ کو دور سے ہی غور سے دیکھ کر) یہ کیا (چرٹ) سفید دکھائی دے رہا ہے۔ لگتا ہے پتی اچھی نہیں ہے۔ لیکن دھواں تو ریل گاڑی جیسا دیتا ہے۔ کہو ایک اور بنڈل دوں۔

نوکالو: نہیں چاہیئے۔ کل میربجی سے ایک من تمباکو لے آیا ہوں۔ اب تو چھ مہینے تک تمہارے پوتھا درم تمباکو کی ضرورت نہیں ہے۔

اچپیاّ: میربجی کب گیا تھا؟

نوکالو: کل صبح میری چاچی کے یہاں سے نیوتا آیا تھا تو گیا۔ انھیں کے کھیت کی لے آیا۔

اچپیاّ: میربجی کی تمباکو بڑھیا ہوتی ہے؟ تمباکو کی فصل وہاں ہوتی ہے۔ یہ مجھے معلوم ہی نہیں تھا۔

نوکالو: کیا مذاق کرتے ہو ماما! اونچی زمین کی فصل سب اسی گاؤں سے شہر کو روانہ کرتے ہیں۔ وہاں کے کسان گنا، مونگ، بلار (کچھ یاد آیا) ہے۔ کیا تمہارے پاس وال تل کے بیج ہیں؟

اچپیا: نہیں تو۔ میرے پاس نہیں ہیں بھائی۔

نوکالو: گھبراؤ مت، میرے لئے نہیں چاہیئں۔

اچپیاّ: جانتا ہوں۔ جانتا ہوں۔ مکھیا جی کے لئے ہے نا! لیکن میں نے کل ہی کھوکا الٹ دیا۔ مجھے اگر پہلے سے ہی معلوم ہوتا کہ وال تل کی اتنی مانگ ہوگی تو پچھلے سال ہی ایک بوری تل رکھ لیتا۔

نوکالو: مکھیا جی کے لئے بھی نہیں میرے بھائی۔ انھیں کیا۔ گنا یا جوٹ بو لیں گے۔

اچپیاّ: کیا کہتے ہو؟ جوٹ کتنا بھی اگا لیں۔ لیکن تل کے بیج کے برابر اس کی مانگ نہیں ہو سکتی اس پر وال تل، کیا مذاق کی بات ہے۔ اگر میرے پاس

کوئی زمین کا ٹکڑا ہوتا تو ہر سال تل ہی اُگاتا۔

نوکالو: تو تمہارا مطلب ہے تمہارے پاس تل نہیں ہے یہی نا؟

اچیتا: لکشمی مایا کی قسم، لیکن تل تمہیں کس لئے چاہیئے بھائی نہ زمین ہے نہ کھیتی باڑی۔ کیا بات ہے بھانجے، کہیں ادلا بدلی (ایکسچینج) کا دھندا تو شروع نہیں کر دیا؟

نوکالو: دھندا؟ ہاں تمہیں تو مذاق سوجھ رہا ہے۔

اچیتا: مذاق کیسا؟ دھندا کرنا کوئی مذاق ہوتا ہے بولو؟

نوکالو: نہیں بھائی نہیں، لڑومت اگاؤں کے لوگوں کی ضروری چیزوں کو دبا کر اپنا فلم بھر لینا ہمارا کام نہیں ہے۔ ٹھیک ہے نا!

اچیتا: لیکن تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ تمہیں کس لئے تل چاہیئے؟

نوکالو: یہ ہوئی نہ بات؟ مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس ہے؟

اچیتا: نہیں ... نہیں ... نہیں ... ہے بھائی۔ لکشمی مایا کی قسم کھا کر۔ کیا میں جھوٹ بولوں گا؟

نوکالو: بہت بڑی مصیبت آن پڑی ہے ماما۔ پرسوں جب میرپٹی میں بارش ہوئی تھی اُس وقت میرے دادا نے تل بونا چاہا تو موقع پر تل نہ ملی۔ گھر میں جو تل جمع کر رکھی تھی اسے میری چاچی نے میرے بھائی کی شادی میں خرچ کر ڈالی۔

اچیتا: ارے۔ رے۔ رے عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ تل کی فصل ہوتی تو دس سو ہاتھ لگتے۔ چھی چھی چھی۔ تمہاری چاچی نے کولھو میں پیل ڈالے وہ دس سو روپے۔

نوکالو: اُس گاؤں کے بنئے کے پاس بھی نہیں تھے۔ تل کے بیج وہاں تو ایک سولہ۔ کال تل کیا بھاؤ ہے۔ جانتے ہو؟

اچیتا: اپنے گاؤں میں تو ڈیڑھ روپیہ ہے۔

نوکالو: ٹھیک۔ یہی تو حیرانی کی بات ہے! وہاں تین روپے کا بھاؤ ہے۔ میرے دادا نے اتھنی زیادہ دینے پر تیار ہو کر سارا گاؤں چھان مارا۔ لیکن بیج نہیں ملے۔ انھوں نے کہا ہے کہ اگر اپنے گاؤں میں ملے تو بھجوا دینا۔ کچھ بھی کچھ ناطے داری ہے اسی لئے حامی بھر دی ہے۔

اچیتا: ہاں بھائی۔ بھرنی ہی پڑتی ہے۔ جب تم وہاں سے ایک من تیا کو بھی لے آئے ہو۔

نوکالو: تو پھر کیا کہتے ہو۔ نہیں ہے تمہارے پاس — ایک سولہ۔ ساڑھے تین روپے، سوچ لو!

اچیتا: (بے حد افسوس کرتے ہوئے) چھی، چھی، چھی لگتا ہے میں نے صبح صبح کس بلی کا منہ دیکھا ہے۔ نہیں تو سوچو ذرا۔ دیکھئے دیکھئے کتنا بڑا سودا چھوڑنا پڑ رہا ہے۔ میری قسمت کی بھی کیا کہوں پرسوں تم جب شادی میں گئے تھے۔ اُس وقت بھی مجھ سے مانگتے تو گاؤں والوں کو نہ دے کر تمہارے ہاتھ میرپٹی بھجوا دیتا۔ کہاں ڈیڑھ روپیہ اور کہاں ساڑھے تین روپے۔ نحوست ہے بھانجے اور کیا؟

نوکالو: (اُٹھتے ہوئے) وہ لائف بوائے صابن ادھر تو دو۔

اچیتا: (صابن نکالتے ہوئے) تو کیا اگلی لوٹ کے لئے اکٹھا کرنا شروع کر دوں۔ (صابن نوکالو کو دیتا ہے) ساڑھے دس آنے۔

ڈ کا لو : (صابن لے کر سونگھتے ہوئے) کیا فائدہ جب تک کھیت ہے کار پڑے رہنے دے کوئی اور بیج بو دے گا۔ آٹا یا کل تک مل گئے تو ٹھیک ہے۔ (جاتے ہوئے) دیکھنا اگر مل گئے تو خبر کر دینا۔ اچھا میں چلا۔ ابھی تک ناشتہ نہیں کیا ہے۔

اچیا : اچھا! اچھا۔ جا (ڈ کا لو جیسے دو قدم آگے بڑھا پاؤں ڈیا۔) سن بھائی بھانجے! صابن کے پیسے نہیں دیئے تو نے۔

ڈ کا لو : میرے حساب میں لکھ لو ماما

اچیا : صبح صبح حساب کی کیا بات کہتا ہے۔ ابھی تو بوہنی بھی نہیں ہوئی بھائی۔

ڈ کا لو : (چلا جاتا ہے باہر سے ہی) او ہو! اب میرے پاس نہیں ہے۔

اچیا : (سٹپٹاتے ہوئے) ہائے! ہائے! ہائے! نالائق کہیں کا، چیخ رہا ہوں کہ بوہنی نہیں ہوئی پھر بھی لے گیا۔ اس کا صابن کوا اٹھا لے جائے گا۔

(گھر کے دروازہ سے وشنو آتا ہے اور اس کے ہاتھ میں بڑا سا کافی کا گلاس ہے)

اچیا : (گلاس ہاتھ میں لیتے ہوئے) اوہ ماں! (چیخ مار کر گلاس رکھ دیتا ہے۔) پتا نہیں سکتا کہ گلاس گرم ہے۔ (ہاتھ اٹھا کر مارنے جاتا ہے)۔

وشنو : (ڈر کر مارے آنکھ موند لیتا ہے) ماں نے نہیں بتایا۔

اچیا : ماں کیا بتائے گی؟ تیرے ہاتھ کو گرم نہیں لگا۔ ہاتھ ہے یا بھینس کی چمڑی؟ سن لیک کر ستیا کی دکان پر جا۔ اور اس کی بیوی سے کہنا۔ میں نے کہا ہے کہ جو بھی تیل ان کے پاس ہو وہ ساری بھیج دے۔ اگر ستیا وہاں ہو تو کچھ مت کہنا۔ چپ چاپ چلے آنا۔

وشنو : (خوش ہو کر) لال تیل! حلوا بنانے کے لئے!

اچیا : (چڑتے ہوئے) حلوے کے لئے نہیں تیرے شرادھ کے لئے بھوکا کہیں کا۔ ہمیشہ کھانے ہی کی سوچتا ہے۔

وشنو : تو میں نہیں جاؤں گا۔ (بینچ پر بیٹھ جاتا ہے)

اچیا : کیا؟ (اٹھ کر کھڑا ہوتا ہے)

وشنو : (چلا کر) میں ستیا کی دکان پر نہیں جاؤں گا

اچیا : نہیں گیا تو تیرا سر پیس کر حلوہ بنا دوں گا۔

وشنو : بنا دو۔ سال میں ایک بار ناگ چوتھی کے دن بھی حلوہ نہیں بنانے دیتے۔

اچیا : یہ کیا بھوت تو نہیں سوار ہوا تجھ پر؟

وشنو : نہیں!

اچیا : تو میرا اچھا بیٹا ہے نا! جا لے آ۔ جا۔

وشنو : تو پھر ستیا کی بیوی کے تیل سے حلوہ بنا لیں۔

اچیا : ہاں بنا لینا۔ پہلے تیل تو لے آ۔

وشنو : اگر انہوں نے نہیں دیا تو سامنے کی کوٹھری میں ڈھونڈھ لوں۔

اچیا : ڈھونڈھ لینا۔ ساری کوٹھری ڈھونڈھ لینا۔ ایک بھی تل کا دانہ ملے تو حلوہ بنا کر نگل جانا ٹھیک! اب جا لے بھی آ۔

وشنو : واہ واہ (خوشی سے اٹھ کر چلا جاتا ہے)

اچیا : چوبیس گھنٹے کھانے کی ہی سوجھتی ہے اسے اگر سامان کی کوٹھری میں تل ہوتی تو اتنی پریشانی کس لئے؟ (دیکھتے ہوئے اپنی چوکی پہ بیٹھ کر گلاس اٹھا کر پھونک پھونک کر کافی

پیتا ہے۔ گچھے میں کچھ باندھے ہوئے توتسیاؔ داخل ہوتا ہے)

اچیاؔ، (توتسیا کو دیکھتے ہی چڑ چڑاتے ہوئے) کیا ہے رے! توتسیاؔ۔ کیا ناٹک کر رہا ہے؟ سڑک پر کھڑا کر کے تیری قمیص اُتروا دوں کیا؟ دو آنے سے شروع کر کے ہر روز تین بنڈل بیڑی پھونک دے رہا ہے۔ جیسے کوئی مفت کا مال ہو۔ بیدردی سے پھونک دیا اور چار ہے روپے تک کھاتہ بڑھا دیا۔ ایک پائی بھی چکانے کا نام نہیں لیتا۔ کہدوں تیرے بھیا سے؟

توتسیاؔ، نا! نا! نا دادا تمہارے پاؤں پڑتا ہوں ایسا مت کرنا۔ آج ناریل کی بازی جیتوں گا اور دے دوں گا۔ نہیں تو اگلے رویوار کے دن مرغوں کی بازی میں جیت کر سارا حساب چکتا کر دوں گا۔

اچیاؔ، واہ! ایسے کیوں نہیں کہتا کہ سڑک پر پیسے مل گئے تو دے دوں گا۔ کیا مذاق سمجھ رکھا ہے؟ بازی، اور تو جیتے گا۔ اور پھر اُس کے بعد میرا قرض چکا دے گا! آنے دے، آنے دے، تیرے بھیاؔ کو۔

توتسیاؔ، یہ بات نہیں ہے دادا۔ ان دنوں جو بھی بازی لگائی سب میں ہار گیا۔ ہر ہفتہ دس روپے لگاتار ہارتا آ رہا ہوں۔ بڑے گھاٹے میں چل رہی ہے اپنی گاڑی۔ تم فکر مت کرو۔ میں دے دوں گا۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔ بس! اور آج ناریل کی بازی ہے۔ تمہارے گھر پر ہی کر رہے ہیں ہم لوگ۔

اچیاؔ: ہمارے گھر! ہمارے گھر کیوں؟

توتسیاؔ: کیوں؟ کیا؟ تمہارا گھر دیکھو تو کتنا اونچا، لمبا اور کمپونڈ کی دیوار سے گھرا کتنا کھلا ہے؟ ہم سب بازی گر گھر کے باہر سے اُس طرف کے آنگن میں ناریل پھینکیں گے جس کا ناریل سب سے دور جا گرے گا اُسی کے پچیس روپے۔

اچیاؔ، (گھبرا کر) کیا باہر سے اندر آنگن میں ناریل پھینکو گے؟ (اندر کی طرف آواز دیتے ہوئے) سُن رہی ہو وشنو کی ماں۔ جلدی سے گھر کے اندر چلی آنا۔

یہ کیا کرتوت ہے تم لوگوں کی؟ ذرا بتا دیا تو ہوتا! اُدھر آنگن میں تیری چاچی تلسی کے پودے کے سامنے پوجا کے لئے بیٹھی ہے۔ وہ بیٹھی تو اُٹھ نہیں سکتی۔ اُٹھی تو بیٹھ نہیں سکتی۔ تو کہتا ہے کہ ناریل پھینکیں گے!

توتسیاؔ، (ہنس کر) نہیں! نہیں۔ ابھی پھینکے نہیں۔ پھینکنے سے پہلے بتا دیں گے۔

اچیاؔ، کوئی ضرورت نہیں ہے۔ نہ بتانا نہ پھینکنا۔ ہمارا گھر کہاں اتنا اونچا ہے۔ اس سے اونچا توستیاؔ کا کھپریل والا گھر ہے۔ وہاں جاؤ۔

توتسیاؔ: اچھا وہیں چلے جاتے ہیں، لیکن دادا تم سے ایک چھوٹا سا کام آ پڑا ہے۔

اچیاؔ، وہ کیا؟

توتسیاؔ، بازی لگانے کے لئے میرے پاس ناریل نہیں ہے۔ بھیا سے مانگوں تو زندہ گاڑ کے رکھ دیں گے۔

اچیاؔ، تو!

توتسیاؔ، بات یہ ہے (ہچکچاتے ہوئے)

اچیاؔ، (آگ بگولہ ہو کر) میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ لکشمی مایا کی قسم۔ تجھے شرم نہیں آتی۔ ایک تو اُدھار رکھا ہے اور اوپر سے نقد پیسے مانگتا ہے؟ جا! جا۔

توتسیاؔ، نہیں دادا یہ بات نہیں ہے۔ یوں ہی دینے

کو نہیں کہہ رہا ہوں تمہیں۔

اچھیّا: کیا کاغذ لکھ کر دے گا؟ پانچ دس روپے کے لئے کاغذ لکھوا کر کورٹ کے چکر لگاؤں یا نہیں تو' پی' اسے سرٹیفیکٹ کے جیسا تعویذ بناؤں تیرے کاغذ کا! جا' جا بے۔

توتسیّا: ارے پوری بات سُنے بغیر کیوں بگڑتے ہو' میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ایک چھوٹا سا راز ہے بھیّا سے نہ کہنا۔

اچھیّا: مجھ سے راز؟ چھ روپے والا راز کا ئی نہیں ہے کیا؟ اچھا جلدی بتا وہ کیا راز ہے؟۔ صبح جب سے اُٹھا ہوں' سب ایسے ہی سودے آنے لگے ہیں۔ بتا جلدی!

توتسیّا: بات یہ ہے' بھیا سے کہنا مت!

اچھیّا: (چلّا کر) بول بھی کیا ہے؟

توتسیّا: یہ لو تم تو ناراض ہو رہے ہو۔ بتا ہی تو رہا ہوں۔ مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے۔ کہیں سے اُدھار نہیں ملا۔ اب تم سے مانگوں تو تم یوں ہی نہیں دوگے۔ ٹھیک؟ اس لئے ہمارے گھر کے کوٹھے پر کے ہانڈے میں چھپا کر رکھی ہوئی تھوڑی سی تل گھر والوں کی نظر بچا کر لایا ہوں۔

اچھیّا: کیا تل! (دلچسپی سے آگے بڑھتا ہے)

توتسیا: ہاں تل! لال تل۔

اچھیّا: کیا سچ مچ لال تل! (بے حد خوش ہوتا ہے لیکن بیچنے والے کے سامنے اُسے ظاہر کر سکتے ہوئے) کہاں ہے دکھاؤ تو!

توتسیّا: لیکن بھیّا سے تو نہیں کہو گے نا!

اچھیّا: پہلے دکھا تو سہی۔

توتسیا: یہی نہیں میرے پُرانے لفافے میں جوڑ نہیں لیتا!

اچھیا: اوہو! دکھانے کا بھی یا یوں ہی....

توتسیا: یہ دیکھو (گٹھڑی کھول کر دکھاتا ہے)

اچھیّا: (دل میں لڈو پھوٹ رہے ہیں) تل ہی ہے نا لال تل!

توتسیّا: ہاں! پرانے ہانڈے میں رکھ کر ہمارے گھر والے بھول ہی گئے تھے۔ میں نے سوچا۔ شاید تمہارے کام آجائیں گے۔ اس لئے لایا ہوں۔

اچھیّا: اچھا کیا! (تل میں ہاتھ ڈال کر دیکھتا ہے) ارے' ارے' اس میں تو نیم کی پتّی بھی ہے۔ لگتا ہے تمہارے بھیا نے پچھلے سال بیج کے لئے تیار کیا ہوگا۔ یہ تو لال تل کے بیج ہیں۔

توتسیّا: (گھبرا کر) کیا یہ بیج ہیں؟

اچھیّا: ہاں بھائی۔

توتسیّا: باپ رے باپ! تو بھیّا مجھے جان سے مار ڈالیں گے (گٹھڑی باندھنے لگتا ہے)

اچھیّا: (گھبرا کر) یہ کیا! چھی' چھی' یہ بیج نہیں ہے تجھے کس نے کہا؟ یہ بیج نہیں ہے۔

توتسیّا: تم ہی نے تو کہا؟

اچھیّا: میں نے! نہیں نہیں میں نے نہیں کہا۔

توتسیّا: نیم کی پتی ہے! بیج کے لئے تیار کیا ہوگا!

اچھیّا: (بات کاٹتے ہوئے) وہ! میرا مطلب یہ تھا کہ اس میں نیم کی پتی' گھاس کے تنکے اور الّم غلّم پڑا ہے۔ یہ کون لے گا۔ ان کا میں کیا کروں؟ میں یہ کہہ رہا تھا۔

توتسیّا: یہ بات ہے تو کیا یہ بیکار ہے؟

اچھیّا: بالکل بیکار ہے۔ پُرانے ہو گئے ہیں سارے تل سڑ گئے ہیں۔

توتسیّا: (مایوس ہو کر) اچھا (پھر سے گٹھڑی باندھنے

لگتا ہے)

اچیّا: (گھبرا کر) تو کیا لے جا رہا ہے؟ بے چارہ آگیا جب لایا ہی ہے تو تیا میرا نقصان ہی سہی کیا لے گا؟

توتسیّا: اب کچھ بات بنی۔ دادا تم ہی دیکھ کر بتاؤ۔

اچیّا: لا اِدھر (تیل لے کر کپّم میں ڈال کر ناپتا ہے) دو کپّے ہیں۔

توتسیّا: دو؟ گھر سے تو سات اَدھے لایا تھا۔

اچیّا: چالاک، کیا میرا ناپ غلط ہے؟

توتسیّا: نا نا! میرا ہی اَدھا غلط ہو گا۔ لاؤ پیسے دلواؤ

اچیّا: کیا کروں یہ تیل میرے کچھ بھی کام نہیں آئیں گے۔ سوچتا ہوں کہ گائے کے چارہ میں ڈال دوں تو گائے منہ بھی نہیں مارے گی۔ بے چارا لنڈا بھوکا میں ہے۔ یہ سوچ کر لے رہا ہوں۔ کیا کہتا ہے؟ ایک اَدھا چار آنے کے بھاؤ سے تجھے اگر بات جچتی ہے تو رکھ لیتا ہوں۔

توتسیّا: ایک اَدھے کا چار آنے؟ مطلب یہ کہ یہ ساری تیل کے کل دو روپے؟ یہ تو انیائے ہے دادا۔

اچیّا: (گھُڑکی کر توتسیّا کی طرف دیکھتے ہوئے ..) انیائے ہے نا! جا چلے جا۔ ترس کھا کر دے رہا ہوں تو کہتا ہے انیائے ہے۔ دیکھ لینا کون گدھا اس سے زیادہ دیتا ہے وہ بھی تیرے بھیّا کو بتائے بغیر۔

توتسیّا: سوچا تھا۔ پانچ روپے تو مل گئے ہی۔

اچیّا: پانچ روپے! واہ بیٹا! غنیمت ہے کہ یہ منہ پھیلا کر پانچ سو لیں گے۔

توتسیّا: بازی کا حصّہ، پانچ روپے ہے دادا۔ اتنے تو، پورا ملنا چاہیئے نا۔

اچیّا: پورے دیں تو میں کیا کروں؟ کہیں سے اُدھار لے لے۔ لیکن یہ تیل کے اس سے زیادہ نہیں ملیں گے۔

توتسیّا: اُدھار کہیں سے نہیں ملتا۔ تب ہی تو یہ پریشانی ہے۔

اچیّا: تو پھر ایسا کر اور تین کپّے تیل لے آ۔ پانچ روپے دوں گا۔ جا، جلدی جا۔

توتسیّا: ہیں نہیں۔ ہوتے تو تمہارے کہنے کیا ضرورت ہے؟

اچیّا: تو پھر دو ہی روپے لے جا۔ (دکھو کے میں تیل لینے لگتا ہے)

توتسیّا: رُکو! رُکو، ڈالو مت، دو روپے نہیں پورے پڑیں گے دادا۔ (سوچ کر) وہ تیل اِدھر دے دو۔

اچیّا: (چونک کر) کیا؟

توتسیّا: وہ تیل اِدھر دے دو دادا۔ کیا معلوم گھر والے کس کام کے لئے انھیں رکھے ہوں گے۔ اُنکے کام تو آ جائیں گے۔

اچیّا: کمال کے آدمی ہو یار جیسے تیسے لے آئے ہو۔ اب واپس لے گئے تو تمہارے بھیّا یا بھابی کہیں دیکھ لیں تو تمہیں جینے دیں گے؟ چمڑی ادھیڑ کر نہ رکھ دیں گے۔

توتسیّا: (ڈر کر) ہاں دادا یہ ٹھیک ہے۔

اچیّا: اسی لئے تیل یہاں رکھو میری بات سُن۔ اور دو روپے لے جا۔ گھر جا کر اگر تیل نہ ہو تو اور کوئی دوسری چیز لے آ۔ قیمت لگا کر دے دوں گا۔ پھر تمہیں بازی لگانے جانا ہے؟

توتسیّا: میاں رے میاں! کوئی اور چیز لاؤں؟ پہلے سے ہی میری چھاتی دھک دھک کر رہی ہے وہ اِدھر

دو دادا (اچپیاؔ کے ہاتھ سے گھڑی لے کر) ستیاؔ کے پاس جاتا ہوں. دیکھتا ہوں وہ کیا کہتا ہے۔

اچپیاؔ: (غصّے سے) کیا یہ ساری تیل ستیاؔ کی دکان پر لے جائے گا؟ وہ کیا تجھے سو روپیہ دے دے گا؟ جا' لے جا۔ لے جا۔

توتسیاؔ: کوئی بات نہیں وہ جتنا بھی دے دے۔

اچپیاؔ: لیکن مجھے نہیں دے گا۔ (دان کشی کرکے جلتے ہوئے توتسیاؔ کے ہاتھ میں سے گھڑی چھین کر) اب جا جدھر جانا ہے۔ میری بیسڑی بنڈل کے چھ روپے اُدھار چکتا کرنے کے بعد ہی یہ تیل کی گھڑی تیرے نظر آئے گی۔

توتسیاؔ: (حیران ہو کر) اچپیاؔ دادا!

اچپیا: اب کیا ہوا دادا میرے؟ (چڑھاتے ہوئے)۔ ستیاؔ کو بیچنا چاہتا ہے ستیاؔ کو۔ اُدھار چاہیئے تو میرے پاس بھاگ آتا ہے اور بیچنے کے لئے ستیاؔ کے پاس جائے گا۔

توتسیاؔ: (منت کرتے ہوئے) یہ انیائے ہے دادا پہلے ہی کہا تھا کہ اب کی بار اُدھار کی بات رہنے دو۔

اچپیاؔ: کیوں رہنے دوں؟ کس لئے رہنے دوں؟ شرنبے اب تو ادھاری بھی چکتا کر دیا. تب بھی یہ تیل تجھے واپس نہیں دوں گا. اب تو یہ دو روپے میں جمع ہو گئے اور چار روپے لے آجا۔

توتسیاؔ: (جھٹکا کھا کر) کیا؟

اچپیا: کیا؟ کیا؟ چل بھاگ یہاں سے۔

توتسیاؔ: (داداگری کے انداز میں) وہ گھڑی یہاں رکھو!

اچپیاؔ: میں نہیں رکھتا!

توتسیاؔ: نہیں رکھتا تو رکھوا دوں گا. کیا مذاق سمجھا ہے۔ رکھو یہاں!

اچپیاؔ: نہیں. نہیں رکھوں گا. تیری ادھاری میں جمع ہو گئے سنا نہیں؟

توتسیاؔ: کونسی اُدھاری! میں نے کب تم سے اُدھار لیا تھا؟

اچپیاؔ: (اب کی بار خود جھٹکا کھا کر) بدمعاش!

توتسیاؔ: کہتے کیا ہو؟ دکان جڑ سے پھینکوا دوں گا اگر اُدھار کا نام لیا تو. تمہارے اور میرے بیچ ذکوئی ادھار کا سلسلہ ہے! وہ تیل دے دو!

اچپیا: اُدھاری نہیں ہے؟ نہیں ہے نا! اچھا ہی کہنا ذرا مکھیا جی کے گھر چل کر۔

توتسیاؔ: مکھیا جی کے گھر ہی کیا. ہائیکورٹ اور سنٹرل جیل بھی چلتا ہوں. میرے ساتھ مذاق مت کرنا۔ ہے کوئی ثبوت یا گواہ تمہارے پاس؟ (خرافت کے انداز میں) اگر تمہیں خرافت سے پیسے لینے ہوں تو تیل واپس کر دو. اور میرے چکتا کرنے تک چپ چاپ بیٹھے رہو. نہیں تو (دھمکی دیتے ہوئے) کوئی گڑبڑ یا تنگ کیا تو صبح ہونے تک تمہاری دکان صفاچٹ نظر آئے گی۔

اچپیاؔ: (پانی پانی ہو کر) باپ رے باپ۔ دکھا دیا نا اپنا اصلی رنگ۔

توتسیا: ابھی کیا دیکھا ہے تو نے؟ رکھو وہ تیل یہاں!

اچپیاؔ: رکھتا ہوں' رکھتا ہوں (دوستانہ انداز میں) بیٹے یہ تو نے سوچا ہے کہ میرے لئے یہ کتنی اپمان کی بات' ہوگی۔ تو یہ تو جانتا ہے کہ ستیاؔ میرا مخالف ہے اگر وہ یہ جان گیا کہ یہ تیل تو میری دکان سے واپس لے آیا ہے تو ضد میں آکر فوراً چار آٹھ آنے زیادہ دیگا دے گا. لیکن دیکھنے والے کیا سوچیں گے۔

توتسیاؔ: وہ کچھ بھی سوچیں زیادہ ہی دے گا نا. چھوڑو ادھر لاؤ (گھڑی چھین کر چلا جاتا ہے)

اچپیّا: (گھبرا کر) توتسیّا! او توتسیا۔ اگر وہ آٹھ آنے میں ہی دے دوں تو؟

توتسیّا: (باہر سے) تو بھی مجھے نہیں چاہیئے۔

اچپیّا: (پریشان ہوکر) باپ رے باپ! لگتا ہے وہ بیج ستیّا کی دکان پر بیچ دے گا۔ ساڑھے آدھے' میرے جی میں ایک سولے کا تین روپے ساڑھے آدھے یعنی چالیس سولے... میّاری میا! ارے او توتسیّا' توتسیا! (اُٹھ کر دروازے تک جا کر زور سے چلّاتا ہے) توتسیّا!

توتسیّا: (واپس آکر) کیا ہے؟ واپس کیوں بُلایا؟

اچپیّا: دیکھنا! تو تو ناراض ہو کر جا رہا ہے نا!

توتسیا: ہاں!

اچپیا: اس لئے واپس بُلایا۔ صبح اُٹھ کر ایک دوسرے کا منھ دیکھنا پڑتا ہے۔ دھندے میں غصہ فائدہ مند نہیں ہوتا۔

توتسیّا: ٹھیک ہی تو ہے۔

اچپیّا: وہ تل مجھے دے دے۔ مجھے اسکی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ پھر بھی تیری ناراضگی دُور کرنے کے لئے مجھے یہ خریدنا ہی پڑے گا۔ دیکھ... نا... تو تو ناراض ہو کر ستیّا کو دینے والا ہے۔ وہی آٹھ آنے میں دے رہا ہوں۔ تب بھی تو تِل مجھے نہیں بیچنا چاہتا ہے۔ ایسی بھی کیا ناراضگی؟ ایسا کر تِل مجھے دیدے اور پانچ روپے لے جا۔

توتسیّا: کیا؟

اچپیّا: ہاں! لیکن تیرے بیڑی کھاتے میں ڈھائی روپے لکھ دیتا ہوں۔ اور تم ساڑھے آٹھ روپے فرصت سے چُکا دینا۔ کیوں ٹھیک ہے نا! اُدھار کے لئے اب تو اور کسی کے ہاتھ پاؤں پڑتے کہاں جائیگا؟ میں ہی دے کر کھاتے میں لکھ دیتا ہوں۔

توتسیّا: اوہو! اتنی دیا کیوں کر رہے ہو دادا؟

اچپیّا: کیوں؟ نہیں چاہیئے پیسے (اکڑ کر) لے جا! لے جا۔ ترس کھا کر دینے لگا ہوں تو اکڑنے لگا ہے۔

توتسیا: یہ بات نہیں ہے دادا۔ ٹھیک ہے — یوں ہی سہی — لاؤ۔

اچپیّا: تو پھر تیرے اوپر میرے ساڑھے آٹھ روپے باقی۔

توتسیّا: ٹھیک ہے (اچپیّا کو تل کی گٹھڑی دیتے ہوئے)

اچپیّا: (گٹھڑی لے کر جیسے ہی کھولنے لگتا ہے تو باہر سے وشنو آتا ہے۔ اُسے دیکھتے ہی گھبرا کر) جا تو اندر جا!

وشنو: ستیّا کی بیوی ہے نا....

اچپیّا: چُپ رہ تو اندر جا چلے۔

وشنو: (جھٹ سے) کہہ یا کر نہیں ہے۔

اچپیّا: اچھا اچھا! تو جا بھی اندر۔ (وشنو اندر جانے لگتا ہے تو توتسیّا اُسے روکتا ہے)

توتسیّا: بُڑا رام مندر کے بچّہ لوگ ہیں۔

وشنو: کون لوگ؟

توتسیّا: وہی تاریل کی بازی لگانے والے۔

وشنو: وہ 'ہاں'! ہیں۔ اپنے مکھیا جی ہیں نا۔ وہ ان لوگوں پر آگ بگولہ ہو رہے ہیں۔ گاؤں میں اگر کوئی بھی جوا کھیلے یا کوئی بازی لگائے گا تو جیل بھجوا دوں گا کہہ کر اُن سب کو بھگا رہے ہیں۔

توتسیّا: (مایوس ہو کر) کیا؟ اُسے کونسی موت آگئی — سچ کہہ رہا ہے تو؟

وشنو: ہاں! ماں قسم (اندر چلا جاتا ہے۔

توتسیّا: دادا! ایک پل رُکنا (باہر کی طرف بھاگتا ہے)

اچپیّا: (وشنو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اسے کونسی موت آگئی۔ منحوس کیا کھانا خراب کر رہا ہے—

وشنو مورتی: ارے او وشنو مورتی!

توتسیا: (باہر سے واپس آکر) ہاں دادا! کنہیا تاتا کہہ رہے ہیں کہ آج ناریل کی بازی نہیں ہوگی میرے تیل مجھے دے دو۔

اچپیا: یہ کیا؟ سودا طے ہو جانے کے بعد یہ کیسی باتیں کرتا ہے تو۔

توتسیا: اور کیا کرتا؟ جب بازی ہی نہیں ہے!

اچپیا: ابے یہ کیا! آج گرووار کا دن ہے۔ اور صبح اُٹھنے کے بعد تیرا ہی پہلا سودا ہوا ہے اور اب تو اس طرح کی تکرار کرے گا تو سوچ دل کو کتنی تکلیف ہوگی۔ پانچ روپے لے جا اور مرغی کی بازی کے لئے رکھ لے۔

توتسیا: اگلے رویوار تک میرے پاس یہ پیسے تھوڑے ہی ٹکیں گے۔ تاش کی بازی میں ہار نہ جاؤں گا؟

اچپیا: ہاں ہاں! ٹھیک ہے۔ تاش کھیل، ہارنے کی کیا بات کرتے ہو۔ جیت بھی تو ہوسکتی ہے

توتسیا: (کچھ دیر گھور کر دیکھتا ہے) ادھر اُدھر کی باتیں کرتے جاتے ہو لیکن میرے تیل مجھے دینے کو کہتا ہوں تو دیتا کیوں نہیں؟

اچپیا: (تل کے دھیان میں کھویا ہوا) لا ماں، تل کی تو مجھے بہت ضرورت ہے۔

توتسیا: (چال کو پہچان لیا) تو یہ بات ہے۔ تو کہتے کیوں نہیں!

اچپیا: (غلطی محسوس کر کے سنبھلتے ہوئے) کہنا کیا ہے؟ کہہ تو رہا ہوں کہ آج گرووار ہے بوہنی کی ضرورت ہے۔

توتسیا: یہی تو (آرام سے بینچ پہ بیٹھ کر۔ سر سے گمچھا اُتار کر جھٹکتا ہے۔ اور کاندھے پر ڈال لیتا ہے۔ بیڑی جلا کر کش لگاتا ہے اور دھواں چھوڑتے ہوئے) دادا رکھ لو۔ یہ تل تم رکھ لو۔

اچپیا: (بے حد خوش ہو کر) کیا؟

توتسیا: رکھ لو۔ لیکن سُنو (ہر لفظ پر وزن دیتے ہوئے) مجھے پانچ روپے دے دو اور میرا پہلا نقصان پورا کر کے یہ تیل رکھ لو۔ (اچانک اُٹھ کھڑا ہوتا ہے) نہیں تو میرے تیل مجھے دے دو۔

اچپیا: (حیران ہو کر) کیا! کیا؟ یہ تو دو کچھ بھی نہیں ہیں۔ اور تو گیارہ روپے مانگ رہا ہے! تیری عقل تو نہیں ماری گئی!

توتسیا: ذرا وہ تل کی گٹھری تو ادھر دینا۔

اچپیا: یہ لو پھر وہی راگ الاپنے لگا۔

توتسیا: اور کیا میرے تل مجھے واپس دے دو۔

اچپیا: گیارہ روپے! بھاری نقصان ہے یار۔ اور پھر یہ تل کا میں کیا کروں؟

توتسیا: ہاں تم کیا کرلو گے؟ اسی لئے میں کہہ رہا ہوں کہ میرے تل مجھے واپس دے دو۔

اچپیا: میں نہیں دوں گا!

توتسیا: (دھمکی دیتے ہوئے) دیتے ہو یا

اچپیا: ارے آج تجھے ہو کیا گیا ہے؟ کہیں بھوت تو سوار نہیں ہوگیا۔ گرووار کے دن میرے گھر آکر یہ کیا بازار لگا رکھا ہے تو؟

توتسیا: بازار ہی جا کر بیچ لوں گا۔ وہ تل دے دو۔

اچپیا: اچھا ایسا کر، پُرانے بقائے میں سے آدھا کم کر لے۔

توتسیا: نہیں۔

اچپیا: یہ کیا؟ تیری ہی بات مان لیں اور کوئی سودا ہو نہیں سکتا؟

توتسیا: کوئی سودا ہو نہیں سکتا۔ مجھے میرے تل دو۔

اچپیا: چھی، چھی، چھی! یہ کیسی ہٹ ہے تیری۔ گنتی دیر کا اپمان نہ ہو اس لئے سہہ رہا ہوں اور تو ہے

کر اور — بھیا تو کہتا جا رہا ہے۔ اچھا جا۔ یوں ہی سہی!

توتسیا: سہی وہی کچھ نہیں۔ میرے تیل مجھے دے دو۔

اچیا: اچھا بھئی! جیسا تو چاہتا ہے، تیرا سارا بقایا رد کر دیتا ہوں۔

توتسیا: نہیں رد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چکتا دوں گا۔ تیل دے دو۔

اچیا: (غصہ سے (سنبھلتے ہوئے) تیری زبان ہے یا کچھ اور۔ ایک بات پر ٹک نہیں سکتا۔

توتسیا: (وثوق سے) یہ تیل تمہیں نہیں بیچوں گا۔ تم ہو ایک بنئے۔ بے وقوف تو نہیں۔ اس میں کچھ تکرار ہے۔ میرے تیل مجھے دے دو۔

اچیا: (ادب کر) لے جا (گٹھری دے دیا۔ توتسیا چپ چاپ گٹھری لے کر چلا جاتا ہے)۔

اچیا: (جیسے ہی توتسیا دہلیز تک پہنچا تو) سُن تو تو کیا سچ مچ لے جائے گا؟ صبح صبح گھر آئی لکشمی کو یوں جانے نہیں دوں گا بھائی۔ (جھٹ سے لپک کر گٹھری سے لٹک جانے کی حرکت کرتا ہے)

توتسیا: (ہنس کر) تم تو اچھے خاصے مصیبت ہو گئے ہو میرے لئے (ایک پل سوچ کر) اچھا تو سارا بقایا رد کر کے مجھے دس روپے دے دو۔

اچیا: دس روپے!

توتسیا: نہیں پندرہ روپے!

اچیا: کیا؟

توتسیا: بیس کہہ دوں!

اچیا: (تیل کی گٹھری کو نمسکار کرتے ہوئے) ماں، میری لکشمی مایا، سُنا تم نے؟

توتسیا: اسی لئے بیس روپے اور پچھلے بقائے کو رد — ہے منظور!

اچیا: (ہمت باندھ کر) یوں ہی سہی (گٹھری پر لپکتا ہے)۔

توتسیا: ٹھہرو تو ذرا!

اچیا: اب کیا ہو گیا؟

توتسیا: مجھے ایک خوشبودار صابن چاہیئے۔

اچیا: (ہار کر نڈھال ہو کر) تیری مرضی۔ جیسا تو چاہتا ہے، خوشبودار صابن، تمباکو کے بنڈل، مگر — (چاروں طرف اپنی دکان میں تنکراتی چیزوں کو دیکھ کر) آٹا، بیڑی کے بنڈل، درجن دیاسلائی کے ڈبے، جو چاہے لے جا۔ بیس روپے کی قیمت میں۔

توتسیا: واہ واہ! یہ نہیں چلے گا۔ میرے بیس کے بیس نقد دینے کے بعد، تمہاری لکھی ہوئی ساری چیزیں دو۔ تو تب تیل دوں گا۔

اچیا: نہ دوں تو نہیں دے گا۔ تو کہہ دوں تیرے بھیا سے؟

توتسیا: کہہ دو۔ کہہ دیا تو پہلے تمہاری خبر لے گا۔

اچیا: اچھا جانے دے۔ اب تجھے کیا چاہیئے بتا۔ بیس روپے اور خوشبودار صابن یعنی نا!

توتسیا: واہ! چالاک مت بنو۔ مجھے تمہاری لکھی ہوئی ساری چیزیں چاہیئے۔ صابن خوشبودار، دو تمباکو کے بنڈل، دیاسلائی دو درجن، بیڑی کے بنڈل پانچ۔ آٹا نہیں چاہیئے جانے دو۔

اچیا: واہ بیٹا! بتا دیا نہ کہ تو کسان کا بیٹا ہے (تیل کوکے میں ڈالتا ہے اور گھیا اسے دیتا ہے۔ توتسیا کو دینے کے لئے سامان اکٹھا کر رہا ہے)

توتسیا: (آنکھوں سے دکان کی چھان بین کرتے ہوئے) ذرا! وہ سگریٹ کی ڈبی ادھر دینا۔

اچیا: اور ایک وہ بھی چاہیئے۔

توتسیا: ایک بس دو نہیں چاہیئے۔ دیکھو وہ کپڑوں کے ڈھیر پر پڑا صرف ایک گچھا اور بس۔ اب اور کچھ نہیں مانگوں گا۔

اچیتا: گچھا! وہ چھ روپے کا ہے رے۔

توتسیا: تو میرے تل مجھے دو۔

اچیتا: تیرا ستیاناس ہو۔ (گچھا لے کر توتسیا کے منہ پر دے مارتا ہے۔ باقی کا سامان بھی دیتا ہے۔ توتسیا سب سامان لے کر بیٹھے گنتا ہے اور ایک عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ دکان میں کی چیزوں کو کنکھیوں سے دیکھ رہا ہے) سب ٹھیک ہے نا!

توتسیا: ٹھیک کیا ہے ٹھہرو تو ذرا۔

اچیتا: اور کیا دیکھ رہا ہے؟ ساری دکان تو لوٹ لیا جا! جا۔ (کندھے پر ہاتھ رکھ کر ڈھکیلتا ہے۔)

توتسیا: (ہنستے ہوئے) بھیا سے تو نہیں کہو گے نا! (چلا جاتا ہے۔)

اچیتا: اچھا! اچھا! نہیں کہوں گا (توتسیا کے چلے جانے کا یقین ہو جانے پر خوشی سے پھولے نہ سما کر لکشمی دیوی کی تصویر کے پاس جا کر لیٹ کر سلام کرتا ہے) ماں، ماتا، کتنی دیا بھی ہو، جننی، صبح ہوتے ہی میرا گھر ڈھونڈ کر بھاگی چلی آئی ہو۔ ہر دن ایسے ہی دیا دکھا دیجئو ماتا۔ دس آدھے سولہ، ساڑھے تین روپے، چھی، چھی، چار روپے سے کم دام پر تو دوں گا ہی نہیں۔ اس حساب سے ایک آدھا سولہ روپے، دس آدھوں کا ایک سو سات، ایک سو سات (فرطِ مسرت سے) باپ رے باپ، ماں لکشمی میا، منافعے پہ منافعے دلا کر لکھ پتی بنا دے میری ماں۔ (گالوں پہ ہاتھوں سے تھپتھپا کے تیل کا کنستر لے جاکر اپنی چوکی کے نیچے رکھتا ہے اور اُسے ایک تختی سے ڈھک دیتا ہے)

وشنو: (اندر سے آتے ہوئے) باپو!

اچیتا: ہاں! کیا؟

وشنو: ماں ہے نا۔ پانچ روپے دینے کو کہا ہے۔

اچیتا: کیا؟ پانچ روپے! کیا گھر میں کسی کی شادی ہو رہی ہے؟

وشنو: نہیں باپو! آج پوجا...

اچیتا: پھر سے پوجا کا نام لیا تو، تیری اور تیری ماں کی ایسی خبر لوں گا کر، سُن رے جنم بھر کی ساری پوجائیں میں نے پچھلے جنم میں ہی کر ڈالی ہیں۔ یہ بات تیری اماں سے کہنا۔

وشنو: (سمجھ تو نہیں پایا۔ لیکن باپ ترش دکھائی دے رہا ہے اتنا تو سمجھ پایا۔ اس لئے کچھ سوچ کر) کیوں باپو کوئی لاٹری لگی ہے کیا؟

اچیتا: چھی، اچھی، لاٹری! لاٹری سے کیا بننا ہے۔ بنیا آدمی کو اگر عقل ہو تو اُس کی زندگی ہی لاٹری ہے رے۔ اُس کا دھندا ہی لاٹری ہے۔

وشنو: یہ پکا ہے!

اچیتا: اور کیا؟ اس لئے اب تو جا۔ اور تیری اماں سے کہنا کہ میں نے پیسے دینے سے صاف انکار کیا ہے۔

وشنو: ماں کہتی ہے کہ۔ دیئے کے لئے تیل بھی لانا ہے۔

اچیتا: ارے تو جاتا ہے یا نہیں! (لڑکے پہ لپکتا ہے وشنو بھاگ جاتا ہے۔ ڈگالو باہر سے کھانس کر تھوک کر اندر آتا ہے)

ڈگالو: کیا بات ہے ماما! میں جب بھی آتا ہوں تم ڈانٹتے ہی رہتے ہو!

اچیتا: سمجھ نہیں بھائی! لیکن بھانجے میرے صاحب نے کہا تھا کتنا چلایا کرو ہی نہیں چھوڑی پھر بھی میری بات کہاں

پر بھی نہیں لی تو نے۔

نوکالو: دے دوں گا۔

اچیتا: جب تک کم سے کم چوتی کو یونہی نہیں کروالیتے۔

نوکالو: (کھسیا کر) ادھو! ماما، اب میرے پاس نہیں ہے۔ میں تو بیڑی جلانے کے لئے آیا تھا۔ ذرا وہ دیاسلائی تو ادھر دینا۔

اچیتا: (دیاسلائی دیتے ہوئے) اچھا! اچھا بعد میں دے دینا۔ لیکن بھانجے میں ابھی تجھے خبر کرنے والا تھا اچھا کیا کہ تو خود چلا آیا۔ یہ تو بتا۔ تیرے دادا کو کتنے تیل کی ضرورت ہے؟

نوکالو: تمہارے پاس ہے کیا؟ دو یا تین ادّھے کافی ہوں گے۔

اچیتا: اس سے زیادہ ضرورت نہیں ہو سکتی!

نوکالو: ضرورت تو نہیں ہے لیکن تمہارے پاس کہاں سے آئے؟ ابھی ابھی تو کہا ہے کہ تمہارے پاس نہیں ہیں۔

اچیتا: بڑی مصیبت سے پیدا کی ہے بھانجے۔ لیکن سن سولہ چار روپے سے کم ہو تو نہیں۔ پروڈسے کو یہاں کے علاوہ صرف دو ہی ادّھے چاہئے تو نہیں چلے گا کم سے کم دس ادّھے کی بھری تو ہونی چاہیئے۔

نوکالو: ٹھیک ہے! یہ کونسی بڑی بات ہے؟ میونگی میں کیا اور کسان نہیں ہیں۔ بیج کی کمی سے تو سب صبر پریشان ہیں بیچارے۔

اچیتا: (منت کرتے ہوئے) تو میرا ایک چھوٹا سا کام کرے گا۔

نوکالو: کیا کام؟

اچیتا: ایسا کوئی خاص کام نہیں ہے بھائی۔ آج نیوہار کا دن ہے۔ اگر دکان بند کر دوں تو دھندا مارا جائے گا۔ دشنو موری کو میں بھی بھیجنا چاہوں تو وہ اس لائق نہیں سمجھے گا اس کام میں میرا ہاتھ بٹانا ہوگا!

نوکالو: کیا تیل لے جاؤں؟

اچیتا: وہاں پہنچ کر آنا۔

نوکالو: یہ تم نے خوب کہا ماما! میں نے تو یہ بتایا کہ فلاں کے یہاں سودا ہو سکتا ہے۔ کیا پاپ کیا ہے۔ پہنچ کر آنے کے لئے کہتے ہو۔ مجھے کیا دو۔ کام دھندا نہیں کیا۔

اچیتا: تیری محنت نہیں رکھوں گا بھائی۔

نوکالو: تو کیا مزدوری دینا چاہتے ہو؟

اچیتا: اسے مزدوری مت کہو۔ انعام....

نوکالو: کیا دو گے؟

اچیتا: اچھا جا دو روپے لے لینا۔

نوکالو: (ہنس کر) بہت اچھے ماما۔ آج پلٹپا ریڈی کے گھر کی کوٹھی بنانے کا کام ہاتھ میں لے لیا ہے۔ دن بھر کا بھتّہ اور پانچ روپے دے گا۔ یہ چھوڑ کر میرٹھی جانے کو کہتے ہو۔

اچیتا: ٹھیک ہے یہ کام کل بھی تو کر سکتے ہو۔

نوکالو: آج ہی کا مہورت ہے ماما۔ مجھے فرصت نہیں ہے فرصت نہیں ہے۔ (جانے لگتا ہے)

اچیتا: سن بھانجے! دیاسلائی تو واپس کر دے (نوکالو دیاسلائی واپس کرتا ہے) اب کیا کیا جائے، بھانجے پیارے؟ موقع نکل گیا تو تیرے دادا کو دیر نہیں ہو جائے گی؟

نوکالو: ہو جانے دو۔ کیا میں اپنا کام چھوڑ دوں؟ کہا تھا کہ بیٹے کے ہاتھ بھجوا دوں گا۔ خود پہنچانے کی بات تو نہیں کی میں نے (دو قدم بڑھتا ہے)

اچیتا: اچھا تو ایک کام کر

نوکالو: وہ کیا؟

اچیتا: وہ پانچ روپے میں خود دیتا ہوں، ہو آنا۔

نوکالو: لیکن بھتّہ ماما!

اچھیا: اچھا بھئی بھتّہ بھی دیتا ہوں۔

نوکالو: تم سے تو بڑی مصیبت ہے۔ تمہاری بات ٹال بھی تو نہیں سکتا۔

اچھیا: میرے یار۔ اتنا تو ہاتھ بٹادے پیار سے

نوکالو: اور میرا منافع؟

اچھیا: منافع کیسا؟

نوکالو: واہ ماما! دکاندار ہو، تم تو پائی پائی پر منافع کا حساب رکھتے ہو۔ جب میری بات آئی تو پوچھتے ہو منافع کیسا! ملیٹا ریڈی کا کام چھوڑ کر تمہارے کام پر جانے کا مجھے فائدہ کیا ہوا! جو وہ دے رہا ہے۔ وہی تم دے رہے ہو۔ دیکھو ایک سودے پر آٹھ آنے کا تو منافع تم نکال رہے ہو، نا!

اچھیا: ہاں ٹھیک ہی تو ہے۔

نوکالو: وہ منافع میں دو آنے حصہ مجھے دو تو جاتا ہوں۔

اچھیا: باپ رے! دو آنے کا حصہ!

نوکالو: ہاں! دس اٹھنے پر پانچ روپے ہوتے ہیں، دوگے؟

اچھیا: میں نہیں دوں گا۔

نوکالو: نہ دینا۔ تمہاری مرضی۔ مجھے بھی کام ہے۔ ملیٹا ریڈی کہیں برا نہ مان جائے۔ (وہ دہلیز تک جاکر رکتا ہے۔ اور اچھیا کی طرف مڑکر) ماما! اپنے کھیا جی تل کے بیج کے لئے بے حد پریشان ہیں۔ کیا اُن سے کہہ دوں کہ تمہارے پاس ہیں؟

اچھیا: ہماری میّا! ایسا مت کرنا بھائی۔ بھائی ہوتا ہے اللہ... جا جا۔ اپنا سمجھ کر۔ اگر تو کھیا جی کو کہہ دیا تو سارے کے سارے تل اٹھائے جائیں گے۔ پیسے مانگوں تو ناراض۔ اور نہ مانگو تو بھول (رازدارانہ انداز میں) دیکھ اگر تو چاہتا ہے تو جو منافع تو مانگ رہا ہے نا وہ لے لے لیکن کھیا جی کے کان تک یہ بات نہ پہنچانا۔

نوکالو: تو کیا مجھے منافع دینے کو تیار ہو؟

اچھیا: اور کیا کرتا۔

نوکالو: تمہارا کیا بھروسہ، پانچ روپے یہیں دو

اچھیا: تو لے جاسکے گا، نا (پانچ روپے نکال کر دیتا ہے)۔

نوکالو: (لے کر) واہ واہ ماما! تم کتنے اچھے ہو (گھر جاکر) تھیلا بدل کر آتا ہوں (جاتا ہے)

اچھیا: (خوش ہوکر) وشنو مورتی! وشنو مورتی!

وشنو: (آتا ہے) تم نے بلایا باپو!

اچھیا: ہاں: وہ سلیٹ اور پنسل لے اور یہاں بیٹھ (وشنو وہ چیزیں لے کر بیٹھتا ہے اور باپ کی طرف دیکھتے ہوئے انتظار کرتا ہے) لکھو، لکس صابن چھوٹا سائز چھ آنے (سامان یاد کرتے ہوئے صرف اُن کے دام لکھوا رہا ہے اُسے) دو تمباکو کی گڈی دو روپے چھ آنے (وشنو لکھتا ہے) دو درجن دیا سلائی ایک روپیہ دس آنے۔ بیڑی بنڈل پانچ ڈیڑھ روپیہ۔ چار مینسار ڈبیا چھ آنے۔ گڑ چار روپے۔ بیس روپے نقد۔ بڑی کی اُدھاری چھ روپے۔ نوکالو کی مزدوری، منافع، بھتّہ کل گیارہ روپے۔ اتنا ہی نا! ہاں اتنا ہی ہے۔ کل بتا کتنا ہوا؟

وشنو: کیا ہے یہ باپو؟

اچھیا: (آگ بگولہ ہوکر) کچھ بھی ہے۔ تجھے کیا کرنا ہے۔ جوڑ پہلے

وشنو: (جلدی جلدی جوڑ کر) ۲۶۰۲، نو روپے

اچھیا: (خوش ہوکر) بس اتنا ہی؟ ایک سو سات روپے کے لئے مدّل صرف چالیس روپے نکال دیئے تو باقی کے سب..... باپ رے باپ.... وشنو مورتی پرے (چھوٹی سی گڑ کی چٹکی چاٹ کر بیٹے کے ہاتھ میں رکھتا ہے) لے کھا.... جا.... کھیل جا۔

دشنو: (لاڈ سے) اور ذرا دینا بابو!

اچیتا: (بگڑ کر) کیا؟ جو دیا ہے وہ بھی چھین لوں گا۔ تیرا پیٹ ہے یا کنواں؟ بھاگ یہاں سے۔ گدھا کہیں کا (دشنو چپ چاپ چلا جاتا ہے۔ اچیتا بے حد خوش ہے۔ گانے لگتا ہے، گنگناتا ہے۔ تل کا کھو کا ایک بار کھول کر دیکھتا ہے۔ اُسی وقت باہر سے دشنو کی آواز آتی ہے۔ گھبرا کر کھو کا چھپاتا ہے۔ اور اُس پر تختی رکھ دیتا ہے)

دشنو: (اندر آتا ہے) بابو تم سے ملنے مکھیا جی آئے ہیں، باہر کھڑے ہیں۔ اور تمہیں پکار رہے ہیں۔

اچیتا: (گھبرا کر) کیا؟ مکھیا جی! باپ رے باپ! کہیں تو کالو نے تو نہیں بتا دیا اُسے۔ پانچ روپیہ بیاج بھی لے گیا (دشنو) یہاں بیٹھو اور کھو کا سنبھال (جاتے جاتے مڑ کر) لو کو ہاتھ لگایا تو کھال اُدھیڑ دوں گا۔ (باہر چلا جاتا ہے)

دشنو: (اچیتا کو جانے دینے کے بعد) کھال اُدھیڑ دیگا۔ (نقل کرتا ہے) خود تو دیتے نہیں۔ اور مانگے بھی تو مانتے نہیں۔ تمہارے لئے تو یہی ٹھیک ہے ٹھیسہ (تھیلوں پر چڑھ جاتا ہے۔ اور جتنی زیادہ ممکن ہو سکے ریزگاری چرا لیتا ہے۔ ساتھ ہی اپنے پیچھے بھی دیکھتا جاتا ہے۔ ریزگاری اپنی جیب میں ڈال لیتا ہے — سڑک پر سے آواز ہوتی ہے تو جھٹ سے غلّہ کا ڈھکن بند کرتا ہے۔ اور دوڑ کر چوکی پر آ کر بیٹھنے لگتا ہے تو کھوکے پر رکھی ہوئی تختی گر جاتی ہے۔ کھوکے میں رکھے تل نظر آتے ہیں۔ تل دیکھ کر دشنو مورتی کی باچھیں کھل جاتی ہیں۔ ایک بار باہر کی طرف دیکھتا ہے — بیٹھ کر کھوکے میں رکھی تل سوپ میں اُنڈیلتا ہے۔ کھوکے کو اپنی جگہ رکھتا ہے۔ ہاتھ میں سوپ لئے پیچھے کو مڑتا ہے اور اندر چلا جاتا ہے۔)

(اچیتا اور اُس کے ساتھ مکھیا کا داخلہ ہوتا ہے)

اچیتا: مجھ پر وشواس کیجئے بابو جی۔ میرے پاس تلوں کی تو کیا، کوئی بھی تل نہیں ہے۔ آپ کا خادم ہوں۔ میرے پاس ہوتے تو کیا آپ کو نہیں دیتا۔ پیسے کا کیا ہے، یوں ہی دے دیتا۔ (کہتا ہوا جلدی جلدی اپنی چوکی پر پالتھی مار کر جم کر بیٹھ جاتا ہے)

مکھیا: جیسے کوئی کہاوت ہے نا... مجھے یوں ہی نہیں چاہیئے بھائی۔ پیسے دوں گا۔ تم دوسروں کو جس قیمت پر دیتے ہو، وہی قیمت دیتا ہوں۔ ٹھیک ہے؟... وقت نکل گیا تو کھیت بے کار سوکھے پڑے رہ جائیں گے میرے بھائی۔ مجھے دو یا تین کلیجے بیج چاہیئے۔

اچیتا: آپ کیا یہ سوچتے ہیں کہ مجھے پیسے کڑوے لگتے ہیں۔ ہیں ہی نہیں تو کیا کروں؟ میرے پاس ہوں تو بیچنے کے لئے ہی دکان لگا رکھی ہے۔ مجھے کون سی کھیتی باڑی کرنی ہے۔ اوپر سے آپ جیسے معتبر آدمی میرے پاس آئے ہیں تو پاس رکھ کر نہ بیچنے کی میری کیا ہمت ہو سکتی ہے۔

مکھیا: چھوڑو بھی ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ بیوپاری کی باتوں میں کیا رکھا ہے؟ قسمیں کھانا بہانے بنانا تو ان کی عادت ہے۔ جیسے کوئی کہاوت ہے نا اچیتا! بہت ہی نہ ملنے والے موقع پر مانگ رہا ہوں بھائی۔

اچیتا: رام! رام۔ رام۔ آپ کو بابو جی اتنا کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھ جیسے چھپّر کے گھر مکھیا جی کا آنا ہی بہت بڑی بات ہے۔ اس سے آپ کی ضرورت کا پتہ چل گیا ہے۔ لیکن کیا کروں بابو جی! میرے پاس نہیں ہیں!

مکھیا: ایک کام کرو۔ تم تو بیوپاری ہو، نا! کونسی چیز کہاں مل سکتی ہے تمہیں اس کا پتہ تو ہوگا۔ میرے لئے بیج کا پتہ لگا کر لا سکے تو دو پیسے تمہیں دے دوں گا — بیج منگوا دو

اچپیا: لیکن اپنے گاؤں میں تو نہیں ہے۔ اس کا کیا کروں۔۔؟

کنھیا: کوئی بات نہیں۔ پوتور میں مل سکیں گے۔

اچپیا: پوتور میں بھی نہیں۔ (کوئی لاجواب سوجھ سے جاتے کے دماغ میں کوندھی ذرا سُر بدلتے ہوئے) آپ کے پوتور کہنے پر یاد آیا بابوجی۔ میرکھی میں میرے ماما کے لڑکے کی چاچی کے داماد کے بہنوئی کے ساڑھو کے بھائی کوئی بہت دور کا رشتہ ہے اُس کے پاس کچھ لال تل کے بیج تھے۔ ایسا کچھ مجھے یاد آرہا ہے۔ اب تو اُس کے پاس ہیں یا نہیں۔

کنھیا: کسی کو بھجوا کر پتہ لگواؤ۔ کرایہ کے پیسے میں دیتا ہوں۔

اچپیا: لیکن بابوجی! وہاں تو بیج کے دام آسمان چھونے لگے ہیں!

کنھیا: وہاں کیا بھاؤ ہے؟

اچپیا: ایک سو لے کا چا۔۔۔۔ پانچ روپے

کنھیا: کیا؟

اچپیا: پانچ روپے بابوجی۔

کنھیا: کیا کہہ رہے ہو؟ (غصّہ میں)

اچپیا: لیجئے! اسی لئے تو آپ کو بتانے سے ڈر رہا تھا۔

کنھیا: پانچ روپے کیسے؟ اپنے گاؤں میں تمہیں نے تو ڈیڑھ روپیہ بیچا تھا؟

اچپیا: (انکساری سے) ٹھیک ہی تو ہے۔ سب میرے جیسا ایمان کا دھندا کرتے تو کیا ہماری برادری اتنی بدنام ہوتی؟

کنھیا: کیا کہنا تمہاری ایمانداری کا۔ جیسے کوئی کہاوت ہے نا! تم بیوپاری لوگوں کا ڈھنگ ہی ایسا ہے۔ ٹھیک وقت کو تاڑ کر ٹینٹوا دباتے ہو۔ ایک پائی کے منافع کے لئے گھاس تک بھی کھا سکتے ہو۔

اچپیا: کون نہیں گھاس کھاتا بابوجی؟ ہر کوئی الگ الگ ڈھنگ سے کھاتا ہے۔ دنیا ایسے ہی چلتی ہے۔

کنھیا: اچھا تو سولہ پانچ روپے کہتے ہو، میرے لئے دس اڈّے بیج کافی ہیں۔

اچپیا: دو سو کسی کے ہاتھ دے کر منگواتا ہوں۔ کسی اور کے ہاتھ بھیجوں تو نہ کھودے گا۔ اس لئے وشنو مورتی کے ہاتھ چٹھی دے کر اُسے میرکھی بھیج دوں تو وہ تل دے دے گا۔ وہ بھی اُس کے پاس اب تک بچے ہوں تو۔

کنھیا: اچھا! اچھا تو کیا ابھی دو سو دے دوں؟ (جیب سے پرس نکالتا ہے اور گنتی کرتا ہے)

اچپیا: (گھگھیا کر) بابوجی! مزدوری کے حساب میں پانچ روپے دلوا دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ کام کا ہرج کر کے لونڈے کو بھیجنا پڑ رہا ہے۔

کنھیا: میرکھی جا کر واپس آنے کے پانچ روپے۔

اچپیا: یہ بات نہیں ہے بابوجی! یہاں کام کا ہرج ہے نا۔ اُس کے ہاتھ یا پڑ بیچ کر گن لو پورم منگواتا تو دس یا پندرہ روپے کا دھندا کر کے آتا۔

کنھیا: ٹھیک ہے (پیسے دیتا ہے) گن لو۔

اچپیا: نا۔ نا۔ نا۔ کیا ضرورت ہے بابوجی گنانے کی (دیکھتے ہوئے تیزی سے گنتا جا رہا ہے)

کنھیا: شام تک لے آنا تل (جانے لگتا ہے)

اچپیا: (گنتی ختم کر کے) بابوجی! بابوجی! کرایہ کے پیسے نہیں دلوائے۔

کنھیا: کرایہ اڈوانس میں دینا پڑتا ہے کیا؟ تمہارے لڑکے کے لوٹنے پر دے دوں گا۔ (تیزی سے چلا جاتا ہے)

اچپیا: (پیسے ایک بار اور گنتی کرتے ہوئے خوشی سے پھولا نہیں سماتا) کشنو میّا۔ میری ماں (لکشمی کی تصویر کے پاس جا کر) نہ جانے آج صبح اُٹھتے وقت نہ جانے کیسا تھا۔ منافع ہی منافع۔ بیٹھے بیٹھے پنتالیس روپے

نوکالو کو دینے واسطے گیارہ روپے نکالے تو گئے پینتالیس پینتالیس

نوکالو: (باہر سے) ماما میں تیار ہوں (اندر آتا ہے)

اچیتا: (ہڑبڑا کر پیسے انٹی میں دبا کر) کیا! کیا تیار ہو...؟

نوکالو: ناشتہ کر چکا ہوں۔ یہ گھما صاف ہے نا؟

اچیتا: کیوں نہیں ہے؟ لیکن بھانجے اب تمہیں میر بکی جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

نوکالو: یہ کیا؟

اچیتا: میرے پانچ روپے بیعانہ لوٹا دے!

نوکالو: میرے پاس نہیں ہے۔ خرچ ہو گئے۔ کبھی کہتے ہو کہ جاؤ اور کبھی کہتے ہو مت جاؤ۔ کیا تمہاری ہی مرضی ہے؟ پہلے یہ تو بتاؤ کیوں نہیں جانا؟

اچیتا: کیوں کیا؟ میں کہتا ہوں کہ مت جاؤ۔ تو مت جاؤ سوچا تھا کہ تل ہے۔ لیکن جب دیکھا تل ہی نہیں ہے۔ اس لئے پانچ روپے واپس کر دو...

نوکالو: (اوب کر) یہ اچھی تکرار ہے تمہاری۔ میرے پاس نہیں ہے۔ گھر والوں کو خرچ کے لئے چاہیئے تھے تو دے ڈالے۔ سب خرچ ہو گئے۔ اب ریڈی والوں نے کسی دوسرے آدمی کو کام پر رکھ لیا ہے۔ اور اب تم کہتے ہو کہ مت جاؤ۔ پانچ روپے لوٹا دو۔ اب یہ کیسے ہو گا؟ ٹھیک ہے میر بکی جانے کی ضرورت نہیں ہے تو نہ سہی۔ گھر جا کر آرام سے سو جاتا ہوں...

(جانے لگتا ہے)

اچیتا: (چلا کر) اے ٹھہر جا۔ کیا زبردستی کرے گا کیا؟ پیسے اینٹھ کر چپ چاپ بھاگنا چاہتا ہے۔

نوکالو: نہیں تو! میں تو جانے کے لئے تیار ہوں۔ جاؤں کیا؟

اچیتا: ضرورت نہیں۔ کہتا ہوں میرے پیسے واپس کر دے تو دیتا کیوں نہیں؟ تو نے کتنی بار ادھار کھا لی ہے۔ چپاز سے ڈھیرے ہو سے ہے کہ کر لوٹاتا نہیں ہے اور مجھ سے پیسے لے نہیں گیا!

نوکالو: بہت اچھے آدمی کی مزدوری اور لوٹائی ہوئی ادھلی کے پیسوں کی برابری کرتے ہو۔ اگر یہی بات ہے تو رام مندر کے پاس چلنا۔ وہاں کھیا جی بھی کھڑے ہیں وہی انصاف کریں گے۔

اچیتا: (گھبرا کر) کیا کھیا جی وہاں ہیں؟ رہنے دے! رہنے دے میں کیا اُن سے ڈرتا ہوں۔ دکان چھوڑ کر میں کہیں نہیں جاتا۔ کہتا ہوں کہ میرے پیسے مجھے دے دو تو یہ سب جھنجھٹ اور حجت کیوں کرتا ہے؟ چل دے دے!

نوکالو: میں نہیں دوں گا۔

اچیتا: (سمجھوتہ کرتے ہوئے) اچھا جا! اچھا جا۔ ایک روپیہ کاٹ لے۔ چار روپے دے دے میرے بھائی!

نوکالو: میں نہیں دوں گا ماما!

اچیتا: دیکھا! اس لفنگے پن پر ہی مجھے چڑھ آتی ہے۔

نوکالو: (غصہ سے) دیکھو لفنگا وفنگا کہا تو ٹھیک نہیں ہو گا۔ لفنگا پن تمہارا نہیں ہے کیا؟ گاؤں والوں سے چھپا کر پہرہ میں منافع کمانا لفنگا پن، لچا پن، دغا بازی نہیں تو اور کیا ہے؟ (یہ چیخنا چلانا سن کر کھیا آتا ہے اچیتا ڈر جاتا ہے)

نوکالو: دیکھئے بابو جی! یہ اچیتا ہے نہ

اچیتا: (نوکالو سے) تو چپ رہ۔ میں کہتا ہوں۔ تو چپ رہ (کھیا سے) کچھ بھی نہیں ہے بابو جی۔ آپ جائیے۔ بھانجا مذاق کر رہا ہے۔ اور کچھ نہیں (ہنستا ہے)

نوکالو: مذاق تمہارے ساتھ میری کیا مجال ہو سکتی ہے بابو جی۔ بات یہ ہے...

اچیتا: (بے حد گھبرا کر) کچھ بھی تو نہیں ہے میرے یار۔ اچھا جا۔ تو مجھے کچھ بھی نہیں دینا۔ بس جا! جا!

کھیا: کیوں رے نوکالو! تو اسے کچھ پیسے دینا ہے؟

اچپیا: (چھپاتے ہوئے) جی ایسی کوئی بڑی رقم نہیں ہے۔ بس تھوڑی سی ہے۔ کوئی بات نہیں ہے۔ آپ جائیے۔

نوکالو: کیا مجھے تمہیں کچھ پیسے دینے ہیں؟ ہاں کچھ سے ہو سا بابو جی پرتی ہو کا لکل

اچپیا: (چلا کر) ارے یار، تو مت جانا۔ فضیحتی کیوں کرتا ہے جا۔

کنھیا: کیا نوکالو کو بیچ رہے ہو؟ رشتوں کو نہیں۔ اچھا نوکالو تو ہو جا۔ وہ بیچا اپنے ہی لئے ہے۔

نوکالو: (حیران ہو کر) آپ کے لئے؟ تو آپ کے لئے تیل پیر کی لے جانے کی کیا ضرورت ہے بابو جی؟

کنھیا: لے جانے کی کیا بات ہے؟ وہاں سے لے آنا ہے۔

نوکالو: نہیں تو لے جانے کے لئے ہی کہا ہے۔ پوچھئے تو۔

اچپیا: (اور چلا کر) اوہو! ہو! ہو! تو کچھ بھی مت لے جانا تو پہلے میری دکان سے باہر نکلتا ہے کہ نہیں۔

کنھیا: (چڑھ کر) لو جی یہ سب کیا ہے؟ میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آ رہا ہے؟ کوئی بے وقوف یہ نہیں بتا رہا ہے کہ اصل میں بات کیا ہے؟ جیسے کوئی کہاوت ہے نا۔ ارے نوکالو تو بتا، اچپیا تو کچھ مت بولنا۔

نوکالو: بات یہ ہے بابو جی انہوں نے کہا کہ ان کے پاس لال تیل ہے۔ میں نے کہا میرے جیجا جی کی بڑی مانگ ہے۔ اس پر انہوں نے وہ تیل آپ کو بھی نہ دے کر میرے ہاتھ میری تھیلی بھروا کر ایک سولہ چار روپے کے بھاؤ سے بیچنے کے لئے کہا اور پانچ روپے بیعانہ بھی دیا۔ اب میں ناشتہ کر کے واپس آیا تو کہتے ہیں کہ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بیعانہ واپس کر دو۔ اب آپ ہی بتائیے کہ کیا کیا جائے؟

کنھیا: (حیرت زدہ ہو کر) کیا؟ کیوں اچپیا کیا یہ سب سچ ہے کہ تم اپنے پاس تیل رکھ کر یہ سب ناٹک کر رہے تھے؟ آدمی کو بھیجنے کے بہانے پیسے اینٹھ کر یہیں بیٹھے منافع مار لینے کا پلان بنایا تم نے؟ باپ رے باپ۔ مفت میں سولے پر ایک روپیہ بڑھا دیا۔ سچ ہے کہ تم بڑے دھوکے باز ہو۔

نوکالو: دھوکے باز ہی نہیں، اول نمبر کا لُچا بھی ہے بابو جی۔

کنھیا: نکال وہ دو سو روپے اور وہ دس اڈھے تیل بھی ادھر۔

اچپیا: (رونی صورت بنا کر) بابو جی عقل گھاس چرنے گئی۔

نوکالو: ہاں، عقل گھاس چرنے گئی تو اب تو گھاس چر۔ بابو جی تجھے ایک پائی بھی نہیں دیں گے۔ تیل دے دے۔ (کنھیا سے) ٹھیک ہے نا بابو جی؟

کنھیا: ٹھیک ہے۔ تمہارے ساتھ ایسا ہی سلوک کرنا چاہئے۔ یہ رہے پیسے اور وہ تیل بھی لا ادھر چلے۔

اچپیا: (نوکالو کو گھور کے دیکھتا ہے۔ اور کنھیا کو پیسے دیتا ہے۔ کنھیا سے) لیجئے ایک بار گن لیجئے بابو جی۔ (ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔)

کنھیا: تو وہ تیل بھی ادھر لا چلے۔

اچپیا: آپ کی دیا بابو جی۔ بال بچوں والا ہوں۔ (تیل دیکھتے ہوئے بلڈ پر جانے لگتا ہے۔ اسی وقت توتسیا آتا ہے)

توتسیا: (کوئی بات چیت نہ کرتے ہوئے اور وہاں کے لوگوں کو بھی نہ دیکھتے ہوئے کچھ دیر پہلے لے گئی ہوئی سب چیزیں ایک ایک کر کے نیچے پھینک کر دو دس روپے کے نوٹ اچپیا پر پھینک کر کسی کی طرف نہ دیکھتے ہوئے اکڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔) میرے تیل مجھے دے دو۔

اچپیا: (سر چکرا جا رہا ہے) کیا؟

توتسیا: کیا؟ کیا؟ میرے تیل مجھے دے دو یہ لو تمہاری ساری چیزیں، گن لو، تمہارے بیس روپے بھی ٹھیک سے دیکھ لو اور لے لو۔ صرف ایک سگریٹ جلائی ہے وہ میرے کھاتے میں لکھ لینا۔

کنھیا: تیل کی بات کیا کرتا ہے توتسیا؟ یہ سامان سب

کیا ہے؟

نوالو: پتہ نہیں یہ سب کچھ گول مال نظر آتا ہے بابوجی!

اچیتا: لگتا ہے بابوجی توتسیا کا دماغ چکرا گیا ہے۔

توتسیا: میرا دماغ! جھٹ سے اگر میرے تیل نہیں دیا تو تیرے بھیا اگر تمہارا اور میرا دونوں کا دماغ ٹھکانے لگا دیں گے۔ میرا پیچھے پر چڑھنا دیکھ لیا تھا۔ میری بھابی نے جیسے ہی میں گھر پہنچا میری جیب کی تلاشی لے کر جھلایا تو اس نے سچ سچ بتا دیا۔ اب اور ناٹک نہیں چلے گا۔ مجھے تیل کسی بھی طرح واپس لے جانا ہی پڑے گا۔ ادھر لاؤ۔

نوالو: یہ کیا؟ تو گھر کے تیل کے نیچے یہاں لاکر بیچ ڈالا رے؟

کھمیا: کیا یہ سچ ہے؟

توتسیا: (کھمیا کو دیکھ ڈر کر) ابھی ابھی بابوجی مجھے پیسوں کی سخت ضرورت پڑ گئی تو تیل لے آیا تھا۔ اچیتا دادا نے کہا کہ یہ سڑے ہوئے تیل ہیں اگر یہ کچھ کر بیچا ہیں تو کیا میں انھیں دیتا اگر وہ زبردستی بھی کرتے!

کھمیا: باپ رے باپ! تم تو چوروں کے بھی باپ نکلے اچیتا۔ لونڈا اگر نادانی میں لے آیا تو اُسے پھسلا کر سستے میں مار لیا؟ جیسے کوئی کہاوت ہے نا گاؤں کے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اُن کا پیٹ مار کر پورے میں بیچ کر منافع کمانا چاہتے تھے۔

اچیتا: (بے حد نرمی سے) یہ کیا کہہ رہے ہیں بابوجی۔ جو اُسے چاہیے تھا وہ اُسے دیا اور جو مجھے چاہیے تھا میں نے لیا۔ یہی تو دھندا ہے۔ اس میں دھوکہ کیسا؟

کھمیا: چپ بدمعاش۔ مجھے مت سکھا یہ سب۔ وہ تیل آگے دے دے جو لیا ہے

اچیتا: یہ تو انیائے ہے بابوجی۔ دیکھئے نا اُس کو تیس روپے کا سامان دیا ہے۔ کیا یہ کم ہے؟ یہ تیل آپ گھر پہنچا کر پیسے بھجوا دیں گے میں جانتا ہوں بابوجی روپے آپ کتنے بھیجیں گے وہی معمولی قیمت چالیس یا پچیالیس بھیجیں گے تو پھر اتنا سا منافع بھی نہیں رکھ لوں تو میں دھندا کیا کر سکتا ہوں بابوجی؟

کھمیا: دیکھ تو مجھے تیل دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ مجھے گھر جا کر پیسے بھیجنے کی۔ پہلے تُو اسے اُس کے تیل واپس کر دے۔ زیادہ بات کی تو، تو نے اُسے جن جن چیزوں کی اُس دکھائی ہے نا، وہ سب اور تیل بھی اُسے دینے پڑیں گے۔

اچیتا: میّا رے! میّا۔ (توتسیا سے) ارے توتسیا! وہ سامان وہاں رہنے دے پھر آنا تیرے دو کپے ناپ کر دے دوں گا؟ کون بڑا وقت اُٹھا آج مجھ پر۔

نوالو: بھیا! اچیتا دو کپے کیسے؟ تم تو کہہ رہے تھے دس اَدھے بیچ کر آنا۔

توتسیا: ہاں! اچیتا نے جھوٹ کہا کہ وہ دو کپے ہیں اصل میں تو وہ دس اَدھے ہیں۔

کھمیا: (چڑھ کر) اچیتا میرے سامنے دس اَدھے ناپ کر اُسے دے دے ہاں چل!

اچیتا: آپ کی مرضی۔

کھمیا: باپ رے باپ! تم لوگوں پر بھروسہ ہی نہیں کرنا چاہیئے تمہاری ذات ہی ایسی ہوتی ہے۔

نوالو: اور کیا بابوجی! آپ اور ہم جیسے لوگ ہی ایمان پر ہیں اس دھرتی پر (اس دوران میں اچیتا تیل رکھی ہوئی جگہ کے پاس جا کر تختہ اُٹھاتا ہے کوٹھا خالی ہے۔ اُس کے پاؤں کانپنے لگے۔ کوٹھے کو اُلٹاتا ہے۔ اُس میں سے کچھ بھی نیچے نہیں گرا، حیران رہ جاتا ہے۔ دوسرے کوٹھے کو ٹٹولنے لگتا ہے۔)

کھمیا: اِدھر اُدھر کیا دیکھتا ہے؟

اچھیا: بابوجی وہ [illegible] کچھ بول نہیں سکتا)

نولا: کیا ہوا؟

اچھیا: اس کھوکے میں رکھے تھے۔ دکھائی نہیں دے رہے ہیں؟

کھیا: دکھائی نہیں دے رہے ہیں؟ کیسے دکھائی دیں گے صاحب تم جیسے کیڑوں سے دھندا چھڑوا کر جب تک گھر سے نہ چھوا ابھی تو آنکھوں کو کچھ بھی ٹھیک دکھائی نہیں دے گا۔ جیسے کوئی کہاوت ہے نا۔۔۔ ابھی ابھی تمہارے ہی ہاتھوں رکھے ہوئے تل تمہیں نظر نہیں آرہے ہیں؟

اچھیا: (رو پڑتا ہے) قسم کھا کر کہتا ہوں دیوی لکشمی کی قسم اب کی بار سچ مچ دیوی کی قسم بابوجی اسی کھوکے میں رکھے تھے

توتسیا: بیاڈھونگ کر رہا ہے بابوجی۔ ایک دن تو نظر آئیں گے تل

نولا: جب منافع نظر کرنے لگا تو آنکھوں کو دکھائی نہیں دے رہا ہے!

کھیا: شرافت کے ساتھ تل کہاں رکھے ہیں بتا؟

اچھیا: ڈھونڈا ہے مگر نظر نہیں آرہے ہیں بابوجی۔

کھیا: (جھڑک کر) نظر نہیں آرہا ہے نا (چپل ہاتھ میں لے کر) بتا! بتا: کہاں چھپا کر رکھے ہیں؟

نولا: بتا دے! بابوجی کو اگر غصہ آیا تو بہت برے آدمی ہیں۔

توتسیا: ڈھونگ کیا تو چمڑی ادھیڑ دی جائے گی۔

اچھیا: میاری! میا۔ (تینوں اس پر وار کرنے لگتے ہیں تو اچھیا چیخنے لگتا ہے) سہارا نہ پا کر ادھر ادھر دکان میں بھاگنے لگتا ہے۔ ویسی ایک گھڑی میں دشنو مورتی مسکراتے ہوئے گھر میں سے آتا ہے ایک ہاتھ میں بڑی سی تھالی ہے۔ تھالی میں گول گول بڑے تل کے لڈو ہیں، دوسرے ہاتھ میں لوٹے میں پانی ہے۔ اس کی طرف دیکھ کر سب ایک ایک کر کے رک جاتے ہیں۔ دشنو سب کو دیکھ کر مسکراتا ہے)

اچھیا: (غور سے تھالی میں دیکھ کر) وہ کیا ہے؟

دشنو: (مسکراہٹ کو اندر چھپاتے ہوئے) تل کے لڈو

اچھیا: (کانپتے ہوئے) کیا؟ تل کے لڈو (چلا کر) یہ تل کہاں سے آئے۔

دشنو: (مسکراہٹ کو مزید پھیلاتے ہوئے) واہ بابو! تم نے کیا یہ سوچ لیا ہے۔ میں نہیں ڈھونڈ پاؤں گا تل؟ اس کھوکے میں تمہارے چھپائے ہوئے تل کچھ دیر پہلے ہی میں لے گیا تھا۔ دیر تو ہو ہی گئی تھی۔ اس لئے ماں نے تل بھگو کر ان کے لڈو بنائے ہیں۔ ساغپ کی بل میں دودھ ڈال کر ابھی آئے ہیں۔ یہ دیکھو پرساد۔

نولا: (بہت خوش ہو کر) سارے تل کے لڈو بنا ڈالے ہیں؟

دشنو: (نولا کے ہاتھ میں ایک لڈو رکھ کر) نہیں تو تھوڑے سے تل ہماری کروپم دیدی کے لئے بھجوا دیا ہے۔

(کھیا کے پاس آکر اسے بھی ایک لڈو دیتا ہے۔ حیرانی کے عالم میں کھڑے ہوئے کھیا جی لڈو ہاتھ میں لیتے ہی مسکرا دیتے۔ توتسیا جھک کر زمین پر سے لوٹانے کے لئے رکھے ہوئے سامان اور بیس روپے اٹھا کر اپنی جیب میں ٹھونس لیتا ہے۔

دشنو: (توتسیا کے پاس جا کر) پرساد لو۔

توتسیا: (احترام کے ساتھ پرساد لے کر آنکھوں کو لگاتا ہے۔ تینوں لڈو دینے کے بعد بچا ہوا ایک باپ کو دے یا خود کھا لے اس سوچ میں ایک پل تلملا کر آخر ہمت کر کے اپنے منھ میں ڈال لیتا ہے۔ بھگوان کا نام لیتے ہوئے)

اچھیا: (ساکت کھڑا دیکھتا رہ جاتا ہے)

نولا: (جھٹ سے دشنو مورتی کے ہاتھ سے لوٹا لے کر پاس آکر)

ماما! لو۔۔۔ ماما منھ کھولو۔ یہ لو پانی۔ آ

(پردہ ہنس ہنس کر نیچے گرتا ہے)

افسر اعلیٰ

نکولائی گوگول (روسی) ایس سی امبھا (ہندی)

رشید سمیع جلیل (اردو)

(نکولائی گوگول کے انسپکٹر جنرل کا ڈرامائی روپ)

مرد کردار	پوسٹ ماسٹر	بھکشو پرشاد
جگدمبا پرشاد	چنک شاستری	دیشٹر
جج	بنک شاستری	نسوانی کردار
ہیڈ ماسٹر	جگنو	لوپا مدرا
ڈاکٹر	کیول کمار	شیاما

(کلکٹر جگدمبا پرشاد ہال میں بیٹھے ہیں۔ بے صبری سے گھڑی دیکھتے ہیں!)

جگدمبا: یہ لوگ ابھی تک کیسے نہیں آئے؟ وقت پر پہنچنا تو ہندوستان میں کسی نے سیکھا ہی نہیں۔ ایک ہم ہی لگتا ہے انگلینڈ میں پیدا ہوئے تھے۔ (دروازے تک جاکر جھانکتے ہیں۔ اندر سے بڑان شیاما اور پیچھے پیچھے اُس کی سوتیلی ماں لوپا مدرا داخل ہوتے ہیں۔ شیاما کے ہاتھ میں ایک اچھی سی پھولوں والی ساڑی ہے۔)

شیاما: دیکھو ماں! پھر میری ساڑی تمہارے وارڈروب میں سے نکلی۔ ویسے ہی میرے پاس کتنی کم ساڑیاں ہیں؟

لوپا: دیکھو تمہیں بتلاتے دیتی ہوں۔ میرے کمرے میں آکر میرا وارڈروب کھولنے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔ آپ ذرا اپنی لاڈلی کو سمجھائیے۔

شیاما: پاپا دیکھو نا! آپ نے مجھے یہ ساڑی میرے برتھ ڈے پر دی تھی۔ وہ کل سے اپنے وارڈروب میں رکھ دی۔ آپ بتائیے۔

جگدمبا: اُوہ! یہ کیا مچھلی بازار بنا رکھا ہے۔ ابھی یہاں ایک بہت ضروری میٹنگ ہونے والی ہے۔ بہت بڑا مسئلہ آن کھڑا ہوا ہے!

شیاما: لیکن پاپا! یہ بات بھی تو بہت گمبھیر ہے۔

لوپا: دیکھئے! آپ اپنی بیٹی کو ذرا سمجھائیے!

جگدمبا: اُوہ! جھگڑوں کے لئے وہ ساڑی لے کے اندر چلی جاؤ!

لوپا: لیکن پہلے آپ فیصلہ کرو نا!

جگدمبا: اسکو آدھی آدھی کاٹ لیں پھر بخشو۔ جھگڑوں کیلئے

(دونوں آپس میں بحث کرتی ہوئی چلی جاتی ہیں)

پانی گلے تک پہنچ گیا ہے۔ میں ڈوب جاؤں گا۔ لیکن یہ
ممبر لوگ وقت پر نہیں پہنچیں گے۔ کیا پتہ بھشن پرکاش نے
ٹھیک سے ہر ایک کو خبر پہنچا دی ہے کہ نہیں۔ (ٹیلی فون
کرنے لگتا ہے)
اس ٹیلیفون نے تو نہ چلنے کی قسم کھا لی ہوئی ہے
ایک دم۔ ڈیڈ (dead)
اسی کو ہمارے دیش کا سمبول بنانا چاہیئے۔ کل
ہمارا بھی یہی ہونے والا ہے۔
(بھشن پرکاش اندر آتا ہے۔ باہر گھنٹی بجتی ہے۔
ہیڈ ماسٹر، نگ اور ڈاکٹر اندر جھانکتے ہیں۔ پھر
ایک دوسرے کو آگے چلنے کہتے ہوئے اندر
آتے ہیں۔ ایک دوسرے کو بیٹھنے کو کہتے ہیں۔
سب بیٹھتے ہیں)

نگ: میرے خیال سے ہم لوگ بالکل وقت پر پہنچے ہیں۔

ہیڈ ماسٹر: ہاں! ویسے ہم جلدی نکلے تھے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب
نے دیر کر دی۔ نہیں تو ہم اور وقت پر پہنچتے!

ڈاکٹر: میں کیا کرتا؟ ڈلیوری کا کامپلیکیٹڈ کیس تھا۔

نگ: ہاں ڈاکٹر صاحب کی بھینس کو بچھڑا ہوا!

(جگدمبا پرشاد آتا ہے۔ سب اٹھتے ہیں)

ہیڈ ماسٹر: آئیے آئیے! ہنومان پرشاد جی! ہم آپ ہی کا
انتظار کر رہے تھے۔

جگدمبا: جناب انتظار میں آپ لوگوں کا ہی کر رہا تھا؟

ڈاکٹر: کوئی خاص بات ہوگی ضرور!

جگ: جی نہیں! میں نے ایسے ہی آپ کو بلا لیا۔ آپ
کی شکل دیکھنے کو بہت زیادہ طبیعت چاہی۔ بیٹھئے
بہت گمبھیر مسئلہ آن کھڑا ہوا ہے!

ہیڈ ماسٹر: لوپا مودرا جی کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔

جگ: لوپا مودرا جی کو کچھ نہیں ہوا۔ ہٹی کٹی ہیں۔ لیکن ڈر
کہ پتی دیو کو ہارٹ اٹیک ہونے والا ہے۔

ڈاکٹر: آپ بیٹھ جائیے!

ہیڈ ماسٹر: بات کیا ہے؟

جگ: دلی سے چٹھی آئی ہے آپ لوگ کیا سمجھے؟ وہ بھی ایسی
ویسی نہیں۔ سرکاری!

ہیڈ ماسٹر: وہاں تو سب خیریت سے ہیں نا؟

جگ: ہماری خیریت کے بارے میں کچھ فکر مند ہیں اور ہمارا
حال پوچھنے کے لئے ایک بہت بڑا سرکاری افسر انہوں
نے ٹکم گنج ڈسٹرکٹ بھیج دیا ہے۔

نگ: سرکاری افسر!

ڈاکٹر: ٹکم گنج ڈسٹرکٹ میں!

ہیڈ ماسٹر: بہت بڑھیا! واہ، واہ!

ڈاکٹر: ٹکم گنج کے تو بھاگ کھل گئے

جگ: خاموش! کیسے ڈناڈیل کے ساتھ پالا پڑا ہے؟ آپ
لوگ سمجھتے کیوں نہیں؟ ہمارے ڈسٹرکٹ میں سرکاری
افسر آ رہا ہے۔ یہ ہمارے لئے خوش قسمتی کی نہیں۔ بلکہ
بدقسمتی کی بات ہے۔ ہمارا معائنہ کرنے کے لئے آ رہا
ہے۔ کوئی سرکاری شیطان بھیس بدل کر۔

نگ: بھیس بدل کر!

ڈاکٹر: وہ کیوں؟

جگ: تاکہ۔ وہ ہم سب کی، ہمارے کاروبار کی، ہمارے
کرتوتوں کی جانچ پڑتال اطمینان سے کر پائے۔ ہمارے
پیٹھ پیچھے، ہم سے چھپ کر۔ اس ڈسٹرکٹ میں بہت
سے دشمن ہیں ہمارے۔ جب سے ہم کلکٹر ہو گئے۔

ہیڈ ماسٹر: آفیشیٹنگ (Officiating)!

جگ: ہاں ہاں! آفیشیٹنگ ہی سہی۔ لیکن کلکٹر ہو گئے۔
تب سے لوگ جلنے لگ گئے۔ دیکھا نہیں گیا حاسدوں
سے۔ اس لئے وہ ہماری شکایتیں لکھ لکھ کر دلی

بھیجے تھے۔ اور صرف ہماری نہیں، ہمارے خاص آدمیوں کی بھی
ڈاکٹر مشیر آپ جانوروں کے ڈاکٹر ہیں۔ لیکن آپ کو ہم
نے یہاں کے جنرل ہسپتال میں سینئر سرجن پوسٹ دے دی
جج صاحب آپ کورٹ میں ایک معمولی منشی تھے۔ آپ کو ہم
نے منصفی کی کرسی پر جج بنا دیا۔ اور ہیڈ ماسٹر جی آپ نان میٹرک
ہوتے ہوئے بھی ہم نے یہاں پر اکلوتا اسکول آپ کے حوالے
کر دیا۔ یہ سب باتیں اب ہمیں پھنسانے والی ہیں۔ پوسٹ ماسٹر
جی بتا رہے تھے کہ آج کل ہمارے خلاف بڑی بڑی عرضیاں
دلی جا رہی ہیں۔ غنیمت سمجھو کہ اُن میں سے پانچ دس تو خود
پوسٹ ماسٹر جی نے ہی دبا لیے .... لیکن اس لوک شاہی میں تو
عقل بھی کچھ زیادہ سیکھ گئے ہیں۔ حرام زادے پڑوس والے
گاؤں جا کر چٹھیاں پوسٹ کرتے ہیں۔ اب بتلائیے اکیلا
پوسٹ ماسٹر کیا کرے گا؟

جج: اچھا ہے کہ ان کی بھلائی کی وجہ سے ہمیں کم سے کم
خبر تو ملی۔

ڈاکٹر: ورنہ ہم پھنس گئے ہوتے۔

جج: لیکن یہ دلی کی خبر آپ کو کیسے ملی؟

ہیڈ ماسٹر: کلکٹر صاحب کی کہاں پہنچ نہیں؟ ہو سکتا ہے دلی
کا کوئی پوسٹ مین ان کی پہچان کا ہو!

جگ: دلی میں ہمارے ایک رشتہ دار ہیں۔ ہماری دھرم
پتنی کا بھانجہ ہے جو سکریٹریٹ میں کلرک ہے۔
میری ہی سفارش سے لگا ہے۔ تو اس کی چٹھی آئی
آج۔ ویسے کل ہی سے ہم کو اندر ہی اندر اندیشہ
ہو گیا تھا۔

جج: بالکل ٹھیک! میں نے ڈاکٹر صاحب کو کلب میں ہی
کہا۔ رمی میں آپ شاید مائنس ساڑھے تین سو
پوائنٹس تھے۔ لیکن آپ پیسے دیئے بغیر ہی جب چلے
گئے تو میں نے کہا، آج کلکٹر صاحب ضرور پریشان ہیں۔

جگ: اب ــــ اس سرکاری پریشانی کو کیسے دور کریں؟ سنا
ہے جگم گنج کے کاروبار کے نام سے ایک فائل کھولی
گئی ہے۔ اور وہ منسٹری تک گھوم رہی ہے۔

جج: پھر تو کوئی بات نہیں۔ وہ گھومتی ہی رہے گی ــــ
کافی دیر تک۔

ڈاکٹر: کیا کیا لکھتے ہیں آپ کے سالے صاحب؟

جگ: پڑھ کر بتاتا ہوں!

محترم شری جگدمبا پرشاد جی! آپ کو چنڈی داس کا آداب
امید ہے کہ آپ کو دال وغیرہ اور سوہن حلوے کا
پارسل مل گیا ہو گا؟ یہ چھوڑئیے یہ گھریلو ہے؟ ہاں!
جگم گنج ڈسٹرکٹ کے کام کاج کے بارے میں بہت سے
گمنام خط ہماری منسٹری سے آئے ہیں۔ لگتا ہے کہ آپ
کے وہاں کے سارے ادھیکاری نہایت لالچی، بے
ایمان اور رشوت خور ہیں۔ اسی بات کی تحقیقات کرنے
کے لئے ایک خاص ادھیکاری جلد ہی جگم گنج ڈسٹرکٹ
آ رہا ہے۔ ایک عام آدمی کے روپ میں یہ ادھیکاری
کچھ دن وہاں رہے گا۔ حرام زادہ!

ہیڈ ماسٹر: یہ خط میں لکھا ہے۔

ڈاکٹر: آپ خاموش رہیئے سُنیئے تو!

جگ: جتنی ہو سکے ڈیٹیل میں جانکاری حاصل کر کے کون
کون سے ادھیکاریوں کے ہاتھ کہاں تک رنگے ہوئے
ہیں۔ اس کی آزمائش کر کے ان کی فہرست بنائی جائے
گی۔ (کیا فتنہ ہے) اور اُن کو ذرا نوکری سے ہٹا
دیا جائے گا۔ ویسے تو جگم گنج ڈسٹرکٹ کے سارے
ہی افسر اپنی مٹھی گرم کرنے کے چکر میں رہتے ہیں۔
ان کے پکڑے ہونے کے خطرے اس بات میں بھی آپ
ان کے آگے پیلے پڑ جانے دیجئے۔ گھریلو ہے۔ ذرا
احتیاط سے رہنا۔ بڑا صاحب کسی وقت بھی پہنچ جائے گا۔

کیا معلوم پہنچ بھی گیا ہو۔ اللہ آپ کی پگڑی سلامت رکھے۔
شیاما تیسری بار سکنڈری کا امتحان دے رہا ہے کیا... وغیرہ

ڈاکٹر: یہ تو بہت زیادتی ہے۔ بھیس بدل کر کسی کو دھوکا دے کر اس کے خلاف جاسوسی کرنا غیر اخلاقی حرکت ہے۔

نج: یہ غیر قانونی بھی ہے۔ اس کے لئے سزا مل سکتی ہے۔ سرکاری افسر کو جیل بھیجا جا سکتا ہے۔

جگ: نج صاحب! جب تک آپ کو اس سرکاری افسر کا پتہ چل جائے تب تک آپ دیکھیں گے کہ آپ خود جیل میں ہیں۔

ڈاکٹر: پتہ نہیں ٹکم گنج ڈسٹرکٹ جیسے چھوٹے علاقے کے لئے دلی والے کیوں پریشان ہو رہے ہیں؟

نج: انھیں ہم سے کیا لینا دینا ہے؟

ہیڈ ماسٹر: سرکار کا ضرور کچھ سیاسی مطلب ہوگا؟

جگ: یہاں کیا سیاسی مطلب ہو سکتا ہے۔ اتنا پچھڑا ملک ہے ہمارا کہ آدھی جنتا کو یہ پتہ نہیں ہے کہ آزادی مل چکی ہے۔

نج: اب ہمیں کیا کرنا ہوگا؟

جگ: میں نے ٹکم گنج ڈسٹرکٹ میں ان آفیشلی اسٹیٹ آف ایمرجنسی ڈکلیر کی ہے۔ کلکٹر ہونے کے ناطے میرے سارے ذمہ دار ادھیکاریوں کو اطلاع دی گئی ہے کہ وہ ہوشیار رہیں — پولیس سپرنٹنڈنٹ کو خبر دی گئی ہے۔

ڈاکٹر: اچھا شمشیر جنگ بہادر سنگھ! یہ اچھا کیا۔ بڑا لائق آدمی ہے۔ اور دیانتدار۔

ہیڈ ماسٹر: کیوں نہیں ہوگا، جگدمبا پرشاد جی کی مہربانی سے وہ جمعدار سے ڈی ایس پی جو ہو گیا۔

جگ: اوہو! اوہو! گڑھے مردے اکھاڑو۔ اس طرح کی باتیں ہمیں پھنسانے والی ہیں۔ جمعدار سے ڈی ایس پی بنایا۔ مجھے دوسرکاری افسروں کی یہ سب راز کی باتیں..... میں نے آپ لوگوں کو اس لئے بلایا کہ آپ میری ہمت بڑھائیں میری مدد کریں۔ اور آپ ہیں کہ.....

ڈاکٹر: غلطی ہوئی کلکٹر صاحب! بتائیے کیا کرنا ہوگا؟

جگ: بہت کچھ! میں چاہتا ہوں کہ ٹکم گنج کا سارا نور اور نقشہ بدل جائے۔ راستے شیشے کی طرح صاف کئے جائیں جگہ جگہ پر بورڈ لگوائے جائیں بائیں ہاتھ سے چلو — فٹ پاتھ پر چلو — ہارن مت بجاؤ۔ وغیرہ.... وغیرہ۔ ہر کونے پر پولیس کھڑا ہو میں نے شمشیر جنگ بہادر کو سب یونیفارم دھلوانے کو کہا ہے۔

ہیڈ ماسٹر: اور ان میں بٹن لگائے جائیں تو اچھا ہو کا سیفٹی پن لگا کر گھومتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر: یہ پولیس اسٹاف میں ذرہ برابر بھی ڈسپلن نہیں ہے۔

جگ: آپ اپنے اسپتال کے ڈسپلن پر دھیان دیجئے ڈاکٹر! اسپتال میں مریض تو جانور دکھائی دیتے ہیں۔

نج: ڈاکٹر صاحب ہیں بھی تو جانوروں کے ڈاکٹر۔

ڈاکٹر: اچھا اچھا! وہ باتیں رہنے دیجئے۔

نج: چادریں، غلاف، دھلانے کے لئے بھیج دیجئے۔ کیا پتہ وہ افسر مریض بن کر ہی رہ رہا ہو۔ اسپتال میں۔

ڈاکٹر: آپ بے فکر رہیئے۔ اسپتال میں مریض ہی نہیں ہیں۔ دو جو تھے بیرس وہ ٹریٹمنٹ کے بعد گزر گئے۔

جگ: کیسے؟

ڈاکٹر: نئی تھیوری سے ان کا علاج کر رہا تھا۔ سائیکو جیکل ٹریٹمنٹ اس میں دوا دوا کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مریض کا صرف حوصلہ بڑھانا پڑتا ہے کہ وہ دھیرے دھیرے ٹھیک ہو رہا ہے۔ پھر وہ پکا پکا ٹھیک ہو جاتا ہے۔

جگ: تو یہ مریض کیسے گزر گئے؟

ڈاکٹر: انہوں نے کوآپریٹ نہیں کیا۔

جگ: باقی جو مریض تھے؟

ڈاکٹر: وہ پتہ نہیں کیوں بھاگ ہی گئے۔

جگ: اچھا تو اب اسپتال ایک دم خالی پڑا ہوا ہے!

جج: جی نہیں! جی نہیں! ڈاکٹر صاحب کے سالے کی شادی تھی۔ سارے براتی اسپتال میں اترے ہوئے ہیں۔

جگ: کیا؟ سرکاری اسپتال میں براتی؟

ڈاکٹر: جی! نہیں میں آج ہی بھگاتا ہوں۔

جگ: نہیں مت بھگائیے انھیں، کچھ دن اور رکھوا لیجئے انھیں، انھیں مریض بنائیے اور فوراً علاج شروع کیجئے پرانے ڈھنگ سے۔

ڈاکٹر: جی بہت اچھا! تو پھر کچھ دوائیاں منگوانی پڑیں گی کانپور سے۔

جگ: اور دوائیاں! پچھلے ہفتہ ہی تو پانچ سو کی دوائیاں جو منگوائی تھیں!

ڈاکٹر: پانچ سو کی دوائیاں کہاں کلکٹر صاحب! دوائیاں تو کچھ ڈیڑھ سو کی تھیں — آپ نے کہا تھا کہ بل پانچ سو کا بنوانا!

جگ: اور زور سے اور زور سے چلاؤ! مجھے ابھی سے جیل کی کوٹھری دکھائی دے رہی ہے۔ منگوانا فوراً جو کچھ بھی چاہیئے۔ اور جاتے جاتے ٹامی کو بھی ذرا دیکھ کر جانا۔ رات بھر بھونک رہا تھا!

ڈاکٹر: جی بہت اچھا۔ ویسے میں دوائیوں کے آرڈر کا ابھی فون کر دوں؟

جگ: فون کام نہیں کر رہا ہے۔

ہیڈ ماسٹر: آپ کمپلینٹ والوں کو بتا دیجئے۔

جگ: آپ جانتے ہوتے جج؟ بتاتے چلیں یہاں بتا دیتا ہے جھبرے پر جو دھول جمی ہے اور مکڑی کے جالے بنے ہیں انہیں صاف کروائیے۔ وہائٹ واش کروائیے کورٹ کا۔ اور آپ اپنی مرغیاں بند کیجئے کچھ دنوں کے لئے۔ سارے کورٹ میں کڑک، کڑاک کرتی پھرتی ہیں، دن بھر۔

ہیڈ ماسٹر: پرسوں عدالت میں ایک انڈا دیا ایک مرغی نے۔

جگ: اور ایسی بدبو آتی ہے آپ کے کورٹ میں اندر قدم رکھنے کو طبیعت نہیں چاہتی۔

جج: تو اچھا ہی ہے نا۔ مرغیوں کی بدولت کیس آپ ہی ٹل جاتے (ہنستے ہیں)

جگ: جج صاحب! جب آپ اپنے آپ کو مرغیوں سمیت جیل میں پائیں گے تب۔ یوں نہیں۔

جج: میں آج ہی مرغیوں کا بندوبست کرا دوں گا۔ کیا آج آپ میرے گھر دعوت میں تشریف لائیں گے؟ حسین چوکیدار مرغ مسلم لاجواب بناتا ہے۔

جگ: نہیں! مرغ مسلم اسی کو کھلائیں گے۔ کیا سمجھے۔ اور ہاں آپ کے وکیل لوگوں کو ذرا سمجھائیے۔ ذرا بچ کے رہیں اتنا ہوں تنخواہ میں آج کل چلتا نہیں۔ لیکن کیا پتہ۔ ہو سکتا ہے ججوں کے بھیس میں یہ افسر کورٹ میں موجود ہو۔ اور مٹھی دباتے دباتے چپ چاپ ہتھکڑیاں ہی پہنا دے۔ کیوں؟!

جج: آپ بے فکر رہیئے۔ میں نے آج تک رشوت نہیں لی۔ لوگ یوں ہی بات کا بتنگڑ بناتے پھرتے ہیں، خواہ مخواہ جھوٹی افواہ پھیلاتے ہیں۔ اب جیٹھو لال کوچینی کے کیس میں ہم نے سزا دی کہ نہیں؟ اب اس نے ہماری بی بی کی سونے کی چوڑیاں دے دیں تو وہ ایسی پریم کی خاطر۔ وہ کیا رشوت ہوئی بھلا!

آج کل اُپسی پریم کو لوگ بھولنے لگے۔ تبھی سے تو دیش کا بیڑا غرق ہو گیا۔ اب آپ اپنی شال لیجئے کلکٹر صاحب، لوپامدرا دیوی جی کو بھیم سکھ چند جی نے پشمینہ کی شال دے دی۔

جگ: اچھا آپ مطلب کی بات کیجئے۔ بے کار ادھر اُدھر کی مت ہانکئے۔

ہیڈ ماسٹر: شروع سے ہی عادت ہے یہ جج صاحب کی

جگ: ہیڈ ماسٹر جی! آپ کے اسکول کے کیا حال ہیں — بنگم گنج ڈسٹرکٹ میں تعلیم کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ اسکول میں سب ٹیچر لوگ ذرا۔۔ سب دکھا رہے ہیں۔ آپ کے سنسکرت کے اُستاد وید نارائن شاستری ابھی بھی لوگوں کے یہاں پوجا پاٹھ کرنے جاتے ہیں؟

ہیڈ ماسٹر: سرکار! وہ اسکول میں آنے سے پہلے پروہت تھے۔ ابھی بھی اسکول سے زیادہ کمائی دکشنا پڑھنے سے ہوتی ہے۔

جگ: پروہت سنسکرت ٹیچر اور انگلش ٹیچر کہیں بٹلر رہا ہوگا کتنے ٹیچر ہیں جملہ؟

ہیڈ ماسٹر: چھ ہیں۔ ڈرائنگ ماسٹر چھوڑ کے!

جگ: سو کیوں؟

ہیڈ ماسٹر: وہ اب سینما پوسٹر بناتے ہیں۔ لیکن ایک نیا ٹیچر آیا ہے پارٹ ٹائم بیسس پر۔ سیتا رام بڑھئی۔ آج کل وہ بچوں کو لکڑی کا کام سکھانے آتا ہے۔ ابھی ہنگامی اور عارضی ہے۔

جگ: اُسے پرمننٹ بنا دو۔ کرافٹ ٹیچر، ڈرل ماسٹر ہے کہ نہیں؟

ہیڈ ماسٹر: جی نہیں۔ لیکن دودھ والا بھیّا جو ہے ہمارا دادو پہلوان وہ پہلے فوج میں تھا۔ وہ لڑکوں کو پی۔ ٹی سکھا سکتا ہے۔

جگ: اور ہاں! آپ کے ہسٹری ٹیچر کیا گلا پھاڑ کر چلّاتے ہیں۔ کسی بھی جنگ کے بارے میں پیریڈ ہو ایسا جوش دکھاتے ہیں جیسے خود لڑائی پر جا رہے ہوں۔

ہیڈ ماسٹر: وہ پہلے ناٹک کمپنی میں تھے سر!

جگ: بنگم گنج کے بچوں کا مستقبل بہت روشن نظر آتا ہے۔

ہیڈ ماسٹر: آپ کی مہربانی ہے سرکار!

جگ: رام، رام! کل میں اُس افسر کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ یہ اسٹاف ہے آپ کا! کم سے کم آپ اپنے بارے میں پوچھے تو بتائیے کہ آپ ایم۔ اے ہیں!

ہیڈ ماسٹر: اور انہوں نے سرٹیفکٹ دیکھنے کو مانگا تو۔

جگ: تو کہئے غلطی سے ردی میں پھک گیا۔ میرا تو گھبراہٹ کے مارے ابھی سے بُرا حال ہے کچھ کہہ نہیں سکتے کرشیلان کب، کیسے، کہاں سے ٹپکے گا؟

(گھنٹی۔ سب گھبراتے ہیں، پوسٹ ماسٹر گوسوامی تشریف لاتے ہیں)

پوسٹ ماسٹر: نمسکار! نمسکار! ارے آپ لوگ تو ایسے گھبرائے ہوئے نظر آ رہے ہیں کہ جیسے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو بتائیے بتائیے! دلّی کے جن بلائے مہمان کا مسئلہ کہاں تک پہنچا؟ نئی کیا خبر ہے؟

جج: خبریں تو آپ کے پاس ہوا رہتی ہیں، پوسٹ ماسٹر جی۔ آج کی ڈاک میں کیا نکلا؟

پوسٹ ماسٹر: نرس ڈیسوزا کو ایک دلچسپ چٹھی آئی ہے۔ کیا کیا لکھا ہے ہمارا رام؟ اسے پڑھتے پڑھتے میں نے تو مارے شرم کے آنکھیں بند کر لیں۔

ڈاکٹر: کہاں ہے؟ کہاں ہے؟ لائیے ذرا مل کر پڑھیں۔

جگ: ڈاکٹر شبیر، جج صاحب، ہیڈ ماسٹر آپ سب سے اوچھے پن کی امید نہیں تھی۔ کل نوکری جائے گی۔ تب پتہ چلے گا۔ پھر نرس ڈیسوزا کے برتن مانجھنے پڑیں گے۔

جج: ویسے دلی والے کی خبر آپ کو کس نے دے دی؟

پوسٹ ماسٹر: چنگ شاستری آئے تھے۔ پوسٹ آفس میں ایک پوسٹ کارڈ خریدنے۔ وہ کہہ رہے تھے:

بنگ: چنگ شاستری یا بنگ شاستری بس اُن کو کچھ بتانے کی دیر ہے۔ سارے شہر بھر بات منٹوں میں ریلیز ہوتی ہے۔ ویسے آپ کی کیا رائے ہے؟ یہ افسر کیوں آرہا ہوگا؟ ہمارے ڈسٹرکٹ میں۔

پوسٹ ماسٹر: میرے خیال سے سیاسی معاملہ ہوگا ضرور ہو سکتا ہے کہ سرکار کی نظر میں ڈسٹرکٹ ٹیکم گنج حکومت کی اہمیت یکایک بڑھ گئی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں کے لوگوں کے بارے میں وہ زیادہ واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہوں کہ کون لائق ہے اور کون نالائق؟

جگ: خیر ہمیں ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے اوپر والا ہمارے ساتھ ہے۔ فی الحال پوسٹ ماسٹر جی آپ دلی سے آنے والی ہر چٹھی.... ذرا کھول کر..... مطلب اپنے ملک کی بھلائی کے لئے .... ذرا کھول کر دیکھ لیا کیجئے۔ کہتے ہیں بھاپ پر لفافہ آسانی سے کھلتا ہے۔

پوسٹ ماسٹر: یہ آپ ہمیں بتا رہے ہیں؟ آپ بے فکر رہئے ہماری چار پیڑھیاں پوسٹ آفس میں ہی روٹی کماتی تھیں۔ لفافے جوڑ سے بغیر کیسے کھولتے ہیں یہ ہمیں ہمارے پتا جی نے سکھایا! کبھی کبھار چٹھیاں پڑھ لیتا ہوں۔ اپنا علم بڑھانے کے لئے رام! رام! رام! کیا سماجی قدروں کی تباہی ہو رہی ہے۔ اپنے دیش میں آپ کو تعجب ہوگا کہ نرس ڈیسوزا کو کس کے پریم پتر آتے ہیں؟ ایک مشہور لیڈر سیٹھ بھگی کا۔ جگ میں نحوست ہے۔

جگ: خیر وہ لیڈر اب رہنے دیجئے بھگی ہیں۔ بریچ آف ٹرسٹ (اعتماد کی خلاف ورزی) کے لئے ایک دن آپ پھنس جائیں گے۔ اور ہم سب کو ساتھ پھنسائیں گے۔ شہر میں ہمارا دشمن موجود ہے۔ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کب کیسے؟ کہاں سے آپہنچے گا (چنگ شاستری، بنگ شاستری آتے ہیں)

چنگ: (آنریبل، مہا آنریبل) لائق احترام، لائق صد احترام

بنگ: (مہا مہد رشوریبل کلکٹر صاحب) لائق صد احترام و تکریم کلکٹر صاحب!

چنگ: ایسی حیرت انگیز بات ہم نے دیکھی کہ ہم.....

بنگ: دیکھتے ہی رہ گئے۔

چنگ: اور آپ سنتے ہی رہ جائیں گے۔

جگ: بتائیے تو ہوا کیا؟

چنگ: ہم دونوں صبح کے وقت ہنومان مندر میں پوجا کر کے نکل رہے تھے۔

بنگ: تو ہماری نگاہوں میں ایک کم عمر لڑکی چلی آئی جو ہمارے سامنے ہی چل رہی تھی۔

چنگ: حیرت کی بات یہ ہے کہ ہم دونوں جہاں جہاں جس جس راستے سے گئے وہ لڑکی ہمارے آگے ہی چلتی گئی۔

بنگ: میں نے چنگ کو کہا کہ: یہ کیسی نٹ کھٹ بالیکا ہے

چنگ: بنگ! میں نے تم کو کہا کہ یہ کیسی نٹ کھٹ بالیکا ہے۔

بنگ: اس کا نام پوچھا جائے؟

چنگ: اتنے میں عبدالغفور کے ہوٹل کے پاس آتے ہی وہ لڑکی غائب ہو گئی۔

بنگ: چنگ شاستری نہایت مایوس ہو گئے۔

چنگ: بنگ! بنگ۔ کتنا جھوٹ بول رہے ہو اُداس تم ہو گئے۔ تم نے کہا بھی کہ اگر اس لڑکی کا دوبارہ

درشن ہو تو تم پورے ایک ناریل کا پرساد مندر میں چڑھاو
گے۔

بنک ؛ میں نے ہرگز یہ نہیں کہا!

چنک ؛ کھاؤ بھگوت گیتا کی قسم۔

بنک ؛ نہیں کھاؤں گا!

جنک ؛ خاموش یہ کیا بک رہے ہو؟ جلدی سے بتاؤ کیا بات
بتانے جا رہے تھے؟

بنک ؛ ہم آپس میں اس طرح گفتگو کر رہے تھے تو اتنے میں
آپ کا ذکر چھڑ گیا۔

چنک ؛ جو دیسی شراب کی دکان میں جا رہا تھا۔

بنک ؛ آپ کے لئے ایک بوتل ٹھرّا لینے۔

جنک ؛ اُفوہ! اب ٹھیک بات نہیں بتاؤ تو ایک ایک
کی بوٹی اُکھاڑ کر ہتھیلی میں رکھ دوں گا۔ ہاں!

بنک ؛ تو ہم دونوں اندر ہوٹل میں گئے۔ میں آگے۔

چنک ؛ بنک میں آگے تھا۔

جنک ؛ تم دونوں آگے تھے۔ آگے بولو!

چنک ؛ ہوٹل کے ایک کمرے سے ایک بڑا تیز نوجوان
دکھائی دیا!

بنک ؛ بالکل اجنبی!

چنک ؛ لمبا، چوڑا، ڈریس ویس کچھ نہیں پہنا تھا۔

جنک ؛ ہیں!

چنک ؛ مطلب یہ کہ افسروں کی طرح کے کپڑے نہیں تھے۔
بلکہ کچھ فلمی ڈھنگ کے کپڑے تھے۔

نگا ؛ آپ فلمیں دیکھتے ہیں کیا چنک شاستری؟

چنک ؛ فلمیں تو نہیں لیکن پوسٹر ضرور دیکھتا ہوں!

بنک ؛ تو میں نے چنک سے کہا: یہ ہستی کوئی ایسی ویسی نہیں
ہے۔ یہ کچھ اجنبی مسافر ہے، کہا۔۔۔

چنک ؛ یہاں تو نرالا ہی ہے۔ بیٹھنے، بولنے کی کیا ریت ہے!
کیا ڈھنگ ہے؟ کیا رسم ہے؟

بنک ؛ ہم نے عبدالغفور کو پوچھا چاہئے یہ کیا بلا ہے؟ یہ
کون دیش کا سیّاں آ ٹپکا ہے؟

چنک ؛ تو عبدالغفور نے کہا، کچھ ست پرچھے یہ دلّی سے آیا ہے
(سننے والوں میں گھبراہٹ) نہ جانے کون ہے؟ ہے بڑا
شیطان:

بنک ؛ اونچے تیور ہیں! پچاس فقرے میں ایک ہفتے سے چپاتی
پر مونگ دَل رہا ہے! نہ رہنے کھانے کی قیمت دیتا ہے
نہ یہاں سے نکلنے کا نام لیتا ہے۔ جونک کی طرح۔
چپک کر بیٹھا ہے۔ کوئی ایسا ویسا ہوتا تو غیرا گلا تو کب
کا پیٹھ پر لات مار کر بھگا دیتا۔ لیکن اُس کے چال
چلن کو دیکھ کر کچھ خوف سا بھی لگتا ہے۔

چنک ؛ یہ سب سُن کر میں نے بنک کو کہا،

بنک ؛ یہی ہے وہ دلّی کا سرکاری افسر!

جنک ؛ باپ رے! مر گئے کمبخت ہم سے بچ کر ٹھم گلی میں
ایک ہفتے سے رہ رہا ہے نگا صاحب آپ کے
کورٹ کا مرغی خانہ ضرور اُس نے دیکھ لیا ہوگا اور
اسپتال میں بیماریوں کی چہل پہل بھی۔ چنک شاستری
بنک شاستری آج شام کی پوجا میں پرساد ذرا زیادہ
چڑھانا۔ دو منتر زیادہ پڑھنا۔

بنک ؛ چاندی کا چھاتر دان ٹوٹ گیا ہے۔ نیا لینے کے لئے
پچاس روپے چاہیئے ہوں گے۔

چنک ؛ پچاس نہیں بنک صاحب! قیمتیں جو بڑھ گئے ہیں۔

جنک ؛ اُفوہ! مٹی کے دیئے سے کام چلایئے۔ بھگوان کو
روشنی سے مطلب۔ چنک شاستری آپ میرے ساتھ
چلئے فوراً۔

چنک ؛ چلئے! چلئے کہاں؟

جنک ؛ جہنم میں! اور کہاں عبدالغفور کے ہوٹل میں اور کہاں؟

ٹھگ: تو پھر ہم لوگ چلتے ہیں۔ بہت کام کرنا ہے۔
ڈاکٹر: چلئے ٹھگ صاحب میں آپ کو لفٹ دے دیتا ہوں۔
ایمبولینس باہر کھڑا ہے (جاتے ہیں)
پوسٹ ماسٹر: پرشاد جی! ذرا ماسٹر لوگوں کو کہنا داڑھی بنا کر آئیں۔ نہیں تو حجامت سرکاری خرچ سے ہوگی۔
ہیڈ ماسٹر: آپ اپنے پوسٹ مینوں کو دھلے کپڑے پہننے کو کہئے نہیں تو سرکاری اہتمام سے کپڑے اتروائے جائیں گے (جاتے ہیں)
جگ: بشنو پرشاد! کہاں مر گیا؟ پڑوس کے چولہے سے جو اکھیل رہا ہوگا؟ بشنیا! کوٹ، چھڑی لے آ
(دونوں پردہ سے دوڑ کر آتے ہیں: جگدمبا پرشاد کو پہناتے ہیں)
جگ: کمبخت کوٹ بھی ایک بار دھلنے کیا دیا ایک دم سکڑ کر واپس آیا۔ یہ کنھیا چند کا کپڑا ایک دم بے کار ہے۔ اوپر سے ٹھگ کی اُس کا دماغ ذرا چڑھ گیا ہے۔ مغرور ہو گیا ہے۔ اولن کا ایک تاگا کیا لے لیا، پوچھتا ہے بل کیا بناؤں۔ بے شرم اور پرمٹ مانگتے وقت تو یہ سب لاچار شکتے بن کر آتے ہیں۔ نمک حرام کہیں کے
ٹھگ: جگدمبا پرشاد جی میں بھی چلوں آپ کے ساتھ
جگ: نہیں۔ آپ ڈی۔ ایس۔ پی صاحب کے پاس جائیں گے۔ ایک بہت ضروری مسئلہ ہے۔
ٹھگ: کیا ٹیلیفون کرنے سے کام نہیں چلے گا؟
جگ: ٹھگ شاستری ٹیلیفون مر گیا ہے اور آپ زندہ ہیں سمجھے!
ٹھگ: جی سمجھا! چلئے بھی تو زندہ ہے۔
جگ: ڈی۔ ایس۔ پی کو کہنا سڑک کو پانی دینے والی موٹر اور حوض پائپ تیار رکھیں۔ کل دوپہر کو اشارہ ملتے ہی دھرم شالہ کو آگ لگائی جائے گی۔ جیسے ہی افسر اس راستے سے گزرے گا پانی کی گاڑی فوراً آگ کے مقام پر پہنچ جائے گی۔ آگ بجھائی جائے گی۔
ٹھگ: اس سے ہوگا کیا؟
جگ: تم کو ڈسٹرکٹ کی ایفیشینسی (کارکردگی) نظر آتی ہے۔ ڈی۔ ایس۔ پی سے کہو چار پولیس، فائرمینوں کا یونیفارم پہن کر تیار رہیں۔
جگ: ٹھیک سے بتانا۔ نہیں تو آگ لگنے سے پہلے ہی پانی کی گاڑی پہنچ جائے گی۔
ٹھگ: نہیں نہیں! تم مجھے بے وقوف سمجھ رہے ہو؟ دھرم شالہ شعلہ پوش ہوگا تبھی گاڑی پہنچے گی۔
جگ: مہربان آگ لگتے ہی گاڑی پہنچے گی۔ اُفوہ! کیسے کیسے لوگوں سے پالا پڑا ہے۔
(جاتے ہیں۔ ٹھگ شاستری سپاری لیتا ہے۔ اتنے میں لوپا مدرا اور رشیاما آتی ہیں لوپا مدرا نے وہی ساڑی پہن رکھی ہے جس پر بحث ہوئی تھی)
لوپا: ارے یہ چلے بھی گئے۔ اچھی بھلی میں تیار ہو کر اندر بیٹھی تھی۔ پتہ نہیں کب اُٹھ کر چل دیئے۔
ٹھگ: ہاں! لوپا مدرا دیوی جی۔ کلکٹر صاحب تو سرکاری افسر سے ملنے گئے ہیں۔
لوپا: اُفوہ! مجھے بھی ساتھ ہی لے جاتے (رشیاما آتی ہے) دیکھا تمہاری ضد کی وجہ سے میرا جانا رُک گیا۔
رشیاما: لیکن ممی مجھے بھی تو آنا تھا تمہارے ساتھ!
لوپا: تمہارا کیا کام تھا!
رشیاما: ہائے! ہائے! مجھے دیکھنا تھا اُن کو
لوپا: تو اب نہ تم دیکھو نہ مجھے دیکھنے دو۔ میری ہر بات میں ٹانگ اڑاتی ہو۔ اچھا کچھ کہوں تو بُری میں بن جاتی ہوں۔ آخر سوتیلی ماں جو ہوں نا!
ٹھگ: میرے خیال سے لوپا مدرا دیوی جی سرکاری افسر ملنے آ

اِدھر آجائے۔

شیاما: ہائے! اچھا ہوا میں نے نئے جھمکے پہن لیے۔

روپا: اتنا بن ٹھن کر تیار ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میری پاؤڈر تو نہیں دکھائی دے رہی!

شیاما: جنک شاستری جی کیا آپ نے دیکھا ہے اُن کو؟

جنک: دیکھا ہے؟ شیاما جی۔ ان آنکھوں سے! دیکھا ہے!

شیاما: کیسے ہیں وہ؟

روپا: تم بہت دیوانی معلوم ہوتی ہو۔ تمہیں کیا پڑی ہے۔ دیکھنے میں کیسے ہیں وہ؟

جنک: واہ! منوہر، نہایت شائستہ، نہایت تیز، ہیری کی طرح آنکھوں میں چمک، باتوں میں دھمک۔ کیا چال ہے! کیا ڈھنگ ہے! ان دلی والوں کے تو رنگ ہی کچھ اور ہیں۔

شیاما: جوان ہے؟

جنک: بس بیس پچیس کے ہوں گے!

روپا: کتنے؟

جنک: یوں ہی۔ تیس، پینتیس کے!

شیاما: جنک شاستری جی! وہ افسر گورا ہے یا سانولا؟

جنک: گورا! ایک دم انگریز کی طرح۔ شیاما جی آپ کے رنگ کا ہوگا۔ (روپا منھ بناتی ہے)
اوہو! اُس سے بھی گورا! روپا درا دیوی جی آپ کے رنگ کا ہوگا!

روپا: اچھا، اچھا! اب جائیے بھی۔ ذرا جا کر پتہ لگائیے کہ وہاں کیا کیا ہو رہا ہے۔ اُفوہ! اب سپاری کترنے میں وقت مت برباد کیجیے۔ لے جائیے ساتھ۔ نا۔ سروتا نہیں۔ سپاری نہیں۔

شیاما: جلدی سے آئیے انھیں (جنک شاستری جاتے ہیں)

روپا: جلدی آئیے جنک شاستری۔

(دونوں دروازے میں، پردہ .....)

دوسرا منظر

(چنک شاستری اور جگدمبا پرشاد ایک طرف سے آتے ہیں شاستری جی نے چھاتا جگدمبا پرشاد کے سر پر رکھا ہے)

چنک: یہی ہے وہ عبدالغفور کا ہوٹل۔

جگ: چنک شاستری جی!

چنک: جنا... ب (رُکتے ہیں)

جگ: آپ دھیان میں رکھیے۔ اُس سرکاری افسر کے سامنے ہمارے اشارے کے بغیر آپ نہیں بولیں گے۔ نہیں تو کچھ اوٹ پٹانگ بات کہہ کر آپ ہمارا معاملہ ٹھپ کر دیں گے۔

چنک: سرکار! آپ مطمئن رہیے آج تو ویسے ہی میرا مون برت (خاموشی کا روزہ) ہے اور زیادہ بولنے سے ابتداء سے مجھے دلچسپی نہیں ہے۔ ہاں جنک شاستری جی کی حالت اور ہے۔ زیادہ بولنے کی اُن کی خردسالی سے عادت ہے۔

جگ: کہیں انہیں یہ ظاہر نہیں ہونے دینا کہ ہم اُن کا اصلی روپ جان گئے ہیں۔ ہم ایسا دکھائیں گے جیسا کہ ہم تم گنگا ڈسٹرکٹ میں آنے والے ہر مہمان کی کیفیت کے بارے میں فکرمند رہتے ہیں۔

چنک: آپ مطمئن رہیے جگدمبا پرشاد جی! میں آپ کی ہاں میں ہاں خوب ملاتا رہوں گا۔

جگ: انھیں عبدالغفور کے ہوٹل سے ہم گھر لے جائیں گے۔ انھیں راجہ کی طرح بڑے ٹھاٹھ سے رکھیں گے، کھانا پینا، عیش، آرام، اُن کی وہ خاطر کریں گے....

چنک: اچھا ہوا کل ہی بھشن نے شربت کی ایک بوتل خرید کر رکھی ہے۔

جگ : چلک شاستری جی! آپ کے سر پر چوٹی ہے لیکن آپ کے سر کے اندر بھیجہ نہیں ہے۔ آپ کیا سوچتے ہیں ہم دلی کے مہمان کو ویسی ٹھرّا پلائیں گے۔ کمبخت کے لئے اسکاچ کا انتظام کرنا ہوگا۔

چلک : ہو سکتا ہے وہ پیتا ہی نہ ہو!

جگ : آپ بھول رہے ہیں کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ اور کیوں آیا ہے؟ اُس کی آؤ بھگت میں ذرا سی کمی ہوئی نہیں کہ ہم سب کی رپورٹ فوراً دلّی چلی جائے گی۔ چلئے (جاتے ہیں)

تیسرا منظر

(ایک سستے ہوٹل کا کمرہ۔ خستہ حالت میں بستر پر لیٹا جگنو سگریٹ پی رہا ہے)

جگنو : آہا ہا! سات دن ہوئے زمین پر لیٹے لیٹے کمر اکڑ گئی ہے۔ پیٹ میں چوہے اور دم چار رہے ہیں۔ ہوا کھا کر اور پانی پی کر کب تک کوئی گزارا کرے گا میرے اجداد میری حالت پر رو رہے ہونگے۔ مالک کنگال تو نوکر سات کنگال۔ پتہ نہیں کون سے مہورت پر ایسے مست قلندر کے یہاں نوکری کرنے کی ٹھان لیا۔ ایسی ایسی عادت ہے سرکار کی کہ دھارات ختم ہونے سے پہلے ہی ان کی جیب خالی ہو گئی۔ میں نے سوچا بڑے باپ کا بیٹا ہے۔ اپن بڑے ٹھاٹ سے رہیں گے۔ اب جگنو جی! روؤ! اپنی قسمت پر۔ سیر کرنے نکلے تھے جیب میں واپسی کے لئے بھی پیسے نہیں۔ اب یہیں رہو۔ اس کوڑے خانہ میں جب تک وہ عبدالغفور لات مار کر بھگا نہیں دیتا۔

(دروازے سے غلی گانے کے بول)

اوہ آ گئے لاٹ صاحب۔ (اٹھ کر کپڑے تہہ کرنے لگتا ہے) (کیول آتا ہے خوشحال نوجوان)

کیول : کیوں بھئی جگنو! بڑا کام ہو رہا ہے یار! ایک گھنٹہ پہلے جب میں باہر گیا تھا تب سے یہی کام کر رہے ہو اتنا کام مت کرو بھائی۔ تھک جاؤ گے۔

جگنو : اور کرنے کو ہے بھی کیا؟ یہاں چھوٹے مالک

کیول : آرام!

جگنو : حرام ہے!

کیول : جگنو یہ میرے بستر پر کون سویا تھا؟

جگنو : آپ اور کون؟

کیول : سچ بتا بدمعاش تو لیٹا تھا کہ نہیں پلنگ پر ٹانگ ڈال کر سویا ہوگا! میرے بستر پر!

جگنو : لیجئے میں کیوں سونے لگا بھیا! میری چٹائی جو پڑی ہے اور آپ کا بستر کھٹملوں سے بھرا ہے۔ یہ دیکھو۔ کمبختوں نے خون چوس لیا۔ ویسے ہی خون سوکھ گیا ہے

کیول : کھٹملوں نے کاٹا ہے کیوں بے! اگر تم بستر پر سوئے نہیں تو کھٹملوں نے کہاں سے کاٹا۔ ایں!

جگنو : چٹائی میں بھی تو ہیں! چھوٹے مالک!

کیول : سگریٹ لاؤ!

جگنو : ختم کر دی آپ نے!

کیول : کیسے؟ ابے آٹھ سگریٹ تھے ڈبی میں۔ حرامی سب پی گیا۔

جگنو : نہیں چھوٹے مالک! میں تو کبھی سگریٹ کو چھوتا تک نہیں ہوں۔ میری ماں کو بالکل پسند نہیں ہیں۔ اور مجھ کے پیٹ سگریٹ پینے سے مجھے چکر آتے ہیں۔

کیول : اچھا! اچھا! ابے بکواس بند کر۔ اور سن نیچے جا اور عبدل میاں کو بول اوپر کھانا بھیجدے بڑھیا۔ ایکدم فرسٹ کلاس

جگنو: چھوٹے مالک! اتنی ہمت تو مجھ میں نہیں ہے۔

کیول: جگنو، نوکری سے نکال دوں گا واپس جاتے ہو۔

جگنو: چھوٹے مالک واپس جاتے ہیں۔ اگر گئے تو میں خود ہی نوکری چھوڑ دوں گا۔

کیول: اچھا! اچھا! جا اور کھانا بول کر آ۔

جگنو: چھوٹے مالک! وہ کھانا تو کیا نمک تک نہیں دے گا جب تک ہم اُس کا پچھلا حساب نہیں چکاتے۔

کیول: اُس کی یہ مجال!

جگنو: اُس نے مجھے کہا کہ تم چور ہو اور تمہارا مالک ایک نمبر کا مفت خور غنڈہ، لٹیرا، ڈاکو ہے۔

کیول: خاموش! بڑے چاؤ سے سُنا ہے یہ سب۔

جگنو: کہنے لگا، کل ہی کلکٹر کو بتاؤں گا کہ راجدھانی کا ایک غنڈا اُچکا، سات دن سے اپنے نوکر کے ساتھ میرے ہوٹل کی روٹیاں توڑ رہا ہے۔ پولا نظر کر دیجو۔ کل سے جیل کی روٹیاں ملیں گی۔

کیول: غنڈا ڈاکو..... اُس نے یہ سب کہا ہے۔ اور تو سُنتا رہا۔ اُسے جا کر کہو کہ یہاں ایک روغن جوش، شاہی قورمہ اور نان بھیج دے فوراً۔ نہیں تو اُس کی خیریت نہیں جاؤ۔ مرد بچے ہو۔ گھبراؤ نہیں۔

جگنو: چھوٹے مالک آپ ہی جاؤ تو اچھا ہے۔

کیول: میں! ہوں! میں ایسے نیچ آدمی کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا۔ جاؤ!

(جگنو جاتا ہے) پلے، کمینے، سالے ہوٹل والے۔ اب جوتے میں پیسے نہیں ہار چکا ہوتا تو تیرا یہ پورا ہوٹل خرید کر۔ کباڑی کو بیچتا کیا ملک ہے یہ۔ ایک دم پچھڑا ہوا۔ بازار میں پیسے کے بغیر ایک چیز نہیں ملتی۔ بس پیسے کا لالچ ہے۔ سب کو۔ کوئی اصول ہی نہیں رکھتے دینے آئے۔ اسی لئے تو ہم نوکری نہیں کرتے۔ کسی کی تابع داری نہیں ہوگی ہم سے تنخواہ کے بدلے میں اپنی آزادی نہیں کھودیں گے ہم۔ لیکن یار یہ بھی کیا آزادی ہے۔ بھوکے رہنے کی (جگنو اور ویٹر آتے ہیں)

کیول: او ہو آہو۔ ویٹر صاحب۔ خدا آپ کو سلامت رکھے۔ کھانا کہاں ہے؟

ویٹر: صاحب! مالک نے کہا ہے کہ آج سے آپ کو کھانا نہیں ملے گا۔ آپ نے پچھلے پیسے نہیں چکائے ہیں۔

کیول: اوہ! یوں کہا ہے۔ آپ کے مالک نے۔ خیر آپ بیٹھئے تو۔ بیٹھئے۔ بیٹھ جائیے۔ ارے کیا آپ آدمی نہیں ہیں؟ تو پھر کرسی پر بیٹھنے سے کیوں جھجکتے ہو۔ یہی فرق تو ہمیں ہمارے دیش سے ہٹا دینا چاہیئے۔ غریب اور امیر سب برابر ہیں۔ بیٹھ جائیے! روس میں یہ فرق نہیں ہوتا۔ پھر ہمارے ہی یہاں کیوں؟ ایک پیٹ بھر کھائے دوسرا صرف منہ تکتا رہ جائے۔ ایسا کیوں؟ ویسے آج طباخ میاں نے کیا کیا بنایا ہے کھانے کو۔

ویٹر: مغلائی چکن، شاہی بریانی، مٹن دوپیازہ، مکھنی مرغا سائل میٹ!

کیول: بس! بس! بس! اس میں سے جو آپ کے دل میں آئے لے آئے۔ آج ہم آپ کی پسند سے کھائیں گے!

ویٹر: لیکن مالک نے منع کیا ہے!

کیول: مالک نے منع کیا اور آپ مان گئے۔ اس مالک شاہی کے ظلم آپ کب تک سہتے رہیں گے آپ جیسے غریبوں کا خون پی پی کر یہ صحت بناتے ہیں۔ ایسے دیکھئے جگنو کو یہاں آنے سے پہلے کا جر کی طرح لال تھا۔ اب جگنو کی طرح ہو گیا ہے۔ یہ آپ سے دیکھا جا رہا ہے۔ کیا ویٹر صاحب؟ آپ چاہتے ہیں

کہ آپ کی آنکھوں کے سامنے دو بھوکے شہید ہو جائیں گے۔ ویٹر صاحب روغن جوش اور نان لے آیئے۔ اور ہاں پیاز بھی مت بھولئے۔ مالک کو کچھ پیسہ نہیں۔ انسانیت سب کچھ ہے! کل نان زیچ میں سے کچھ تھی۔ میاں ذرا اکراری بنا کر لاؤ لالہ دیکھو! دال گھی کا استعمال کرو۔ دس منٹ میں کچھ لے آؤ۔ نہیں تو ہم بعد کا کھانا ستے گر، لو بھوک بڑا تال بجا رہی۔

(ویٹر بھاگتا ہے)

ہوں! قسمت بھی آدمی کو کیا سے کیا بنا ڈالتی ہے۔۔۔۔۔۔

۔۔۔ بڑے باپ کا بیٹا ہوں اور ایک پلیٹ روغن جوش کے لئے لاچار بن کر ویٹر کی چیرہ گری کر رہا ہوں۔

جگنو: لگتا ہے نیلی چھتری والا ہماری طرف دیکھ نہیں رہا! یہاں سے ہم کو نکالا جائے گا تو ہم اب کہاں جائیں گے؟

کیول: زہر کھا کر مر جائیں گے!

جگنو: زہر بھی تو مجھو سئے مالک مفت نہیں ملتا!

کیول: کمبخت بھوک ایسی لگی ہے کہ میں زندہ آدمی کھا سکتا ہوں!

(جگنو دوڑ رہا ہے، ویٹر ٹرے لے کر آتا ہے)

آہا! ہا ہا! شاباش! شاباش۔ خدا آپ کو سلامت رکھے! کیا لائے ہو؟

ویٹر: روٹی اور دال! چوری چوری لے آیا ہوں۔

کیول: ویٹر میاں! یہ کس ناگوڑے بھی نہیں کھا سکتے؟ یہ دال ہے یا ہلدی ملا ہوا پانی؟ کہاں ہے؟ کہاں ہے وہ مرغ مسلم؟ قُمن دو پیازہ، روغن جوش اور نان؟

ویٹر: وہ اوروں کے لئے ہے!

کیول: ابھی ہٹایئے! اسے ہمارے سامنے سے۔

(ویٹر اٹھانے لگتا ہے) اچھا اچھا! رہنے دیجئے! چھی چھی چھی! پچھلے جنم میں ضرور پاپ کیا ہوگا

جگنو: شاید اسی جنم میں کیا ہو؟ چھوڑئے مالک!

کیول، جگنو: یہ روٹی کھینچو ذرا اسے چمڑا ٹوٹے گا لیکن یہ روٹی نہیں ٹوٹے گی۔ ویٹر میاں! کیا آٹا کی جگہ سمنٹ استعمال کرتے ہو اور یہ کیا ہے؟

ویٹر: دال!

کیول: اس طرح ہماری بے عزتی اور اوپر سے یہ دال!

ویٹر: مالک نے کہا ہے یہ نہیں دیا تو وہ پولیس کو بلائیں گے؟ کلکٹر صاحب تک کو بتائیں گے؟

کیول: ارے کلکٹر! کلکٹر کیا چیز ہے میرے سامنے (دروازہ میں جگد مبا پرشاد اور چنگ شاستری آکر کھڑے ہیں) ویٹر میاں! کلکٹر کچھ نہیں میں کلکٹر کو جیل بھجوا دوں گا۔ کیا سمجھ رکھا ہے مجھے! کیا سمجھ رکھا ہے؟ ایں؟ کیا سمجھا ہے مجھے (نظر دروازہ پر پڑتی ہے۔ چونکتا ہے)

جگ: (آگے آکر) میں آپ کی خدمت میں آداب بجا لاتا ہوں

چنگ: صد آداب! شریمان۔

جگ: سیوک کو کشا ہو۔ بغیر اجازت اندر چلا آیا! لیکن شہر کے افسر اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے یہ میرا فرض ہے کہ میں خود دیکھوں کہ یہاں رہنے والے آدمیوں کو کوئی پریشانی تو نہیں۔

کیول: پریشانی کیسے نہیں صاحب! آپ اگر آج اس عبدل کے بچے کی طرف سے چیزوں کو پوچھنے آئے ہیں تو سنیئے۔ میں، ایک کوڑی نہیں دوں گا۔ یہاں ڈھنگ کا کھانا تک نہیں ملتا۔ سوپ بناتا ہے تو مرغ کے پیر ابال کر۔ روٹیاں بناتا ہے تو سمنٹ ڈال کر۔

جگ: اوہو، ہو! میں بہت شرمندہ ہوں آپ کا انتظام میں فوراً کہیں اور کروا دیتا ہوں۔

کیول: کہیں اور؟ اور کہاں؟ میں سمجھ گیا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ مت سمجھئے کہ یہ ہوٹل بھی کسی جیل سے کم ہے۔

جگ: سرکار! جیل کا نام مت لیجئے۔

کیول: آپ کو پتہ ہے میں کون ہوں؟

جگ: سچ ہے۔ سچ ہے حضور!

کیول: سیدھے یہاں سے دلی جاؤں گا اور .....

جگ: نہیں سرکار۔ آپ ابھی دلی نہیں جائیں گے۔ میری بیوی میرے بچے اُن کا سوچئے۔

کیول: ہیں! کیا میں دلی جاؤں گا تو آپ کے بیوی بچے بڑا ماں جائیں گے؟

جگ: وہ تباہ ہو جائیں گے سرکار!

کیول: ہوں! تو ٹھیک ہے! ٹھیک ہے! نہیں جاتا دلّی لیکن اس ہوٹل میں رہنا تو جیل میں رہنے کے برابر ہے بتائیے! بتلائیے آپ کبھی جیل میں رہے ہیں؟

جگ: سرکار! جیل کا نام مت لیجئے۔ آپ نے جو کچھ ہمارے بارے میں سُنا ہے وہ سب غلط ہے۔

کیول: کیا غلط ہے؟ آپ کے اس نکم نگا ڈسٹرکٹ میں تو سب ہی کچھ غلط لگتا ہے۔ مجھے تو پیسوں کی پڑی رہتی ہے ہر ایک کو یہ عبدالغفور کا بچہ دو سو روپے مانگ رہا ہے۔ اب میں کہاں سے دوں۔ دو سو روپے بتائیے کہاں سے دو سو روپے لے آؤں؟

جگ: اوہو! بس اتنی سی بات سرکار۔ آپ خوامخواہ ہی پریشان ہو رہے ہیں؟ (اپنے آپ سے) اب آئے ہیں بچو کھلے میدان میں۔ پردیسی مسافروں کی مدد کرنا میں فرض سمجھتا ہوں (پیسے دیتا ہے)

کیول: یوں میں آپ سے ڈرتا ہوں (نوٹ لیتا ہے) غضنفر ان کو سلام کرو۔ آپ بیٹھئے تو سہی۔

جگ: جی! اس توقیر کے لائق ہم نہیں ہیں کہ ہم آپ کے آگے بیٹھ جائیں۔

چنگ: یہ اس توقیر کے ہرگز لائق نہیں ہیں۔

کیول: اچھا! ان کی تعریف؟

جگ: یہ یہاں کے چڑیا مندر کا پجاری ہے۔ چنگا شاستری کہتے ہیں مجھے۔ آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی

کیول: اچھا! چلو ہمیں بھی آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔

جگ: (مُہرے مطلب سے) آپ شاید کسی خاص کام سے نکم نگا ڈسٹرکٹ تشریف لائے ہیں؟

کیول: کہہ سکتے ہیں۔ ویسے نئی نئی جگہ جا کر نئے نئے لوگوں سے ملنے کا شوق مجھے یہاں لے آیا۔

جگ: آپ یہاں آئے ہمارے نصیب تو جاگ گئے۔ (پردہ ہٹ سے) بڑا چالو ہے کس خوبی سے اصلیت چھپا رہا ہے۔

کیول: ابھی یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ نکم نگا میں پہلی ملاقات ہوئی وہ بھی آپ سے ویسے آپ کے بارے میں بہت سن رکھا ہے!

جگ: جناب وہ سب جھوٹ ہے اس میں رتی بھر بھی سچائی نہیں ہے۔ ہم رشوت کو چھوتے تک نہیں۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ حال ہی میں ہماری شادی پر ہمیں پانچ ہزار روپے تحفہ کے طور پر بھکاری لال نے دیئے۔ تو لوگ اس کا دوسرا مطلب نکالتے ہیں۔ جب میں وہ تحفہ لینے سے انکار کر دیتا تو بے چارے بھکاری لال کا دل ٹوٹ جاتا اور کلکٹر ہونے کے ناطے جنتا کی خوشی کا خیال رکھنا میرا فرض ہے۔

کیول: بالکل درست! میں واقعی آپ کے بڑپن کی داد دیتا ہوں! دیکھئے نا! مجھ جیسے معمولی مسافر سے ملنے اس گھٹیا ہوٹل میں چلے آئے۔

جگ: (چونک سے) معمولی مسافر.... دیکھا کیسے بن رہا ہے (کیول سے) سرکار میرے رہتے ہوئے آپ اب اس گھٹیا ہوٹل میں دو پل بھی نہیں ٹھہریں گے — برا نہ مانیں تو ہمارے غریب خانے میں چل کر دیکھئے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ آپ کو کسی طرح کی تکلیف

نہیں ہوگی۔ میری تینی اور بیٹی آپ کی آؤ بھگت میں رتی بھر کسر نہیں چھوڑیں گے۔

کیول: بیٹی! آپ کی شادی تو حال ہی میں ہوئی!

جگ: حضور..... یہ تو تیسری تھی۔ لڑکی تو پہلی تینی سے ہے

کیول: اوہ! اچھا!

جگ: تو آپ تیار ہو جاتے۔ آپ انکار نہ کریں میں بالکل نہیں سنوں گا۔

کیول: میں کیوں منع کرنے لگا! جگنو ہمارا سامان باندھو!

کلکٹر صاحب .....

جگ: میرا نام جگدمبا پرشاد ہے۔

کیول: جگدمبا پرشاد جی آپ کی دریا دلی دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔

ویٹر: صاحب! مالک بل کے پیسے مانگتے ہیں!

جگ: ارے! کس سے بات کر رہا ہے؟ جاؤ جاؤ تمہارے مالک کو کہنا کلکٹر صاحب خود دیکھ لیں گے۔

کیول: اوفوہ! آپ تو بس! لیکن یہ سب میں قرض مان رہا ہوں! جگدمبا پرشاد جی دہلی واپس پہنچتے ہی آپ کی رقم کوڑی کوڑی چکا دوں گا۔

جگ: دیکھا جائے گا۔ دیکھا جائے گا! اچھا آپ کون کون سے ادارے دیکھنا پسند کریں گے؟

کیول: ادارے!

جگ: ہاں! اُن کی کارکردگی دیکھنے کے لئے بالکل ہی مشین کی طرح چلتا ہے یہاں کا کاروبار آپ کو ہم سرکاری ہال، اسکول، ہیڈ پولیس اسٹیشن اور اسپتال، کورٹ، نگر پالکا (میونسپلٹی)، جیل دکھائیں گے۔

کیول: ویسے جیل! رہنے دیجئے۔

جگ: ٹھیک ہے! ٹھیک ہے! اناد آشرم کے بچوں کی پرورش آپ دیکھیں گے۔

کیول: بڑھیا! بڑھیا!

جگ: دھرم شالا کی آگ بجھانے کا بھی پروگرام ہوگا۔

جگ: (اُسے غصہ سے گھورتا ہے) اچھا آپ ہماری وکٹوریہ میں چلیں گے؟ یا گاڑی کا انتظام کریں؟

کیول: وکٹوریہ چلے گی۔

جگ: تو پھر چپک شاستری جی۔ وکٹوریہ میں آپ کے لئے جگہ نہیں ہے۔

چپک: کوئی بات نہیں میں وکٹوریہ کے ساتھ ساتھ دوڑ دوں گا

جگ: نہیں آپ سیدھے ہمارے گھر جائیں گے اور اُن کو اطلاع دے دیں گے کہ ایک بہت بڑے مہمان گھر تشریف لا رہے ہیں میں چٹھی لکھتا ہوں نہیں تو پتہ نہیں آپ کیا گھپلا کر دیں گے۔ کاغذ .....

کیول: اس بل کے پیچھے لکھ دیجئے۔ (جگدمبا لکھتا ہے) جگنو سامان اُٹھاؤ۔

چپک: میں اُٹھاتا ہوں! میں اُٹھاتا ہوں!

جگ: چلئے شریمان!

کیول: پہلے آپ!

جگ: یہ کبھی نہیں ہو سکتا ہے۔ پہلے آپ!

(سب نکلنے والے ہی ہیں اتنے میں بنک شاستری پہنچتے ہیں)

بنک: چلئے چلئے! دھرم شالا کو آگ لگا دی گئی ہے

(پردہ)

دوسرا باب

پہلا منظر

(لوہا مدا اور شیاما دروازے میں بے چینی سے جھانکتے ہیں)

لوپا : ایک گھنٹہ ہو گیا۔ ابھی تک کوئی خبر نہیں! بنک شاستری بھی تو ایک نمبر کے نالائق ہیں! واپس آنے کا نام ہی نہیں لے رہے ہیں۔

شیاما : ہم ہی وہاں جاتے تو اچھا ہوتا!

لوپا : ہم ہی وہاں جاتے ...... اچھی بھلی میں تیار ہو کر کھڑی تھی۔ لیکن تم نے سب گڑبڑ کر دی۔

شیاما : ممی میں نے کیا کیا؟

لوپا : کیا نہیں کیا بدھو ممی میرا نکلس کہاں ہے؟ میری ہیرے کی چوڑیاں نہیں مل رہیں۔ کبھی یہ کبھی وہ۔

شیاما : لیکن ممی میں کیا کرتی! میری ہر چیز بھی تو تم نے پہن رکھی ہے۔

لوپا : راستے پر ایک آدمی نہیں نظر آ رہا۔ کہاں مر گئے سب

شیاما : وہ دیکھو۔ وہ دیکھو کوئی ناٹے قد کا آدمی! وہی ہے بنک شاستری۔

لوپا : کہاں ہے؟ مجھے تو کوئی نظر نہیں آ رہا؟

شیاما : ممی! کتنی بار کہا ہے کہ چشمہ لگایا کرو۔

لوپا : ہاں! ہاں! تم کیوں نہیں کہو گی مجھے چشمہ لگانے کو! ارے ذرا جلدی جاؤ! پیر میں مہندی لگی ہوئی ہے کیا (بنک شاستری آتے ہیں۔)

بنک : حیرت انگیز! لوپا مدرا دیوی جی نہایت حیرت انگیز!

لوپا : آپ کا حیرت انگیز گیا بھاڑ میں پہلے بتائیے۔ وہاں ہوا کیا؟ اتنی دیر سے میں انتظار کر رہی ہوں۔

بنک : لوپا مدرا دیوی جی! عبدالغفور کے ہوٹل سے بہت تیز بھاگتا ہوا آ رہا ہوں۔ مجھے سانس لینے دیجئے۔ پہلے پانی دیجئے ...... چائے چلے گی۔

لوپا : اوفوہ! مصیبت پر کاشی! شیاما دیکھ کیا رہی ہو۔ بنک شاستری کے لئے پانی لے آؤ (شیاما جاتی ہے) کیا کیا ہوا؟

بنک : چوڑیکا دیوی کی مہربانی سے سب کچھ ٹھیک ہوا۔ جیسے ہی کلکٹر صاحب پہنچے وہ نوجوان بہت ناراض ہو گیا۔ عبدالغفور کے بارے میں بے نقط بولنے لگا۔ لیکن کلکٹر صاحب نے بڑے تحمل کا مظاہرہ کیا۔ اور آہستہ آہستہ وہ اس کو پچکارتے پچکارتے جگہ پر لے آئے آخر میں وہ پوری طرح اُن کے ہاتھوں میں جیسے موم بن گیا۔

لوپا : ابی! ان کے بارے میں پوچھئے گا مت۔ باتوں کا جال یوں پھیلاتیں گے کہ سامنے والے کو پتہ ہی نہیں لگے گا کہ کب پھنس گیا؟

بنک : آپ بھی تو لوپا مدرا جی .....

لوپا : بنک شاستری جی! اوہو! مجھے تو یاد نہیں رہا آپ کے لئے

بنک : محترم کلکٹر صاحب نے ایک خط دیا ہے لیجئے۔

لوپا : (پڑھتی ہے) عزیز از جان لوپا۔ تمہیں یہ جان کر خوشی ہوگی کہ دلی کا بڑا سرکاری افسر اپنے گھر میں مہمان بن کر آ رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ پوری طرح ہمارے پنجہ میں آگیا ہے۔ تمہارا سلیقہ دیکھنے کے بعد تو وہ تمہارا غلام نہ بن جائے۔ تو میرا نام جگدمبا پرشاد نہیں۔ سچ لوپا! جتنی تمہاری تعریف کروں کم ہے۔ تمہاری قیمت ... چھ روپے سترہ نئے پیسے ہے۔

بنک : بل کے پیچھے لکھا ہے۔

لوپا : اوہ! ویسے .... اس وقت وہ سب کہاں ہیں؟

بنک : بڑا لمبا پروگرام ہے اُن لوگوں کا۔ اسپتال، کورٹ جائنگ یا ملا مدرسہ سب کچھ دیکھ کر ہی وہ لوگ یہاں آئیں گے۔

لوپا : بولنے، چالنے میں کیسا ہے؟

بنک : نہایت شائستہ، نہایت منکسر المزاج چال چلن سے

ہی پتہ چلتا ہے کہ وہ اصلی درجہ کا افسر ہے۔

روپا: ہماری قسمت ہے جو وہ یہاں آنے کو راضی ہو گئے۔

بنک: کیوں نہیں ہوگا، کیوں نہیں ہوگا! اس سرزمین سے ابھی وہ ناواقف ہے۔ (شیاما گلاس لے کر آتی ہے، ساڑی بدلی ہوئی)

روپا: پھر ساڑی بدل کر آ گئی۔ یہ ساڑی تو میں پہننے والی تھی!

شیاما: لیکن ممی یہ ساڑی تم پر نہیں جچے گی۔

روپا: کیوں نہیں جچے گی؟

شیاما: کیونکہ اس طرح کا ڈیزائن بزرگ عورتیں نہیں پہنتیں؟

روپا: میں بزرگ ہوں۔ سنا بنک شاستری۔ بتاتے میں بزرگ لگتی ہوں؟

بنک: آپ تو روپا مدرا دیوی جی! شیاما جی کی بہن لگتی ہیں — وہ بھی چھوٹی۔

شیاما: جا جاؤ، کہیں کے! (باہر ہارن بجتا ہے، بنک شاستری باہر بھاگتے ہیں۔ شیاما اندر، روپا مدرا دروازہ پر جاکر کھڑی ہوتی ہے۔ شیاما آرتی کا سامان لے کر آتی ہے روپا مدرا اس سے وہ چھین لیتی ہے۔ جج، ڈاکٹر، ہیڈ ماسٹر، پوسٹ ماسٹر، دونوں پروہت، جگدمبا پرشاد آتے ہیں۔ پیچھے سے کیول)

جج: خوش آمدید! یہ ہے ہماری چھوٹی سی رہائش گاہ۔ (روپا مدرا آرتی اتارتی ہے۔ کیول شیاما کی طرف بڑھتا ہے)

کیول: جگدمبا پرشاد جی! دیکھ رہا ہوں کہ اس چھوٹی سی رہائش گاہ میں خوبصورت سی ہرنیاں بھی ہیں (شیاما شرما کر اندر بھاگتی ہے) اور وہ بھی چنچل۔ ارے آپ سب لوگ کھڑے کیوں ہیں؟ (روپا اندر جاتی ہے)

ہیڈ ماسٹر: ہم لوگ کیسے بیٹھ سکتے ہیں شریمان جب آپ کھڑے ہیں؟

کیول: اوہو! یہ بات ہے! لیجئے میں بیٹھ گیا۔ ویسے شہر کے ادارے دیکھ کر، اُن کا کاروبار دیکھ کر میں خوش ہو گیا۔ اب ہسپتال کی بات لیجئے، ڈاکٹر:…؟

ڈاکٹر: جی شریمان! ڈاکٹر شبیر

کیول: ہاں! وہی ڈاکٹر شبیر! اسپتال میں جو صاحب جامن آپ نے کھلائے آ ہا ہا ہا! ہم نے شاید ہی ایسے لذیذ گلاب جامن کبھی کھائے ہوں۔ جانے سے پہلے ایک بار پھر ہم آپ کے اسپتال کو آئیں گے۔

جج: شریمان، محترم! آپ میرے پاس نہیں آئے ورنہ ایسے رس گلے کھلاتا کہ آپ دوبارہ گلاب جامن دیکھنا پسند نہیں کرتے۔

کیول: ضرور آئیں گے! آئیں گے جج صاحب۔ کورٹ میں آئیں گے۔ لیکن ڈاکٹر……؟

ڈاکٹر: شبیر۔

کیول: وہی ڈاکٹر شبیر! اسپتال میں پیشنٹ ہی نہیں تھے۔

بنک: سب ہراتی چلے گئے۔

جگ: انہوں نے اسپیشل بس طے کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے بہت منایا لیکن وہ رکنے کو بالکل تیار نہیں ہوتے۔

کیول: باراتی، لیکن میں کسی شادی کی نہیں اسپتال کی بات کر رہا تھا۔

ڈاکٹر: بات یہ ہے کہ اسپتال میں رکھنے کے لئے کوئی مریض پکڑ میں ہی نہیں آیا۔

کیول: پکڑ میں نہیں آیا۔

جگ: مرض کی پکڑ میں نہیں آیا۔

کیول: اوہو! اچھا! اچھا! میں نے سوچا کہ جس طرح کبھی کبھی ڈاکٹر لوگ ہڑتال پر جاتے ہیں اسی طرح یہاں مریض ہڑتال پر گئے ہوں (خود ہنستا ہے، (دیر سے دیر سے سب ہنستے ہیں) ویسے کافی صحت مند ڈسٹرکٹ ہے یہ آپ کا۔

جگ ، ویسے محترم! آپ دیکھیں گے کہ نئم نگر ہر میدان میں ترقی کر رہا ہے۔

نگی ، جس طرح اسپتال میں مریض کم ہیں اسی طرح جیل میں مجرم ایک دم کم ہیں۔

چک ، اور ہمارے اسکول میں طالب علم بھی بہت کم آتے ہیں۔

جگ ، ہمارا یہ نصب العین ہے کہ ہمارا ڈسٹرکٹ ایک مثالی ڈسٹرکٹ بن کر رہے۔ لوگوں کی نجات کے بارے میں ہم دن رات سوچتے رہتے ہیں۔

چک ، اور سوچتے ہی رہتے ہیں۔

کیول ، کلکٹر صاحب! آپ اتنی عوامی خدمت انجام دیتے ہیں کبھی تفریح کا بھی کچھ سوچتے ہیں یا نہیں۔ مطلب یہ کہ تاش واش!

نگی ، ہاں! ہاں! کلکٹر صاحب کو رمّی کا بہت شوق ہے۔ کل ہی شام یہ ساڑھے تین روپے ہار گئے۔

جگ ، جی مجھے تاش واش کھیلنے کے لئے وقت کہاں؟ میں تو بادشاہ کون؟ اور غلام کونسا؟ یہ بھی پہچان نہیں پاتا ہوں؟

کیول ، لیکن آپ بیگم ضرور پہچانتے ہیں کیوں؟ (سب ہنستے ہیں) اوہ سگریٹ ختم ہو گئے۔

جگ ، یہ لیجئے۔ ارے سگریٹ کہاں گئے؟

چک ، ہم لے آتے ہیں۔ چار مینار؟

کیول ، ڈن ہل لے آیئے! (نگی اور چک شاستری ، بھاگتے ہیں) کیا آپ شوق نہیں فرماتے جگد مبا پرشاد جی!

جگ ، اجی! جب سے شیاما بڑی ہوئی ہم نے بس چھوڑ دیا!

کیول ، کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ شیاما کون ہے!

ہیڈ ماسٹر ، اجی! جگد مبا پرشاد جی کی صاحبزادی۔ سارے نئم نگر ڈسٹرکٹ میں خوبصورت اور ہوشیار بھی ہے۔

پوسٹ ماسٹر ، شیاما جی! شیاما جی۔ جا رہے ہیں۔ (لوپا مدرا آتی ہے)

جگ ، (اُسے نہ دیکھ کر) یہ ہے ہماری بیٹی شیاما۔

کیول ، ہاں! ہاں! آپ شرمایئے نہیں۔ شرمایئے نہیں۔ ابھی دلی کی لڑکیوں سے کچھ سیکھئے۔ وہاں تو اُن سے لڑکے شرماتے ہیں۔

نگی ، لیکن مہاشے!

ڈاکٹر ، آپ کو کچھ غلط فہمی ہوئی۔

کیول ، شیاما جی! آپ بیٹھ جایئے نا! ہم نے سنا ہے۔ آپ گانا بہت اچھا گاتی ہیں۔

جگ ، اجی یہ شیاما نہیں۔ یہ شیاما نہیں۔

کیول ، کیا؟ یہ شیاما نہیں۔ یہ آپ کی بیٹی نہیں؟

جگ ، جی نہیں! یہ ہماری بیٹی نہیں۔ یہ ہماری.... ماں ہے!

کیول ، ارے! ارے معاف کیجئے۔ تو پھر شیاما جی کونسی ہیں۔

پوسٹ ماسٹر شیاما جی!

سب ، شیاما جی!

جگ ، ہو سکتا ہے ادھر ہو۔ میں خود دیکھ آتا ہوں۔ (جاتا ہے) (شیاما آتی ہے)

پوسٹ ماسٹر آپ ہیں شیاما جی۔ یس یس یہی ہیں۔

کیول ، واہ! واہ! واہ! میری یہ خوش نصیبی ہے کہ میں ایسے گھر میں مہمان بن کے آیا ہوں۔ شیاما جی! آپ بھی دلی آیئے نا؟ وہاں دیکھنے کے لائق بہت کچھ ہے۔ قطب مینار۔ جامع مسجد، پارلیمنٹ ہاؤس، قرول باغ، موتی باغ۔ (لوپا مدرا جی آپ بھی آیئے)

کیول ، آپ سے مل کر اندرا جی تو بہت خوش ہوں گی۔

ہیڈ ماسٹر ، سنا ہے دلی میں بہت بڑھیا چڑیا گھر بھی ہے

کیول ، ہاں وہ تو ہے۔ لیکن لگتا ہے نئم نگر کا چڑیا گھر اُس سے بہتر ہے۔

جج: آپ کو ٹکم گنج تو بالکل دیہات معلوم ہو رہا ہوگا۔

کیول: ہاں! اگر ایسا بھی ہو تو میں آپ کو بتانا چاہوں گا کہ دیہات ہمیں بے حد پسند ہے؛ وہ سکون و راحت وہ ٹھنڈی ہوا وہ اُبھرتا ہوا سورج وہ ڈوبتا ہوا چاند وہ چہچہاتی ہوئی چڑیاں ...

ہیڈ ماسٹر: آپ کے آنے سے سارا ٹکم گنج پاک ہوگیا (پروہت سگریٹ لے آتے ہیں کیول سگریٹ نکالتا ہے۔ تین چار لوگ لائٹر آگے کرتے ہیں)

لوپا: کیا آپ سگریٹ پیتے ہیں؟ (کیول لائٹر بجھاتا ہے)

کیول: لوپا مدرا دیوی جی! آپ کو ہمارا سگریٹ پینا پسند نہیں تو لیجئے آج سے ہم نے سگریٹ چھوڑ دی۔ ارے ارے آپ سب بیٹھ جائیے نا!

ڈاکٹر: آپ جیسی ہستی کے سامنے ہم جیسے چھوٹے لوگوں کا بیٹھ جانا زیب نہیں دیتا۔

کیول: یہی تو ہم نہیں چاہتے! لیکن کیا کریں ہمارا رعب ہی شاید کچھ ایسا ہے کہ ہم جہاں بھی جائیں لوگ ہمیں جھٹ پہچان لیتے ہیں۔ دلی میں تو پوچھئے مت گھر سے باہر نکلنا مشکل ہوتا ہے۔ آٹوگراف کے لئے پیچھے پڑے رہتے ہیں لوگ۔ اب ہمیشہ سیکورٹی والے آگے پیچھے رہیں یہ تو اچھا نہیں لگتا اور دلی ہی کیوں ایک بار ڈیڑھ دن کی فلمی اکیڈمی میں گیا تھا کہ میرے پہنچتے ہی بگل بجنے لگا۔ دوسرے دن نسیم نے بتایا۔

جج: نسیم۔

کیول: مانک شاہ انہوں نے بتایا کہ میرے اعزاز میں۔ اسپیشل مارچ پاسٹ کیا گیا تھا۔

لوپا: آپ کی فلمی میں بھی جان پہچان ہے۔

ہیڈ ماسٹر: تو پھر ایک آدھ بوتل رم کی اگر ہمارے لئے منگوا دیں

(اُسے باقی سب چپ کرواتے ہیں)

کیول: اجی! فلمی اور پولیس ہماری کہاں پہچان نہیں اب فلم لائن کی ہی بات لیجئے۔ سائرہ بانو جب چھوٹی تھی تو اتنی سی تھی۔ ہم نے نسیم بانو سے کہا کہ یہ ایک دن ضرور آپ کا نام روشن کرے گی۔ بتائیے کیا کر نہیں؛ آداب عرض ہے۔

شیاما: ہائے مجھے فلم میں جانے کا بڑا شوق ہے۔

کیول: ہاں! کیوں نہیں؟ کیوں نہیں۔ ویسے ممتاز بھی ریٹائرڈ ہو گئی ہے۔ لوپا مدرا جی کہیں آپ کو تو فلموں میں جانے کا شوق نہیں۔

لوپا: فلموں کا تو نہیں لیکن مجھے ٹیلی ویژن کا بہت شوق ہے۔ ہم نے ایک سٹ بھی منگوایا ہے۔

کیول: لیکن ٹکم گنج میں ٹی وی سٹ کا کیا فائدہ؟

لوپا: کلکٹر کے گھر میں ٹی وی سٹ تو ہونا ہی چاہیئے نا۔ ہال میں رکھا رہے گا شان بڑھے گی نا!

کیول: بالکل درست! جواب نہیں آپ کا لوپا جی!

لوپا: جب میں دلی جاؤں گی مجھے بس ایک بار بہنوں کے پروگرام میں چانس دے دیجئے!

کیول: ٹھیک ہے۔ میں دلی جاتے ہی اندر۔ سے کہہ دوں گا۔

لوپا: اور اگر آپ بھول گئے تو؟

کیول: میں بھول سکتا ہوں لوپا مدرا جی۔ میں نہیں بھول سکتا۔ اور اگر بھول بھی گیا تو آپ چھٹی لکھ دیجئے۔ "کیول کمار! نئی دلی --- اس پتہ پر۔

ہیڈ ماسٹر: کیا اتنا پتہ کافی ہے۔

جج: اوہو! آپ بھی کیسی باتیں پوچھتے ہیں؟
(جگر مہا پرشاد جی آتے ہیں)

کیول: اچھا! تو اب جگدمبا جی آپ اپنا کمرہ ہمیں دکھا دیں۔ حضرات! امید ہے کہ ہم ملتے رہیں گے۔

روپا: چلیے میں آپ کو کمرہ دکھاتی ہوں (دیکھول' کیا اندرا
شیاما چلی جاتی ہیں)

ہیڈ ماسٹر: مجھے رتی بھر بھی شبہ نہیں۔ یہی ہے وہ دلی کا سرکاری افسر۔

سب: بس یہی ہے۔ یہی ہے

(پردہ)

دوسرا منظر

(جگدمبا پرشاد دھیرے سے آتے ہیں)

جگ: بھشنیا! بھشن پرکاش.... (روپا اندر آتی ہے)

روپا: کیا بات ہے؟

جگ: کتنی زور سے بول رہی ہو؟ معلوم نہیں افسر صاحب سو رہے ہیں۔ دیکھو بھشن پرکاش سے کہنا کہ کوئی دکاندار آئے تو انھیں اندر نہیں آنے دینا۔ میں نے سنا ہے کہ سارا ٹکم گلا میری شکایتیں لے آنے کے چکر میں ہے۔ حرامزادے میرے ہی گھر آکر میرے خلاف عرضیاں دیں گے۔ ایک کو بھی اندر گھسنے نہیں دینا (شیاما آتی ہے۔)

شیاما: ممی! میری روبی کی انگوٹھی تم نے لے لی!

روپا: مجھے کیا پڑی ہے کہ میں تمہاری چیزیں لوں۔ میرے پاس کم کچھ نہیں ہیں۔

جگ: ارے بابا! کم سے کم اس وقت تو جھگڑا مت کرو ابھی وہ سوئے ہیں۔ رات بہت دیر تک جاگتے رہے۔ جانتی ہو انھوں نے ایک ہی سیٹنگ (بیٹھک) میں پوری کی پوری "شی واز ونگل" ختم کر دی۔

روپا: تمہیں تو کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا۔ سارا دلیا کا دلیا پڑا ہے۔ دہی گرم کر کے کھلاؤں گی لنچ پر۔

جگ: پتہ نہیں عورتیں موقع کی نزاکت کیوں نہیں سمجھ پاتیں

یہاں ڈر کے مارے میری جان نکلی جا رہی ہے۔ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کب کیا ہو گا؟

روپا: مجھے تو ذرا بھی ڈر نہیں لگ رہا۔ کتنا پیارا طرزِ عمل ہے اُن کا۔ مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے برسوں کی پہچان ہے ہماری۔

شیاما: مجھے تو لگ رہا تھا جیسے جنم جنم کی پہچان ہو۔

روپا: کیا بولنے چالنے کا طور طریقہ ہے؟ بہت ہی شریف آدمی ہے۔ دیکھنے میں بھی ہیں تو چوڑی چکلی۔

شیاما: ہائے! میری طرف تو وہ یوں دیکھ رہے تھے کہ ممی....

روپا: بیچ میں ضرور بولے گی۔ کتنی بار کہا ہے کہ بڑوں کی باتوں میں دخل مت دیا کرو۔

جگ: اور آپ کو کتنی بار کہا ہے کہ آپ ہمارے کام کے بیچ میں مت آیا کرو۔ مہربانی کرو اور اندر تشریف لیجاؤ کچھ کھانے پینے کا انتظام کرو۔ (دونوں جاتی ہیں۔ باہر سے پوسٹ ماسٹر ہیڈ ماسٹر، جج، ڈاکٹر اور پروہت آتے ہیں) ہیں! آپ سب لوگ یہاں۔

ہیڈ ماسٹر: جی! ہم تو درشن کرنے آئے تھے!

جگ: تھوڑی دیر میں، میں شہر کی طرف آ ہی رہا تھا۔ صبح صبح گھر آنے کی۔ کیا ضرورت آن پڑی؟

جج: جی! ہم درشن آپ کے نہیں.....

ڈاکٹر: اُن سرکاری افسر کے کرنے آئے ہیں!

جگ: اور کوئی کام نہیں تھا آپ لوگوں کے پاس؟ صبح صبح سرکاری افسر کو تنگ کرنے چلے آئے۔

جج: جی! کام ختم کر کے ہی تو آ رہے ہیں۔ میں نے تقریباً ساری مرغیاں بیچ دیں۔ چار کل رات آپ کے گھر بھیج دی تھیں۔

ہیڈ ماسٹر: میں نے اسکول میں بچوں کی پینٹنگ کی نمائش لگوا دی ہے۔ افسر صاحب دیکھ کر بہت خوش ہو جائیں گے۔ کیوں نہ

ہنڈی کرافٹس ایمپوریم سے چن چن کر چیزیں اُدھار لے آیا ہوں۔

ڈاکٹر: میرے اسپتال میں اگر کوئی دیکھے تو ہر پلنگ پر پیشنٹ پڑا ہوا ملے گا۔ شہر کے سارے بھکاریوں کو جمع کر کے انھیں زبردستی شریک کر لیا ہوں۔ اب اسپتال کی رونق دیکھنے کے لائق ہے۔

چلک: ہم دونوں نے بھی نہایت اہم کام میں وقت گزارا ہے مندر کے آگے جو کوڑے کی ڈھیر تھی اُسے اٹھا کر

ٹنک: مندر کے پیچھے کی طرف کروا دی ہے۔

جگ: ٹھیک ہے نہ! ٹھیک ہے! اچھا کیا۔ دیکھو میں کچہری جا رہا ہوں۔ بہت کام پڑا ہے۔ اُن کیلئے دینا ہے۔ اُس کی تیاری کرنی ہے۔ اُن کا کوئی کام نکلے تو مجھے ذرا خبر کر دینا۔

پوسٹ ماسٹر: کیا ٹیلیفون ٹھیک ہو گیا؟

جگ: پوسٹ ماسٹر جی! جب تک آپ کی ٹانگیں ٹھیک ہیں تب تک آپ کو ٹیلیفون کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ (چلا جاتا ہے)

ہیڈ ماسٹر: میرے خیال سے ہم یوں لائن میں کھڑے رہتے ہیں تاکہ وہ ہمیں ایک ساتھ ہی دیکھ پائیں۔

پوسٹ ماسٹر: ہم انھیں سلام کریں گے یا شیک ہینڈ۔

ڈاکٹر: شیک ہینڈ کرنا ہی ٹھیک ہو گا۔ ہاتھ اور مٹھی ایک ساتھ ہی دبا ئیں گے۔

جج: لیکن کیا پتہ! ہو سکتا ہے وہ رشوت لینے والوں میں سے نہ ہو۔ تب تو مارے جائیں گے نا۔

چلک: ہم یوں کرتے ہیں... ڈاک سے انھیں منی آرڈر بھیج دیں گے۔

ٹنک: انھیں پتہ بھی نہیں چلے گا کہ کس نے بھیجے ہیں؟

جج: بہت خوب! آپ کا بھی جواب نہیں۔

ڈاکٹر: اُسے اگر پتہ نہیں چلتا تو بھیجنے کا فائدہ ہی کیا ہوا؟

ہم تما سے کسی ایک کو اُس سے بات کر کے ذرا آزمانا ہوگا!

ہیڈ ماسٹر: تو پھر ڈاکٹر صاحب آپ ہی اُن سے بات کیجئے۔ کل آپ نے اُن کو اچھی دعوت جو دی ہے۔

ڈاکٹر: میرے خیال سے ہیڈ ماسٹر جی آپ ہی یہ کام کیجئے۔ بھاشن دینے کی بیماری ویسے ماسٹر لوگوں میں ہی زیادہ ہوتی ہے۔

ہیڈ ماسٹر: اجی! جج صاحب سے زیادہ لائق کون ہو گا— ججمنٹ دینا تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

جج: اجی! ججمنٹ وکیل لکھ دیتا ہے۔ تبھی تو ہم پڑھتے ہیں۔ (جگنو آتا ہے۔ باہر کی طرف جانے لگتا ہے)

چلک: بہت ہے اُس کا ذکر... جگنو!

ٹنک: اُسے پوچھتے ہیں۔

سب: سنئے! سنئے!... جگنو جی... جگنو صاحب!

جگنو: کیا ہے؟

ہیڈ ماسٹر: ذرا ایک منٹ بات تو سنئے!

جگنو: میں جلدی میں ہوں۔

ڈاکٹر: بڑے صاحب اُٹھ گئے کیا؟

جگنو: ہاں! اُٹھ گئے ہیں۔

جج: کیا کر رہے ہیں؟

جگنو: کچھ لکھ رہے ہیں!

جج: باپ رے! ضرور ہماری رپورٹ لکھ رہے ہوں گے

ہیڈ ماسٹر: ہم ایک ایک کر کے اُن سے ملنا چاہتے ہیں!

جگنو: کل آئیے یا پرسوں! دیکھئے مجھے دیر ہو رہی ہے۔

ڈاکٹر: جگنو جی! کسی بھی طرح ہمیں آج ملا دیجئے نا!

جگنو: میں بازار جا رہا ہوں۔ مجھے دس روپے توڑ کر لانے ہیں ابھی...

جج: اوہو! تو یہ Change ہم سے لیجئے نا! اوہو! پانچ ہی روپے ہیں۔

ڈاکٹر: یہ رہا روپیہ، ہیڈ ماسٹر جی۔
ہیڈ ماسٹر: ایک روپیہ ہے پوسٹ ماسٹر جی!
پوسٹ ماسٹر: آج پوسٹ آفس میں منی آرڈر آئی ہی نہیں! لیکن یہ ایک روپیہ نکلا!
چنگ: میرے آٹھ آنے:
بنگ: یہ رہے میرے آٹھ آنے!
ہیڈ ماسٹر: ہو گئے نا! پورے دس روپے جگنو جی!
جگنو: اچھا! اب میں بڑے صاحب کو بتاتا ہوں۔ لیکن آپ سب اکٹھا یہاں مت آئیے۔ ایک ایک کر کے آنا۔ وہ بھی پانچ منٹ کے بعد۔ (اندر جاتا ہے)
پوسٹ ماسٹر: دس روپے کا ٹیکہ لیا۔ لیکن دس روپے تو دیتے ہی نہیں۔
ڈاکٹر: اوہ! بڑے صاحب سے ملنے کا تو پکا ہو گیا۔
ہیڈ ماسٹر: لیکن میرا ایک روپیہ!
جج: آپ ایک روپے کے لئے رو رہے ہیں ہیڈ ماسٹر جی میرے تو پانچ روپے گئے ہیں چلئے (سب جاتے ہیں۔ اندر سے جگنو اور کیول آتے ہیں۔)
جگنو: چلے گئے ہیں چھوٹے مالک۔ لیکن بس ابھی آتے ہی ہوں گے
کیول: میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آخر چکر کیا ہے؟
جگنو: چکر وکر کچھ نہیں ہے چھوٹے مالک! حکم نگر کے یہ سارے بے وقوف اور مفت خور یہ سمجھتے ہیں کہ آپ دلی کے کوئی بڑے افسر ہیں۔ ان سب کی رپورٹ لکھنے آئے ہیں!
کیول: ہوں! تب ہی ہماری اتنی آؤ بھگت ہو رہی ہے — کلکٹر صاحب نے بھی اتنے اہتمام سے اپنے گھر میں رکھا ہے۔ ... ویسے اُن کی لڑکی اچھی ہے ... بیوی بھی بُری نہیں۔ کیا خیال ہے؟ (جج آتا ہے)
جج: یور آنر، یور ایکسیلنسی!
کیول: آئیے! آئیے جج صاحب!
جج: گڈ کنفرونٹ یور آنر!
کیول: ویسے ابھی مارننگ ہی چل رہی ہے۔ جج صاحب! کہئے کیسے آنا ہوا؟
جج: یہی گڈ مارننگ کرنے کے لئے یور آنر۔ گڈ مارننگ یور ہائی نس!
کیول: (چڑ کر) او ہو! گڈ مارننگ جج صاحب!
جج: گڈ مارننگ یور ایکسیلنسی!
کیول: کیا ہم لوگ اور بھی کچھ بات کریں گے یا اچھی صبح کا ہی راگ الاپتے رہیں گے۔ یہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے (چھپے گر تے ہیں) ارے! ارے آپ کے نوٹ ہیں لیجئے۔
جج: نہیں! رکھئے رکھئے! کوئی بات نہیں!
کیول: چار سو روپے۔
جج: جی! یور آنر!
کیول: جی! یہ ہم نہیں رکھیں گے۔
جج: رکھئے یور آنر!
کیول: ہرگز نہیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ ویسے یہ نوٹ پھٹا ہوا ہے۔
جج: اوہ! بدل دیتا ہوں!
کیول: آپ بھی بس شرمندہ کر رہے ہیں۔ اچھا یہ میں قرض کے طور پر رکھ رہا ہوں۔ سفر کے دوران کام آئیں گے۔ شکریہ!
جج: اجی! آپ کی سیوا کرنے کا موقع ملا۔ ویسے کورٹ کا سب ٹھیک چل رہا ہے۔ آپ کو فکر کرنے کی فرصت نہیں۔
کیول: اچھا! ہم کوشش کر رہے ہیں... کورٹ... کے اندر... [illegible]

کے باہر رہیں۔ میرا مطلب ہے بدمعاش جیل کے اندر اور شریف
جیل کے باہر رہیں۔

ڈ، جی! میں چلوں۔ کورٹ میں بہت کام ہیں۔

کیول، جی ہاں! مریضوں کو دانہ پانی دینے کا وقت ہوا ہوگا!
(ڈ جاتا ہے)

کیول، چار سو روپے! یہ ڈ بھی سمجھدار آدمی لگتا ہے۔
(ہیڈ ماسٹر آتے ہیں)

کیول، آئیے! آئیے۔ ہیڈ ماسٹر جی! کیا! آپ بھی یہیں گڈ مارننگ
کرنے کے لئے آئے ہیں؟

ہیڈ ماسٹر، جی! آپ نے کیسے جانا؟

کیول، ہیڈ ماسٹر صاحب! ہم کیا کچھ نہیں جانتے؟

ہیڈ ماسٹر: جی ہاں! وہ تو ہے!

کیول، آج اسکول کو چھٹی ہے!

ہیڈ ماسٹر: جی ہاں! .... جی نہیں۔ ویسے آپ سے ملنے کے
لئے تھوڑی دیر اسکول چھوڑ کر آیا ہوں۔ ہمارے
اسکول کی فنکشننگ (Functioning)
کے بارے میں آپ سے کچھ صلاح کرنی تھی!

کیول، ہمارا تو بس ایک ہی مشورہ ہے۔ ہیڈ ماسٹر جی کہ
اسکول میں اچھی سی ماسٹرنی رکھیئے۔ ماسٹر لوگوں کا
بھی دل لگا رہے گا۔ کیوں؟

ہیڈ ماسٹر، یس سر!

کیول: ویسے میں چاہتا تھا کہ آپ کے اسکول کو ایک
چھوٹا سا ڈونیشن دے دوں۔ لیکن ٹکم گڑھ کے
اسٹیشن پر ہی جیب کتروں نے ہمارا جیب خالی کر دیا۔
آپ کے پاس دو تین سو روپے ہوں گے۔

ہیڈ ماسٹر، سو روپے ہیں سر!

کیول: ٹھیک ہے۔ میں دہلی جاتے ہی ٹیلیگرام سے بھیج
دوں گا۔ ویسے آپ کے لئے میں کچھ کر سکتا ہوں۔

ہیڈ ماسٹر: ایک بات بتانی تھی سر! لیکن ہمت نہیں ہو رہی۔

کیول، بتائیے! بتائیے ہیڈ ماسٹر جی! آپ تو بچوں کی طرح شرما
رہے ہیں۔

ہیڈ ماسٹر: بات یہ تھی کہ کلکٹر صاحب .....

کیول، ہاں! ہاں! ہمارے میزبان کیا ہے اُن کا؟

ہیڈ ماسٹر: جی وہ .... ہمارے اسکول کے گورننگ کونسل
کے چیرمین ہیں۔ اور اسکول کے بارے میں کچھ۔۔
انھیں زیادہ ہی اپنا پن ہے۔

کیول، زیادہ ہی اپنا پن سے مطلب۔

ہیڈ ماسٹر: مطلب یہ کہ ابھی اپنے پن کے چکر میں اسکول کو جو بھی
چھوٹی موٹی گرانٹ ملتی ہے اسے وہ خود رکھ لیتے
ہیں۔

کیول، اوہ! سمجھ گیا۔ ہیڈ ماسٹر جی اچھا کیا جو آپ نے مجھے
چوکنا کر دیا۔ بے فکر رہیئے۔ میں دیکھ لوں گا۔

ہیڈ ماسٹر، اچھا تو میں چلوں!

کیول، ہاں ہاں! ویسے وہ ماسٹرنی کا مت بھولئے۔ کوئی
اچھی سی خوبصورت سی ماسٹرنی ہو تو اسکول کی رونق
بڑھ جاتی ہے۔ پڑھی لکھی دیکھی ہوئی تو کوئی بات نہیں!
(ہیڈ ماسٹر جاتے ہیں۔ جگنو جھانکتا ہے۔)

جگنو، کیا؟ اسکور ہوا؟

کیول، پانچ سو نوٹ آؤٹ۔ ابھی بیٹنگ چل رہی ہے۔
(پوسٹ ماسٹر آتا ہے)

پوسٹ ماسٹر، نمستے! نمستے

کیول، آپ؟

پوسٹ ماسٹر، پوسٹ ماسٹر

کیول، کیوں پوسٹ ماسٹر جی پوسٹ آفس تو ٹھیک چل رہا ہے!

پوسٹ ماسٹر، جی آپ کی مہربانی سے چٹھیاں اڑی جاتی ہیں! ہمارا
ڈپارٹمنٹ تو ایک دم چوکس ہے! بھگوتی پرشاد کی کلکٹری

تھوڑی ہی ہے۔

کیول: کیوں؟ جگدمبا پرشاد جی کی کلرکی کو کیا ہوا؟

پوسٹ ماسٹر: اجی کیا نہیں ہوا؟ ایک بات سیدھی نہیں ہوتی وہاں۔ سارا کمبر دو کا معاملہ ہے۔ سارا عملہ تنگ اس سے پریشان ہے۔

کیول: تو پھر آپ سب لوگ مل کر کچھ کرتے کیوں نہیں؟

پوسٹ ماسٹر: اجی کریں کیا خاک۔ سب ہی جگدمبا پرشاد کے ہی محکمے ہیں۔ اب کیا بتاؤں آپ کو ایک سے بڑھ کر ایک حضرت ہیں۔

کیول: پوسٹ ماسٹر جی کیا کہہ رہے ہیں آپ؟

پوسٹ ماسٹر: اجی اپنے ساتھیوں کے بارے میں بتانا اچھا تو نہیں لگتا لیکن کیا کروں؟ ملک کی بھلائی کا بھی تو سوچنا ہے۔

کیول: آپ کی دیش بھگتی دیکھ کر مجھے رشک آتا ہے۔ اب کھول کر بتائیے۔

پوسٹ ماسٹر: اجی ہمارے جج صاحب!

کیول۔ ہاں! وہ مریضوں کے بارے میں، میں نے سُن رکھا ہے

پوسٹ ماسٹر: اجی مریض ان ہی نہیں۔ چنک شاستری ادھر منڈر لگنے نہیں کہ یہ اُن کے گھر پہنچ جاتے ہیں۔

کیول: بھلا وہ کیوں؟

پوسٹ ماسٹر: آگے میں کیا کہوں۔ آپ خود سمجھدار ہیں۔

کیول: چھی! چھی! اچھی ہی!

پوسٹ ماسٹر: اور وہ ڈاکٹر۔ جانوروں کا ڈاکٹر ہے۔ اب سیول سرجن کہلاتا ہے اور ہیڈ ماسٹر نان میٹرک ہے۔

کیول: اچھا تو ہیڈ ماسٹر کیسے بن گیا؟

پوسٹ ماسٹر: اجی کلکٹر کا آنا لیسو اکر لاتا تھا! رام! رام رام! اور وہ دو جوکر چنک اور بنک شاستری بھگوان کے نام پہ بلیک کرتے ہیں۔

کیول: چلو یہ آپ نے بہت کام کی باتیں بتائیں۔

پوسٹ ماسٹر: اجی آپ کے آنے کا اصلی مقصد کا پتہ چلا تو میں نے سوچا آپ کو سب بتانا میرا فرض ہے۔

کیول: بہت اچھا کیا آپ نے۔ اچھا پوسٹ ماسٹر جی آپ کے پاس دو ایک سو روپے تو ہوں گے مجھے ادھار چاہیے تھے۔ یہاں پر ایک آپ ہی ایسے ہیں جن سے میں مانگ سکتا ہوں۔

پوسٹ ماسٹر: ارے او! ارے گڑبڑ ہو گئی۔ دو سو میرے پاس تھے وہ جج صاحب نے زبردستی لے لئے۔ کہتے تھے آپ کو رشوت دینی ہے۔ دیکھا نا! آپ نے کیسا لچا ہے لاوپر سے کہہ رہے تھے کہ آپ نے وہ پیسے رکھ بھی لئے۔

کیول: کہاں ہے وہ نالائق کا بچہ۔ اُسے تو میں خود ٹھیک کر کے ڈسمیس کر دوں گا۔

پوسٹ ماسٹر: اچھا تو میں چلوں۔

کیول: ہاں اچھا بیٹھے جائیے (چنک بنک آتے ہیں)

چنک: نمسکار! نمسکار!

بنک: جیون سکھی رہے بلائیں دفع ہوں۔

کیول: جلدی کہئے! کیا کہنا ہے۔

چنک: ہم دیر سے برہمن ہونے کے ناطے

بنک: آپ کو آشیرواد دینے حاضر ہوئے ہیں۔

کیول: دینا آشیرواد رکھو اپنے پاس دکشنا کیا لائے ہو؟

چنک: افسوس صد افسوس ہم لاچار برہمنوں کے پاس کیا رکھا ہے؟

کیول: دھن رکھا ہے۔

بنک: نہیں رکھا ہے۔

کیول: تو پھر لے جائیے تشریف۔

چنک: میرے پاس چار روپے تیس پیسے ہیں۔ وہ آپ کی نذر ہے

بنک: میرے پاس پانچ روپے سولہ پیسے ہیں انہیں قبول کریں۔

دونوں: دکشنا آپ کی نذر کرتے ہیں۔

کیول: بس اس سے کیا بنے گا؟

چنگ: چنک تمہارے ناموں کی پڑیا میں شاید دو دو روپے ہونگے۔

چنگ: اور تمہارے انٹی میں جو ساڑھے تین روپے ہیں اُس کو تم بھول گئے۔

کیول: واہ بھئی واہ۔ فٹافٹ! مجھے اور بہت سے افسروں سے ملنا ہے۔

چنگ: مہاشے! آپ جگدمبا پرشاد کے سلسلہ میں غور کریں تو آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔

چنگ: اُن کی من مانی حرکتوں کے سبب ہم بہت پریشان ہیں۔

چنگ: مندر کے چڑھاوے میں اُن کا حصہ رہتا ہے۔

چنگ: یہاں تک کہ ناریل بھی آدھا اُن کے گھر بھیجنا پڑتا ہے۔

چنگ: گنیش مندر پر چاندی کا کلس چڑھانے کے لئے چندہ جمع کیا گیا۔

چنگ: جس کا سرمایہ ان کے گھر پر نیا رنگ دینے کے کام میں لگایا گیا۔

کیول: ٹھیک ہے! ٹھیک ہے۔ میں دیکھ لوں گا۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔

چنگ: چلک شاستری آؤ اب چلیں!

چنگ: ایک سکینڈ چلک شاستری۔ جناب والا دلی دربار میں.. وہاں کے پارلیمنٹ میں کبھی پوجا ہو تو ہمیں ضرور یاد کیجئے گا!

کیول: ہاں! ہاں ضرور۔ ضرور!

دونوں: جیون سکھی رہے دیر دیوتا جاتے ہیں (جگنو آتا ہے)

جگنو: حضور والا میرے خیال سے اب ہمیں چلنا چاہیئے۔ بہت ہو گیا۔

کیول: نہیں! نہیں مجھے بڑا مزہ آرہا ہے تم باہر دروازے پر ٹھہرو۔ کسی کو اندر مت آنے دینا۔

جگنو: بہتر! آئیے ڈاکٹر جی! (جگنو باہر جاتا ہے)

کیول: اچھا تو ڈاکٹر صاحب! آپ کے مریض کیسے ہیں؟

ڈاکٹر: اچھے ہیں سرکار! میرا مطلب ہے بیمار ہیں!

کیول: جی ہاں! اچھا ہے مریض بیمار ہوں تو ڈاکٹر کے لئے اچھا ہے کیوں؟

ڈاکٹر: یہ ہمارے اسپتال کے کچھ فوٹوز ہیں سرکار میری طرف سے

کیول: فوٹو! فوٹو لے کر میں کیا کروں گا ڈاکٹر صاحب؟

ڈاکٹر: اسپتال کی یاد آپ کو رہے۔ اس لئے آپ کے ساتھ یہ پیک

کیول: اسپتال کی یاد مجھے ویسے ہی رہے گی ڈاکٹر صاحب ۔ یہ فوٹو آپ ہی رکھ لیجئے۔

ڈاکٹر: آپ کھول کر دیکھ تو لیجئے۔ (کھول دیکھتا ہے۔ اندر نوٹ ہیں)

کیول: اوہو! اچھا! اچھا! بڑھیا فوٹوز ہیں آپ کا جواب نہیں ڈاکٹر صاحب کتنے کا ہیرو [illegible] ہیں۔

ڈاکٹر: تین ہیں!

کیول: ٹھیک ہے ہو سکتا ہے ایک آدھ اور کاپی کی ضرورت پڑے۔ اچھا۔۔۔

ڈاکٹر: آپ کو کچھ بتانا تھا۔ اسپتال کو۔۔۔

کیول: جی ہاں جی ہاں! اسپتال کو گرانٹ بھیجا دوں گا دلی سے آپ بے فکر رہیئے آپ کا اسپتال ایک بہترین اسپتال ہے۔ ایسے ہی آپ جا سکتے ہیں اور ہمیں لکھئے

ڈاکٹر: جگدمبا پرشاد کے بارے میں۔۔۔۔

کیول: سب پتہ ہے۔ وہ نمبر ایک نالائق اور لفنگا انسان ہے۔ دلی جاتے ہی میں اُن کے ڈسچارج آرڈرز بھیج دوں گا۔

ڈاکٹر: بہت شکریہ (جانے ہی باہر سے آواز آتی ہے) "ہمیں افسر صاحب سے ملنا ہے۔ (جگنو کی آواز) وہ اس وقت نہیں مل سکتے۔

(جگنو آتا ہے ایک ہاتھ میں بڑا ڈبہ، دوسرے ہاتھ میں بوری اور بغل میں بنڈل ہے آتا ہے)

جگنو: حضور والا باہر بھیڑ ہے لوگوں کی۔ سب آپ سے ملنے کے لئے بیتاب ہیں۔ بڑے بڑے تاجر ۔۔۔ کارخانہ دار، افسر لوگ۔

کیول: یہ کیا لے آئے ہو؟

جگنو: یہ اُن کے پریم کی نشانی ہے۔ یہ سوڈا واٹر بائی والا نے لوٹوں کا گرا دیا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ جگدمبا پرشاد کو رشوت دے دے کر تنگ آ چکا ہے سال میں چار بار یہ کلکٹر صاحب اپنا جنم دن مناتے ہیں اور لوگوں کو زبردستی تحفہ دینے پڑتے ہیں۔ یہ ڈالڈا کا ڈبہ سورج بھان کی گھی بھائی نے بھیجا ہے۔

جگنو: کہہ رہے تھے کہ جگدمبا پرشاد ہر سال دس لوگوں کا مال مفت میں لے جاتے ہیں۔

کیول: اس ڈبہ میں ہے کیا؟ سونا روپا بھرا ہے کیا!

جگنو: (دیکھتا ہے) جی نہیں حضور مالک! اس میں تو ڈالڈا ہے۔

کیول: اور باری میں کیا ہے؟ کوکر!

جگنو: چینی (شکر)!

کیول: اچھا چل اندر رکھ یہ سب اور سُن پہلے سرکاری افسر کو سلام کرو۔

جگنو: چھوڑئے مالک! مجھے اب ڈر لگنے لگا ہے۔ کیا پتہ وہ اصلی افسر آ جائے اور ہماری ساری پول کھل جائے۔ جیل کی ہوا کھانے سے پہلے واپس دلی چلتے ہیں۔

کیول: جا جا! تو سامان رکھ آ! اسے مجھے ڈرا رہا ہے۔
(شیاما آتی ہے) آہا! یہ کون آیا کہ میرے دل کی دھڑکن میں بہار آئی۔

شیاما: میں آپ کے لئے چائے لے آئی ہوں۔

کیول: آہا! شیاما۔ سندر شیاما جی! میرے خیال سے اس گھر کے لئے تیرا جنم ہوا تھا۔ آہا! ہا۔ یہ چائے نہیں ہے۔ یہ چائے نہیں ہے شیاما۔ سندر شیاما جی۔

شیاما: چائے ہی تو ہے۔ میں نے خود بنائی ہے۔

کیول: جی نہیں! یہ آب حیات ہے۔

شیاما: آپ کام میں مصروف ہیں؟

کیول: آپ سے بات کرنے کا موقع ہے۔ اور میں کام کرتا رہوں نہیں شیاما! میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں۔

شیاما: باتیں بنانا کوئی آپ سے سیکھے۔ آپ کتنا اچھا بولتے ہیں

کیول: اور آپ کتنا اچھا سنتی ہیں! کیا خیال ہے؟ زندگی بھر میں باتیں کرتا رہوں۔ اور آپ سنتی جائیں۔

شیاما: میں! تنہا کبھی نہیں۔

کیول: نہیں سچ مچ نہیں! بھولی بھالی معصوم شیاما۔ بیٹھو! میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔

شیاما: میں جلدی میں ہوں۔ مجھے جانا چاہیئے (اٹھتی ہے)

کیول: مت جاؤ! شیاما۔ مجھے ٹھکرا کے چلی مت جاؤ۔ مجھے اکیلا چھوڑ کر مت جاؤ۔ دو سکنڈ رک کر کچھ بات کرو۔

شیاما: آج ہوا کتنی اچھی ہے۔

کیول: ہوا؟ شیاما کیا اس سے بہتر کوئی موضوع نہیں رہا ہمارے لئے؟

شیاما: مجھے باتیں کرنا نہیں آتا آپ کی طرح!

کیول: میں بات کر سکتا ہوں کیونکہ میرے سامنے میری تمنا بیٹھی ہے۔ شیاما: ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میری تمنا بن جاؤ۔ میں تمہارے آگے جھولی پھیلاتا ہوں۔ (آنکھیں بند کر کے گھٹنے کے بل بیٹھتا ہے۔ روپا دوڑ آتی ہے شیاما بھاگتی ہے' روپا دوا کا پیالہ لے کر آنکھیں گڑا رہی ہے) ..... بولو جواب دو ... جواب دو میری جان۔

روپا: ادھر ہوا آپ کیا کر رہے ہیں۔ یوں ہوا میں کس سے بات کر رہے ہیں؟

کیول: اوہ! روپا دیدی۔ میں بہت بلند صدا میں [illegible] ریہرسل کر رہا تھا کہ آپ سے کس طرح بات کہا جائے دل کی آواز آپ تک کیسے پہنچائی جائے۔ لیکن اب آپ سامنے آ گئی ہیں تو میں خاموش ہو گیا ہوں۔

روپا: جی..... میں آپ کے لئے کافی لے آئی ہوں۔ میں نے خود بنائی ہے۔

کیول: جی نہیں، یہ کافی نہیں ہے۔ روپا مادام، یہ کافی نہیں ہے

روپا: کافی ہی ہے۔ میں نے خود بنائی ہے۔

کیول: جی نہیں! یہ آبِ حیات ہے۔

روپا: آپ مصروف ہیں!

کیول: مصروف۔ روپا مادام آپ سے دو باتیں کرنے کا موقع ملے اور میں مصروف رہوں۔ یہ کبھی ہو سکتا ہے!

روپا: باتیں بنانا کوئی آپ سے سیکھے۔ آپ کتنا اچھا بولتے ہیں۔

کیول: میرے سامنے اتنی بڑی تمنا جو ہے۔ کاش جی چاہتا ہے میں زندگی بھر باتیں کرتا رہوں۔ اور آپ سنتی جائیں۔ کیوں روپا کیا خیال ہے؟

روپا: آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ بھول رہے ہیں کہ میں ایک شادی شدہ ہندوستانی عورت ہوں۔ اس طرح کی باتیں آپ کو زیب نہیں دیتیں۔

کیول: روپا! میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم بھی اس طرح پرانے گھسے پٹے خیالوں کی ہو۔ مجھے معاف کرو۔ میں نے تمہیں ایک ماڈرن عورت سمجھا۔ میں نے سوچا کہ ہم دونوں کے بیچ کوئی فارمالٹی Formality نہیں ہوگی اور یہ شادی تو آخر ایک فارمالٹی ہے۔ ٹھیک ہے روپا مادام دیوی جی! میں دوبارہ آپ کے سامنے نہیں آؤں گا۔ الوداع!

روپا: لیکن سماج کیا کہے گا؟

کیول: سماج! سماج ہمیشہ دو چاہنے والوں کا دشمن رہا ہے روپا! چلو روپا! ہم دونوں کہیں چلے جاتے ہیں۔ دور بہت دور جہاں سماج نہیں ہوگا۔ مجھے مت ٹھکراؤ۔ میں تمہارے آگے جھولی پھیلاتا ہوں۔

(گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہے شیاما آتی ہے)

شیاما: چھی چھی! یہ کیا ہو رہا ہے۔

کیول: شیاما! میں تمہارے لئے ماں جی سے بات کر رہا تھا۔ ماں جی بتائیے ہاں یا نا! زندگی یا موت! شیاما کا ہاتھ آپ میرے ہاتھ میں دیں گی یا نہیں!

روپا: دیکھیں! تمہارے نئے بڑے صاحب مجھ سے پوچھ رہے تھے اور تم ہو کہ....

شیاما: ممی! مجھے معاف کر دو۔

روپا: کیا سچ مچ آپ شیاما سے شادی کریں گے۔

کیول: اگر آپ نے اجازت دی تو دیکھئے میری قسمت کہاں کہ مجھے اتنی حسین ساس۔ میرا مطلب ہے بیوی مل جائے۔

روپا: آپ جیسے بڑے افسر سے رشتہ ہوا تو ہمارے نصیب بھی جاگ جائیں گے۔ لیکن ان کے آنے تک...

(جگدمبا پرشاد آتے ہیں)

جگ: بچائیے! بچائیے۔ سرکار مجھے بچائیے

کیول: آپ کسے ڈوب رہے ہیں جگو جی جو آپ کو بچایا جائے؟

جگ: میری غیر حاضری میں اُن نمک حرام بدمعاشوں نے پتہ نہیں میرے بارے میں کیا کیا بتایا۔ کیسے کیسے آپ کے کان بھر دیئے جنھیں خود چور ہے ہیں سب کے سب۔ پیٹ چاہیئے ہو تو بھکاری بن کر آتے ہیں۔

روپا: پتہ نہیں آپ کونسا راگ چھیڑ رہے ہیں۔ پہلے ایک خوشخبری تو سنیئے۔ افسر صاحب شیاما سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔

جگ: تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کہاں وہ؟ کہاں ہم؟ سرکار یہ شروع ہی سے دیوانی ہے۔ عورت ذات جو ٹھہری۔

کیول: دیوانے تو ہم ہیں۔ روپا جی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔

بچے ہیں شیاما سے شادی کرنا چاہتا ہوں! اگر آپ اجازت دیں تو۔

جگ: کیا میں کوئی سپنا تو نہیں دیکھ رہا؟ ذرا چٹکی کاٹو۔ ذرا زور سے نہیں۔

کیول: تو کیا میں آپ کی طرف سے ہاں سمجھوں۔ ہم لوگ شیاما اشیرواد مانگتے ہیں۔

جگ: میرا تو سر چکرا رہا ہے۔ دلّی کے بڑے افسر میرے داماد۔ سارے ٹکم گنج کی گھگھی بندھ جائے گی۔ ہماری شکایت کرتے ہیں۔ حرام خور۔

(جگنو آتا ہے)

جگنو: چھوٹے مالک! ٹھیک ایک گھنٹے بعد گاڑی ہے سامان باندھ کر تیار رہیے۔

جگ: مطلب؟ آپ ابھی جا رہے ہیں دلّی۔

کیول: مجبوری ہے ایسے ہی میرے آرڈرز ہیں۔ دلّی جاکر... رپورٹ دے کر فوراً واپس آؤں گا۔ ٹکم گنج میں شادی کریں گے۔ دلّی رسیپشن (Reception)

کیول: راشٹرپتی بھون کے لان پر شامیانہ لگوا دیں گے۔

جگ: میرا تو خوشی کے مارے دم گھٹا جا رہا ہے۔

کیول: اچھا تو اب میں چلوں۔ جگو جی! سفر کے لئے کچھ رقم چاہیے تھی۔ یوں ہی آٹھ نو سو روپے۔

جگ: نہیں! ایک ہزار سے کم آپ کیا لے جائیں گے۔ دلّی تو بہت دور ہے۔ (اندر جاتے ہیں)

کیول: شیاما! او دارلنگ! رونا نہیں! میں جلد ہی لوٹ کر آؤں گا!

لوپا: میں اندر چلی جاتی ہوں۔ یوں ہی کباب میں ہڈّی!

کیول: آپ ہڈّی نہیں۔ گو آپ تو کباب ہیں۔

شیاما: جلدی آئیے گا۔

کیول: مجھے تمہارا ہی ہو (جگدیا پرشاد آتے ہیں)

جگ: یہ لیجئے!

کیول: اچھا تو میں چلوں۔ ویسے قسمت کا کھیل بھی عجیب ہے آدمی کو کیا سے کیا بنا ڈالتی ہے۔

جگ: اجی! یہ رشتے تو اوپر والا طے کرتا ہے۔

کیول: اچھا تو میں چلوں!

جگ: میں اسٹیشن تک آتا ہوں۔

کیول: نہیں! نہیں! میرا ڈپارچر (Departure) ٹاپ سیکریٹ (Top Secret) رہنا چاہیے۔ سیکیورٹی ریزنس Security reasons ویسے تو میں دلّی کا بڑا افسر ہوں۔ اس کا بھی پتہ نہیں لگنا چاہیے تھا۔ پتہ نہیں کیسے ٹکم گنج میں نیوز پھیل گئی۔ چلو جگنو! (دونوں جاتے ہیں)

جگ: کیوں؟ سپنے میں بھی سوچا تھا کہ دلّی کا جنوائی ہوگا، ایک دن۔ اب پتہ چلے گا ایک ایک کا منہ دیکھنے کے لائق ہوگا! آنے دو اُن کو۔

لوپا: مجھے نئی ساڑیاں خریدنی ہوں گی اور نئے زیور بنوانے کے لئے۔ سنا ہے دلّی کی عورتیں بڑی فیشن ایبل ہوتی ہیں اور ہاں آٹھ انچ اونچی ایڑی کی سینڈل پہنوں گی میں!

جگ: جو مرضی ہو پہنئے! ویسے شادی شیاما کی ہو رہی ہے آپ کی نہیں۔

شیاما: مجھے تو بھی بڑا ڈر لگ رہا ہے۔ پہلی بار جو شادی کر رہی ہوں۔

لوپا: تم کیوں ڈر رہی ہو۔ میں جو ہوں۔ چلو اندر چل کر لسٹ بنواتے ہیں۔

جگ: ہاں! ہاں! ابھی سے لسٹ بناؤ کہ کس کس کو بلانا ہے!

لوپا: ابھی وہ لسٹ نہیں ہم تو شاپنگ کی لسٹ بنائیں گے۔ کہ کیا کیا خریدنا ہے؟

جگ: اچھا جو مرضی ہو لسٹ بناؤ لیکن اندر تو جاؤ۔

(وہ ڈانس کرتی ہیں، جگدمبا ڈانس کرتے ہیں)
سارے شہر کو اطلاع کر دو۔ کہ ہر ڈانس ابھی ٹھیک نہیں ہوا
(جج، ڈاکٹر، پروہت، ہیڈ ماسٹر آتے ہیں)

سب : مبارک کنگریچولیشن (Congratulations)
بدھائی، بدھائی کلکٹر صاحب!

چنگ : ابھی افسر صاحب، اوما شیاما جی ایسا سندر جوڑا آج تک
نہیں دیکھا ہوگا۔

بنگ : نہیں کبھی چنگ : کلکٹر صاحب اور پا مدا جی کی
بات بھول رہے ہو! (چھینکتا ہے)

ہیڈ ماسٹر: آپ نے جگدمبا پرشاد جی کیا جادو کیا اُن پر!

چنگ : ارے! جادو انہوں نے کہاں۔ جادو تو شیاما جی
نے کیا!

ڈاکٹر: اس شادی کے بعد تو جگدمبا پرشاد جی آپ کا ستارہ
تو بہت چمکے گا۔ (بنگ چھینکتا ہے)

جج : اف! بدشگونی ہوئی نا چنگ شاستری۔

بنگ : سردی کی چھینک کا بدشگون نہیں ہوتا!

چنگ : ہوا تو چوٹی اکھاڑ کر ہتھیلی میں رکھ دوں گا۔

جج : افسر صاحب: کیا دلی چلے بھی گئے۔

چنگ : وہ سیکرٹ ہے!

ہیڈ ماسٹر: اب تو جگدمبا پرشاد جی کو کبھی بار بار دلی جانا پڑے گا

ڈاکٹر: کیا پتہ کل ان کو منسٹر یا ایمبیسڈر بنایا جائے۔

جج : یا کم سے کم گورنر

ہیڈ ماسٹر: ہمیں بھولیے گا نہیں۔

چنگ : آپ سب مطمئن رہیے، ہیڈ ماسٹر جی آپ کو تو دلی
یونیورسٹی کا وائس چانسلر بنا دیں گا۔

ہیڈ ماسٹر: وہ کیا ہوتا ہے!

بنگ : اور جج صاحب آپ کو سپریم کورٹ میں چیف جسٹس
اور چنگ شاستری بنگ شاستری .....

(بنگ شاستری چھینکتا ہے، پوسٹ ماسٹر آتا ہے)

پوسٹ ماسٹر: سب کچھ تباہ ہو گیا۔ مر گئے۔ تباہ ہو گئے!
برباد ہو گئے۔

سب : کیا؟ ہوا کیا؟

پوسٹ ماسٹر: تباہ ہو گیا!

جج : وہ سمجھ گئے آگے بولو!

پوسٹ ماسٹر: میں پوسٹ آفس کو تالا لگانے والا تھا اتنے میں
بڑے افسر کا وہ نوکر ایکسپریس لیٹر پوسٹ کرنے آیا۔
لیٹر دلی کے پتہ پر تھا۔ کسی ادنیاش یا تھر کے نام
بڑے افسر کا بھیجا ہوا۔ میرے اندر کی آواز کہنے لگی:
چٹھی کھولو۔

ہیڈ ماسٹر: کیا بڑے افسر کی چٹھی آپ نے کھولی!

پوسٹ ماسٹر: کیا کرتا! عادت سے مجبور ہوں۔ رہا نہیں گیا۔ چٹھی
کھولی۔ بھگوان کا نام لیا اور ایک ہی سانس میں چٹھی
پڑھ ڈالی۔

جج : پوسٹ ماسٹر جی! آپ نے دلی کے بڑے سرکاری افسر
اور ہمارے ہونے والے داماد کی چٹھی پڑھنے کی ہمت
کی۔

پوسٹ ماسٹر: جگدمبا پرشاد جی! نہ وہ بڑے سرکاری افسر ہیں نہ
وہ آپ کے داماد ہونے جا رہے ہیں!

چنگ : کیا بک رہے ہو۔ ہوش میں تو ہو!

پوسٹ ماسٹر: گستاخی معاف! میرا پورا بیان سننے کے بعد آپ کے ہوش
اڑ جائیں گے۔

چنگ : بہت بڑا گناہ!

بنگ : آخر کونسا ایسا خطرہ پیدا ہو گیا؟

پوسٹ ماسٹر: چٹھی پڑھ کر سناتا ہوں! آپ خود ہی سمجھ جائیں گے
"عزیزم ادنیاش!
تم اپنے آپ کو بہت بڑے اداکار سمجھتے ہو! لیکن

میں تمہیں ایک ایسا حیرت ناک واقعہ بتاتا ہوں جو تم سپنے میں
بھی سوچ نہیں سکتے۔ تم تو جانتے ہو کہ کچھ دنیا کا سفر شروع کرنے
کا بہانہ بنا کر، باپ سے کچھ رقم لی اور دلی سے روانہ ہوا۔ راستے
ہی میں جوئے میں ساری پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ پھر کیا کرتا۔
ٹھم گنج نام کے ایک اجاڑ سے اسٹیشن پر اتر گیا۔ اچھا ہوا کہ،
جگنو ساتھ تھا۔ اس کی جیب میں تین روپے تھے۔ ان ہی کے
سہارے ہم ٹھم گنج میں گھس گئے۔ اب مزے کی بات یہ ہے
کہ پتہ نہیں کیوں یہاں کے لوگ ہمیں دلی کا کوئی بڑا افسر سمجھ
بیٹھے۔ میاں! اپنا رعب ہی کچھ ایسا ہے۔ جس گھٹیا ہوٹل میں
ہم اترے تھے۔ وہاں کافی بل بن گیا۔ پیسوں کی امید چھوڑ کر ہوٹل
کا بدمعاش مالک ہمیں لات مار کر بھگانے ہی والا تھا کہ وہاں
ٹھم گنج کے کلکٹر صاحب پہنچ گئے۔ انہوں نے سارا بل چکایا اور
مزید زبردستی ہمارا جیب بھی گرم کر دیا۔ اس کلکٹر کا نام ہے ـــ
جگر مہا پرشاد۔ ہے دل والا۔ لیکن دماغ کی پوچھو تو خالی گھڑا۔
رشوت لینے اور دینے کے سوا اس کو اور کچھ نہیں آتا۔ ان کی
بیوی اور بیٹی دونوں نے ہماری بڑی خاطر تواضع کی۔ یہاں تک
کہ بیٹا رانی سے ہم نے عشق فرمایا اور شادی بھی طے کر لی۔

چمک : پوسٹ مین کے بچے یہ چٹھی تمہیں نے لکھی ہے۔

پوسٹ ماسٹر: یہ دیکھو۔۔۔ کیا یہ میری تحریر ہے؟

جج : نہیں یہ تحریر اچھی ہے!

ڈاکٹر : لائیے! آگے میں پڑھتا ہوں!۔۔۔ ہاں۔۔۔۔
ٹھم گنج کے عجائب خانہ میں ایک سے بڑھ کر
ایک افلاطون نمونے بھرے ہوئے ہیں۔ سنگھ منسٹر
ایک کا چور ہے۔ اُسے خود جیل کے اندر ہونا چاہیے
تھا۔ سنا ہے کافی عاشق مزاج ہے۔ ویسے پتہ نہیں
ٹھم گنج کی عورتیں اس بندر میں کیا دیکھتی ہیں۔

جج : سراسر جھوٹ! اس کو میں پھانسی کی سزا سناتا
ہوں۔

ہیڈ ماسٹر: آگے پڑھیئے!

ڈاکٹر : ٹھم گنج کے اسپتال کا نگران ڈاکٹر مچھر۔۔۔ یہ آگے
پڑھا نہیں جا رہا۔ ہینڈ رائٹنگ خراب ہے۔

ہیڈ ماسٹر: لائیے! لائیے! اسکول میں بچوں کی گندی سے گندی
تحریر پڑھنے کی مجھے عادت ہے۔ سنیئے!.....
یہ ڈاکٹر سچ مچ ہی مچھر ہے لیکن ماننا پڑے گا
کہ اس نے ہیں کاپ جان اچھے کھائے اب رہا
یہاں کا پوسٹ ماسٹر..... نئی دلی ریلوے اسٹیشن
کا قلی بھی اسمارٹ ہو گا۔ یہ پکا منگتا ہے۔

پوسٹ ماسٹر: بچو! تو دوبارہ آنا ٹھم گنج.....

ہیڈ ماسٹر: ٹھم گنج کا ہیڈ ماسٹر ہے..... ہم! ہم! ہم.....
یہ کچھ خاص نہیں۔

چمک : لائیے ہم پڑھتے ہیں!

ٹھنک : ٹھم گنج کے ہیڈ ماسٹر کا۔ ہیڈ ہی نہیں ہے۔

پھٹک : کلکٹر کے گھر کا آٹا پسوا کر ہیڈ ماسٹر بن گیا۔

ہیڈ ماسٹر: جھوٹ سراسر جھوٹ! لیکن یہ اسے کیسے معلوم
ہوا؟

ٹھنک : اب تم ہی بتاؤ کہ ایسے ایسے نکمے اور نالائق عہدہ دار
جس ملک میں راج کر رہے ہوں اس ملک کا کیا ہوگا۔
چلو چمک ہم چھوٹ گئے۔

چمک : ہاں! ہم چھوٹ گئے! ہمارے بارے میں کچھ نہیں
لکھا۔

ڈاکٹر : اجی! آپ کے بارے میں کیسے نہیں لکھا؟ لائیے۔
سنیئے!....
ٹھم گنج میں دو پروہت ہیں دو بیلوں کی جوڑی ہے
مندر میں پوجا کرنے سے زیادہ کلکٹر کی چمچہ گری
کرنے میں ان کا وقت گزرتا ہے۔

پھٹک : چلو بہت برا تو نہیں ہے۔

ٹنک : بسیل ہی تو کہا ہے! نندی بھی تو ایک بیل ہے۔
بھولا شنکر کے آگے جس کا مقام ہوتا ہے۔

ہیڈ ماسٹر: تو دوست یہ ہے محکمہ کے افسروں کی ٹولی ۔۔ ان
سب نے ہم پر اتنے پیسے برسائے کہ کم سے کم ایک
سال تک باپ کے آگے ہاتھ پھیلانا نہیں پڑے گا
ان کی مہربانی سے میں بھی رشوت خور بن گیا کیا کرتا۔
میں اب بمبئی جا رہا ہوں۔ دس پندرہ دن وہاں عیش کر
کے واپس آ جاؤں گا۔ تب تک تم اس معاملے کو لے کر
اچھا سا ڈرامہ لکھ ڈالنا!

(ٹیلیفون بجتا ہے)

سب : بج گیا! فون ٹھیک ہو گیا۔

ہیڈ ماسٹر: ہیلو! جی ہاں .... کیا؟
ڈاک محکمے سے فون؟
جی .....؟
دلّی سے اصلی سرکاری افسر آگیا ہے۔
آپ کو فوراً وہاں بلایا ہے۔
(جگو میاں بے ہوش ہوتا ہے۔)
(آہستہ آہستہ پردہ گرتا ہے۔)

تمہارا کیول

جگ : اسے ذرا گرفتار کرنا ہو گا۔ رشوت لینا گناہ ہے۔

گج : رشوت دینا بھی تو گناہ ہے!

ڈاکٹر : اور اب وہ تھوڑے سے ہی ہاتھ لگے گا؟

پوسٹ ماسٹر: کیوں؟ پتہ جو چھوڑ کر گیا ہے۔ کیول کمار .... دلّی؟

گج : میرے چار سو روپے گئے

ڈاکٹر : میرے تین سو۔

جھنک : میرے سات سو روپے

جگ : پیسوں کی بات کر رہے ہو۔ میری تو عزت مٹی میں مل گئی
اب میں محکمے میں کیا منہ دکھاؤں گا۔ کس حرام خور
نے اس کو افسر سمجھا؟

ہیڈ ماسٹر: جھنک شاستری' ٹنک شاستری سرکار!

ڈاکٹر : کہہ رہے تھے ابھی ہے وہ دلّی کا سرکاری افسر!

جھنک : ٹنک تم نے ہی عبدالغفور کے ہوٹل میں کہا۔

ٹنک : جھنک۔ جھوٹ بول رہے ہو۔ تم ہی نے کہا کہ
یہ نیا پنچھی ہے۔

(لوبا مروا اور شیاما آتی ہیں)

لوبا : ہماری شاپنگ کی لسٹ بن گئی۔ ان سب کو،
خوشخبری سنا ئی کہیں!

بازیچۂ اطفال



ایس ایم رنگلا

ایک شخص جسے میں جانتا ہوں

ساگر سرحدی کے بارے میں کچھ لکھنا مشکل نہ ہوتا اگر وہ افسانہ نگار، ڈرامہ نویس، فلم رائٹر وغیرہ وغیرہ نہ ہوتا، صرف دوست ہوتا۔ لیکن ساگر یہ سب کچھ ہے اور دوست بھی۔ یہ مرحلہ اس وقت بھی کٹھن نہ ہوتا اگر لوگ یہ نہ جانتے کہ میں اس کا دوست ہوں لیکن یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ بزرگوں کا کہنا ہے کہ عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔ ایسی صورت میں آپ مجھ سے ہمدردی کریں یا نہ کریں مجھے ہمدردی اپنے سے بھی ہے اور ساگر سے بھی۔ میں چاہے کچھ بھی لکھوں پڑھنے والے اسے "مدحِ دوستاں" سمجھیں گے یا "رشکِ دلبراں" اس کا بھی گمان ہے کہ یہ مضمون ساگر کے بارے میں کم اور اپنے بارے میں زیادہ ہو اس لئے ساگر کی بدنامی ہو نہ ہو، راقم الحروف کی رسوائی یقینی ہے۔

ساگر سے میری ملاقات اس وقت ہوئی جب روز ایک کہانی لکھنا، اسے سنانا اور دامن کی طرح تار تار کر دینا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ میں نے کبھی اسے اعتراضات اور تنقید سے بددل ہوتے نہیں دیکھا اس وقت بھی نہیں جب ادبی نشست میں غیر ادبی قسم کے نقاد نیم افسانہ نگاروں کی کہانیوں کی تعریف کرتے اور اس کے افسانے نام نہاد نقادوں کی نظر کی تند ہوجاتے۔ یہ وہ دور تھا جب ساگر، میں اور ہمارے دوسرے ساتھی بمبئی میں "نوجوان مصنفین" کے ممبر تھے۔ اتوار کی شام ہم اکٹھا ہوتے، نظمیں سناتے، افسانے پڑھتے اور ایک دوسرے پر تنقید کرتے ——— ساگر بہت ڈھیٹ قسم کا ادیب تھا، بے جا تنقید کی بوچھار اسے نئی تخلیق پہ اکساتی اور دوسرے ہفتے پھر وہ ایک نئی کہانی لے کر وارد ہوجاتا۔ نام نہاد ناقدین کی لعن طعن کے الفاظ تسمی کی جھولی کی طرح خالی ہوگئے، ساگر سرحدی لکھتا چلا گیا۔ ستائش کی تمنا اور صلے کی پرواہ کئے بغیر اور آخر وہ دن آیا جب ناک بھوں چڑھانے والے منہ بسور کر ہی سہی مگر کہنے لگے "اچھا لکھتا ہے۔"

ساگر نے ان اعتراضوں کی پرواہ نہیں کی تھی، اب ان کی تعریفوں کو اس سے بھی کم قابلِ اعتنا سمجھا۔ وہ افسانے لکھتا رہا، ڈرامے لکھتا رہا ——— چھپتا رہا۔ "ادبی دنیا" "کامران" "قند"، "افکار" (پاکستان) اور کئی ہندوستانی رسالوں میں اس کی کہانیاں اور ڈرامے شائع ہوتے رہے۔ "قند" کے ڈراما نمبر میں اس کا پہلا طویل ڈرامہ "اجنبی" چھپا

اور عادت کے مطابق اور روایت کو قائم رکھتے ہوئے ساگر نے اس ڈرامہ کو قلم زد کر دیا۔ غضب سے خوب ترکی جستجو، اظہار کے نئے پیرایوں کی لگن اور بدلتی پھیلتی زندگی کو بھرپور طریقے سے محسوس کرنے اور اسے سمیٹنے کا جذبہ اس کے یہاں پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے۔

کالج کے زمانے میں ساگر سرحدی نے صرف ڈرامہ لکھنے ہی کو کافی نہ سمجھا، ڈرامہ اسٹیج کرنے کا شوق جنون کی حد تک پہنچ گیا۔ خالصہ کالج میں طلباء اور ہم دوستوں کو تختۂ مشق بنانے کے لئے ہر موقعے پر وہ اپنے ڈرامے اسٹیج کرواتا۔

لوگ ہوٹنگ اور NO MORE کی صدائیں بلند کرتے، ہال سے باہر نکل جاتے، صرف احباب بیٹھے رہتے — ساگر کے کلاکار زمانے کی ناقدرشناسی کا گلہ کرتے۔ راتیں دارو کے اڈے پر جمع ہوتے، اپنی اپنی پونجی جوڑتی، اکٹھی کی صورت میں اکٹھا کرتے اور تلخ شراب کے دو گھونٹ پی کر نئے ڈرامے کی تیاریوں میں معروف ہو جاتے۔ یہ نقد ہم سب دوستوں کے لئے دور پیمبری تھا، تنہا میں سرکاری ملازم تھا، کالج کے ساتھ ساتھ پوسٹ آفس میں کاؤنٹر پر بیٹھ کر خط وصول کرنا، رسیدیں بنانا اور شامیں دوستوں کے لئے وقف کر دینا یہ ہمارا معمول تھا۔ ساگر سرحدی کوچنگ کلاس میں پڑھایا کرتا تھا۔ وہ نوکری کا قائل ہی نہیں تھا اور جب اُسے BENSON میں معقول نوکری ملی اس وقت تک وہ ہندوستانی اسٹیج پر اپنی حیثیت منوا چکا تھا۔ آج کے جانے مانے اسٹیج اور فلم کے اداکاروں نے ساگر کے کسی نہ کسی ڈرامے میں ضرور کام کیا ہے مرعوب کرنے کے لئے۔ چند ناموں کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔ سنجیو، راجیش کھنہ، ستین کپور، کانن کوشل، وجے دت، قادر خاں، ونود شرما، رمیش تلوار، وی۔ کے۔ شرما اور دوسرے۔

ساگر فلموں میں کیوں اور کیسے آیا۔ یہ راز آج تک مجھ پر نہیں کھل سکا۔ وہ فلموں میں آنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے اکثر ساتھی فلموں میں اپنی جگہ بنا چکے تھے۔ یہ سب اسے مشورہ دیتے، سمجھاتے لیکن ساگر ٹس سے مس نہ ہوتا۔ وہ اڑیل ٹٹو کی طرح جما رہا کہ دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے لیکن وہ کمرشیل رائٹنگ نہیں کرے گا، فلموں کے لئے نہیں لکھے گا۔ وہ اس فیصلے میں حق بجانب بھی تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کی زندگی اور ان کے فن میں تجارتی قدروں کی جھلک دیکھ لی تھی۔ ساگر پیسہ ضرور کمانا چاہتا تھا مگر اتنا کہ فرصت کے لمحات بڑھ جائیں جن میں وہ اپنا تخلیقی کام جاری رکھ سکے۔ ساگر اور میں، اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح مارکسزم سے متاثر تھے ہم جانتے تھے کہ تجارتی ماحول میں رہ کر تر دامنی سے بچ نہیں سکیں گے۔ ملازمت سے ساگر کے ذہن نے ہمیشہ بغاوت کی تھی، اور کیونکہ ہمارے ملک میں لکھ کر روزی روٹی حاصل کرنا صرف ایک ہی صورت میں ممکن تھا شاید اس لئے ساگر نے فلموں کے لئے لکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے کے پیچھے کتنی ذہنی کشمکش تھی، کتنا کرب تھا اس سے میں کسی حد تک واقف ہوں۔

سمندر میں رہ کر مگرمچھ سے بیر رکھنا شاید کوئی اور نہ کر سکے لیکن ساگر نے فلمی سمندر میں بڑے بڑے جغادری مگرمچھوں سے لڑائیاں کیں، اس میں وہ زخمی بھی ہوا۔ ایسے بھی کئی لمحے آئے کہ میں اس کی فلمی زندگی سے مایوس ہو گیا — وہ شخص جو پہلے ادبی سفر میں ہر اعتراض خندہ پیشانی سے جھیلتا رہا آج نا سمجھ فلم والوں کے اعتراضات کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ منٹو کی اس بات سے متفق نہیں تھا کہ سٹوڈیو میں داخل ہوتے وقت، رائٹر اپنی ادبی صلاحیت اور عظمت دربان کے پاس رکھ جاتا ہے اور واپسی میں پھر اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ ساگر جانتا تھا کہ اس کی ادبی صلاحیت کوئی لباس نہیں جسے اتار کر رکھ دیا جائے وہ تو ادیب کی پہچان ہے، اس کی شخصیت کا ایک اٹوٹ حصہ ہے۔ فلموں میں کامیابی کے لئے وہ اس سلسلے میں کسی سمجھوتے کا قائل

نہیں تھا۔ کامیابی اپنی شرائط پر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس میں ساگر کا نقصان بھی ہوا۔ کئی فلمیں اس نے چھوڑ دیں۔ جن فلموں کو پورا کیا اس کا پورا معاوضہ اسے نہیں ملا۔ جد و جہد لگاتار جاری رہی۔ "انوبھو" جیسی کامیاب فلم کا مکالمہ نویس آج بھی قلاش تھا: لیکن لکھائی میں وہی بانکپن تھا۔ شاید اس لئے بھی کہ رگوں میں پٹھانی خون دوڑ رہا تھا۔

یہاں میں ایک واقعہ بیان کروں گا جس سے اس کی شخصیت کا یہ پہلو زیادہ واضح ہوگا۔ ایک فلم کی شوٹنگ کے سلسلے میں اسے کشمیر جانا پڑا۔ کئی دنوں کی محنت کے بعد جب شوٹنگ مکمل ہوئی تو ایک بڑے فلم سٹار نے جشن کا انتظام کیا جہاں سبھی مدعو تھے اور ان میں فلم کا رائٹر بھی تھا۔ جشن اور ہنگامہ بڑی رات تک چلتا رہا، جام گردش میں تھے۔ ساگر نے یکلخت اپنے اندر جھانک کر دیکھا "میں یہاں کیا کر رہا ہوں؟" اس نے اپنے آپ سے پوچھا اور چپکے سے رات کے سنسان سناٹے میں تنہا چلتا ہوا وہ پہاڑی پر کھلونے کی طرح رکھے ہوئے ہوٹل میں داخل ہوا اور بیڈ روم میں پہنچ کر زار و قطار رونے لگا۔

ساگر ایسی حرکتیں تنہائی میں اکثر کرتا ہے۔ آج وہ کامیاب فلم رائٹر ہے، پروڈیوسرز اور ڈائرکٹرز چاہتے ہیں کہ ساگر ان کے لئے لکھے، مشہور فلم سٹارز اپنی فلموں میں سکرین پلے اور مکالموں کے لئے اس کا نام تجویز کرتے ہیں ــــ وہ یہ سب فلمیں لکھ سکتا ہے لیکن لکھنا نہیں چاہتا۔ فلموں میں لکھنے کے معاملے میں وہ بہت کنجوس ہے، صرف اپنی پسند کی فلمیں چن لیتا ہے، اپنے مزاج کا سبجکٹ لیتا ہے اور جن فلموں کو اسے بحالت مجبوری قبول کرنا پڑتا ہے اس میں بھی اپنی بات کہنے کے موقعے پیدا کر لیتا ہے

یہ دیوانہ بہ کار خویش ہوشیار ہے۔

تو کیا ساگر سرحدی آج محض ایک فلم رائٹر ہے؟ فلم سے تعلق رکھنے والا ہر فرد مصروفیت کا گلہ کرتا ہے۔ ساگر کا بھی فلم سے گہرا تعلق ہے لیکن وہ فلمی مخلوق نہیں جس کی زندگی ہوٹلوں میں بند کمروں، سٹوڈیو اور چار دیواری اور پارٹیوں کے شور و غل اور شراب کے پیمانوں میں غرق ہو۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ اصل زندگی نہیں، زندگی کا ایک عکس ہے جسے دیکھا تو جا سکتا ہے، چھو کر محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ اپنی مصروف ترین زندگی سے کچھ لمحے آنکھ بچا کر چرا لیتا ہے اور انہیں اپنے ذہن کی جلا اور شوق کی تکمیل میں صرف کرتا ہے۔

مصروف ترین زمانے میں وہ اپٹا (انڈین پیوپلز تھیٹر) کی ڈرامائی سرگرمیوں میں شریک رہا۔ دوستوں کے ساتھ مل کر اس نے "ناٹک ٹولی" قائم کی اور پنجابی زبان میں ڈرامے پیش کئے۔ ناٹک ٹولی کے روح رواں سوڈن سنگھ نے جب پنجاب کا ٹور رکھا تو ساگر بھی ڈراما کے کلاکاروں کے ساتھ تھرڈ کلاس میں سفر کرتا رہا جبکہ فلم کے سلسلے میں وہ ہوائی سفر کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کی اپنی ایک ڈرامہ کمپنی ہے "دی کرٹین" (THE CURTAIN) جو ڈرامہ اپٹا یا ناٹک ٹولی میں نہیں کھیلا جا سکتا ہے اسے وہ "دی کرٹین" میں پیش کرتا ہے۔ اچھے نئے لکھنے والے اور نئے ڈائرکٹر جن کو کہیں موقعہ نہیں ملتا ساگر کے ذریعہ اسٹیج پر متعارف ہوتے ہیں۔ اپنے وقت کے ساتھ وہ ان ڈراموں میں پیسہ بھی لگاتا ہے جو اس کار خیر میں جاتا ہے تو واپس نہیں آتا۔

ساگر آج بھی فلموں سے باہر لکھ رہا ہے۔ افسانہ اور ڈرامہ اس کی فنکارانہ شخصیت کا اظہار ہیں۔ وہ اپنے اس حق سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں۔ فلم ایک طاقتور میڈیم ہے۔ وہ اس کا قائل ہے لیکن اس میڈیم کو اپنے ڈھنگ سے اور اپنی سمجھ کے مطابق استعمال کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ آزاد ہو کر اپنی فلمیں بنائیں۔ ادب اور ڈراموں کے ساتھ ساتھ اس خواب کی تکمیل اس کی سب سے بڑی آرزو ہے۔ کبھی مطمئن نہ ہونے کا یہ جذبہ ساگر کو ہمیشہ بیدار رکھے گا اور بحیثیت فنکار اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ ■■

محمد سعادت علی خاں

ہندوستان میں اُردو ڈرامہ

ڈرامہ نام ہے نفسیاتی خصوصیات کے ساتھ واقعات نقل کرنے کا۔ ہندوستان کا یہ فن دنیا کے دوسرے ممالک کے فن سے بہت قدیم ہے۔ مغربی ممالک میں جب سے باقاعدہ ڈرامہ اسٹیج کئے جانے کی ابتدا ہوئی، اس سے تقریباً "دو ہزار سال قبل ہی ہندوستان میں ڈرامے کی ابتدا ہو چکی تھی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قدیم ہندوستان فن ڈرامہ کا موجد ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ دیوتاؤں کے حکم پر بھرت منی نے ایک ڈرامہ پیش کیا اور اس کے لئے ایک اسٹیج بھی بنایا تھا۔ بعضوں کا یہ خیال ہے کہ دنیا میں سب سے پہلا ڈرامہ ہندوستان میں (۵۰۰) قبل مسیح میں لکھا گیا تھا۔ اس کے لکھنے والے کا نام شری بھاسا تھا اور انھوں نے اس کے بعد (۳۵) ڈرامے اور بھی لکھے۔ "پالیٹیکا" (۳۰۰) تین سو سال قبل مسیح میں مذکور ہے کہ گوتم بدھ کے دو چیلوں نے (۴۸۰) قبل مسیح میں ایک ناٹک دیکھا تھا۔ اس طرح ناٹک کا تذکرہ "رامائن" اور "مہابھارت" میں بھی موجود ہے۔

ایک عرصہ دراز کے بعد سنسکرت زبان کے ہندوستانی ادیبوں نے باضابطہ ڈرامے لکھنے شروع کئے۔ لیکن ان ڈراموں میں بے انتہا ادبی رنگ اور ادق استعارات و تشبیہات کی بھر تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ڈرامے مقبول عام نہ ہو سکے۔ لیکن کالیداس ا بھوبھوتی نے ڈرامہ نگاری میں ایک نئی تکنیک کا اضافہ کرکے معیار کو برقرار رکھتے ہوئے انقلاب لایا اور انھوں نے نظم و نثر کو اپناتے ہوئے عوام کی دلچسپی کا بھی پورا پورا خیال رکھا خصوصاً کالیداس کے لکھے ڈرامے "شکنتلا" کو مہاراجہ بکرماجیت کے زمانے میں بے حد کامیابی حاصل ہوئی۔ مہاراجہ بکرماجیت نے اس سے بے حد متاثر ہو کر ہندوستان میں سب سے پہلا تھیٹر بنوایا اس طرح "شکنتلا" سب سے پہلا اور باقاعدہ ڈر قرار پایا۔ ایک عرصۂ دراز کے بعد یہ فن پیشہ ور لوگوں کے ہاتھوں بک گیا۔ شرفا اور امرا کنارہ کش ہو گئے۔ اور پھر یہ فن نقّال اداکاروں کے ہاتھوں تھیٹر یا منڈلی میں تبدیل ہو گیا اور ناٹک نوٹنکی بن گئے۔

اب وہ زمانہ تھا کہ لوگ سانگ "لیلا"، "رام لیلا"، "نیلا"، "نوٹنکی" "رہس" اور کٹ پتلی سے تماشوں کو تفریح کا ذریعہ بنا چکے تھے۔ اسی دور میں اردو ڈرامہ نے جنم لیا۔ اردو

ڈرامہ اور اسٹیج کی تاریخ کے بارے میں یہ صحیح ہے کہ قیاسی معلومات پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔

قیاس کیا جاتا ہے پندرھویں صدی ہی میں اردو ڈرامہ کی ابتدا ہو چکی تھی بس فرق اتنا کہ ان ڈراموں کا مرکزی خیال بدیشی تھا اور پیش کنندہ بھی بدیشی ہی تھے۔ پرتگیزیوں نے جب گوا کو فتح کیا تو حسب روایت انھوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ کا کام جاری رکھا۔ یہاں کے عوام تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اردو کا سہارا لیا اور عیسائیت کی تبلیغ کے لیے اردو اسٹیج کو اپنا آلۂ کار بنایا۔ سنہ ۱۵۳۴ء میں پرتگیزیوں نے بمبئی پر قبضہ کر لیا تو وہاں پر پہلے ہی سے موجود پادریوں نے جو ایک سال پہلے ہی بمبئی میں بس چکے تھے۔ بمبئی کی عوامی زبان اردو سے متاثر ہو کر تبلیغی ڈرامے اردو میں پیش کئے۔ غرض کہ پرتگیزیوں کے دور حکومت میں بمبئی کے اردو اسٹیج نے کافی ترقی کی اور سنہ ۱۵۵۰ء تک بام عروج کو چھو گیا۔

ان قیاسات سے قطع نظر ایک ٹھوس اندازے کے مطابق اٹھارویں صدی کی ابتدا اور فرخ سیر سنہ ۱۷۱۲ء تا سنہ ۱۷۱۸ء کا عہد حکومت تھا۔ اسی دور میں نواز نام کا ایک درباری شخص کالیداس کے مقبول ڈرامے "شکنتلا" کا سنسکرت سے اردو میں ترجمہ کیا اور ایک پنڈت نے نواز کو ترجمہ کرنے میں مدد دی اور فرخ سیر کے ایک فوجی سردار موسیٰ خان نے اس ادبی کام کے سلسلے میں اس کی مالی سرپرستی اور اعانت کی۔ لیکن محققین کا کہنا ہے کہ کالیداس نے جو تشبیہات اور دیومالائی تمثیلیں روایتی انداز میں لکھی ہیں انھیں نواز اردو میں اسی انداز میں منتقل کرنے سے قاصر رہا۔ اور یہ ترجمہ کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر ایک بار اردو میں ترجمہ کرنے کی کوشش ایک عرصۂ دراز کے بعد انیسویں صدی کی ابتدا میں ہوئی فورٹ ولیم کالج میں جان گل کرائیسٹ نے مرزا کاظم علی کو ہدایت دی کہ وہ "شکنتلا" کو ترجمہ اردو میں کریں۔ لیکن انھوں نے "شکنتلا" کو سنسکرت زبان سے اردو میں ایک خوبصورت افسانے کی شکل میں منتقل کر دیا۔ کالیداس کا اسلوب اور تمثیلی رنگ قطعی ختم ہو گیا۔ اور اسے بھی ڈرامہ نہیں کہا جا سکتا۔

پروفیسر مسعود حسن رضوی بڑی تحقیق کے بعد رقم طراز ہیں کہ اردو زبان کا پہلا ڈرامہ اودھ کے آخری سلطان جان عالم واجد علی شاہ نے اپنی ولی عہدی کے زمانے میں لکھا تھا۔ جو رادھا کشن کی کہانی پر مبنی تھا۔ اور یہ ڈرامہ بھی واجد علی شاہ نے اپنے (۳۶) رہسوں میں سے ایک رہس کی بنیادی زمین بنا کر اپنی ایک مثنوی سے مواد لے کر لکھا تھا۔ اس ڈرامے کا نام "افسانۂ عشق" تھا اور جو محل کی چار دیواری میں کھیلا گیا تھا۔ واجد علی شاہ نے ہند و ایرانی دیو مالاؤں کے امتزاج سے مزید تین ڈرامے لکھے اور یہ ڈرامے بھی محلوں کی نذر ہو کر رہ گئے۔ اسی زمانے میں سید آغا حسن امانت لکھنوی نے شاہی رہس کی طرز پر واجد علی شاہ کے لکھے ڈراموں سے تحریک حاصل کر کے ایک ڈرامہ لکھا، جس کا نام "اندر سبھا" رکھا۔ اس قصے کا تعلق راجہ اندر کے دربار سے ہے۔ یہ سبز پری اور شہزادہ گلفام کی محبت کی کہانی ہے۔ اس لحاظ سے پروفیسر موصوف کے خیال میں "اندر سبھا" کو بھی پہلا اردو ڈرامہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ ڈرامہ شاہی محلوں میں نہیں بلکہ عوامی اسٹیج پر پہلی مرتبہ پیش کیا گیا۔

ہندوستان میں انگریز بھی ڈرامے کا مذاق پرتگیزیوں کی طرح ساتھ لائے تھے۔ سنہ ۱۸۵۰ء میں چندہ کی رقم سے ایک

کیا تھیٹر بمبئی میں تعمیر کیا گیا۔ جس کا نام "بمبئی تھیٹر" رکھا گیا۔ جو بہ یک وقت گرجا گھر اور تھیٹر تھا۔ لیکن یہ تھیٹر بھی معاشی بحران سے دوچار ہو کر نیلام ہو گیا۔ بعد ازاں حکومت کی مالی امداد سے اور من و چندہ جمع کر کے اس تھیٹر کو دوبارہ "نیو بمبئی تھیٹر" جو عام لوگوں میں گرانٹ روڈ تھیٹر کے نام سے مشہور تھا شروع کیا گیا۔ اس کا افتتاح ۱۰ر فروری ۱۸۴۶ء کو ہوا۔ سیٹھ جگن ناتھ شنکر نے جو اس تھیٹر کی انتظامی مجلس کے سرگرم کارکن تھے۔ شخصی دلچسپی لے کر اس تھیٹر میں مراٹھی زبان کے ڈرامے شروع کروائے لیکن یہ تحریک بھی کامیاب نہ ہو سکی تو موصوف نے اپنے ایک دوست ڈاکٹر بھاؤ داجی لاڈ سے اردو زبان میں ڈرامہ لکھوایا جس کا نام "راجہ گوپی چند اور جلندھر" تھا۔ یہ ڈرامہ ۲۶ر نومبر ۱۸۵۳ء کو پیش کیا گیا جو اردو زبان کا پہلا کامیاب باقاعدہ شکل میں عوامی ڈرامہ قرار پایا۔ جسے اس وقت کے ہر خاص و عام نے بے حد پسندیدہ نظروں سے دیکھا اور لطف اندوز ہوئے یہاں تک کہ گورنرِ وقت نے بھی اسے دیکھ کر بے انتہا پسند فرمایا۔ اس طرح اسٹیج کے بانی سیٹھ جگن ناتھ شنکر اور اردو ڈرامہ کے پہلے مصنف ڈاکٹر لاڈ دونوں ہندو مراٹھے تھے چند باذوق بمبئی کے پارسیوں نے آگے قدم بڑھایا اور "پارسی ڈرامیٹک کور" کی بنا ڈالی، اور مئی ۱۸۵۴ء میں "پیدائش سیاوش" نام کا اردو ڈرامہ دو حصوں میں پیش کیا۔ اس کے بعد انھوں نے دو اور ڈرامے "حاجی میاں نفل اور شراب خانہ" اور "پٹھان سرفراز گل" جون ۱۸۵۴ء میں پیش کئے۔ گویا مراٹھوں نے اردو ڈرامہ کی ابتدا کی اور پارسیوں نے اردو ڈرامہ کو ترقی دی اور عام لوگوں کے مذاق کو پہچان کر ان ڈراموں سے بے پایاں دولت بھی کمائی۔ بے حساب پارسیوں نے ڈرامہ کمپنیاں قائم کیں۔ ۱۸۷۰ء سے قبل ہی ایک پارسی کمپنی نے امانت کا لکھا ڈرامہ "اندر سبھا" بھی پیش کیا تھا۔ وکٹوریہ کلب نامی ایک قابلِ ذکر تھیٹر کمپنی قائم ہوئی، جس کے دو سال بعد اس کا نام تبدیل کر کے وکٹوریہ ناٹک منڈلی کر دیا گیا۔ اس کمپنی کے مالکین بھی وقفے وقفے سے تبدیل ہوتے رہے اور یہ سلسلہ ۱۸۷۳ء تک جاری رہا۔ آخرکار اس کمپنی کے ایک شہرت یافتہ اداکار نے کمپنی کے جملہ مالکانہ حقوق حاصل کر لئے، جس کا نام سیٹھ نوشیروان جی مہربان جی آرام تھا۔ جو آگے چل کر ڈرامہ نویس بھی بن گیا تھا۔ یہ وہی دور تھا جب کہ الفنسٹن ڈرامیٹک منڈلی بھی مقبول ہو چکی تھی۔ ۱۸۷۷ء میں جب انگریزوں کی حکومت نے شاہی جشن جوبلی دہلی میں منانے کا اعلان کیا اس وقت وکٹوریہ ناٹک منڈلی کے سابق مالک نے "اوریجنل وکٹوریہ ناٹک منڈلی" کے نام سے تھیٹر کمپنی قائم کی اور دہلی کے شاہی جشن میں خوب کمایا۔ اس کے بعد اس منڈلی کا بھی دہلی، کلکتہ اور پونہ کے دورے کے بعد مالی خسارہ کی وجہ سے دیوالیہ ہو گیا۔ تو اس کمپنی کے پانچ اداکاروں نے اسے کرایہ پر لے لیا۔ ان ہی اداکاروں میں اس دور کا مشہور و مقبول عام اداکار خورشید جی بالی والا بھی تھا۔ جو آخرکار خود تن تنہا اس کمپنی کا مالک و مختارِ کل بن گیا۔ یہ کمپنی بالی والا وکٹوریہ ناٹک منڈلی کے نام سے جانی پہچانی جانے لگی ادھر الفنسٹن ناٹک منڈلی بھی رد و بدل سے دوچار ہو گئی۔ پھر پسٹن جی میڈن نامی اداکار اس منڈلی کا واحد مالک بن گیا جو ڈرامہ نگار اور شاعر بھی تھا۔

• کنور جی ناظر نامی ایک سیٹھ نے ۱۸۶۰ء میں نیو بمبئی تھیٹر (واقع گرانٹ روڈ، بمبئی) کو ایک طویل مدت کیلئے کرایہ پر حاصل کر لیا تاکہ ڈراموں کی پیش کشی میں سہولت ہو۔

اُدھر وکٹوریہ ناٹک منڈلی دادابھائی پٹیل کی ملکیت تھی۔ انھوں نے اپنی کمپنی کے ایک اداکار دادابھائی رتن جی ٹھونٹھی کے مشورے سے علاقہ پلے ہاؤس میں مختصر سی زمین کرایہ پر حاصل کرلی اور لکڑی کے تختوں اور لوہے کی چادروں سے ایک شیڈ تیار کیا اور اس کا نام وکٹوریہ تھیٹر رکھا۔ اور یہ تھیٹر اسی جگہ پر واقع تھا جس جگہ پر آجکل الفریڈ سینما واقع ہے۔ اس تھیٹر میں پہلا ڈرامہ "رستم سہراب" پیش کیا گیا جو بے حد پسند کیا گیا۔ نیو بمبئی تھیٹر کے مالک کنورجی ناظر نے بھی ڈراموں کی پیش کشی کو فنی اور مشینی جدتوں سے مرصع کرلیا اور اس قدر کامیابی حاصل کرلی کہ تماشہ بینوں کو مافوق الفطرت طلسمی مناظر دکھا کر ان کو بڑی حیرت میں ڈال دیا کرتے۔ انھوں نے "علاالدین اور اس کا چراغ" "اندر سبھا" "سلیمانی شمشیر" اور "پاکدامن گلنار" جیسے جادوئی تماشے دکھا کر عوام سے داد و تحسین حاصل کی اور شہرت پائی۔ دادا بھائی پٹیل نے آرام سے گجراتی ڈرامہ "نور جہاں" کا اردو ترجمہ کرواکر اسے اسٹیج کیا پھر کامیابی حاصل کی۔ دادا بھائی پٹیل نے خاص طور پر آرام سے فرمائش کرکے "بے نظیر بدر منیر" نام سے ایک منظوم ڈرامہ لکھوایا، جو وکٹوریہ تھیٹر کے اسٹیج پر ۱۸۷۲ء میں پیش کیا گیا۔

اسٹیج اور تھیٹر کے کاروبار نے سارے ہندوستان میں بے حد مقبولیت حاصل کرلی۔ ۱۸۸۰ء میں مندرجہ بالا کمپنیوں کے علاوہ الفریڈ کمپنی بھی عام طور پر بے حد مقبول تھی۔ اس کمپنی کے مالک کاؤس جی کھٹاؤ تھے جو ابتدائی زمانے میں عوام کے بے حد پسندیدہ اداکار مانے جاتے تھے۔ ان کی اس کمپنی نے "رومیو جیولٹ" اور "ہملٹ" جو شیکسپئر کے لکھے ڈرامے تھے، انھیں اردو میں ترجمہ کیا اور ان ڈراموں کو اسٹیج کرکے بے انتہا شہرت پائی۔ ہندوستان کے مختلف شہروں میں یہ ڈرامے اسٹیج کرتے ہوئے جب کمپنی لاہور پہنچی تو مسٹر کاؤس جی کھٹاؤ کا انتقال ہوگیا۔ اور اب یہ کاروبار ان کے صاحبزادے جہانگیر جی کھٹاؤ کے ہاتھوں میں پانچ یا چھ سال سے زیادہ نہ رہ سکا اور کلکتہ کے ایک سرمایہ دار پارسی نے جس کا نام میڈن تھا اس کمپنی کو خرید لیا۔ الفریڈ کمپنی میں منشی مہدی حسن، بے تاب بنارسی اور آغا حشر جیسے ڈرامہ نگار تھے۔ اس کمپنی کے نام سے فائدہ اٹھاکر محمد علی ناخدا نے جو غیر معروف تھا۔ نیو الفریڈ تھیٹر کمپنی بنائی جس کا چیف اداکار سہراب جی تھا۔ اس کمپنی نے ملک کے مختلف شہروں کا دورہ بھی کیا اور کامیاب ترین ڈرامے اسٹیج کئے۔ اور اس کامیابی کا سہرا آغا حشر کے سر تھا جنھوں نے اس کمپنی کو بے انتہا خوب صورت ڈرامے دیئے جو بے حد مقبول ہوئے۔

۱۸۹۸ء میں اس وقت کے مشہور اداکار، ر ڈی۔ شیر بھائی ٹھونٹھی نے اولڈ پارسی تھیٹر کمپنی قائم کی۔ اس کمپنی نے کم عرصے میں زیادہ شہرت پائی۔ ایک مرتبہ یہ کمپنی جل بھی گئی، لیکن ٹھونٹھی نے اسے دوبارا سنوارا۔ مذکورہ بالا کمپنیاں کسی نہ کسی شکل میں ۱۹۳۵ء تک جاری رہیں۔ اردو ڈرامے کی ابتدا سے لے کر انتہا تک کسی بھی ہستی نے اتنی شہرت نہیں پائی جتنی کہ آغا حشر کاشمیری کو حاصل ہوئی۔ ڈاکٹر نامی تو یہ کہتے ہیں کہ "پبلک میں حشر کے ڈراموں کی مانگ تھی، اور تھیٹریکل کمپنیاں ان کے پیچھے پھر رہی تھیں۔" ڈاکٹر صفدر آہ سیتاپوری لکھتے ہیں: "اردو اسٹیج کا سب سے اہم واقعہ آغا حشر کا ظہور ہے۔ اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہ ہندوستانی اسٹیج کا ماحصل کیا ہے تو میں کہوں گا کہ صرف آغا حشر۔"

آغا حشر کی زندگی کا آغاز چودہ روپے ماہوار پر کاؤس جی کھٹاؤ کی کمپنی الفریڈ تھیٹر میں حسن لکھنوی کے دور میں ملازمت سے ہوا۔ آغا حشر نے جہاں چودہ روپے ماہوار سے اپنی ملازمت کا آغاز کیا وہیں پر انتہا یہ تھی کہ پندرہ ہزار روپے ماہوار بھی پائے۔ آغا حشر کا پہلا ڈرامہ جو پیش کیا گیا "مرید شک" تھا۔ ۱۹۳۵ء تک حشر نے تقریباً ۴۲ ڈرامے لکھے، جن میں "مار آستین" "مرید شک" "خوبصورت بلا" "انجام حرص" "خاندان ہامان" "خدا دوست"، "سفید خون"، "ظلم اظلم"، "گل بکاؤلی"، "دو دھاری تلوار" "زنجیر گوہر" "آنکھ کا نشہ" "پہلا پیار"، "رستم و سہراب" "سلور کنگ" "خون کا خون" اور "پاک دامن عرف شہید ناز" مشہور ہوئے۔

آغا حشر کے انتقال کے بعد اردو ڈراموں کی چہل پہل یک لخت ماند پڑ گئی۔ آغا حشر کے زمانے کے ڈرامہ لکھنے والوں میں محمد عبدالعزیز ذاتق لکھنوی نے پچیس سال کی مدت میں پارسی اسٹیج کے لئے ایک درجن ڈرامے لکھے۔ غلام عباس بھی ۱۹۰۳ء تک ڈرامے لکھتے رہے۔ ان کا میلان سیاسی ڈراموں کی طرف تھا اور وہ کافی مشہور ہوئے۔ یہ ۱۹۳۴ء تک زندہ رہے۔ اور تقریباً چوبیس ڈرامے تحریر کئے۔ ان کے بارے میں ایک افواہ یہ پھیلی ہوئی ہے کہ دراصل ان کو یہ ڈرامے ان کی بیوی سے ملے تھے جو کسی وقت محشر انبالوی کی منکوحہ تھیں اور محشر نے ان ڈراموں کو آغا حشر کے یہاں سے چوری کئے تھے۔ غرض یہ ڈرامے بمبئی میں مقبول ہوئے۔ منشی دل نے بھی تھیٹر کمپنیوں کے لئے کئی ڈرامے لکھے۔ اور بعد ازاں فلمی دنیا میں قدم رکھا۔ حکیم احمد شجاع نے بھی بہت سے ڈرامے لکھے۔ ان میں سے "باپ کا گناہ اور بھیشم پراتگیہ" اسٹیج اور فلم کی دنیا میں بے حد کامیاب رہے۔ حکیم احمد شجاع آغا حشر کے شاگرد بتائے جاتے ہیں۔

۱۹۳۱ء کے آتے ہی بولتی فلموں کا آغاز ہوا اور ڈرامے کی دنیا کو موت کا پیغام ملا۔ تھیٹر کا کاروبار بے حد نقصان کا شکار ہوا۔ آغا حشر کا انتقال ۱۹۳۵ء میں ہوا اور تھیٹر کا کاروبار ۱۹۴۵ء تک تقریباً مردہ ہو چکا تھا۔ ۱۹۴۴ء میں پرتھوی راج نے پھر ایک بار اردو تھیٹر کو نئی زندگی بخشی اور پرتھوی تھیٹر کی بنا ڈالی۔ مغربی اسٹیج کو پیش نظر رکھتے ہوئے، نئے طرز اور نئے ڈھنگ میں سیاسی اور معاشرتی ڈرامے پیش کئے۔ مکالمے عام فہم زبان میں لکھوائے اشعار کا استعمال یکسر ختم کر دیا۔ پردوں کے ساتھ بکس سٹ اسٹیج پر بنوانے کی ابتدا کی۔ بیک گراؤنڈ میوزک سے منظر کو زیادہ اثر انگیز اور جاندار بنانے کی کوشش کی۔ پرتھوی تھیٹر نے سب سے پہلا ڈرامہ "شکنتلا" کیا جس کو بیتاب نے لکھا تھا۔ "دیوار" جسے اندر راج آنند "پٹھان" لال چند بسمل نے اور "کلاکار" راما نند ساگر نے لکھا تھا بے حد مقبول ہوئے اور بہت پسند کئے گئے۔ پرتھوی راج نے ڈرامہ "پیسہ" کی مقبولیت کے پیش نظر اسے فلمایا بھی تھا لیکن فلم ناکامی سے دوچار ہو گئی۔ پرتھوی تھیٹر نے چند اور ڈرامے بھی اسٹیج کئے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

آہوتی، غدار، اور کسان۔ ۱۹۵۹ء میں پرتھوی تھیٹر نے اپنا آخری ڈرامہ "کسان" پیش کیا۔ اور اس تھیٹر نے دم توڑ دیا اور بند کر دی گئی۔

انڈین نیشنل تھیٹر نے اپنے قدم ایک مضبوط تنظیم کی شکل میں میدان میں جمائے۔ یہ تنظیم پہلے پہل اپنے گجراتی ڈراموں

کی بنا پر مشہور ہوئی لیکن اس نے چند اردو ڈرامے بھی کامیابی کے ساتھ نظر کئے جس میں ڈرامہ "مجھے جواب دو" پسند کیا گیا اس وقت اس ادارے کے اداکاروں میں ڈیوڈ، ریتو میکل اور مصنف اداکار، ہدایت کار، بی، ایس تھاپا۔ قابل ذکر ہیں۔ یہ ادارہ قطعی طور پر ایک نیم سیاسی اور نیم فنی تحریک کا حامل رہا ہے۔ جسے آزادی سے قبل کافی کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ اس ادارے کے روح رواں حضرات میں بلراج ساہنی، موہن سہگل، حبیب تنویر، اور خواجہ احمد عباس کے نام قابل ذکر ہیں۔

ایک ادارہ تھیٹر آرٹ ۱۹۵۸ء میں جنم لیا۔ اس ادارے کے مشہور ڈراموں میں "اسٹوری کانفرنس" جس کے مصنف سی، ایل، کاوش، "گولی مار" جس کے مصنف مہیش کول اور "مورت" جس کے مصنف حبیب تنویر ہیں کافی پسند کئے گئے اور مقبول ہوئے۔

۱۹۵۰ء میں بلراج ساہنی نے بھی ایک ادارہ قائم کیا جس کا نام جوہو آرٹ تھیٹر رکھا۔ یہ ادارہ چھوٹے پیمانے پر قائم کیا گیا اور اس میں باقاعدگی نہیں تھی۔ اس ادارے نے "شاہ بادشاہ" اور "کابلی والا" کامیابی کے ساتھ پیش کئے۔

القاضی نے بھی لندن سے تربیت حاصل کرنے کے بعد ایک انگریزی ڈرامہ پیش کرنے والے ادارہ کی بنا ڈالی جس کا نام "تھیٹر یونٹ" رکھا۔ اور اس ادارے کے پروڈیوسر ڈائرکٹر خود القاضی ہی تھے۔ چونکہ یہ ڈرامے انگریزی میں ہوا کرتے تھے۔ اس لیے انھیں کم مقبولیت حاصل ہوئی۔ جہاں تک جدید تکنیک کا تعلق ہے نہ صرف بمبئی بلکہ سارے ہندوستان میں ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پروڈکشن ویلیوز غیر معمولی معیاری تھیں۔ اس یونٹ نے چند اور ڈرامے بھی پیش کئے جن میں سے یونانی ڈرامہ "انٹی گنی" کا ترجمہ "بچھو" بہت سراہا گیا تھا۔ اس ادارے نے اپنے تحت فن کاروں کی تربیت کے لئے ایک ڈرامیٹک اسکول بھی قائم کیا تھا، جو بمبئی اور سارے ہندوستان میں بہت مشہور رہا۔

▲▲

ڈرامائی شگوفے

ا

ایک دفعہ کا ذکر ہے "آغا حشر کا خواب" میں بلراج ساہنی (مرحوم) اور میں ایک پبلک شو میں ایک سین کر رہے تھے۔ اچانک ڈائیلاگ بولتے بولتے بلراج جی خاموش ہو گئے اور ابھی آیا کہہ کر اندر چلے گئے میں بغیر کام، اسٹیج پر پریشان حال اکیلا رہ گیا۔ نہ وہاں رہ سکتا تھا، نہ اندر جا سکتا تھا اور نہ کچھ بول سکتا تھا۔

آخر میں نے آواز لگائی "آؤ رے، اب آ بھی، دیر ہو رہی ہے" اور وہ فوراً اندر آ گئے۔ لیکن لباس تبدیل ... یعنی بدن پر ایک لمبا چوغہ پہنے تھے جو پہلے نہیں تھا۔۔۔ سین ختم ہونے پر اندر ونگ میں میں نے پوچھا کہ "بھئی یہ کیا کیا آپ نے؟"

انھوں نے جواب دیا "بھئی کرتا ہی کیا۔ اسٹیج پر کرسی سے اٹھتے ہوئے پتلون ایک کیل میں اڑ کر پھٹ گئی تھی۔ اس لئے فوراً اندر جانا پڑا اور یہ لمبا چوغہ پہن کر آ گیا تاکہ لوگوں کو پیچھے سے پھٹی ہوئی پتلون نظر نہ آئے"

میں ہنس پڑا اور سوچنے لگا کہ اسٹیج پر دماغی توازن رکھنا کتنا ضروری ہے۔

—— اے۔ کے۔ ہنگل

دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا۔ دو پنجابی فوجی بھائی میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ان کا کمانڈر تبدیل ہو رہا ہے اور ایک الوداعی جشن ہو گا اور پھر وداعی پروگرام بھی ہو گا۔ کیونکہ کمانڈر ڈراموں کا شوقین تھا۔ یہ فوجی اس کے اعزاز میں ایک ڈرامہ کرنا چاہتے تھے جو وہ مجھ سے ڈائرکٹ کروانا چاہتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر میں نے ڈائرکٹ کیا تو ضرور اچھا ہنگامہ ہو سکتا ہے کہ افسر لوگ اِن کو ترقی دے دیں چونکہ

دوسروں کا بھلا کرنا میری پرانی عادت ہے میں مان گیا اور
وقتِ مقررہ پر ان کے کیمپ کے باہر پہنچ گیا جہاں وہ دو پنجابی
فوجی میرا انتظار کر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی بہت خوش
ہوئے اور جلدی جلدی سامنے کے بجائے پچھلی طرف سے دیوار
پھاند کر مجھے اندر لے گئے۔ جونہی ہم نے اندر کیمپ میں قدم
رکھے ایک سیٹی کی آواز آئی۔ یہ سیٹی برٹش ملٹری پولیس کی تھی
انہوں نے ہمیں وہیں روک دیا اور میرے داخلہ کا پاس مانگا جو میرے
پاس نہیں تھا۔ لہٰذا ہم تینوں کو لفٹ رائٹ کرواکر ملٹری حوالات
لے جایا گیا۔ ان کو سلاخوں کے پیچھے بند کیا اور مجھے وارننگ
دے کر چھوڑ دیا گیا ۔۔۔ چلتے وقت میں نے ان دونوں کو
بند دیکھ کر بڑی ہمدردی سے کچھ کہنا چاہا تو انھوں نے لوہے
کے دروازے کی سلاخوں پر ہاتھ رکھ کر پنجابی میں کہا "معاف
کرنا، ہم آپ کو چائے کے لئے بھی نہیں پوچھ سکے ہنگل صاحب!"
میں بھی کھسیانہ سا منہ لے کر واپس چلا آیا اور سوچنے لگا
کہ اچھی ترقی ہو گئی بیچاروں کی!

جب میں وہاں پہونچا تو وہ کتنے خوش تھے اور اب؟ وہ
ترقی ملنے کی امید میں جلدی جلدی میرا ENTRY PASS
نکلوانا بھول گئے تھے اور یہ لڑائی کے دنوں میں بہت بڑا جرم
ہے نہ جانے بیچارے کب تک جیل میں سڑتے رہے ہوں گے
پھر میری تو گردن بچ گئی!

لو، کر لو ڈرامہ!

اے۔ کے۔ ہنگل

میں سکول میں پڑھتا تھا، ان دنوں کی بات ہے۔
چندرگپت ڈرامہ کھیلا جانے والا تھا اور بچوں کو اس کا بے صبری
سے انتظار تھا کیونکہ ڈرامہ میں ایک تو وطن دوستی کا جذبہ پیش
ہوا تھا اور پھر تلوار بازی کے مناظر۔ میں چندرگپت بنا اور
چانکیہ کے کہنے پر نند کی گردن تلوار سے کاٹنی تھی۔ ہم نے نند کی گردن کو
کاٹ کر (ایک گردن الگ سے طور پر لگایا جاتا تھا) یہ ٹرک (TRICK) سین تھا۔ یعنی
جب میں میان سے تلوار نکال کر نند کی گردن کے قریب لاؤں
اسی وقت اصلی گردن تو پردے کے پیچھے چھپ جائے اور نقلی
گردن (دھڑ) اسٹیج پہ آ گرے اس کے لئے ہم نے ونگ میں ایک
چھوٹے سے لڑکے کو نقلی گردن لئے کھڑا کر رکھا تھا تاکہ یہ دونوں کام
بیک وقت ہو جائیں اور پبلک یہ سمجھے کہ واقعی گردن کٹ گئی ہے۔
لیکن ہوا یہ کہ ونگ میں گردن لے کر کھڑا ہوا لڑکا اس
قدر گھبرایا ہوا تھا کہ اس کے ہاتھ سے گردن جلدی چھوٹ گئی اور
لوگوں نے بیک وقت ایک کی بجائے دو دو گردنیں اسٹیج پر
دیکھ لیں۔ اب کیا تھا سوائے ہنسی کے اور کچھ نہیں۔ پبلک "ہو"
"ہو" کر رہی تھی اور ہم مر رہے تھے۔ لاچار پردہ گرانا پڑا اور
اور ہم اپنا سا منہ لئے تلواریں ہاتھ میں لے کر ہارے ہوئے نپولین
کی طرح اپنے اپنے میک اپ روم میں واپس آ گئے۔

اے۔ کے۔ ہنگل

آئی ایس جوہر صاحب کا لکھا ہوا ڈرامہ "بدھو کام شدھ" جب پہلی
بار اسٹیج ہوا تو اس میں کام کرنے والوں میں ماروتی، آئی ایس جوہر اور مرحوم
موتی لال شامل تھے۔ یہ مزاحیہ ڈرامہ بہت کامیاب رہا۔

کافی دنوں کے بعد اس ڈرامہ کا ایک شو دہلی میں ہوا جس میں میں نے REPLACE-MENT
کی تھی۔ موتی لال صاحب کی بے حد مصروفیت، رنگین مزاجی اور شام میں شراب اور تاش
کے ساتھ سی۔سی۔آئی میں گزارنے کی وجہ سے ریہرسل نہ ہو پائے تھے اور طے یہ
پایا کہ دہلی میں ریہرسل کریں گے۔ لیکن موتی لال صاحب کی رنگین مزاجی وہاں بھی
عروج پر تھی اس لئے ریہرسل صرف ہال کی طرف جاتے ہوئے کار میں ہوئی نتیجہ
یہ نکلا کہ ناٹک بری طرح ہوٹ ہو گیا اور پردہ گرانا پڑا۔

اس گھما گھمی میں دودھ کا گلاس [جو پانی میں چونا ملا کر بنایا گیا تھا] اسٹیج
کے ایک کونے میں پڑا رہ گیا۔

اس کے فوری بعد موک MOCK کشتی کا شو تھا جس میں پہلوان تھے
ماروتی، انور حسین اور ریفری تھے دبلے پتلے آئی۔ایس۔جوہر صاحب جن کی عادت
ہے کچھ امپرووائز کرکے میدان مار لینا۔ کشتی کے دوران ان کی نظر "دودھ" پر پڑ گئی
لہٰذا انھوں نے دودھ کا گلاس اٹھا کر ایک گھونٹ لے کر سینہ پھلایا اور آڈینس کو
بتایا کہ لڑ وہ رہے ہیں لیکن دودھ کی ضرورت مجھے ہے جس پر زبردست تالیوں
کی بوچھار ہوئی۔ اور چونا ملا کر بنایا ہوا دودھ پی کر جوہر صاحب کے چاروں طبق روشن
ہو گئے وہ نہ دودھ چھوڑ سکتے تھے اور نہ ہی پی سکتے تھے لیکن مجبوراً انھیں سارا گلاس
پینا پڑا۔ بیک اسٹیج پر واقف کار لوگ ہنسی سے اس لئے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے کہ
جوہر صاحب کو چونا لگ گیا تھا اور آڈینس اس لئے کہ دودھ پی کر سینہ کی جگہ جوہر صاحب
کا پیٹ پھول رہا تھا۔

—— من موہن کرشن

انٹر کالجیئٹ ڈرامہ کمپٹیشن میں حصہ لینے والے کافی لڑکوں میں جوش ذرا زیادہ اور عقل تھوڑی کم ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ایک ڈرامہ میں جس میں میں کام کر رہا تھا، ایک لڑکے کو گولی لگتی ہے اور سینے پر ہاتھ رکھ کر تڑپتا ہوا ونگ میں آتا ہے جہاں اُسے خون میں بھیگے ہوئے اسٹیج کی جگہ خون سے بھرا گلاس ملتا ہے۔ جلدی میں وہ گلاس اٹھاتا ہے اور پورا گلاس اپنے اوپر چھڑکنے کی کوشش میں سارا گلاس اس کے کندھے کے اوپر سے ہوتا ہوا میری کاسٹیوم پر آپڑا۔ وہ جلدی سے میرے گلے لگا اور خون کا ایک حصہ اپنی قمیض پر لے کر انٹر ہوگیا۔ اس کے بعد میری انٹری تھی اور اسے اپنے آخری مکالمے ادا کرتے ہوئے میری گود میں مرنا تھا اور میں انٹری لینے سے قاصر تھا۔

کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد اس نے ونگ میں میری طرف دیکھا اور آنے کا اشارہ کیا۔ یہ بات آڈینس نے بھی دیکھی اور ایک قہقہہ برپا ہوا۔ بوکھلاہٹ میں اُس نے اندر آنے کے لئے اور شدت سے اشارہ کیا۔ ایک اور قہقہہ پڑا اور ساتھ ہی ہوٹنگ شروع ہوگئی۔ بے بس ہو کر وہ دھڑام سے گرا اور مرگیا۔ ایک اور زبردست قہقہہ برپا ہوا جو رُک نہ سکا کیونکہ آدمی مرا پڑا تھا کرٹین کھلا تھا اور کرٹین کی کیو میری انٹری کے بعد تھی۔

——— قادر خاں

جناب ساگر سرحدی کا لکھا ہوا ڈرامہ "شہید بھگت سنگھ" کا ایک چھوٹے سے ہال میں شو تھا جس میں میں اشفاق اللہ خاں کا رول کر رہا تھا۔ اس ڈرامے کا سیٹ چائے کی پتی کے خالی کھوکے لگا کر ان پر گھاس پھوس بچھا کر کچھ لکڑیوں کا سہارا دے کر لگایا گیا تھا۔ جیسے کرٹین کھلا سیٹ کی خوبصورتی اور ریالٹی کو دیکھ کر لوگوں نے تالیاں بجائیں ——— خیر ناٹک شروع ہوا چلتا رہا۔

اس ہال میں ایک نقص تھا جس کا کسی کو پتہ نہیں تھا اسٹیج پر ایک پنکھا لگا ہوا تھا اور اس پنکھے کا کنکشن اسٹور روم کے پنکھے کے ساتھ تھا۔ اسٹور روم کے چپراسی صاحب اپنا کام کر کے اسٹور روم میں آرام کرنے کے لئے پہنچے، پنکھا کھولا اور آرام سے لیٹ کر سو گئے اور اسی وقت اسٹیج پر ہنگامہ کھڑا ہوگیا۔ ساری گھاس اُڑ کر آڈینس میں قہقہہ لگاتے لوگوں کا منہ بند کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ ریالسٹک سیٹ کی جگہ آڑے ترچھے، ٹوٹے پھوٹے چائے کی پتی کے ڈبوں میں کچھ بے ڈھنگے طور سے گھسی ہوئی لکڑیاں لوگوں کے قہقہوں اور ہوٹنگ کا ساتھ دے رہی تھیں۔

——— قادر خاں

(مشہور مکالمہ نویس و اداکار)

پربودھ جوشی

پسِ پردہ

سخن ہائے ناگفتنی

ایک ڈرامے کا پہلا ایکٹ جیسے ہی شروع ہوا۔ اسٹیج کے عقب کا مائک جس سے کہ اعلان کیا جاتا ہے، کام کر رہا تھا اور اسٹیج کے تمام مائک بند تھے۔ نتیجے میں سامعین اسٹیج کی گفتگو بالکل ہی نہ سن سکتے تھے لیکن عقب کی بات چیت صاف سنائی دے رہی تھی اور جو کچھ سنا گیا وہ ظاہر ہے کہ .... نہ کہنے کے لائق نہ بیان کے قابل۔

ہیروئن بہ "کار" آمد

بلساڑ میں ایک شو تھا۔ ڈرامے کا پورا یونٹ پروگرام کے مطابق سویرے ہی وہاں پہنچ چکا تھا سوائے دو خاتون اداکاروں کے جو کار سے آنے والی تھیں۔ شام کے چار بجنے کو آئے لیکن ان اداکاروں کا کہیں پتہ نہ تھا سب لوگ پریشان تھے جب ۷ بجے تک ان کی کار کا کوئی سراغ نہ ملا تو صورتِ حال واقعی تشویش ناک ہو گئی کیونکہ ۸ بجے کھیل اسٹیج ہونے والا تھا۔ تھیٹر کا ہال تماشائیوں سے کھچا کھچ بھر چکا تھا خیر شو وقت پر شروع ہوا۔ مصنف نے کمال ہوشیاری سے ایک نیا رول ہیروئن کے بھائی کا وضع کیا اور خود اس نئے رول میں اسٹیج پر نمودار ہوئے۔ اتنے میں مطلوبہ اداکاروں کے کار سے پہنچنے کی اطلاع ملی۔ میک اپ وغیرہ کے بعد جب یہ اپنے رول کے لئے تیار ہوئیں تو مصنف اپنی بہن کو بلانے کے لئے اسٹیج سے رخصت ہوا..... شائقین یہ سمجھ ہی نہ سکے کہ ڈرامے کا اصلی آغاز کچھ اور ہی تھا۔

اُلٹ پھیر

آدی مرزبان نے ۱۹۵۵ء میں ایک ۳ ایکٹ کا ڈرامہ اسٹیج کیا۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ کسی بھی ایکٹ سے اس کا آغاز ممکن تھا۔ اکثر ایسا ہوا کہ اس کا تیسرا ایکٹ پہلے اور پہلا ایکٹ آخر میں پیش کیا گیا لیکن کمال یہ ہے کہ اس اُلٹ پھیر کے باوجود کبھی کسی نے اس کے لطف میں کمی محسوس نہیں کی۔

بہت بے آبرو ہو کر ...

ایک تین ایکٹ ڈرامہ اسٹیج ہونے والا تھا۔ شومئی قسمت کہ ڈرامہ کے ہیرو کی ٹرین چھوٹ گئی۔ شو کا وقت ہونے کو آیا۔ لیکن موصوف کا کہیں پتہ نہ تھا۔ آخر کار ڈائرکٹر نے یہ رول سنبھالا۔ پہلے ایکٹ کے اختتام پر معلوم ہوا کہ ڈرامہ کا اصلی ہیرو پہنچ چکا ہے۔ اس اطلاع پر سامعین نے اصرار کیا کہ دوسرے اور تیسرے ایکٹس میں وہ 'اصلی' ہیرو کو دیکھنا پسند کریں گے 'نقلی' کو نہیں! ..... بیچارہ ڈائرکٹر!!

ایک فیکٹر یا ایکٹر بھی نہیں

ریاستی سطح پر ڈراموں کے مقابلوں میں ایک بار ڈرامہ

کو پہلے اور دوسرے انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ اس کو دو الگ الگ گروپس نے اسٹیج کیا لیکن اسی ڈرامے کو پہلے راؤنڈ میں دس سے زائد ٹیمیں پیش کر چکی تھیں! پس ثابت ہوا کہ ڈرامے کی کامیابی کا انحصار کسی ایک فیکٹر یا ایکٹر پر نہیں بلکہ پروڈکشن کے مجموعی معیار پہ ہوتا ہے۔

کہ بجلی گرتے گرتے . . .

۱۹۵۸ء میں ایک ڈرامے کو جسے کسی کالج کی ٹیم نے پیش کیا تھا۔ پہلے ہی راؤنڈ میں مقابلہ سے خارج کر دیا گیا۔ اگلے سال اس ٹیم نے پھر اسی ڈرامہ کو اسٹیج کیا تو وہ دوسرے انعام کی مستحق قرار پائی۔ ۱۹۶۰ء میں اس ٹیم نے تیسری بار اس ڈرامہ کو پیش کیا اور ٹروفی جیت لی۔ سامعین بھی وہی اور ججس بھی کم و بیش وہی تھے!! . . . پھر؟ یقیناً پیہم پیشکشی نے مخالفت کے رجحان کو کمزور کر دیا کہ بجلی گرتے گرتے۔

"پاگل" — مارواڑی سے مدراسی!

ڈرامہ "پاگل" جب ۱۹۶۵ء میں اسٹیج ہوا تو اجیت دیسائی اس میں مارواڑی سیٹھ کا رول ادا کر رہے تھے لیکن ڈرامہ شروع ہونے سے کچھ ہی دیر قبل انھیں اچانک یاد آیا کہ گزشتہ سال وہ مارواڑی سیٹھ کا رول ادا کر کے انعام لے چکے ہیں چنانچہ وہ اسی وقت مارواڑی سے مدراسی بن گئے اور یہ رول اس قدر مقبول ہوا کہ اس کے بعد ڈرامہ میں یہ کردار مدراسی ہی رہا۔

تم ہی کہو کہ یہ . . .

تجرباتی ڈرامہ کیا ہے؟
اُسے کہتے ہیں جو باکس آفس پر ناکام رہے!!

تین بندر

ایک کہنہ مشق اداکار سے ایک کامیاب ڈرامہ کی تعریف سن کر بے اختیار "تین بندروں" والی حکایت یاد آگئی۔ وہ کہتے ہیں "ایک اچھا ڈرامہ وہی ہوگا کہ اگر ہال میں ایک اندھا اور ایک بہرہ موجود ہو اور ڈرامے کے اختتام کے بعد دونوں اُسے بیان کریں تو اس میں یکسانیت ہو!

ہمارے ایک دوست اوم نارائن تھر ایک ایکاٹنگ کر رہے تھے جن کو ہم پیار سے توم نارائن اور ممی کہتے ہیں۔ ڈرامے کا نام تھا "کپالی"۔ یہ ڈرامہ کسی فرانسیسی ڈرامے سے ماخوذ تھا۔ اس میں مرکزی کردار ایک ڈرامہ نگار کا تھا جو اپنے تخیل کے زور سے ایک نہایت بدنما، بدصورت اور ظالم کردار کو جنم دیتا ہے۔ ڈرامے میں وہی کردار اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور ڈرامہ نگار سے مخاطب ہوتا ہے کہ اس نے کس قدر بیمار ذہن سے ایک بیمار ذہنیت والے کردار کو جنم دیا ہے۔ ڈرامہ نگار خوفزدہ ہو جاتا ہے، اس کی بدصورتی کو خود برداشت نہیں کر سکتا اور اس کو ختم کرنے کے لئے وہ دراز کھول کر پستول نکال کر "کپالی" کا خون کرنا چاہتا ہے۔ ادیب کا یہ کردار اس شو میں خود اوم نارائن کر رہے تھے۔ اُن کی زندگی کا یہ بہت بڑا المیہ تھا، کہ اداکار عین وقت پر ان کو دغا دے جاتے تھے۔ اس لئے اسٹیج کی خدمت کرنے کے لئے وہ خود اداکاری کر لیتے تھے۔ حالانکہ اداکاری کے ساتھ دور دراز سے بھی ان کا کوئی واسطہ نہ تھا۔ عام طور پر وہ ڈرامے کی ہدایت کرتے تھے۔ خیر، اداکار کو سبق سکھانے کے لئے انھوں نے ڈرامہ نگار کا مرکزی کردار ادا کرنے کا چیلنج قبول کر لیا۔ میں اپنے دوستوں کے ساتھ سانس روکے نقطۂ عروج پر ڈرامے کی ٹینشن محسوس کر رہا تھا۔ یہ ڈرامے کا کلائمکس تھا، ادیب، اپنے بیمار ذہن کے تخلیق کردہ کردار کا خون کر دیتا ہے جس نے زندگی بخشی تھی، وہ اس کو موت بخشتا ہے، اس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا ہے ـــــ اب جوں ہی اوم نارائن نے دراز کھولا، وہ کیا دیکھتے ہیں کہ پستول نہیں ہے "کپالی" اس انتظار میں ہے کہ اس کا جلد ہی خون ہو جائے اور پردہ گرے۔ اس لمحے کو بڑھانے کے لئے کپالی خود ادیب کی طرف بڑھتا ہے اور اُسے دبوچنا چاہتا ہے۔ ہال میں سناٹا تھا۔ اگر کپالی ادیب کو گلا گھونٹ کر مار گرائے تو ڈرامے کا مرکزی خیال ڈھتا ہے، اس لئے ادیب کا مارنا ہی جائز ہے لیکن چونکہ پستول نہیں ہے تو وہ کیا کرے۔

اور کپالی باقاعدہ ان کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اچانک اوم نارائن منہ سے آواز نکالتے ہیں:

"ٹھا!!!"

اور جو کردار ایکٹنگ کر رہا تھا، چلّاتا ہے

"ہا!!!"

اور گولی لگنے کی نقل کر کے زمین پر لاش کی طرح گر جاتا ہے۔

ہال میں تالیوں کی گونج کے بدلے، زوردار قہقہے بلند ہونے لگتے ہیں۔

ـــــ ساگر سرحدی

بھولا بھائی دیسائی کی ٹیرس پر میرے دو ڈرامے "خیال کی دستک" اور "دائرہ" ہو رہے تھے۔ ہدایت کار تھے دنیک شرما (سویرا فلم کے ڈائرکٹر) "دائرہ" ایک بیکار آدمی کی کہانی ہے، جو اپنا گھر بار چھوڑ کر اپنی بہن کی شادی کرانے کی غرض سے کچھ پیسے کمانے شہر میں آتا ہے۔ شہر میں ناکامی کی وجہ سے اپنا ٹکٹ لئے، وہ ٹرین کا انتظار کر رہا ہے۔ اتنے میں ٹی ٹی آکر اس سے ٹکٹ طلب کرتا ہے۔ ایک دن مذاق میں دنیک شرما نے کہا کہ ٹی ٹی کا رول میں ہی ادا کر دوں۔ ٹی ٹی کو صرف دو لفظ بولنے تھے۔ "ٹکٹ پلیز" اور اس کے بعد اس کردار کی دھواں دھار تقریر تھی، تب گاڑی آجاتی ہے۔ اور وہ بھاگ کر ٹرین میں سوار ہو جاتا ہے۔

یہ زمانہ ہمارے لئے دورِ پیمبری تھا۔ وحی تو نازل ہوتی تھی، لیکن پیسے نہیں۔ ایک شو کرنے کے لئے کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے تھے۔ علاوہ ریہرسل کرانے کے ہال کا کرایہ۔ ٹکٹ چھپانا، پبلسٹی، دعوت نامے، ہر جگہ پیسے کی ضرورت ہوتی تھی۔ پھر شو والے دن ہمیں بیک گراؤنڈ میوزک کی ضرورت پڑ گئی۔ اس وقت اس طرح کا میوزک تلاش کرنا، جو موزوں ہو، پھر اُس کو ٹرانسفر کر کے پیش کرنا۔ اور بنا ذرائع کے، بنا پیسے کے ـــ ایک ایک پل بھاری ہوتا تھا۔ ان ہی جھنجھٹوں کی وجہ سے ہم لوگ ٹی ٹی کے کردار کے بارے میں بھول ہی گئے۔ اور جب ڈرامہ اسٹیج ہونے لگا تو ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ٹی ٹی کی ENTRY کون مارے گا۔ دنیک شرما خود بیکار آدمی کا مرکزی کردار کر رہے تھے خود؟ مجھ سے بولے کہ تم ہی مار دینا کیوں کہ تم ہمیشہ سفید کپڑے پہنتے ہو پھر صورت سے بھی ٹی ٹی لگتے ہو، زیادہ موزوں رہو گے اور مجھے کاٹو تو خون نہیں، میری اس کمزوری سے سبھی واقف تھے، میں اسٹیج پر آج بھی جانے سے کتنا گھبراتا ہوں۔ میں نے لاکھ شور مچانا چاہا لیکن اس وقت کوئی چارہ نہ تھا، ڈرامہ شروع ہو چکا تھا عین وقت پر مجھے دھکا دے کر اسٹیج پر پہنچا دیا گیا ـــ جوں ہی میں اسٹیج پر پہنچا، میں بالکل اندھا بن گیا۔ AUDIENCE کہاں ہے؟ وہ کردار کہاں ہے؟ وہ بنچ کہاں ہے جس پر وہ کردار بیٹھا ہے مجھے کچھ نظر نہ آیا PROMPTER چلّا رہا تھا، بولو! ٹکٹ پلیز میں چونکا کس طرف PROMPTER! پھر چلّایا "واپس آجاؤ" میں جواباً چیخا ـــ "کہاں سے؟" تب تک ہال میں کھُسر پُسر شروع ہو چکی تھی اور میرے دوست جو میری کمزوری جانتے تھے۔ آوازیں دے کر چلا رہے تھے۔ جوں ہی گھبرا کر میں نے گھوما سیدھا بنچ سے ٹکرا کر اس کردار پہ جا گرا۔ بس پھر کیا تھا، دو لفظوں "ٹکٹ پلیز" نے پورے ڈرامہ کا ستیا ناس کر دیا۔

ساگر سرحدی

ناٹک والوں کی زندگی میں کئی واقعات پیش آئے ہیں۔ کچھ میٹھے، کچھ پھیکے اور کچھ نمکین۔ کچھ ایک کو یاد کرکے ہنسی آتی ہے۔ اور کچھ کو یاد کرکے رونا۔

میں بینک کمپٹیشن کے لئے "مسیحا" ڈائرکٹ کر رہا تھا۔ کمپٹیشن کی شام کو ناٹک کی ساری پراپرٹی چیک کرلی۔ کوئی ایسی چیز تو نہیں رہ گئی جس کی وجہ سے ناٹک نہ ہو پائے یا کوئی خلل پڑے۔

جوں جوں وقت نزدیک آتا گیا، خیال آیا کہ ناٹک کی مہمان ہیروئن (اندرا) اب تک نہیں آئی۔ چونکہ بینک میں وہ کام نہیں کرتی تھیں اس لئے اجازت لے کر انہیں باہر سے لے لیا گیا تھا۔ اس شرط پر کہ اس لڑکی کو انفرادی انعام نہیں دیا جائے گا۔ لیکن ناٹک کے کسی طرح "نمبر" نہیں کریں گے۔ وہ مہمان کلاکار ابھی تک نہیں آئی تھیں۔ ٹینشن بڑھ رہی تھی چلو قسمت اچھی ہے آج کا چوتھا یعنی آخری ناٹک ہمارا ہے ہال ڈھونڈنے میں اسے دیر ہو گئی ہوگی۔

"ساہتیہ سنگ مندر" گلیوں میں ہے۔ ہندی ڈرامہ والوں کو اس کے بارے میں زیادہ معلوم نہیں لیکن میں نے اسے خود سمجھایا تھا۔ چرنی روڈ اسٹیشن پہ اترنا، اور برج پر چڑھنا اور جیسے ہی برج ختم ہوگا بائیں طرف ساہتیہ سنگ مندر ہے۔

—— پہلا ناٹک ہو چکا تھا۔ اس کے گھر فون کیا۔ وہ نکل چکی تھی۔ برج کی طرف چل پڑا۔ برج پہ کھڑا ہو کر آنے جانے والی ٹیکسیوں کو دیکھتا رہا۔ برج پر سے آنے والی ہر لڑکی اندرا لگتی تھی۔ گھڑی دیکھی۔ پھر فون کیا۔ اس بار اس کے بھیا جی کے گھر، وہ تو وہاں گئی نہیں تھی۔ بھئی اور کوئی دوست، رشتہ دار؟ یاد آیا چوپاٹی۔ بھارتی ودیا بھون کے ایک شو کے بعد میں نے وہاں کسی بھائی وغیرہ کے یہاں چھوڑا تھا برج پہ سے اچانک میں نے بھاگنا شروع کیا۔ فلم کلائمکس کے ہیروؤں کی طرح جیسے کسی کا پرس چھین کر بھاگا ہوں۔ یا وہ بات کا پتہ چل گیا جہاں سے کلائمکس کا اختتام ہوگا۔

چوپاٹی پہنچنے تک ہانپ رہا تھا۔ یہاں ساری بلڈنگیں ایک جیسی کیوں ہوتی ہیں۔ اگر بمبئی میں بلڈنگ کے باہر فٹ پاتھ پر سونے والے نہ ہوتے تو مجھے کوئی نشانی نہ ملتی۔ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ دوسرا مالا ہے یا تیسرا یا چوتھا۔ سب جگہ لائٹس کیوں آف ہیں۔؟ لوگ بمبئی جیسے شہر میں اپنے گھر کے باہر نیم پلیٹ کیوں نہیں لگاتے۔ ہمت کرکے ایک جگہ گھنٹی بجائی۔ قسمت والا تھا، لاٹری نکل گئی۔ انہی کے بھائی ہی کا گھر تھا۔ پر وہ تو وہاں نہیں آئی تھی۔ واپس سیڑھیوں سے نیچے بھاگا۔ ہمارا ناٹک شروع ہونے کو بیس منٹ باقی تھے۔ رونے کو دل چاہ رہا تھا۔ عورت ذات کو گالی دے رہا تھا۔ ایکٹرز قوم کو گالی دینے لگا۔

کیا زندگی میں میں نے کوئی نیک کام نہیں کیا۔ بیچارے دوسرے آرٹسٹوں کا کیا قصور۔ بینک والے کیا کہیں گے۔ "مسیحا" میں ایک بھائی، بارڈر ایریا میں اپنی بہن کا انتظار کر رہا ہے وہ دوسری طرف رہ گئی تھی اور جب وہ آتی ہے تو پاگل ہو چکی ہے بھائی برداشت نہیں کر پاتا ہے اور وائرز پہ چلنا شروع کر دیتا ہے۔ دونوں طرف سے سپاہی روکتے ہیں۔ ایک گولی چلا دیتا ہے اور بھائی کھمبے اور وائروں پر "یسوع مسیح" کی طرح لٹک جاتا ہے۔ میں نے ناٹک شروع کروا دیا۔ ابھی لڑکی کا آنا تھا۔ لڑکی کی انٹری سے کچھ پہلے کیپٹن کو بلوایا اور اسے سمجھایا وہ اسٹیج پہ آیا اور اس نے کہا "ماسٹر جی! آپ کی بہن تو آئی ہے مگر اس کی لاش۔" وہ وائرز پہ چڑھ گیا۔۔ گولی لگی "جیسس" (JESUS) لٹکا، پھر گرا۔ جی ہاں ناٹک کو ایوارڈ ملا۔

ایک لڑکا جس نے شرابی کا رول کیا تھا اسے ایکٹنگ کا فرسٹ پرائز ملا۔ آج تک مجھے پتہ نہیں چلا کہ وہ کیسے شو پہ پہنچی۔

—— رمیش تلوار

(فلم ڈائرکٹر)

ایک دفعہ میں ایک کنڑ ڈرامہ دیکھنے گیا ۔ زبان تو سمجھ نہیں سکتا تھا لیکن اُن کے رعایتی کاسٹیوم وغیرہ دیکھنے کی غرض سے چلا گیا تھا۔ اس ناٹک کے کلائمکس میں ہوتا یہ ہے کہ ہیرو اور ویلن کی لڑائی ہوتی ہے ۔ ہیرو غصہ میں آکر اپنے ریوالور سے ویلن کو گولی مار دیتا ہے (فارمولا مسرت بخش اختتام)

لیکن اس دن ہوا یہ کہ دونوں لیم شیم ہیرو اور ویلن نے بڑی خوبصورتی سے زبردست ٹنشن ماؤنٹ کیا اور ہیرو [بادشاہ کا رول کرنے والا] نے غصہ میں آکر ریوالور اُٹھایا اور گولی داغ دی لیکن ویلن مرا نہیں کیونکہ بیک اسٹیج پہ پٹاخہ نہیں بجا ۔ بادشاہ نے دوبارہ گولی چلائی لیکن پٹاخہ پھر بھی نہیں بجا ۔

ہیرو نے ریوالور پھینک دیا اور تلوار کے قبضہ پہ ہاتھ رکھ کر کہا (جو میں سمجھا) تیری موت میری تلوار میں ہے اور جیسے ہی اس نے تلوار کھینچنے کی کوشش کی قبضہ اس کے ہاتھ میں آگیا ۔

لوگوں کا زبردست قہقہہ پڑا اگر یہ پہ آنے والی تلواروں کا کمال" [ذرا خیال تو فرمائیے کہ ویلن اس انتظار میں کھڑا ہے کہ ہیرو کسے مارے تو وہ مرے ۔ ہیرو نے جتنی دیر تلوار نکالنے میں لگائی اتنی دیر میں تو ویلن اپنی تلوار نکال کر ہیرو کو مار سکتا تھا] ہیرو نے بے حد غصہ میں آکر اپنا خنجر نکالا اور چنگھاڑتے ہوئے کہ تیری موت میرے خنجر میں لکھی ہے ویلن کے پیٹ میں خنجر بھونک دیا اور ٹھیک اُسی وقت بیک اسٹیج سے گولی چلنے کی آواز آتی ہے ۔ ہیرو حیران بے بس پریشان کھڑا رہ جاتا ہے ۔ اس سچویشن اور تاریخی قہقہوں کو بیان کرنے کے لئے الفاظ کافی نہیں ہیں ۔ بس صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ لوگ ہال سے بس اسٹاپ تک قہقہہ مارتے رہے ۔ کچھ لوگ جو میرے ساتھ بس میں بیٹھے تھے وہ میرے اُترنے تک ہنس رہے تھے اور مجھے تو آج بھی جب وہ سچویشن یاد آتی ہے تو بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے ۔

بمبئی کا لباد یوں میں ایک دیسی ناٹک سماج ہے جو بھنگواڑی تھیٹر کے نام سے مشہور ہے اور پچھلے چار سو سال سے روزانہ ناٹک چھٹی کے دن دو دو شو اور ہر تین مہینے میں ایک نئی پروڈکشن دیتے ہیں جو پچھلے بارہ سال سے چل رہی ہیں ۔ یہ لوگ صرف گجراتی میں ناٹک کرتے ہیں اور گجراتی فوک (FOLK) کا بہت اچھا استعمال کرتے ہیں ۔

یہ وہ تاریخی تھیٹر ہے جس میں آج بھی سارے آرٹسٹ چھوٹی تنخواہ پر نوکر ہیں ۔ اسی تھیٹر کی بلڈنگ میں رہتے ہیں وہیں سب کا کھانا پکتا ہے اور ساتھ کھاتے ہیں ۔ آپس میں شادی ہو جاتی ہے بچے بھی اسی کام میں شامل ہو جاتے ہیں ۔ اس طرح سے اس تھیٹر کی ایک قوم سی بن گئی ہے ۔ وہ لوگ باہر کا کام کرنا پسند نہیں کرتے ۔

بہت سی خاص باتوں میں سے اس تھیٹر کی خاص بات یہ ہے کہ لوگ جب واہ واہ کہتے ہیں اور سین کو بہت سراہتے ہیں تو وہ لوگ اس سین کو دوبارہ کرتے ہیں اور پھر آگے چلتے ہیں چاہے وہ سین موت کا ہی کیوں نہ ہو ۔

ایک اور خاص بات یہ ہے کہ وہ اسٹنٹ کرنے میں ماہر ہیں ۔ مثال کے طور پہ بارش لانا ' بجلی چمکانا ' مائیتھالوجی کے کیریکٹر کو آسمان میں اُڑتے ہوئے دکھانا وغیرہ وغیرہ

اُن کے ایک ناٹک میں کرشن بھگوان کا ایک بھگت پچھلے بارہ سال سے سمادھی لگا کر بیٹھا ہوتا ہے کہ کرشن بھگوان کا درشن ہو جائے ۔

جب سین شروع ہوتا ہے تو بھگت ' بھکتی میں مگن ہے ۔ بھکتی گیت جب ختم ہونے کو آتا ہے تو کرشن بھگوان آسمان سے نیچے آتے ہیں درشن دیتے ہیں اور اپنے بھگت کو آشیرواد دیتے ہیں ۔ سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھتا ہے ۔ لوگوں نے وہ سین دوبارہ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی ۔

—— جاوید خاں

...اب ہوا یہ کہ جس ہاتھ سے انھوں نے آشیرواد دیا تھا اس میں بھگت کی دھوتی اٹک گئی تھی۔ سین دوبارہ کرنے کے لئے جیسے ہی بیک اسٹیج سے بھگوان کو اوپر کھینچا تو بھگت کی دھوتی کھلنے لگی اور بھگت بولا "ہے پربھو' میری دھوتی چھوڑ دو" لیکن پربھو نے ایک نہ سُنی اور بھگت کی دھوتی لے کر آسمانوں میں غائب ہو گئے۔ لوگوں کا قہقہہ اور ونس مور کی آوازوں کے ساتھ تالیاں ———

۳۱۔ دسمبر ۱۹۶۵ء کی شام کو میرا ڈائرکٹ کیا ہوا ایک فل لینگتھ گجراتی ڈرامہ جس کا نام تھا "آ٘تا پاٹا" جسے شری پراگجی ڈوسا نے لکھا تھا۔ برلا کریڈا کیندرا ہال، چوپاٹی بمبئی میں رات کو ساڑھے آٹھ بجے اسٹیج کیا گیا تھا۔ یہ ڈرامہ سسپنس مرڈر مسٹری تھرلر قسم کا تھا دوسرے ایکٹ کے آخر میں یکایک اسٹیج پر اندھیرا ہو جاتا ہے اور اس اندھیرے میں اسٹیج پر حاضر کاسٹ میں بھاگ دوڑ اور شوروغل برپا ہو جاتا ہے۔ اس شوروغل کے درمیان ایک دردناک چیخ سنائی دیتی ہے اور سناٹا چھا جاتا ہے۔ ایک کیریکٹر (ڈاکٹر) اپنی ٹارچ نکال کر دیکھتا ہے کہ کسی کی لاش پڑی ہے سینے میں ایک بڑا سا خنجر پیوست ہے۔ تازہ تازہ خون رس رہا ہے۔ کیریکٹر ٹارچ بند کرتا ہے۔ اسٹیج پر پھر سے گھُپ اندھیرا چھا جاتا ہے اور پردہ گرتا ہے۔ آڈینس کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ کون مرا اور کس نے مارا۔ یکایک پورے تھیٹر میں اندھیرا کرنے کے لئے میں سوئچ بند کر دیا تھا۔ سین ختم ہوتے ہی میں نے پہلے پردہ گرانے کے لئے بٹن دبایا اور اس کے بعد' ہال میں روشنی ہوئی تاکہ لوگ باہر جا سکیں' اس خیال سے میں سوئچ آن کر دیا۔ یکایک روشنی ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی آڈینس کا زبردست قہقہہ سُنائی دیا جو قہقہوں میں تبدیل ہو گیا میں نے گھبرا کر دیکھا تو پتہ چلا کہ جس آدمی کا قتل ہوا تھا وہ آدمی اسٹیج کے درمیان میں ہاتھ میں چاقو لئے ہکا بکا حیران و پریشان کھڑا اور آڈینس کی طرف دیکھ رہا ہے — میں نے دوڑ کر بٹن پھر دبایا اور جیسے کرٹن آنا شروع ہوا پھر سے ایک' زوردار قہقہہ بلند ہوا۔

اب کیا ہوا یہ دیکھنے کے لئے میں اسٹیج کی طرف گیا تو پتہ چلا کہ بوکھلاہٹ میں ایکٹر پھر سے اپنی جگہ پر جا کر مر گیا اور خنجر اپنے سینے میں پیوست کر لیا ہے۔ ہنسی کے فوارے اور قہقہوں کے ساتھ ساتھ کرٹن بند ہوا۔ ٹریجڈک سین! کامیڈی میں تبدیل ہو گیا۔ اور میرے ساتھ ٹریجڈی ہو گئی۔ آڈینس کے وہ قہقہے مجھے آج بھی سُنائی دیتے ہیں۔

——— جاوید خاں
(ڈرامہ ڈائرکٹر، فلم و اسٹیج ایکٹر)

اس وقت کی بات ہے جب کہ ہم نے ڈرامہ کے میدان میں پہلا قدم رکھا تھا اور ہر قسم کی رکاوٹوں کے باوجود ڈرامے اسٹیج کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ہم نے ایک گروپ بنایا اور یا جانے کیا اس کا نام بوہیمینس BOHEMIANS رکھا۔ ہمارا پہلا پروڈکشن "سب مجبوری گوپال کی" تھا۔ ایک وظیفہ یاب متوسط طبقہ کا معزز شخص اپنے ڈرائینگ روم کو چند غیر شادی شدہ مرد و عورتوں کو SUB LET کرتا ہے اسی سچویشن کے اطراف ڈرامہ کی کہانی گھومتی ہے۔

ڈرامہ کا شو جہاں پیش ہونے والا تھا جو کوئی بھی ڈرامہ دیکھنے کے شائقین گئے! ان کے لئے وہ ایک غیر مقبول جگہ تھی۔ اس کی کامیابی مشکوک تھی لیکن ہم ہر صورت حال کا نئے اور شاندار آئیڈیا کے ذریعہ مقابلہ کرنا چاہتے تھے چنانچہ غیر روایتی پبلسٹی اسسٹنٹ کا خیال آیا۔ پہلے شو کے دن اخباروں میں اشتہار دیا گیا کہ "جگہ خالی ہے، پگڑی یا ڈپازٹ کے بغیر بہت ہی مناسب و موزوں شرح پر شخصی طور پر ۶ بجے شام تاما جھائی ہال میرین ڈرائیو تشریف لائیے ــــ"

شام میں خاصے لوگ جمع ہوگئے۔ لیکن جب انھیں اندازہ ہوا کہ ایسا کچھ نہیں بلکہ ایک "ڈراما" تھا۔ بکنگ کی کھڑکی کو چھوڑ گرین روم پر سخت غصّہ کے عالم میں آدھمکے ــــ ان کو شکایت تھی کہ وہ بہت دور سے وقت اور پیسہ خرچ کرکے آئے ہیں۔ ایسا ڈرامہ کرنے کی آخر کیا ضرورت تھی۔ دھوکہ دے کر ــــ آپکا ڈرامہ جائے دوزخ میں"

ہم نے سب سے غصّہ نہ کرنے کی اپیل کی۔ ان کے چہروں پہ مایوسی اور اس کے نتیجے میں پیدا شدہ غصّہ تھا۔ ان دو کے امتزاج سے جو کچھ وہ کہہ رہے تھے اس سے ایک "کامک" کی صورت حال پیدا ہوگئی۔ اور ہماری تو کچھ اور ہی کیفیت تھی۔ شرمسار ــــ پریشان ــــ چند حقیقی شائقین ڈرامہ جو ٹکٹ خرید چکے تھے۔ اس صورت حال پر مسکراتے دور کھڑے تھے ــــ کسی طرح ہماری ڈرامہ سے دلچسپی کا شکار ہونے والے معصوم لوگوں کو سمجھا منا کر بھجوایا گیا ــــ اور ہمارا پہلا شو آدھ گھنٹہ تاخیر سے ہوا تو ایک طرح سے ہال خالی تھا ــــ

لیکن آج جب اس کے بارے میں سوچتا ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ شو آدھ گھنٹہ قبل ہی شروع ہوگیا تھا! ایک بڑے ہال کے سامنے ــــ یہ ایک حقیقی زندگی کا ڈرامہ تھا ــــ رقّت انگیز ڈرامہ۔

بھدرا کانت زویری

ابراہیم یوسف

اُردو ڈرامے میں طنز و مزاح کی روایت

اُردو کے ابتدائی ڈراموں پر جہاں اور اعتراضات ہیں وہیں ان پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ ان میں طنز و مزاح کا فقدان ہے۔ یہ اعتراض ایک سوالیہ نشان کی طرح سامنے آکر کھڑا ہو جاتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے ؟

سیاسی وجوہ کے علاوہ میرے نزدیک اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ابتدائی ڈراموں میں سماجی شعور نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اور چونکہ طنز و مزاح گہرے سماجی شعور اور اس پر تنقیدی نظر سے پیدا ہوتا ہے اس لئے اُردو کے ابتدائی ڈرامے طنز و مزاح کی چاشنی سے محروم ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ڈرامے میں کردار نگاری کا کوئی تصور ابتدائی ڈراما نگاروں کے یہاں نہیں تھا اس لئے مختلف النوع کرداروں کی آمیزش اور آویزش سے ان کے جو دیگر پہلو نمایاں ہوتے ہیں وہ ان ڈراموں میں ظاہر نہیں ہوتے اور کردار اس طرح پیش کئے جاتے ہیں کہ ان کی تہیں اس طرح آہستہ آہستہ اتریں کہ ایک مکمل اور جامع اپنے پردے پر دے ہٹا کر سامنے آجائے۔ ان ڈراموں میں شہزادوں شہزادیوں اور جن و پری کی فرضی داستانیں ہوتی تھیں جن کو عشق بازی کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا کہ ان کے کردار کے دیگر پہلوؤں کو بھی روشنی میں لایا جائے جب کردار نگاری اور موضوعات کا دائرہ اس قدر محدود کر دیا جائے تو کسی اعلیٰ تخلیق اور رنگا رنگ کرداروں کی توقع فضول ہے۔

اُردو ڈرامے کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ رہی کہ یہ ابتدا ہی میں تجارتی ہاتھوں میں پہنچ کر حصولِ زر کا ذریعہ بن گیا۔ اول تو تجارتی ہاتھوں کو ادب سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ دوسرے حصولِ زر کے لئے فن کو قربان کر دینا کوئی معیوب بات نہیں سمجھی جاتی تھی اس لئے ڈرامہ نگاری کی دنیا نہ صرف موضوعات بلکہ کردار نگاری کے میدان میں محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اسی لئے ہمارے ڈراما نگار کوئی شائی لاک اور کوئی نال اسٹاف پیدا کرنے سے محروم ہے سیٹھوں کے نزدیک وہی ڈراما نگار معتبر اور معیاری تھا جو اُس کی

تجوری بھرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور اس کا گُر جانتا ہو۔ چنانچہ جب آغا حشر پر کسی نے یہ اعتراض کیا کہ انھوں نے ہندی ڈرامے لکھ کر اُردو کے ساتھ بے انصافی کی تو سید مہدی حسن احسن لکھنوی نے ان کی وکالت کرتے ہوئے لکھا کہ :

> " بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آغا صاحب نے ہندی تماشا لکھ کر اُردو زبان پر دھبہ لگایا یہ اعتراض ان لوگوں تک محدود ہے جو فکرِ معاش ملازمت سے بے خبر اور اخراجاتِ زندگی سے مستغنی ہیں۔ ہم لوگ مذہبی دیوانے یا قومی پاگل ہوتے تو ڈراما نویس نہ ہوتے " [1]

یہ حقیقتاً کسی اعتراض کا جواب نہیں بلکہ مجبوری کا احساس ہے۔ جس نے اُردو ڈرامے کو تنقیدِ حیات اور تنقیدِ معاشرت کے دائرے میں داخل ہونا ممنوع قرار دے دیا تھا اور جب یہ صرف ذریعہ تفریح تک ہی محدود تھا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ طنز و مزاح جیسے لطیف اور کلچرڈ فنون رکیک فقرے بازی اور پھکڑپن میں تبدیل نہ ہو جاتے اور جب عوام کا ایک مزاج بن جائے تو پھر اس کو سمتِ دیگر پر تربیت کرنا ایک دشوار امر ہو جاتا ہے۔ اس تبدیلی کے لئے پیغمبرانہ عزم، حوصلہ اور صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ مہدی حسن احسن لکھنوی کے " ڈراما نویس " میں یہ صلاحیتیں پیدا نہیں ہو سکتی تھیں۔

چونکہ اُردو ڈرامے کا مقصد " دو چار گھڑی دل لگی کی صورت پیدا کرنا " قرار دیا گیا تھا اور ڈرامے دیکھنے والوں کا کوئی طبقہ مخصوص نہیں تھا اس لئے ہر ڈراما نگار مجبور تھا کہ وہ اپنے ڈرامے کے ذریعے ہر ذوق کے طبقے کا خیال رکھے اس لئے بالعموم اس چار پانچ گھنٹے کی تفریح کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ایک اصل ڈراما اور دوسرا ضمنی۔ ابتدا میں اس ضمنی ڈرامے کو پیش کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ اصل ڈراما شروع ہونے سے پہلے بطور کرٹین ریزر یا پھر اصل ڈراما ختم ہونے کے بعد بطور آفٹر پیس پیش کیا جاتا تھا بعد میں اس ضمنی پلاٹ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈرامے کے درمیان میں پیش کیا جانے لگا۔ عام طور پر اصل ڈراما اعلیٰ ذوق اور تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے ہوتا تھا جبکہ ضمنی حصہ نچلے طبقے اور عامیانہ مذاق کے لوگوں کے لئے۔

معیار بندی اس طرح ہوتی تھی کہ باذوق لوگوں کے لئے رقص و موسیقی کا انتظام ہوتا تھا تو عامیانہ مذاق کے لوگوں کی ضیافتِ طبع سوقیانہ مذاق اور پھکڑپن سے کی جاتی تھی۔ ان دونوں طبقات کے ذوق کی حد بندی اس قدر سختی سے کی جاتی تھی کہ ایک کو دوسرے کی حد میں داخل ہونا گویا شجرِ ممنوعہ کا پھل حاصل کرنے کے مترادف تھا۔ دو پلاٹوں کو الگ الگ رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ یہ ڈرامائی کمپنیاں مختلف مقامات پر اپنے کھیل دکھلاتی تھیں۔ اس لئے پبلک کے ذوق کو دیکھ کر ضمنی پلاٹ میں حسبِ ضرورت تبدیلی کرلیتی ہوں گی۔ اور پبلک کی مانگ کے پیشِ نظر کسی بھی ضمنی پلاٹ کو کسی بھی ڈرامے کے ساتھ شامل کر دینا آسان ہوتا ہوگا۔

اس تمہید سے میرا مقصد یہ ہے کہ ابتدائی ڈراموں کی نوعیت ظاہر ہو جائے اور یہ کہ ابتدا میں صرف ضمنی پلاٹ کو ہی مزاح کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اور مزاح بھی معیاری نہ ہو کر ابتذال، پھکڑپن اور عامیانہ ذوق کی نمائندگی کرتا تھا۔ طنز کا سوال تو پیدا ہی نہ ہوتا تھا۔ واجد علی شاہ نے اپنے رہس ڈرامے " رادھا کنھیا کا قصہ " میں اگرچہ ضمنی نہ رکھ کر ظرافت اور ظریفت کے ذریعہ مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی ہے مگر اس مزاح کو معیاری نہیں کہا جا سکتا۔ نہ صرف مہمل بلکہ غیر مہذب الفاظ استعمال کرنے میں بھی انھوں نے کوئی احتیاط برتنا مناسب نہ سمجھا۔ ملاحظہ ہو :-

---

[1] بحوالہ پروفیسر حسین، سید مہدی حسن احسن لکھنوی، نیا دور لکھنؤ، اپریل ۱۹۷۵ء ص ۹

غربت ؛ سلام علیکم میاں عفریت ۔

عفریت ؛ وعلیکم السلام السین والقام ، الطعام والکلام ، الکشمش والبادام میاں غربت علی خاں بہادر بیاماں ، کھٹ پٹ جنگ ، نارمرے ، دھیڑ چد ۔

عفریت کا ایک اور مکالمہ ملاحظہ ہو ؛

عفریت ؛ تینتی سینتی ، دم جینتی ، لوٹک ٹالا ، جھو ٹنک جھانا صندوق معلق ٹرلی ، گاؤ کی دم اور بچوں کی قسم جو میرے کیسے برآمد مطلب ہوگا ہرگز دریغ نہ کروں گا ، میں سعی کرتا ہوں ۔

یہ ہے اردو ڈرامے کے نقش اول کا معیار ۔ یہ ضرور ہے کہ واجد علی شاہ نے مزاحیہ کردار کو ڈرامے کا حصہ دار بنا کر صحیح روایت قائم کرنے کی کوشش کی تھی مگر آنے والے ڈراما نگار اس روایت کو قائم نہ رکھ سکے اور سیٹھوں کی تجوریاں بھرنے کے آلۂ کار بن کر فن کی طرف سے بیگانہ ہو گئے ۔ یہ وہ دور تھا جس کو پارسی تھیٹر کا دور کہا جاتا ہے اور اردو ڈرامے کا سنہری دور سمجھا جاتا ہے ۔ یہ اردو ڈرامے کا سنہری دور تھا یا نہیں یہ ایک مختلف بحث ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ پارسی تھیٹر نے ڈرامے کے طنزیہ اور مزاحیہ پہلو کی کوئی خدمت نہیں کی ۔ بلکہ اس کے معیار کو انتہائی پست کر دیا ۔ اگر ہم آغا حشر جیسے بلند قامت ڈراما نگار کو بحیثیت نمائندہ لے کر پورے پارسی تھیٹر کے اس پہلو کا جائزہ لیں تو ہمیں سوائے مایوسی کے اور کچھ ہاتھ نہیں آئے گا ۔ اس ہندوستانی شیکسپیئر نے جہاں عشق و فرض جیسا ڈراما لکھا ، ڈرامے میں شہزادوں شہزادیوں ، جن و پری کو خیر باد کہا ۔ نظم کے مقابلہ میں نثر کو زیادہ اہمیت دی ۔ اسٹیج پر ہونے والی بیت بازی کو ختم کیا اور سماجی زندگی کو ڈرامے کا موضوع بنایا ۔ وہ طنز و مزاح میں کوئی بڑی انقلابی تبدیلی نہ لا سکا ۔ اگرچہ وہ ان تمام حربوں کا استعمال کرتے ہیں جو مزاح پیدا کرنے کے لئے ضروری ہیں ۔ مگر ان حربوں کو صحت مند طریقوں سے استعمال نہ کر کے سوقیانہ پن اور پھکڑ بازی کے لئے استعمال کرتے ہیں ۔ غیر معمولی سچویشن پیدا کر کے وہ مزاح کے لئے میدان تو پیدا کر لیتے ہیں مگر اس میدان میں داخل ہو کر بھٹک جاتے ہیں ۔ آیئے ایک طائرانہ نظر ان کے کامک سینوں پر ڈالیں جس سے پورے پارسی تھیٹر کے مزاح کا معیار سامنے آ جائے گا ۔

" صید ہوس " کے ضمنی پلاٹ میں نرگس اپنے عاشق شمشاد کو خط لکھتی ہے کہ آج گھر پر کوئی نہیں ہے وہ اس سے ملنے آئے ۔ شمشاد صاحب جانے کیوں نرگس کے باپ سرخاب کا بھیس بدل کر پہنچ جاتے ہیں ۔ اور نرگس اسے اپنا عاشق نہ سمجھ کر اپنا باپ سمجھ لیتی ہے ۔ اب یہ باپ کے بھیس میں عاشق صاحب نہ صرف اس سے ایک بوسہ طلب کرتے ہیں بلکہ شادی کی درخواست بھی فرما دیتے ہیں ۔ بہر حال اصل حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور دونوں بھاگ جانے کا پروگرام بناتے ہیں ۔ نرگس اپنا سامان لینے گھر کے اندر چلی جاتی ہے کہ اس کے باپ سرخاب صاحب تشریف لے آتے ہیں اور شمشاد انھیں دیکھ کر چھپ جاتا ہے کہ نرگس واپس آ جاتی ہے ۔ اور اپنے باپ کو اپنا عاشق سمجھ کر بھاگ چلنے کو کہتی ہے ۔ اب والد صاحب کی کیا حالت ہوئی ہوگی آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں ۔ اس طرح سچویشن تو پیدا ہو گئی ہے مگر اس میں جو ابتذال ہے وہ محتاج بیان نہیں ۔

اسی طرح ان کے ایک اور ڈرامے " خوبصورت بلا " میں بھی بھیس بدلنے کا کرشمہ موجود ہے ۔ حضرت ماشاء اللہ کو اپنی بیوی پر شک ہے کہ وہ آوارہ ہو گئی ہے ۔ اس کا امتحان لینے کے لئے اپنے دوست خیر سلا کو بھیجتے ہیں ۔ وہ بھیس بدل کر جاتے ہیں ۔ وہاں خود ان کی [illegible] صاحب موجود ہوتی ہیں اور اپنے شوہر کو پہچان لیتی ہیں اور انھیں سبق پڑھانے

کے لئے اپنے بوسوں کے فروخت کا قصد لے بیٹھتی ہیں کہ وہ مختلف قسم کے بوسے مختلف قیمتوں میں فروخت کرتی ہیں۔ اور حضرت خیر سلاّ کو بھی مجبور کرتی ہیں کہ وہ بھی ان کا ایک بوسہ خریدیں۔ اب خیر سلا صاحب کا اس پر تبصرہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے :

خیر سلاّ : بھئی واہ لوگ دعائیں مانگتے ہیں کہ خدا ہمیں کماؤ بیٹا نصیب ہو مگر ہم کو بغیر دعا مانگے کماؤ جورو مل گئی۔ اگر بوسوں کی ایک جنرل ٹریڈنگ ایجنسی کھول دوں تو یاروں کا پلاؤ اور مٹن چاپ کہیں نہیں گیا ــــ !

اگرچہ آغا صاحب نے اس طرح سوسائٹی کے اس طبقہ پر جو بلا وجہ ماڈرن بننے کی کوشش کرتا ہے، طنز کیا ہے مگر انداز اس قدر عامیانہ ہے کہ اس سے لطف حاصل ہونے کی بجائے کراہیت کا احساس ہوتا ہے۔ اسی طرح آغا صاحب غیر ذمہ دارانہ طور پر مبتذل اور عامیانہ جملے اور فقرے بلا تکلف لکھ جاتے ہیں۔

"یہودی کی لڑکی" کا ایک مکالمہ ہے :

عورت : ارے وا خبیلی۔ کہیں بھنگ تو نہیں پی گیا ہے اچھا تو سیتا کو جانتا ہے ؟

گھسیٹا : اجی جاننا کیسا۔ میرا اس کا تو مہینوں استنجا لڑا ہے!

آغا صاحب کے ہر کامک سین میں بیوی کو ماں بہن اور بیٹی کہنا اور بیوی کا اپنے شوہر کو بھائی، باپ اور بیٹا کہنا ایک عام مذاق ہے اور یہ ایسی باتیں ہیں جو نفاست پسند طبیعتوں پر بار گزرتی ہیں۔ اسی طرح آغا صاحب حفظ مراتب کو نظر انداز کر کے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے مزاح تو پیدا نہیں ہوتا لیکن ایک طرح سے اخلاقی بدعنوانی اور سماجی افراتفری ضرور ظاہر ہوتی ہے۔ جب "خوبصورت بلا" میں طغرل اپنے نوکر خیر سلاّ سے پوچھتا ہے کہ اس کے رقیب نے اسے ایسی بے نقط سنائیں اور خیر سلا خاموش رہا تو خیر سلا کا جواب ملاحظہ ہو :

طغرل : تو نے کیا کیا کہا ؟

خیر سلا : کہ ہمارے آقا طغرل بیگ بڑے ہی نامعقول ہیں، بڑے ہی پاجی ہیں۔ جب غصہ میں آتے ہیں تو دیوانے کتے کی طرح کاٹتے ہیں۔

کسی بھی ملازم کا اپنے آقا کے سامنے اس کے متعلق ایسا کہنا مزاح تو پیدا نہیں کرتا مگر دل و دماغ پر ایک بوجھ ضرور پیدا کر دیتا ہے۔ اگرچہ آغا صاحب سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں اور غیر متوازن زندگی پر طنز کرنا چاہتے ہیں اور کرتے ہیں۔ مگر انداز اس قدر عامیانہ اور سوقیانہ ہوتا ہے کہ طنز طنز نہ رہ کر پھکڑپن بن جاتا ہے۔ عامیانہ پن اور سوقیانہ پن اس قدر نمایاں ہو جاتا ہے کہ اصل مقصد کہیں ایسا روپوش ہوتا ہے کہ اس کی تلاش فضول ہو جاتی ہے۔

جب آغا حشر جیسا ڈراما نگار اس میدان میں توازن برقرار نہ رکھ سکا تو اس سے کمتر درجے کے منشیوں کی کیا کیفیت ہوگی اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس طرح یہ کہتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی کہ پارسی تھیٹر کے طنز و مزاح کا معیار انتہائی پست اور عامیانہ تھا جس نے اردو ڈرامے میں طنز و مزاح میں کسی صحت مند روایت کا اضافہ نہیں کیا، یہاں تک کہ پارسی تھیٹر نے قومی غیرت اور حمیت کو بھی بالائے طاق رکھ دیا۔ اور جب مجاہد آزادی "نانا صاحب" اسٹیج کیا گیا تو اس مجاہد آزادی کو جاہل غدار، چنڈال، بدمعاش اور بدگہر کے القاب سے نوازا گیا اور لوگوں کی قومی غیرت نے انہیں للکارا، بلکہ وہ اس پر خوشی سے تالیاں بجاتے رہے۔ در حقیقت ۱۸۵۷ء کی ناکامی سے عوام پر جو بے حسی اور جمود طاری ہوا تھا وہ ابھی

بھی اس سے نجات نہ پا سکے تھے۔ اور صرف کھوکھلے قہقہوں کو اپنے دکھ کا درماں سمجھ بیٹھے تھے۔

پارسی تھیٹر سے قطع نظر کر کے کچھ لوگوں نے انفرادی طور پر ڈرامے میں طنز و مزاح کے معیار کو بلند کرنے کی ضرور کوششیں کیں۔ اس سلسلے میں میں خصوصیت کے ساتھ "طویلے کی بلا بندر کے سر" کا ذکر کروں گا۔ جس کے مصنف ہیں منشی جے نارائن صاحب ورما اور جو ادبی پریس لاٹوش روڈ لکھنؤ سے ۱۹۲۳ء میں کتابی شکل میں شائع ہوا ہے۔ یہ نہ صرف ایک مکمل یکبابی ڈراما ہے بلکہ معیاری طنز و مزاح کا بھی نمونہ ہے جس میں سیمپرشن اور مولوی بحر العلوم کے کردار سے بہترین طنز و مزاح کا کام لیا گیا ہے۔ اگر پارسی تھیٹر اس قسم کے طنز و مزاح کو معیار بناتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ڈرامے کا دامن طنز و مزاح سے خالی ہوتا۔ لیکن یہ انفرادی کوششیں نقار خانے میں طوطی کی صدا سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔

پارسی تھیٹر کے ختم ہونے کے بعد پورے وقت کے ڈراموں کا دور ختم ہو گیا اور ان کی جگہ یکبابی ڈراموں نے لینا شروع کر دی۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ ترقی پسند تحریک ابھر کر منظم شکل میں سامنے آ گئی۔ میں اس چیز کو نظر انداز کر رہا ہوں جو ریڈیو پر نشر کی جاتی ہے اور ریڈیو ڈراما کہلاتی ہے۔ یہ یہ میری بد قسمتی ہے کہ ریڈیو پر نشر کی جانے والی اس چیز کو نہ تو ڈراما تسلیم کرتا ہوں اور نہ ڈرامے کی کوئی قسم۔ ترقی پسندوں کا اپنا ایک نقطۂ نظر تھا اور ایک واضح طرزِ فکر۔ اس نے ڈرامے میں مزاح کو کم اور طنز کے حربے کو زیادہ استعمال کیا۔ چونکہ ترقی پسندوں کے طنز کا نشانہ مخصوص تھا اور ترقی پسندوں میں جوشِ مجاہدانہ زیادہ تھا۔ اس لئے اس جوشِ مجاہدانہ میں طنز نے نعرے بازی اور گالی گلوچ کی شکل زیادہ اختیار کر لی جس سے طنز کا وقار مجروح ہوا اور طنز نشتر نہ رہ کر ایسی بے نیام تلوار بن گیا جس کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ بزن — اور اس بزن میں وہ ہنگامہ بپا ہو گیا کہ تلوار کی چمک ہی نظر آئی مگر کاٹ کے جوہر مفقود ہو گئے۔ ویسے کرشن چندر، ڈاکٹر محمد حسن، خواجہ احمد عباس، ریوتی سرن شرما، ساگر سرحدی اور اگر خود ستائی نہ ہو تو ابراہیم یوسف نے کچھ اچھے طنزیہ ڈرامے لکھے مگر یہ سب ڈرامے وقتی ضرورت اور ہنگامی حالات کے پیشِ نظر لکھے گئے تھے اس لئے ان میں وہ گہرائی مفقود ہے جو طنزیہ ڈرامے کی بلند معیاری کی ضامن ہو سکتی۔ ان میں کوئی بھی کردار ایسا تخلیق نہ ہو سکا جو کم از کم مرزا ظاہر دار بیگ کا مقابلہ کر سکتا۔ اس کی دو وجہیں نظر آتی ہیں۔ ایک تو ترقی پسندوں کا ذوقِ نعرہ بازی اور دوسرے متعین اقدار کی شکست و ریخت اور تیزی سے بدلتے ہوئے حالات میں افراد کے کرداروں میں عدمِ استحکام۔ اگرچہ ان بدلتے ہوئے حالات میں کرداروں کے انتخاب کے اچھے مواقع تھے اور کسی حد تک ڈراما نگاروں نے ان کا انتخاب بھی کیا مگر وہ ان کو ایسے مقام نہ دلا سکے جو صدیوں تک یاد رکھے جا سکتے۔ اس کی ایک اور وجہ یکبابی ڈرامے کی مقبولیت تھی اور چونکہ یکبابی ڈراما اپنے کینوس میں محدود ہوتا ہے۔ اس لئے کرداروں کا کوئی ایک پہلو ہی سامنے آ سکتا ہے۔ اور کرداروں کو زندگی بخشنے کے لئے جس تہ داری کی ضرورت ہوتی ہے وہ یکبابی ڈراموں میں ظاہر نہیں ہو سکتی۔

ویسے اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ بعض مسائلی ڈراموں میں طنز کو موضوع بنایا گیا ہے مثلاً مدد حسین کا ڈراما 'پانچواں کتا'؛ اس ڈرامے کا موضوع اگرچہ گھسا پٹا اور فرسودہ ہے — یعنی جہیز کی لعنت — مگر ڈراما نگار نے اس کو جس انداز میں پیش کیا ہے وہ خوب ہے اور آخر میں طنز کا ایک گہرا نشتر لگتا ہے۔ لفظوں کی جادوگری نہیں ہے، بلکہ

مینا جو ڈرامے کی ہیروئن ہے ہر اس شخص کے نام کا ایک کتا پال لیتی ہے جو اس کے متوسط طبقہ کے باپ سے جہیز کے طور پر رقم طلب کرتا ہے اور جو اس کا باپ ادا نہیں کرسکتا. وہ نہ صرف کتے کا نام اس کے نام پر رکھ دیتی ہے بلکہ اس کی قیمت بھی وہی بتلاتی ہے جو اس کے باپ سے طلب کی جاتی ہے۔ کتے کا اس طرح نام رکھنا اور قیمت مقرر کرنا کس قدر گہرا تاثر پیدا کرتا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں مگر اس قدر گہرے طنز کی مثالیں اُردو کے یکبابی ڈرامے میں مشکل ہی سے ملتی ہیں۔ ورنہ بالعموم طنز کا دائرہ مکالموں میں سکڑ کر رہ جاتا ہے۔

کرشن چندر جیسا فن کار بھی جب طنز کے میدان میں آتا ہے تو جملوں اور فقروں کو ہی حربے کے طور پر استعمال کرتا ہے لیکن پلاٹ کی ترتیب اور کرداروں کی آمیزش اور آویزش سے جو طنز کا تاثر پیدا ہونا چاہئے وہ نہیں ہوتا۔ گویا اُردو یکبابی ڈرامے میں طنز کا رجحان صرف مکالمے کی طرف ہے سچویشن اور کرداروں کی طرف نہیں۔

یہی صورتِ حال مزاحیہ ڈراموں میں نظر آتی ہے وہاں بھی فقرے بازی کو ہی اہمیت دی جاتی ہے۔ سچویشن اور کرداروں کو نظر انداز کردیا ہے۔ سچویشن کے نام پر اسٹیج کو دھما چوکڑی کا اکھاڑہ سمجھ لیا جاتا ہے جس میں ہر کردار اچھل کود کر ایسے مکالمے ادا کرتا ہے جس سے ناظر فلک شگاف نعرے تو لگاتا ہے مگر ان نعروں کے ساتھ تاثر بھی کہیں فلک نشیں ہوکر رہ جاتا ہے۔ ایسے ڈراموں کی مانگ کالجوں اور اسکولوں کے اسٹیج کو تھی اور ان کی ضرورت پورا کرنے کے لئے یہ ڈرامے لکھے گئے مگر مزاح کے لئے جس تربیت یافتہ ذوق کی ضرورت تھی وہ ان ڈراموں میں نظر نہیں آتا۔ اگرچہ موضوعات کا دائرہ پارسی تھیٹر کی طرح محدود نہ رکھ کر بہت وسیع ہوگیا تھا مگر اسٹیج جس دائرہ میں محدود ہوگیا تھا اس نے مزاح کے دائرے کو زیادہ وسیع نہیں ہونے دیا۔ اسٹیج کی اس منڈی میں وہی مال سپلائی ہوتا رہا جس کی اس منڈی کو ضرورت تھی۔ اکثر حالات میں اچھے موضوع اور طنز و مزاح کے اچھے مواقع کو بھی دھما چوکڑی اور ہنگامہ آرائی کی نذر کردیا گیا۔ اُردو کے اچھے مزاح نگار بھی اس طرف متوجہ نہیں ہوئے بلکہ صرف انشائیہ لکھنے کو ہی اپنا معراجِ کمال سمجھتے رہے۔

پارسی تھیٹر کے انتقال کے بعد آزادی حاصل ہونے تک یہی یکبابی ڈرامے ضرورت پوری کرتے رہے۔ آزادی کے بعد شعوری طور پر اس جمود کو ختم کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ اُردو اگرچہ اپنے ہی دیس میں بدیسی بن گئی مگر اپنی سخت جانی کے باعث ترقی تو رہی مگر نزاع کی ہچکی لینے سے انکار کردیا، اور اُردو ڈرامے نے بھی اپنا سر اونچا کرنے کی کوشش شروع کردی۔ اب ڈرامے کا یہ دَور نہ صرف نئے تصورات اور خیالات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے بلکہ نئی جہتوں سے بھی روشناس ہو رہا ہے، بالخصوص بریخت اور بیکٹ کے مخصوص طرزِ فکر اور اندازِ پیشکش کو اپنا رہا ہے۔ اگرچہ اس طرزِ فکر اور اندازِ پیشکش میں طنز کے بے پناہ مواقع ہیں مگر ان کا سمبولائزیشن اور ردادکار طریقۂ فکر مقبولیت کے میدان میں کامیابی کا انتظار کر رہا ہے۔ اگر اُردو دنیا نے انھیں قبول کرلیا تو کوئی وجہ نہیں کہ اُردو ڈرامے کا دامن طنز کے مال سے مالا مال نہ ہوجائے۔ ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اُردو کا ناظر اسے کس طرح قبول کرتا ہے یہ آنے والا وقت ہی بتلائے گا۔

فی الحال اُردو ڈرامے کے طنز و مزاح کے اس مختصر جائزے کے بعد ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اُردو ڈراما ابھی کسی شائی لاک، کسی فال اسٹاف اور کسی مرزا ظاہر دار بیگ کا اپنی محفل میں آنے کا انتظار کر رہا ہے۔

قادر خاں

بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے

کردار

(۱) آدمی

(۲) اجنبی

(۳) چپراسی Peon

(۴) کلرک

(۵) ہیڈ کلرک

(۶) سپرنٹنڈنٹ گائے تو نڈے

(۷) سکریٹری Horticultural Dept.

(۸) سکریٹری Agricultural Dept.

(۹) سکریٹری Cultural Dept.

(اس ڈرامے کا مرکزی خیال جناب کرشن چندر (مرحوم) کے افسانے "جامن کا پیڑ" سے لیا گیا ہے)

سیکرٹریٹ کے کمپاؤنڈ کا یہ ایک حصہ ہے۔ اسٹیج کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اگلے حصے میں جامن کا ایک پیڑ گرا ہوا ہے۔ شاخیں اور ٹہنیاں نمایاں نظر آرہی ہیں۔ اس کے نیچے ایک آدمی دبا ہوا ہے جس کا چہرہ سامعین کی طرف ہے اور پچھلے حصے میں سیکرٹریٹ کا آفس ہے۔ وہاں تین مختلف شعبوں کے آفس ہیں۔ پہلا شعبہ ہارٹی کلچرل ڈیپارٹمنٹ) دوسرا ویاپار وبھاگ اور تیسرا ایگریکلچرل ڈیپارٹمنٹ ہے۔ ہر شعبے میں ایک ٹیلی فون ہے اور دوسرے شعبے میں ۲ ٹیلی فون ہیں۔ جس وقت کہ ڈرامہ شروع ہوتا ہے۔ ایک روشنی کا دائرہ اگلے حصے کی طرف جہاں ایک آدمی پیڑ کے نیچے دبا ہوا ہے وہاں آتا ہے اور تبدریج وہ روشنی اگلے حصے کو منور کرتی ہے۔ پچھلے حصے میں مکمل اندھیرا ہے اور جس وقت پچھلے حصے میں روشنی ہوتی ہے اگلا حصہ اندھیرے میں ڈوب جاتا ہے۔ یہ دو بار ہوتا ہے۔ ایک اجنبی گھومتے پھرتے اس کمپاؤنڈ میں داخل ہوتا ہے۔

آدمی: اے بھائی

اجنبی: کون ہے بھائی؟

آدمی: ارے ادھر

اجنبی: ادھر یعنی کدھر

آدمی: اس پیڑ کے نیچے

اجنبی: پیڑ کے نیچے! اچھا تو حضور یہاں آرام فرما رہے ہیں واہ واہ کیا کمپوزیشن ہے۔ آدمی اوندھے منہ گرا ہوا ہے۔ پیٹھ پر جامن کا پیڑ گرا ہوا سامنے سپاہی کھڑا ہوا ہے مسٹر تمہیں کیا ہوا۔

آدمی: ارے بھائی مجھے اس پیڑ کے نیچے سے نکالو۔

اجنبی: وہ تو ٹھیک ہے مگر آپ اس پیڑ کے نیچے کیا کر رہے ہیں۔

آدمی: کر کچھ نہیں رہا ہوں بھائی رات اس کمپاؤنڈ میں آیا تھا کچھ سیکھنے کی غرض سے۔ بڑی تندی کی ہوا چلی یہ جھاڑ اکھڑ کر میری پیٹھ پر گر پڑا۔ رات طوفان آیا تھا

اجنبی: رات طوفان آیا تھا۔ ارے میاں سیکریٹریٹ میں دن میں طوفان آتے ہیں۔ یہ رات میں کب سے آنے لگے۔ پر میاں تم ہو بڑے قسمت والے۔

آدمی: میں جامن کے پیڑ کے نیچے دبا ہوں اور آپ کہتے ہیں قسمت والا ہوں۔

اجنبی: تم سمجھے نہیں یار تم کسی ایسے ویسے پیڑ کے نیچے تھوڑے ہی دبے ہو تم تو سیکریٹریٹ کے پیڑ کے نیچے دبے ہو میاں۔ سیکریٹریٹ! ارے پھر یہ پیڑ تو قسمت والوں پر ہی گرتا ہے۔ نہ جانے کتنے تو اس کی تمنا دل میں لئے ہی مر گئے۔ اب دیکھنا تھوڑی دیر میں کیا ہنگامہ ہوتا ہے۔

آدمی: ہنگامہ

اجنبی: جی ہاں ہنگامہ، منسٹر آئیں گے چیف منسٹر آئیں گے ہاشم بھائی جیسا کاکرین منگوائیں گے۔ اس پیڑ کو اٹھوائیں گے۔ آپ کو منسٹر صاحب کے روم میں لے جائیں گے۔ آپ کا انٹرویو ہر پیپر میں چھپے گا مطلب یہ ہے کہ آپ تو منٹوں ہی منٹوں میں انٹرنیشنل فگر بن جائیں گے اور ہم بیچارے یہی منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔ تم نے تو سنا ہوگا۔ کچھ دنوں پہلے ہمارے گورنر صاحب کے بنگلے میں ایک چیتا گھس گیا تھا اور واہ صاحب واہ کیا آؤ بھگت کی گئی تھی اس چیتے کی ہر اینگل سے فوٹو اتارا گیا اور آخر میں تمام منسٹر کے ساتھ اس کا گروپ فوٹو اتارا گیا جو آج تک سیکریٹریٹ میں لٹک رہا ہے۔

آدمی: لیکن جب تک تو میں مر جاؤں گا۔

اجنبی: ارے یہ سیکریٹریٹ والے تمہیں اتنی جلدی مرنے تھوڑے ہی دیں گے اچھا یار میں تو چلتا ہوں Best of Luck۔

آدمی: ارے بھائی مجھے اس حالت میں اکیلا چھوڑ کر مت جاؤ۔

اجنبی: ارے اگر کسی نے مجھے دیکھ لیا تو سمجھ بیٹھیں گے یہ پیڑ میں نے ہی گرایا ہے۔

آدمی: ارے بھائی مذاق چھوڑو اور مجھے اس پیڑ کے نیچے سے نکالو

اجنبی: میں نکالوں! اچھا پہلوان ڈھونڈ لے میاں۔ خیر کوشش کرتا ہوں۔ ارے یہ پیڑ تو دس آدمیوں سے نہیں ہلنے والا پیڑ دیکھ کر دیکھتا تھا اب کیا کروں۔ ارے ہاں وہ سامنے سے peon آ رہا ہے اسے خبر کرتا ہوں۔ اے بھائی او بھائی صاحب۔ ہاں ہاں تم ذرا ادھر آنا۔

[peon داخل ہوتا ہے]

Peon: کیا ہے۔

اجنبی: ارے یار تم تو کاٹنے کو دوڑ رہے ہو۔ ارے بھائی

کہاں چل دیئے۔

Peon تو کیا ہے

اجنبی: ذرا اوپر جاکر خبر کردو کہ ایک آدمی پیڑ کے نیچے دب گیا ہے۔

(Peon: ہاں ہاں کہتا ہے۔)

اجنبی: واہ کیا چال پائی ہے۔ تم ایسے نہیں مانیں گے۔ ارے بھائی سنو کیا نام ہے تمہارا۔

Peon: پانڈورنگ

اجنبی: بڑا اچھا نام ہے کس نے رکھا۔

Peon: باپ نے۔

اجنبی: کیوں ماں نے نہیں رکھا۔ یہ لو

Peon: سلام صاحب!

اجنبی: دیکھا۔

آدمی: کیوں کیا ہوا۔

اجنبی: مریل گھوڑے کو چونی کی گھاس کھلائی تو ریس کا گھوڑا بن گیا۔ اب دوبارہ کسی پیڑ کے نیچے دبنا تو چار آٹھ آنے جیب میں رکھ کر دبنا ورنہ یہ سچالیہ والے تمہیں نکالیں گے نہیں۔

آدمی: میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔

اجنبی: پرانا ڈائیلاگ ہے یار کوئی نئی بات کرو مارے ہاں وہ Peon دو جنٹل سے آدمیوں کو لے کر آرہا ہے۔

(کلرک۔ ہیڈ کلرک اور Peon کی انٹری)

Peon: بڑا صاحب بڑا۔

ہیڈ کلرک: ارے رے رے بے چارہ

اجنبی: کیوں کیا ہوا

ہیڈ کلرک: جامن کا پیڑ گر گیا۔

اجنبی: واہ صاحب' واہ کیا standard

ہے افسوس کرنے کا۔

کلرک: شرما صاحب یہ بڑے اچھے جامن لگتے تھے اس پیڑ میں کیا بھروسہ ہے زندگی کا۔

اجنبی: جی ہاں۔ یہاں بھی ایک زندگی ہے جس کا بھروسہ بہت کم ہے۔ ارے ارے ارے یہ آدمی اس پیڑ کے نیچے دب گیا ہے۔

ہیڈ کلرک: ہاں دیکھ لیا اس کو بھی۔ اے ادھر آؤ تم اوپر جاکر سپرنٹنڈنٹ صاحب کو خبر کرو ایک آدمی جھاڑ کے نیچے دب گیا۔ جاؤ۔

اجنبی: چلئے صاحب ہم اور تم مل کر اس پیڑ کو اٹھوانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہیڈ کلرک: ہم اور تم! ہم تو ٹھیک ہے مگر تم کون ہے!

اجنبی: اجی صاحب مجھے مارئیے گولی۔ آئیے اس پیڑ کو اٹھاتے ہیں۔

ہیڈ کلرک: ارے بھائی ہم کیسے اٹھا سکتے ہیں؟

کلرک: ہم!

اجنبی: کیوں

ہیڈ کلرک: ارے بھائی We are clerks, he is a clerk, I am H. C and this is below our dignity.

اور پھر جب تک اوپر سے حکم نہیں آتا یہ جھاڑ یہاں سے ہل نہیں سکتا۔

اجنبی: اوپر سے یعنی!

ہیڈ کلرک: اوپر سے یعنی اوپر سے!

اجنبی: اچھا اچھا! اوپر سے میں سمجھا اوپر سے اللہ اوپر والوں نے تو زندگی برباد کر رکھی ہے۔

کلرک: وہ کیسے۔

اجنبی: اب دیکھئے ذرا اوپر والے نے پیڑ گرایا۔ نیچے والا دب گیا۔ اب اس نیچے والے کو نکالنے کے لیے پھر اوپر والے سے Permission لانی پڑے گی۔

آدمی: اب کیا ہوگا۔

اجنبی: وہی ہوگا جو تمہاری قسمت میں لکھا ہوگا۔ تمہارا کوئی وارث ہے جس کو جاکر میں خبر کردوں۔

آدمی: جی نہیں میں لاوارث ہوں۔

اجنبی: کیوں وہ سب کے سب کسی پیڑ کے نیچے دب کر مرگئے۔ خیر رہتے کہاں؟

آدمی: جی کہیں بھی نہیں۔

اجنبی: بہت خوب! ؎

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا۔
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جا کر

بھئی واہ کیا Introduction ہے بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔

آدمی: آپ ہی میرے وارث بن جائیے نا۔

اجنبی: جی ہاں وہ تو میں پہلے ہی جانتا تھا۔ جب آپ نے مجھے آواز دی تھی۔

ھیڈ کلرک: اس کا کوئی وارث ہے۔

اجنبی: جی ہاں ایک میں رہ گیا ہوں۔

ھیڈ کلرک: اس کا نام کیا ہے۔

اجنبی: اس کا؟ غریب!

ھیڈ کلرک: تمہارا نام کیا ہے۔

اجنبی: درد

ھیڈ کلرک: تم دونوں رہتے کہاں ہو!

اجنبی: غریب اور درد کہاں رہ سکتے ہیں۔ لکھ دیجئے ساتھ ہی میں رہتے ہیں۔

ھیڈ کلرک: غریب درد ساتھ ہی میں رہتے ہیں۔
(سپرنٹنڈنٹ گلے تو نڈے داخل ہوتا ہے)

سپرنٹنڈنٹ: پن می کاسے کرنار سگریٹی کائے بجانگو چال ہی ہی۔ آہے۔ ارے بابا پبلک اپنے کو بولے گا کہ پیرا اٹھانے کو تو اٹھائے گا ارے نہیں اٹھائیگا

(ہنسی)

آدمی: یہ کیا ہو رہا ہے!

اجنبی: کٹھ پتلی ناچ رہی ہے۔

ھیڈ کلرک/کلرک/سپرنٹنڈنٹ: what

اجنبی: اجی میں نے کہا ہیڈ کلرک صاحب اب تو اس پیڑ کو بھی شرم آرہی ہے اور آپ ہیں کہ۔!

ھیڈ کلرک: بکا صاحب بکا!

سپرنٹنڈنٹ: हा काय झाला

اجنبی: دیکھ لیجئے

سپرنٹنڈنٹ: हैं जाव पवला करना

اجنبی: کیا۔؟

سپرنٹنڈنٹ: ہیتنے یہ جھاڑ گرا کیسے۔

اجنبی: جی وہی تو میں نہیں جانتا مگر کل رات یہ صاحب یہاں آئے تھے اور یہ پیڑ ان پر گر پڑا۔

سپرنٹنڈنٹ: جاسی وامی چوری کرنے کو اوپر چڑھا ہوگا۔

اجنبی: لیجئے صاحب ایک میڈل تو آپ کا بھی مل گیا آپ کیا سمجھتے ہیں! یہ یہاں چوری کرنے آئے تھے۔

سپرنٹنڈنٹ: نہیں تو کیا ریلیف فنڈ میں عطیہ دینے آیا تھا۔

اجنبی: اجی صاحب کل رات یہ صاحب یہاں بہار کی تلاش میں آئے تھے۔

سپرنٹنڈنٹ: काय मुहारा आणी ते पण मुठ चा पैर मलाच बन्दुक मारतेय काय औरप. बन्दुक हम अरबा वीन मे बहोत मारताहैं!

اجنبی: جی ہاں یہ تو میں جانتا ہوں مگر اب کیا کر رہے ارے اسے نکالنا چاہیے۔ مگر کیسے۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔

سپرنٹنڈنٹ: میں غور کر رہا ہوں۔

اجنبی: اجی صاحب اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔ آپ حکم کیجیے۔ دس پندرہ آدمی مل کر اس جھاڑ کو اٹھا لیں گے۔

سپرنٹنڈنٹ: کیا کھانے کا کام ہے کیا۔

اجنبی: کیوں

سپرنٹنڈنٹ: ارے بابا سمجھالیے Every work has to be done systematically

اجنبی: مگر آپ کا System کب شروع ہوگا۔

سپرنٹنڈنٹ: It has already started.

اجنبی: معاف کیجیے صاحب آپ کی یہ گول مول باتیں مجھ غریب کے دماغ میں سمانے سے انکار کر رہی ہیں۔

سپرنٹنڈنٹ: अच्छी काये

اجنبی: جی میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا۔

سپرنٹنڈنٹ: बघा.

اجنبی: बघा.

سپرنٹنڈنٹ: دیکھو۔

اجنبی: دیکھئے

سپرنٹنڈنٹ: ہاں System ایسا ہے پہلے فائل چلے گا پیچھے جھاڑ اٹھے گا۔

اجنبی: کیا مطلب!

سپرنٹنڈنٹ: ارے بابا کاسے ڈرتا ہے تجھا دیکھو پہلا یہ فائل ہمارے پاس آئے گا پھر Under Sec کے پاس جائے گا پھر سکریٹری کے پاس جائے گا چیف سکریٹری کے پاس جائے گا۔ پھر منسٹر کے پاس جائے گا پھر چیف منسٹر کے پاس جائے گا۔

اجنبی: پھر!

سپرنٹنڈنٹ: پھر یہ فائل ریورس آئیگا۔ پھر ہم اس کو ڈیپارٹمنٹ concern میں بھیجے گا there they will call Emergency meeting.

اجنبی: واہ صاحب واہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی پیاس سے مرتا ہوا آدمی آپ کے پاس آئے۔ اور آپ سے کہے کہ بھائی مجھے ایک گلاس پانی کا پلوا دو۔ تو آپ شاید اس سے یہی کہیں گے کہ یہاں ٹھیرو ابھی [illegible] ہونے میں دو مہینے باقی ہیں۔

آدمی: ارے بھائی مجھ پر ترس کھاؤ مجھے اس پیڑ کے نیچے سے نکالو۔

اجنبی: پیارے! کچھ ایسی بھی گھڑیاں تیری تقدیر میں گزریں کہ انسان تو انسان خدا بھی کام نہ آیا۔

سپرنٹنڈنٹ: اچھا ہم ایک کام کرے گا۔ I will take a short cut, I will take this file personally to the Horticultural Dept.

because that is the
Department concerned.
they will come and
lift the tree
چلا رہا تھا صاحب۔ تو ہی اٹھیج بسا آنی بلا کر کوئی بھی
آدمی پہ جھاڑ کو ہاتھ لگانے نہیں سکتا
because you are an
head clerk and this
is your responsibility
this is your!
ہیڈ کلرک: Responsibility
سپرنٹنڈنٹ: یا چلا!
آدمی: یہ کیا شروع ہو گیا۔
اجنبی: پنچ ورشی یوجنا یہاں کے لوگوں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔
آدمی: کیوں کیا ہوا۔
اجنبی: کچھ نہیں یار چپ پڑے رہو۔
آدمی: آپ خود ہی کیوں نہیں اس پیڑ کو دھکا دے کر باہر نکال دیتے۔
اجنبی: اگر میں نے آپ کو اس پیڑ کے نیچے سے نکال دیا تو یہ لوگ مجھے اس پیڑ کے نیچے ڈال دیں گے۔
آدمی: کیوں؟
اجنبی: ابھی آپ نے سنا نہیں Every work has to be done Systematically تو کیسے
اس مزے سے کہہ رہا تھا جیسے انارکلی کی بہن ہو

آدمی: یہ آدمی گیا کہاں؟
اجنبی: ہارٹی کلچر ڈپارٹمنٹ میں
[سامنے کے حصے کی روشنی آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہے اور آفس کے حصے پر روشنی آتی ہے جہاں سپرنٹنڈنٹ سکریٹری ہارٹی کلچر ڈپارٹمنٹ سے ٹیلی فون پر بات کر رہا ہے]
سپرنٹنڈنٹ: ہیلو
سکریٹری: ہارٹی کلچر۔ ہارٹی کلچر ڈپارٹمنٹ
سپرنٹنڈنٹ: نمستے صاحب
سکریٹری: نمستے
سپرنٹنڈنٹ: می گائے تونڈے بولتوں۔
سکریٹری: کون؟
سپرنٹنڈنٹ: گائے تونڈے
سکریٹری: کیا۔
سپرنٹنڈنٹ: ارے اپنا گائے تونڈے
سکریٹری: کیا!
سپرنٹنڈنٹ: Cow, Cow, Cow
سکریٹری: Cow?
سپرنٹنڈنٹ: ماؤتھ ماؤتھ (Mouth) Cow mouth؟
سکریٹری: اچھا اچھا گائے تونڈے
سپرنٹنڈنٹ: ہاں گائے تونڈے
سکریٹری: ہاں گائے تونڈے what news
سپرنٹنڈنٹ: Very bad news Sir.
سکریٹری: کیوں کیا ہوا۔
سپرنٹنڈنٹ: اپنے کمپاؤنڈ میں ایک جھاڑ گر گیا ہے
سکریٹری: کون سا جھاڑ۔

سپرنٹنڈنٹ : جامن کا۔

سکریٹری : ارے جانے دو نا تم کو کیا کرنے کا ہے ؟

سپرنٹنڈنٹ : کرنے کا کچھ بھی نہیں ہے But the tree has fallen on a man

سکریٹری : Has he died ?

سپرنٹنڈنٹ : that is only difficulty that he has not died yet.

سکریٹری : ابھی تم کیا کریں گا ؟

سپرنٹنڈنٹ : ہم کیا کریں گا آپ کرو۔

سکریٹری : ہم کیا کریں گا۔

سپرنٹنڈنٹ : کریں گا جھے جھاڑ کاٹ کے آدمی کو نکالو۔

سکریٹری : مسٹر گائے تونڈے H.C Dept ہے

سپرنٹنڈنٹ : ہم کو معلوم ہے۔

سکریٹری : اس ڈیپارٹمنٹ کا کام جھاڑ لگانا ہے جھاڑ کاٹنا نہیں۔ آج ہمارا ڈیپارٹمنٹ دیش کے کونے کونے میں ہفتے سے اس بات کی اپیل کر رہا ہے کہ جھاڑ لگاؤ اور تم جھاڑ کاٹنے کے لیے کہتے ہوا وہ بھی جامن کا جو ایک پھل دار درخت ہوتا ہے۔ ہمارا ڈیپارٹمنٹ اس بات کی بالکل اجازت نہیں دیتا تم ایک آفیسر ہو کر ایسی بات کرتے ہو تمہیں شرم آنی چاہیئے میں تمہاری رپورٹ Higher Authorities کو کروں گا

مسٹر گائے تونڈے۔ مسٹر گائے تونڈے ———

سپرنٹنڈنٹ : ہاں صاحب ہاں

سکریٹری : تم ایک کام کرو۔ تم یہ فائیل اگریکلچر ڈیپارٹمنٹ میں بھیج دو۔ وہ شاید تمہاری مدد کریگا۔

سپرنٹنڈنٹ : دیکھئے صاحب میں Contact کرتا ہوں آپ فون مت بند کیجئے۔

[سپرنٹنڈنٹ دوسرا ٹیلی فون اگریکلچر ڈیپارٹمنٹ میں لگاتا ہے]

سپرنٹنڈنٹ : ہیلو

سکریٹری : اگریکلچر ڈیپارٹمنٹ

سپرنٹنڈنٹ : نمستے صاحب

سکریٹری : اگریکلچر ڈیپارٹمنٹ اور H.C ڈیپارٹمنٹ نمستے۔

سپرنٹنڈنٹ : آپ کو نہیں نمستے صاحب۔ میں گائے تونڈے بول رہا ہوں۔

سکریٹری A.D : ابھی گائے تونڈے what news

سپرنٹنڈنٹ : very bad news Sir

سکریٹری A.D : کیوں کیا ہوا !

سپرنٹنڈنٹ : اپنے کمپاؤنڈ میں ایک جھاڑ گر گیا ہے۔

سکریٹری : کون سا جھاڑ۔

سپرنٹنڈنٹ : جامن کا۔

سکریٹری A D : ارے جانے دو نا تم کو کیا کرنے کا ہے

سپرنٹنڈنٹ : کرنے کا کچھ بھی نہیں But tree has fallen on a man

سکریٹری : has he died ?

سپرنٹنڈنٹ : That is the only difficulty that he has not died yet.

(پیچھے کی روشنی بجھ جاتی ہے اور اگلا حصہ دوبارہ منور ہوجاتا ہے)

آدمی : سنئے

اجنبی : فرمائیے۔

آدمی : میری حالت بگڑتی جارہی ہے۔

اجنبی : تمہاری حالت پر تو میں بھی کویتا لکھ سکتا ہوں۔

آدمی : وہ کیسے؟

اجنبی : کیسے! سنو اس طرف آسمان کو چھوتی ہوئی لائف انشورنس کی بلڈنگ کھڑی ہے اور یہاں تمہاری لائف بغیر انشورنس کے پڑی ہے بس سامنے زمین پر اسے آئے اور یہاں ایک زندگی خود سے disappoint ہے۔ پیارے اگر میری کسی روز بھگوان سے ملاقات ہوجائے تو میں اس سے پوچھونگا کہ کیوں بھائی! تو تو کہتا تھا کہ تو نے انسانوں کو مارنے کے لئے صرف ایک یمدوت (ملک الموت) پیدا کیا ہے۔ یہاں تو ڈپارٹمنٹ کا ڈپارٹمنٹ کھلا ہوا ہے۔ میں نے کہا ہیڈ کلرک صاحب اب ذرا اس کلرک کو الگ رکھ کر ذرا ہیڈ سے کام لیجئے۔ اس دیئے کا تیل ختم ہو رہا ہے صرف چند قطرے باقی ہیں اس میں۔

ہیڈ کلرک : بس ابھی خبر آتی ہوں گی۔ خبر آتے ہی ان کو نکال دیا جائے گا۔

آدمی : ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن
خاک ہوجائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک!

ہیڈ کلرک : کیا سچویشن پر شعر پڑھا ہے۔ کیوں بھائی! قوی ہو گیا؟

آدمی : جی ہاں۔

ہیڈ کلرک : ارے یہ آدمی قوی ہے۔ ارے یہ آدمی قوی ہے۔ ارے باپ رے۔ باپ پھر تو بڑی گڑبڑ ہوگئی۔

آدمی : اسے کیا ہوا۔

اجنبی : پتہ نہیں ابھی ابھی تو اچھا تھا اور ایک دم ....
(اگلے حصے کی لائٹ فوراً بجھ جاتی ہے پچھلا حصہ منور ہوجاتا ہے)

سپرنٹنڈنٹ : دیوانہ ہوگیا۔

دونوں سکریٹری : What

سپرنٹنڈنٹ : سچ مچ میں ایک دم دیوانہ ہوگیا ہوں۔ آپ بولتے ہیں، آپ یہ جھاڑ نہیں کاٹیں گے۔

سکریٹری H.C.: نہیں

سپرنٹنڈنٹ : آپ کہتے ہیں آپ بھی نہیں کاٹیں گے۔

سکریٹری A.C.: نہیں۔

سپرنٹنڈنٹ : تو پھر کون کاٹیگا

(دونوں سکریٹری مسلسل پہلے سین کے ڈائیلاگ دہرانا شروع کردیتے ہیں اتنے میں ہیڈ کلرک آکر سپرنٹنڈنٹ سے کہتا ہے)

سپرنٹنڈنٹ : ہیلو، ہیلو، ہیلو، ابھی ابھی مجھ کو خبر ملی ہے کہ وہ آدمی قوی ہے۔

سکریٹری : قوی ہے (A.C.) تو بھائی کویتا کا سمبندھ ایگریکلچرل ڈیپارٹمنٹ سے نہیں کلچرل ڈیپارٹمنٹ سے ہوتا ہے۔ Please Contact Cultural Dept.

سپرنٹنڈنٹ : Ok (چاروں ٹیلیفون بند ہوجاتے ہیں)

کلچرل ڈیپارٹمنٹ (ہیڈ کلرک کلچرل ڈیپارٹمنٹ کو فون لگاتا ہے)

ہیڈ کلرک : ہیلو کلچرل ڈیپارٹمنٹ میں گلے تو ڈیپارٹمنٹ بول رہا ہوں۔

سپرنٹنڈنٹ : what میں کاٹے تو ننڈے بول رہا ہوں
صاحب۔ اپنکبا فنڈ میں ایک جامن کا درخت گر گیا
ہے۔ اس کے نیچے ایک آدمی دب گیا ہے, No, No
He has not died yet اس کو نکلوایئے
(آفس کے حصّے کی روشنی بجھ جاتی ہے اور اگلا حصّہ
منور ہو جاتا ہے)
آدمی : سنئے
اجنبی : فرمایئے۔
آدمی : اگر میں مر گیا تو کیا ہوگا۔
اجنبی : تو یہ پیڑ یہاں سے اٹھوا لیا جائے گا۔
آدمی : تو پھر آپ جایئے۔ آپ کا کافی وقت برباد ہو رہا ہے۔
اجنبی : میرا تو صرف یہاں وقت برباد ہو رہا ہے۔ آپ کی
تو زندگی برباد ہو رہی ہے اور یہ زندگی برباد کرنا....
(سکریٹری کلچرل ڈپارٹمنٹ داخل ہوتا ہے)
(ساتھ میں کلرک اور ہیڈ کلرک ہیں)
سکریٹری کلچرل ڈپارٹمنٹ : ہمارا کام۔ ارے بھائی
اگر کوی کی سیوا ہم نہیں کریں گے تو کون کرے گا۔ کیوں
مہاشے آپ کوی ہیں ؟
آدمی : جی ہاں۔
سکریٹری : کس اپنام سے شعر موجہت ہیں۔
آدمی : اوس
سکریٹری : اوس۔ وہی اوس جس نے وہ کویتا لکھی تھی کہ انسان
سے حیوان ہے بہتر۔
آدمی : جی ہاں۔
S.D : اتنا مہان کوی اور گمنامی کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔
اجنبی : جی نہیں۔ جامن کے پیڑ تلے دبا ہوا ہے...
S.D : جی ہاں۔ وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ ارے بھائی۔ او

صاحب۔ آپ کی اس کویتا پر تو آپ کو نیشنل ایوارڈ
ملنے والا تھا۔ ہم آپ کو کہاں کہاں تلاش کر رہے تھے۔
اور آپ ہیں کہ یہاں پڑے ہوئے ہیں۔ اچھا ہوا کہ جو
آپ سے ملاقات ہو گئی۔ کیا سیوا کی جائے آپ کی۔
آدمی : بس مجھے اس پیڑ کے نیچے سے نکلوایئے۔
S.D : بس ابھی لیجئے۔ ارے مطلب کی بات تو میں
پوچھنا ہی بھول گیا۔ آپ ہماری اکیڈمی کے ممبر تو ہیں نا۔
آدمی : جی نہیں۔
S.D : پھر تب تو بڑی مشکل ہے۔ ہم اسی کوی کو پیڑ کے
نیچے سے نکلوا سکتے ہیں جو ہماری اکیڈمی کا ممبر ہو۔
اجنبی : تو حضور۔ ایک کام کیجئے۔ اس آدمی کو ہی کٹوا دیجئے۔
آدھا ادھر سے نکال دیتے ہیں۔ آدھا ادھر سے۔
S.D. : یہ کلچرل ڈپارٹمنٹ کا نہیں۔ میڈیکل ڈیپارٹمنٹ کا
کام ہے۔ کیسے بیٹھ میں آپ کو بس ممبر بنائے دیتا ہوں
وہاں سے ایک فارم لاؤ ... ۔ آپ ایک کام کیجئے۔
آپ اس فارم کو بھر کے بھجوا یئے کی .Main
building میں تھرڈ فلور پر جایئے۔ وہاں
ایک کلرک بیٹھا ہوگا۔ کلرک کو
25 Rupees دے کر ممبر بننے کا میزے
پاس آیئے۔ میں آپ کو نکلوا دیتا ہوں......
oh, I am sorry -
آپ اوپر کیسے جا سکتے ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں۔ آپ
یہاں دستخط کر دیجئے۔
آدمی : جی میں لکھ نہیں پاتا ہوں۔
S.D : لکھ نہیں پاتے ہیں۔ کوئی بات نہیں۔ انگوٹھا لگا
دیجئے۔ مبارک ہو۔ منہ میٹھا کرایئے۔
اجنبی : بس خوشی میں۔

S.D. : ارے بھئی۔ یہ ہماری اکیڈمی کے ممبر جو بن گئے۔

اجنبی : واہ صاحب۔ واہ

اے آسماں ترے خدا کا نہیں ہے خوف
ڈرتے ہیں اے زمیں ترے آدمی سے ہم

S.D. کیوں مہاشے۔ کوی تو آپ بھی معلوم ہوتے ہیں۔

اجنبی : کیوں مجھے بھی کسی پیڑ کے نیچے ہونا چاہیے تھا۔

S.D : مذاق اچھا کر لیتے ہیں آپ۔

اجنبی : نہیں صاحب۔ مذاق تو آپ کر رہے ہیں۔

S.D : ہم مذاق کر رہے ہیں۔ ہم تو اپنی ڈیوٹی کر رہے ہیں۔

اجنبی : دونوں ایک ہی بات ہے۔ اب آپ ایک کام کیجئے اس آدمی کو یہاں سے نکلوا لیجئے۔

S.D. : you, you ارے Come here
دیکھو۔ تم فارم لے کر اوپر جاؤ cashier
سے کہنا ہے کہ ان سے Rs. 25/- وصول کرلیجئے
اور تم اس پیڑ کو کٹوانے کا انتظام کرو۔
چلو : Come on

(سپرنٹنڈنٹ گلشے تو نشے داخل ہوتا ہے)

S.P. ٹھہرو۔ ہم یہ جھاڑ کاٹ نہیں سکتے ہیں۔

اجنبی : کیا؟

S.P. : ارے بھئی۔ یہ جھاڑ کاٹ نہیں سکتے ہیں۔

اجنبی : لیکن کیوں؟

S.P. Because this is an Inter national tree

اجنبی : میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔

S.P. : مطلب یہ ہے کہ آج سے دس سال پہلے سوویٹ رشیا کے پرائم منسٹر نے یہ جھاڑ اپنے ہاتھوں سے لگوایا تھا۔ اب اگر ہم یہ جھاڑ کاٹیں گے تو ہماری friendship رشیا کے ساتھ ٹوٹ جائیگی۔

اجنبی : لیکن صاحب۔ یہ تو ایک آدمی کی زندگی کا سوال ہے۔

S.D. : یہ دو دیشوں کی دوستی کا سوال ہے۔

اجنبی : ٹھیک ہے۔ ایک آدمی کی زندگی کے لیے دو دیشوں کی دوستی توڑی نہیں جا سکتی۔

S.P. : Correct

اجنبی : اور اگر یہ مر گیا تو

S.P. : امر ہو جائے گا۔

اجنبی : لیکن امر ہونے کے بعد بھی تو مر جائے گا۔

S.D. : لیکن مرنے کے بعد دنیا میں اپنا نام کرے گا۔ دنیا کے کونے کونے میں اس کا نام لیا جائے گا کہ یہ ہے وہ آدمی جس نے اپنے دیش کا نام اونچا رکھنے کے لیے اپنی جان .....

اجنبی : جامن کے پیڑ کے نیچے دے دی ..... ٹھیک ہے تب تو اسے مرنا ہی ہوگا۔ اس کا زندہ رہنا بیکار ہے۔ مر جا پیارے۔ تو مر جا یہ مردہ پرستوں کی بستی ہے جہاں زندوں کو مار دیا جاتا ہے اور پھر ان کے پتلے بنا کر ان پر پھول چڑھائے جاتے ہیں۔ مر جا پیارے۔ مر جا۔

S.P. : مگر تم کیوں اپنا دل چھوٹا کرتے ہو؟

اجنبی : اجی صاحب۔ جب دل ہی نہ رہا تو پھر چھوٹا کیا بڑا کیا۔

S.P. : ہمارے فارن ڈپارٹمنٹ نے soviet Embassy سے Contact کیا ہے
ابھی تھوڑی دیر میں خبر آتی ہوگی ...

اجنبی : یعنی اس تک پہنچنے کے لیے زندگی اور موت میں دوڑ ہو رہی ہے۔ دیکھیں کس کی جیت ہوتی ہے زندگی

کرامت کی ....

(Peon بھاگتا ہوا آتا ہے اور S.P. کو ایک کاغذ دیتا ہے)

(سکریٹری اور S.P. دونوں پڑھتے ہیں)

SD اور S.P. : اوہ - مبارک CONGRATULATIONS

S.D. : *We can cut this tree...*

S.P. : ہم یہ جھاڑ کاٹ سکتے ہیں۔ انہیں بھی یہ خوشخبری سناؤ۔

اجنبی: شکریہ۔ بہت بہت شکریہ ....

اوس صاحب۔ اے اوس صاحب۔ خبر آگئی ہے۔ اوس۔

(اوس مر چکا ہے۔ اجنبی آہستہ آہستہ اٹھتا اور باہر کی طرف جانے لگتا ہے)

S.P. : کیا ہوا ___؟

S.D. : کیا ہوا ___؟

Peon : کیا ہوا ___؟

اجنبی: آپ خوشخبری لے تو آئے - پر بڑی دیر کی مہربان آتے آتے -

جتن سیٹھی

تنگرام

جیون
فالتو
آتمارام
تاملی داس
ایڈل
مشیرو
ایک بیکار نوجوان
ملق
دھنت رام
ڈاکیہ
پولیس آفیسر

} کردار

پہلا منظر

ایک معمولی سا دفتر، دو چار کرسیاں، دو میزیں کچھ رجسٹر،
کچھ فائلیں، گھنٹی وغیرہ
دیوار پر ایک دو لیڈروں کی تصویریں لٹکی ہوئی ہیں...
دفتر کے دروازہ کے پاس ایک اسٹول پہ بیٹھا چپراسی ہتھیلی پہ سوکھا رگڑ رہا ہے

جیون ہاتھ دھو کر کھانے میں ڈالتے ہوئے سوچتے ہیں رام کہاں پھنسا دیا تو نے۔ آج بھی پکار نہ ملی تو ذرا آہٹ سن کر سونے کا بہانہ کرتا ہے۔

(ایک ایرانی ہوٹل والے کا باہر والا جس کے ہاتھ میں دو خالی چائے کے کپ اور ایک خالی گلاس ہے داخل ہوتا ہے
جیون کو سوتے دیکھ کر)

باہر والا: (فالتو) ارے جیون کیا خراٹے بھر رہا ہے۔ ابھی تیری رات ختم نہیں ہوئی ——— کیا؟

جیون: ارے تو ہے میں تو سمجھا...... کیوں کیا بات ہے؟ ابھی سیٹھ جی نے چائے بسکٹ کے پیسے نہیں دیے کیا؟

فالتو: اگر رقم مل گئی ہوتی تو یہاں کیوں آتا۔ کب آئے گا تیرا سیٹھ۔ کیا؟

جیون: میری جانے بلا ——— بیڑی پلا اگر ہے تو۔

فالتو: بیڑی ——— بیڑی نہیں ہے بے، پر دیکھ اگر تو میرے پیسے دلوا دے گا تو تجھے سگریٹ پلاؤں گا، سگریٹ کیا!

جیون: اچھا اچھا سیٹھ آئے گا تو بول دوں گا۔ تو اب جا۔

فالتو: تو میں ایک گھنٹہ بعد پھر آؤں گا ——— کیا؟

(فالتو چلا گیا ہے۔ جیون پاؤں کی چاپ سن کر پھر سونے کا بہانہ کرتا ہے)

(سیٹھ آتما رام داخل ہوتا ہے۔ اپنے میز کی طرف آتے ہوئے خراٹے کی آواز سنتا ہے)

آتمارام: جیون ——— جیون ——— ارے جیون ——— (جیون ابھی بھی سوتا ہے) (آتمارام اس کے پاس آکر ایک ہلکی سی چپت دیتا ہے اس کی پیٹھ پر)

جیون: کیا ہے بے سالے کیوں تنگ کر رہا ہے ———؟

آتمارام: ابے گدھے گالی دیتا ہے۔

جیون: اوہ، معاف کرنا حجور۔ میں سمجھا وہ ایرانی کا چھوکرا ہے۔

آتمارام: چھوکرے کے بچے، یہ کیا سونے کا وقت ہے۔

جیون: بس حجور تھوڑی آنکھ لگ گئی تھی۔ گالی کا معاف کریں حجور۔

آتمارام: کوئی ڈاک وغیرہ آئی ہے۔

جیون: جی نہیں۔

آتمارام: اچھا جا ساتھ والوں سے اخبار لے آ۔ (جیون جاتا ہے آتمارام اپنی واسکٹ، ٹوپی وغیرہ اتار کر کھونٹی پر لٹکاتا ہے۔ جیب سے دو اگربتیاں نکال کر انہیں جلا کر دیوار پر لٹکی تصویروں کے کسی حصے میں لگا دیتا ہے۔ ٹھنڈی سانس لیتا ہے اور سنتوش ظاہر کرتا ہے)

جیون: (آتا ہے اور اخبار بڑھا کر) حجور آج کا نہیں کل کا اخبار دیا ہے ان لوگوں نے۔

آتمارام: ابے گدھے کہیں کے کل کا اخبار بھی کوئی آج پڑھتا ہے۔

جیون: حجور کل کا آج پڑھ لیں۔

آتمارام: کیا نارائن واپس ابھی تک نہیں آیا۔

جیون: جی نہیں۔

آتمارام: جاؤ ذرا ٹائم پوچھ کر آؤ۔ اور دیکھو گھڑی ساز سے بھی پوچھ کر آؤ کہ ہمارا کلاک کب تک ٹھیک ہو جائے گا۔

جیون: حجور وہ گھڑیال مرمت والا کہتا ہے کلاک تو پندرہ دن سے تیار پڑا ہے مگر آپ نے ادھر سے آنا.......

آتمارام: بس بس باتیں کم، ایک گلاس پانی پلاؤ۔

جیون: حجور پانی کہاں سے لاؤں۔ صراحی تو ٹوٹ گئی ہے۔ کہیں تو ایرانی کے وہاں سے لے آؤں اور ساتھ ہی ٹائم بھی پوچھ آؤں۔

آتمارام: اچھا اچھا۔

جیون: حجور وہ ایرانی کا باہر والا ابھی ابھی آیا تھا، چائے بسکٹ کے پیسے مانگ رہا تھا اسے کیا بولوں۔

آتمارام: اسے میں دیکھ لوں گا تو فی الحال پانی دوسرے ایرانی کے ہوٹل سے لے آ۔

جیون: مگر حجور وہاں تو آپ کا کھاتہ نہیں ہے۔

آتمارام: ابے گدھے پانی کا بھی کہیں کھاتہ ہوتا ہے۔ جا
(جیون جاتا ہے)

آتمارام: (اپنے آپ سے) نارائن واپس آ جائے تو اس کی مصلحت کا سلسلہ ——— اف اوہ

آج بھی دیر سے آئے گا۔ (نارائن داس داخل ہوتا ہے
اور بڑے سدھے انداز میں کہتا ہے)

نارائن داس: نمستے۔

آتمارام: آگئے۔ نمستے۔ آج ہی دیر سے آیا تھا۔ کیا ٹائم ہوگا۔

نارائن داس: جی اپنا کلاک کو ہ بجے سدھر نے دیا ہوا ہے آپ
کہیں تو نیچے سے یا ساتھ والوں سے پتہ کر لیتا ہوں۔

آتمارام: اس کی ضرورت نہیں مگر کبھی کبھار کچھ جلدی آ جایا
کرو۔ کچھ کام ہی نکل آتا ہے۔ مثلاً.....

نارائن داس: سیٹھ جی آپ کو پتہ ہی ہے کہ دادر سے ٹرام میں
آتے آتے دو گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ اگر ساڑھے نو بجے
چلوں تو مشکل سے ساڑھے گیارہ بجے یہاں پہنچتا ہوں۔
میں تو خود اس ٹرام کی کھٹ کھٹ سے تنگ آ گیا ہوں۔
مگر کروں تو کیا کروں؟

آتمارام: لیکن کبھی کبھار بس میں آ جایا کرو۔

نارائن داس: دیکھئے سیٹھ جی ٹرام میں آنے جانے کے تین آنے
لگتے ہیں اور بس میں آٹھ آنے اور اس طرح پانچ آنے
روزانہ کی بچت سے چار اتواروں کو چھوڑ کر مہینے میں کوئی
آٹھ ایک روپے کی بچت ہو جاتی ہے۔ میں سوچتا ہوں
یہ بھی غنیمت ہے اور پھر میں جس ہوٹل میں کھانا کھاتا ہوں
وہاں نو بجے سے پہلے تو کھانا تیار ہی نہیں ہوتا اور ہوٹل
میں چھوڑ نہیں سکتا کیوں کہ وہاں مجھے کھانا اُدھار ملتا ہے۔

آتمارام: اُدھار کھانا۔ کس جگہ؟

نارائن داس: رام بھروسہ ہوٹل دادر تلک برج کے نیچے۔

آتمارام: (اپنے آپ سے) رام بھروسے۔ تلک برج....
اچھا تو دیکھو نارائن داس....

نارائن داس: دیکھئے سیٹھ جی آج تو کچھ روپے دیجئے۔ ہوٹل والے
کا تین مہینے کا بل اور..

آتمارام: میری جیب میں تو صرف دو روپے بارہ آنے ہیں

نارائن داس: لائیے۔ وہی لائیے۔ کچھ روز ٹرام کا خرچہ تو
نکلے گا۔

آتمارام: دیکھو دیکھو اب روپے آنے ہی والے ہیں۔

نارائن داس: دیکھئے سیٹھ جی ایک مذاق کو بار بار دہرانے
اس کا مزا چلا جاتا ہے۔

آتمارام: نہیں مجھ پر وشواس نہیں۔

نارائن: مجھے تو آپ پر وشواس ہے لیکن جن لوگوں نے مجھ
روپے لینے ہیں ان کا مجھ پر سے وشواس اٹھ گیا ہے
اور وجہ یہ ہے کہ آپ کے سامنے میں ایک چھوٹی سی کمپنی
کا آدمی ہوں۔

آتمارام: ارے میں جو کہتا ہوں تم فکر نہ کرو اب۔

نارائن داس: تو کروں کیا؟ دفتر میں دن بھر کوئی کام بھی تو نہ
ہوتا جو کچھ گھنٹوں کے لیے اپنی مصیبتوں کو بھلا سکوں

آتمارام: کام کیوں نہیں ہے تم کاغذ قلم نکالو۔

نارائن داس: بس دیجئے دیجئے

آتمارام: ارے گھبراتے کیوں ہو۔ لکھو۔

نارائن: جی بولیے۔

آتمارام: سنہرا موقعہ اسسٹنٹ منیجر کی آسامی کے لیے
تنخواہ تین سو روپیہ ماہوار۔ عرضی میں اپنی ڈگریاں
لکھی ہونی چاہئیں اور عرضی کے ساتھ ایک روپیہ
پوسٹل ٹکٹ بطور فیس ضرور بھیجنا چاہیے۔ مندرجہ
نیچے لائن لگا دو۔ اور نیچے اپنا پتہ لکھ دو۔

نارائن: جی

آتمارام: اچھا تو پڑھو۔ کیا لکھا ہے؟

نارائن: (سارا مضمون دہراتا ہے)

آتمارام: ارے بھئی اپنے پتہ سے مطلب ہے اپنی فرم کا پتہ
آتمارام اینڈ کمپنی۔ ۳۶۹ بھوشیہ روڈ بمبئی ۲۔

نارائن داس: اس کا کیا مطلب ہے سیٹھ جی۔ آپ سے میرے
ایک سو پچاس روپے تو نہیں دیئے جاتے اور اسسٹنٹ منیجر
رکھیں گے تین سو روپے ماہوار کا۔ یہ تو حد ہو گئی آپ

میرے زخموں پہ نمک چھڑک رہے ہیں۔
آتمارام: ارے بھئی تم بات کو سمجھو تو سہی۔ خواہ مخواہ بگڑنے جا رہے ہو۔ یہ جو مضمون ہے نا اسے کسی انگریزی اخبار میں چھپوا دیں گے۔ تم تو جانتے ہی ہو کتنی بے کاری ہے آج کل۔ بس دو چار دن کے اندر ہی اندر ہمارے پاس ہزاروں عرضیاں اور ہزاروں روپے آ جائیں گے۔ پھر تم اپنے ہوٹل کا بل چکا دینا اور میں اپنے دفتر کا کرایہ چکتا کر دوں گا۔
نارائن: کیا پلان بنایا ہے واہ واہ سیٹھ جی کیا دماغ پایا ہے۔ لیکن سیٹھ جی اگر پولیس کو پتہ چل گیا تو۔
آتمارام: ارے کا نام ہو نارائن داس۔ پولیس کو فرصت کہاں وہ تو دار و بندی کے سلسلے میں لگی ہوئی ہے۔
جیون: (آکر) پانی حضور۔
آتمارام: کہاں گم ہو گیا تھا تو۔ لا۔ (پانی پیتا ہے) اچھا تو نارائن تو اس کا مضمون انگریزی میں تیار کرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ (سیٹھ جی کان کے اردگرد جنیو لپیٹ باندھتے ہیں۔ باتھ روم جانے کے لیے)
نارائن: گولڈن اپرچونٹی۔ وانٹیڈ این اسسٹنٹ منیجر۔ مسٹ مینشن....
جیون: بابو جی سیٹھ سے کہہ کر کچھ رقم دلوائیے بڑی سخت ضرورت ہے گھر لگانی کو کچھ بھیجنا ہے۔
نارائن: دیکھو اس وقت میں سخت مصروف ہوں کل یا پرسوں ہو جائے گا تمہارا کام۔۔
جیون: بابو جی دو دن سے میرے پیٹ میں درد بھی رہتا ہے۔ ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔
نارائن: ارے ڈاکٹر کے پاس جا کر کیا ہوگا سیدھے اس ہوٹل کے پاس چلے جاؤ سب دردوں کا علاج ہو جائے گا۔
جیون: بس بس رہنے دو بابو جی۔ ایک تو پیسے نہیں دلواتے انہوں سے کہتے ہیں یہاں چلا جا۔ وہاں چلا جا۔

(دو مزدور داخل ہوتے ہیں)

ایک مزدور: سلام بابو ——
نارائن: ہوں: کیا ہے۔
مزدور: اس دفتر کے فرنیچر کے کرائے کا بل۔
نارائن: (بل پڑھ کر) دیکھو بھئی۔ میرے سیٹھ صاحب اس وقت یہاں نہیں ہیں تم کل یا پرسوں.....
مزدور: یہ کل پرسوں تو ہم تین مہینے سے سنتے چلے آ رہے ہیں۔ آج کرایہ دیجیے ورنہ.....
دوسرا مزدور: ورنہ ہم فرنیچر واپس لے جائیں گے۔
نارائن: دیکھو بھئی اتنی جلد بازی اچھی نہیں۔
ایک مزدور: عبدل اٹھاؤ فرنیچر
عبدل: اٹھو بابو۔
نارائن: نہیں اٹھتا
عبدل: نہ اٹھتے ہو تو کرسی سمیت لے جائیں گے، اٹھاؤ شیرو بابو کو کرسی سمیت۔ (دونوں اٹھاتے ہیں، نارائن داس چلاتا ہے، اتنے میں آتمارام داخل ہوتا ہے۔
آتمارام: کیا ہے یہ سب، کیا شور مچا رکھا ہے۔
عبدل: ہم یہ فرنیچر لے جانا چاہتے ہیں اور تمہارا یہ بابو کرسی سے اٹھتا ہی نہیں۔ کرایہ نہیں دو گے تو پھوکٹ میں استعمال کرو گے۔
آتمارام: دیکھو.... کتنا بنتا ہے کل کرایہ۔
عبدل: فارٹی فائیو (Forty Fine)
شیرو: پانچ کم پچاس
آتمارام: نارائن داس، ذرا میری چیک بک تو دینا رہنے دو۔ یہیں ہے (چیک لکھ کر عبدل کو دیتا ہے) یہ لو۔
عبدل: (چیک لے کر) سلام صاحب۔

آتمارام: سلام (آتمارام دوسرا چیک لکھ کر نالائق داس کو دیتا ہے) یہ اخبار والوں کو بھیج دینا۔ پیشگی کے بغیر تو وہ ہمارا اشتہار چھاپیں گے ہی نہیں۔

نالائق: جیون ایک گلاس پانی لانا (جیون جاتا ہے)

نالائق: سیٹھ جی ایک طرف تو آپ کہتے ہیں پیسے نہیں ہیں دوسری طرف دنادن چیک پہ چیک کاٹے جا رہے ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے۔

آتمارام: تم نہیں سمجھو گے۔ سنو۔ فرنیچر والوں کو جو چیک دیا ہے اس پر تو دستخط ہی غلط کیے ہیں اور جو تین چار روز میں واپس آ جائے گا۔ باقی رہا اخبار والوں کا چیک اس کے لیے بندوبست کر لیا ہے۔ وہ اس طرح ہے۔ آج ہے سنیچر وار اور بینک بند ہو جائیں گے کوئی ایک گھنٹے میں۔ کل ہے اتوار اور پرسوں تک بینک والے اور منگل سے پہلے تو ہمارے پاس ہزاروں عرضیاں اور ہزاروں روپے آ چکے ہوں گے سمجھے اب۔ اچھا سنو اب میں شیئر بازار جا رہا ہوں۔ تم اخبار کو اشتہار فوراً بھیج دو۔ ٹائپ رائٹر کسی ساتھ والی فرم ....

نالائق: آپ چنتا نہ کریں۔ (آتمارام جاتا ہے) (جیون پانی کا گلاس لے کر آتا ہے)

جیون: پانی بابوجی۔ بابوجی ہمارے سیٹھ صاحب تو چیک پر چیک کاٹتے ہیں اور آپ مجھے دس روپے بھی نہیں دلوا رہے۔

نالائق: ارے تو پڑھا لکھا ہوتا تو ان چیکوں کی ساری اصلیت معلوم ہو جاتی۔

جیون: پڑھ جاتا تو چپراسی ہی رہتا بابوجی۔

نالائق: ارے آج کل تو ایم اے، بی اے بھی چپراسی بننے کی فکر میں ہیں شکر کر تو بن پڑھے لکھائی کے ہی چپراسی ہے۔

جیون: ٹھیک ہے بابوجی۔ ٹھیک ہے (گلاس اٹھانے لگتا ہے)

نالائق داس: ابے رکھ پانی تو پینے دے (جیون گلاس پھر سے رکھ دیتا ہے۔ نالائق داس کا ہاتھ لگتے ہی میز سے فرش پر گر جاتا ہے) تبھی۔ خواہ مخواہ میں جلد بازی کرتا ہے جیون تو۔

جیون: اب گلاس لے چھا آئے ادھر ہو گئے۔

نالائق: یہ ادھر کچرے کی ٹوکری میں پھینک دے اور چپ چاپ بیٹھ جا اگر ایرانی پوچھے تو کہہ دینا واپس دے دیا تھا۔

جیون: یہ کیا ہے کہ جو ٹوٹا پیالہ ہے میں تو صاف صاف کہوں گا۔

نالائق: اچھا اچھا کل ٹھیک کے بدلے سیر ہمارا جو ہیں آ کے کہہ دینا میں پیسہ لگا جاتا ہے۔

(جیون کانچ کے ٹکڑے اٹھا رہا ہے۔ اندھیرا ہوتا ہے)

جب اسٹیج پر روشنی ہوتی ہے تو صرف جیون کرسی پر اس وقت ٹیبل پر رہا ہے لنگوٹ پہنے ہوئے اور کوئی نہیں ہے)

اتنے میں دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آتی ہے۔

جیون: ارے آتا ہوں بھئی۔ ٹھہر و ایک پل (جیون دروازہ کھولتا ہے تو ایک نوجوان جو کافی گھبرایا ہوا سا نظر آتا ہے)

نوجوان: رام رام بھیا۔

جیون: رام رام

نوجوان: آتما رام اینڈ کمپنی یہی ہے نا ؟

جیون: ہاں ہاں یہی ہے۔ کیا کام ہے ؟

نوجوان: آفس کتنے بجے کھلتا ہے ؟

جیون: ابھی کھلنے ہی والا ہے۔

نوجوان: تمہارے سیٹھ صاحب کتنے بجے آتے ہیں۔

جیون: دس۔ کام کیا ہے۔

نوجوان: اور منیجر صاحب کتنے بجے آتے ہیں۔

جیون: گیارہ۔ کام کیا ہے ؟

نوجوان: کام بہت ضروری ہے میں ان کا یہیں انتظار کرتا

نارائن: (عرضیاں الٹتے پلٹتے) جی یہ رہی ان کی عرضی۔

آتمارام: آگے کہیں کام کیا ہے؟

دولت رام: جی ہاں تین مہینے پیشتر میں ایک مل میں چپراسی تھا۔

جیون: چپراسی۔

دولت رام: اس سے پہلے میں ایک اسکول میں ٹیچر تھا۔

آتمارام: آپ آفس کا حساب کتاب کیسے سنبھالیں گے۔

نارائن: کیا گجراتی مراٹھی بھاشا جانتے ہیں؟

دولت رام: جی ..... جی نہیں۔

نارائن: ہمارا تو کام کاج، لین دین، حساب کتاب گجراتی مراٹھی میں ہوتا ہے۔

دولت رام: جی میں دونوں زبانیں پندرہ دن کے اندر اندر سیکھ لونگا۔

آتمارام: یہ تو نہایت اچھی بات ہے۔ اچھا دیکھئے فی الحال میں اتنا ہی کرسکتا ہوں کہ آپ کو پندرہ دن کے لیے temporarily پر رکھیں۔

دولت رام: جی شکریہ (اٹھتا ہے)

آتمارام: اچھا تو میں آپ کو Appointment لیٹر بذریعہ ڈاک بھیج دوں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔

(دروازہ تک چھوڑ کر آتا ہے دولت رام کو) اچھا نمستے۔ (جیون سے) جیون دیکھو تم دروازے کے باہر بیٹھو اور کسی فالتو آدمی کو اندر مت آنے دینا۔ مجھے

مالتی: اچھا تو میں چلتی ہوں (اٹھ کھڑی ہوتی ہے)

آتمارام }
نارائن: } کیوں۔ کیوں؟

مالتی: آپ نے تو نوکری ان کو دے دی نا؟

نارائن: ابھی وہ تو یونہی ٹالے.....

آتمارام: نوکری کی بات تو اب ہوگی———..... بیٹھئے

(بیٹھ جاتی ہے)

آتمارام اور
نارائن: مالتی دیوی۔

مالتی: جی

آتمارام: نارائن داس تم ذرا..... ہاں تو مالتی دیوی ہمارے پاس آپ کی یہ پہلی نوکری ہوگی۔

مالتی: جی میں نے اپنی عرضی میں سب کچھ لکھ رکھا ہے۔

آتمارام: اوہ! میں سمجھا آپ سیدھی انٹرویو دینے یہاں آگئی ہیں۔

نارائن: (جو عرضی ڈھونڈ کر اسے پڑھ رہا ہے) آپ نے پہلی دو نوکریاں کیوں چھوڑ دیں۔

آتمارام: نارائن داس تم ذرا..... جی ہاں آپ نے پہلی دو نوکریاں کیوں چھوڑ دیں۔

مالتی: کپڑا اسلائی کے کارخانے میں تو تنخواہ بہت ہی کم تھی اور Continuity girl کا اس لیے چھوڑ۔

آتمارام: یہ کان..... کان..... کانٹی نیو گرل.....

مالتی: جی میں ایک فلم ڈائرکٹر کی اسسٹنٹ تھی

نارائن: تب تو تنخواہ خوب ملتی ہوگی۔

مالتی: جی ہاں تنخواہ تو خوب ملتی تھی مگر مجھے وہاں کا atmosphere پسند نہیں آیا۔

آتمارام: کیا پسند نہیں آیا۔

مالتی: جی atmosphere

نارائن داس: اوہ۔ داتا درن۔ داتا درن۔

آتمارام: اچھا واتاورن۔ اچھا اچھا (نارائن داس کو باہر جانے کا اشارہ کرتا ہے۔ نارائن داس ایسے دیکھتا ہے جیسے سمجھا ہی نہ ہو) نارائن داس، آپ جا کر دو گولڈ سپاٹ لے آئیں۔

نارائن داس: جی (بڑی بے دلی سے جاتا ہے)..

آتمارام: آپ کے گھر اور بھی کوئی کمانے والا ہے (اسکا بیچ وہ اپنی کرسی پاس لے آتا ہے)

مالتی: جی نہیں۔ میرا ایک چھوٹا بھائی اور بیوہ ماں۔

آتمارام: آپ Sunday کو تو فری ہوتی ہوں گی کیوں کر.....

(نارائن داس جلدی سے آکر اپنی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے)

کیسا شور ہے (جیون جاتا ہے)

نارائن: آج ڈاکیہ بھی ضرور دیر سے آئے گا۔

آتما رام: ہاں آج تو...... (جیون دوڑتا ہوا آتا ہے)

جیون: حضور کوئی ساٹھ ستر آدمی باہر کھڑے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ بڑی مشکل سے انھیں روک کر آیا ہوں۔

آتما رام: نارائن داس ساٹھ ستر روپے۔

جیون: نہیں حضور ساٹھ ستر آدمی ہیں۔

آتما رام: جیون تم جا کر ان سب سے عرضیاں لے آؤ کہنا میرا منیم ایسا کہتا ہے۔

(جیون جاتا ہے)

آتما رام: نارائن داس یہ سب لوگ یہاں کیسے چلے آئے۔ عرضیاں ڈاک سے بھیج دیتے۔

نارائن داس: وہ شاید سمجھتے ہیں آپ کے سامنے ملنے سے نوکری مل جانے کی امید بڑھ جاتی ہے۔

آتما رام: کیا لمبا نوکری (جھنجھلا کر) میں نے کہا تھا نا کہ سوموار کو ہم مالا مال ہو جائیں گے۔

نارائن داس: آپ بڑے عقل مند اور دور اندیش ہیں سیٹھ جی۔ جیون ابھی تک آیا نہیں۔

(جیون عرضیاں لے کر آتا ہے اور میز پر رکھ دیتا ہے)

آتما رام: نارائن داس ان لوگوں کا بھی کچھ بندوبست کرو۔

نارائن: بڑا آسان ہے۔ سب سے اونچی ڈگری والوں کا انٹرویو کر لیں گے۔ باقیوں کو چھٹی۔

آتما رام: اور پھر انٹرویو میں انھیں بھی ناپسند کر لیں گے کیوں؟ جیون دیکھو یہ شور کیوں بڑھ رہا ہے۔ کچھ اور لوگ تو نہیں آ گئے۔ (جیون جاتا ہے)

نارائن: اچھا سیٹھ جی اب آپ اونچی ڈگری والوں کی عرضیاں ایک طرف کر لیں اور میں ٹکٹ سنبھالتا ہوں۔

(دونوں مصروف ہیں جیون آتا ہے)

جیون: مجھے ڈر ہے کہ تو دو ڈھائی سو آدمی اور آ گئے ہیں۔ کچھ باقی لوگ بھی ہیں۔

آتما رام: نارائن داس دس روپے لا دیکھ باقی لوگ۔

نارائن: جیون تم جاؤ اور جا کر سب کی عرضیاں لے آؤ اور کہنا چنے ہوئے آدمیوں کا انٹرویو بھی ابھی ہی ہوگا۔

جیون: جی.... یہ کیا ابھی ابھی ہوگا بابو جی۔

نارائن داس: انٹرویو۔

جیون: جی انٹرویو۔

آتما رام: نارائن داس۔ یہ دیکھو "مالتی دیوی ایم۔ اے" جاؤ اسے بلا لاؤ۔

نارائن: باقی عرضیاں بھی تو آج جلا دیجئے۔

آتما رام: ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔

(ڈاکیہ داخل ہوتا ہے)

ڈاکیہ: لچھمی جی۔ آج تو آپ کے لیے خوب ڈاک لایا ہوں۔

آتما رام: لاؤ، لاؤ۔

ڈاکیہ: کچھ بخشش سیٹھ صاحب

آتما رام: ہوں!

ڈاکیہ: کچھ چھوٹی سی مٹھائی۔

آتما رام: ہاں ہاں کیوں نہیں۔ (دیتا ہے)

نارائن: سیٹھ جی یہ تو کوئی تین سو چٹھیاں دکھائی دیتی ہیں۔

آتما رام: تین سو (جیون عرضیاں لے کر آتا ہے)

جیون: یہ لیجئے۔

آتما رام: نارائن داس ذرا جلدی کرو۔ ایسا کیوں نہیں کہ تم مالتی دیوی کو بلا لاؤ تب تک میں عرضیاں دیکھ لیتا ہوں۔ کوئی ایم اے ہو تو اسے بھی بلا لانا۔

نارائن: یہ بھی ٹھیک ہے۔ مگر ذرا جلدی کیجئے (جانے لگتا ہے۔ اسی وقت تانترو آتا ہے)

تانترو: بابو جی ٹیلی گرام لائے ہیں۔

آتمارام : کون سا چیک ۔۔۔۔؟

نارائن : جی وہ ۔۔۔ ابے فالتو اس وقت ہم مصروف ہیں تو شام میں آکر اپنے پیسے لے جانا۔

فالتو : میں تو آج ہی اور ابھی لے کر جاؤں گا ۔ میں یہاں سے ہلنے والا نہیں ہوں۔

نارائن : اچھا دیکھ تو اس وقت دو گولڈ سپاٹ لے آ اور سب کے پیسے اکٹھے لے جانا۔

فالتو : ادھار کچھ نہیں ملے گا ۔ پہلے ایک روپیہ ڈھائی آنے لاؤ بعد میں گولڈ سپاٹ کی بات کریں گے ۔

نارائن : اچھا اچھا یہ لے ۔ (ایک روپے کا پرسنیج ٹکٹ اٹھا کر دیتا ہے)

فالتو : باقی ڈھائی آنے ۔

نارائن : وہ بھی مل جائیں گے ۔ اب دو گولڈ سپاٹ لے آ۔

آتمارام : نہیں نہیں تم فی الحال ایک سنگل چائے لے آؤ۔

نارائن : ہیں۔

آتمارام : ہاں ہاں سنگل چائے ۔ (فالتو جاتا ہے) نارائن داس اب تم جاؤ اور مالتی کو بلا لاؤ (نارائن داس جاتا ہے) دیکھو جیون عرضیوں کے ساتھ ٹکٹ لگے ہوئے ہوں گے ۔ ٹکٹ اس طرف رکھتے جاؤ، عرضیاں ادھر

جیون : (کام کرتے ہوئے) حضور آج تو مجھے بیس روپے دلوا دیں مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے ۔

آتمارام : اچھا اچھا یہ لو دو روپے (دو ٹکٹ دیتا ہے) باقی کل پرسوں لے لینا۔

جیون : نہیں حضور دو روپے سے کام نہیں چلے گا ۔ ڈاکٹر بولتا ہے بیس روپے کی دوا ہے ۔ میں آپ کے پاؤں پکڑتا ہوں مجھے بیس روپے دے دیں ۔

آتمارام : اف او کیا مصیبت ہے۔

(نارائن داس مالتی دیوی کے ساتھ داخل ہوتا ہے)

(جیون آتمارام کے پاؤں چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے)

نارائن : آیئے آیئے ۔ (جیون کو ڈانٹتے ہوئے) جیون ! (جیون اٹھ کھڑا ہوتا ہے)

نارائن : سیٹھ جی آپ ہیں مالتی دیوی ۔ آپ ہیں ہمارے باس۔

آتمارام : بیٹھیے (آتمارام اور نارائن داس دونوں اپنی اپنی کرسی پیش کرتے ہیں ۔ دونوں کرسیوں کے بیچ پڑی کرسی پر مالتی بیٹھ جاتی ہے) تو آپ نے ایم اے کہاں سے کیا ہے ۔ (عین اس وقت ایک نوجوان بدحواسی کی سی حالت میں داخل ہوتا ہے)

نوجوان : آپ نے پہلے مجھے کیوں نہیں بلایا ۔ میں نے بھی تو ایم ۔ اے پاس کیا ہے ۔ بلکہ میں نے M.A کے ساتھ بی ٹی بھی کیا ہے اور عرضی کے ساتھ ایک روپیہ کا ٹکٹ بھی بھیجا ہے (جرح سے) سیٹھ جی میں یہ نوکری ساڑھے تین سو کی بجائے دو سو میں بھی کرنے کو تیار ہوں ۔ میں نے ایم اے ! بی ٹی سکنڈ کلاس میں پاس کیا ہے ۔ یہ رہے میرے سرٹیفکیٹ (کاغذوں کا پلندہ میز پر دے مارتا ہے) (انھیں ایک نظر دیکھا جا سکتا ہے)

آتمارام : یہ ہنگامہ ۔ کیا مطلب (مالتی دیوی اپنی کرسی میں سمٹ جاتی ہے)

نوجوان : جی ۔ یہ مجھے ۔۔۔۔ جی یہ میں نے ۔۔۔ معاف کرنا مجھے اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا ۔ آپ مجھے یہ نوکری دے دیجئے نہیں تو میں ۔۔۔۔ نہیں نہیں میں خودکشی نہیں کروں گا ۔ میں دنیا سے لڑوں گا میں اپنے جیون کو مدھر بناؤں گا ۔ میری بیوی ہے ۔ میرے بچے ہیں ۔ میں ان کی خاطر نہیں اپنی خاطر کام کرنا چاہتا ہوں سیٹھ جی ۔ یہ نوکری مجھے دے دیں میں پوری تندہی سے کام کروں گا ۔ میں خون پسینہ ایک کر دوں گا۔

آتمارام : بیٹھیے بیٹھیے ۔۔۔ نارائن داس دیکھنا ان کی عرضی ۔۔۔ کیا نام ہے آپ کا۔

نوجوان : جی دولت رام۔

پھلا

جیون: تم باہر بیٹھو بابو میں یہاں جھاڑو باندھ لگاؤں گا۔ چلو باہر۔
(نارائن داس آتا ہے)

نارائن داس: رام رام جیون۔

جیون: رام رام بابو جی۔ آج تو آپ بڑے سویرے سویرے آ گئے۔

نارائن: ہاں کبھی کبھی کام ہی ایسا ہے۔

جیون: بابو جی یہ صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

نارائن: نہیں نہیں مجھے ابھی فرصت نہیں ہے۔ جیون ایک گلاس پانی تو لانا۔

نوجوان: جی میں ...... میں .....

نارائن داس: آپ ہیں۔ کہئے میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔

نوجوان: میں نوکری کے بارے میں آپ سے ملنے آیا ہوں۔ یہ رہی میری عرضی۔

نارائن داس: آپ اپنی عرضی خود ہی لے آئے۔ ڈاک سے بھیج دی ہوتی۔

نوجوان: جی میں نے ڈاک میں .... میں نے سوچا میں خود ہی کیوں نہ لے آؤں۔

نارائن: خیر کوئی بات نہیں .... ہاں تو فیس کے لیے ایک روپیہ کا ٹکٹ۔

نوجوان: جی میں بالکل بیکار ہوں منیجر صاحب۔ دو دن سے میں نے کھانا تک نہیں کھایا۔

نارائن: مسٹر اس میں میں کچھ نہیں کر سکتا۔

نوجوان: میں نے بی اے آنرز کے ساتھ کیا ہے۔ منیجر صاحب۔ کیا فیس ٹکٹ بہت ضروری ہیں۔

نارائن: جی ہاں نہایت ضروری۔

نوجوان: ایک بات کہوں آپ سے۔

نارائن: کہیے

نوجوان: آپ مجھے ایک روپیہ ادھار دے دیں تو میں ٹکٹ لے آؤں۔ پہلی تنخواہ ملتے ہی لوٹا دوں گا۔

نارائن: خوب۔ دیکھئے میرا وقت ضائع مت کیجئے۔ یہ لیجئے اپنی عرضی اور کسی دوسرے دفتر کا منہ دیکھئے۔ (عرضی زمین پر پھینک دیتا ہے۔ نوجوان اٹھا کر چلا جاتا ہے)

نارائن: (اپنے آپ سے) روپیہ ادھار دے دیجئے۔ ہونہہ۔

فالتو: باہر والا

نارائن: کیا لائے ہو

فالتو: لایا وایا کچھ نہیں۔ لینے آیا ہوں ساڑھے اٹھارہ آنے۔

نارائن: (چیک دکھا کر) ارے ہاں دیکھو بھئی میرے پاس چیک ہے ابھی بینک سے تڑوا کر لاتا ہوں۔ شام کو آ کر لے جانا۔

فالتو: دیکھو بابو جی۔ یہ سویرا شام میں بہت سن چکا ہوں آپ سیدھی طرح سے دے دو نہیں تو .....

نارائن: اچھا اچھا تم تھوڑی دیر بعد آ کر لے جانا اپنی دولت۔

فالتو: وہ بھی دیکھتا ہوں۔

نارائن: کس منحوس کی صورت دیکھی ہے آج سویرے سویرے ایک صاحب آ گئے ادھار مانگنے اور دوسرا قرضہ لینے۔

پھلا

(آتما رام داخل ہوتا ہے بڑا خوش نظر آتا ہے۔ ہاتھ میں ایک ٹوٹی گردن کی صراحی ہے)

آتما رام: رام رام نارائن داس۔ رام رام جیون .... یہ لو صراحی

نارائن داس اور جیون: رام رام سیٹھ جی۔

آتما رام: بتاؤ کیسا چل رہا ہے۔ کوئی ڈاک واک۔ کوئی نئی تازی

نارائن داس: کیا نئی تازی ہے جی۔ شروعات ہی منحوس آدمی سے ہوئی۔ بغیر ٹکٹ چلے آ رہے تھے۔

آتما رام: کوئی بات نہیں ابھی تو ۹ بجے ہیں۔ جیون جا اسے بھر لا ذرا کچھ ٹھنڈے ہو سکیں گے یہ شور کیسا ہے۔ جیون دیکھو تو کیا ہے۔

آئے آپ گڈ سپاٹ۔

نارائن: جی جیون کو کہہ دیا ہے لانے کے لیے۔

آتمارام: میں نے تم سے کہا تھا یا جیون سے۔ جیون دو گھنٹے میں لائے گا۔ خیر ہاں تو مالتی دیوی جی۔ میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ کیا آپ سنڈے کو فری ہوتی ہیں تا (نارائن داس چھینک مارتا ہے۔

نارائن: (اپنی کرسی نزدیک لاتے ہوئے) آپ نے سیٹھ جی کے سوال کا جواب نہیں دیا۔

مالتی: جی میں سمجھی نہیں۔

نارائن داس: جی میں یہی کہ ہمارے سیٹھ جی کہہ رہے تھے کہ چونکہ آپ قدیم مالتی ہیں اس لیے آپ کو کام زیادہ ہو گیا تو دفتر میں کام سنڈے کو بھی کرنا پڑے گا۔ بس اتنا ہی۔

مالتی: اچھا تو میں چلوں (چل پڑتی ہے)

آتمارام: (دروازے کے پاس پہنچ کر) تو میں کیا سمجھوں۔

مالتی: جی میں کوشش کروں گی۔

آتمارام: (مالتی کے کندھے کو تھپک کر) آپ کوشش کریں گی واہ واہ تب تو نوکری آپ ہی کو ملے گی۔

(مالتی مسکرا کر باہر چلی جاتی ہے)

آتمارام: نارائن داس اس لڑکی کا پتہ تو دینا مجھے۔ کبھی شاید واقعی نوکری دینی پڑ جائے۔ (دونوں مسکراتے ہیں) اچھا دیکھو جلدی سے باقی عرضیوں سے بھی ٹکٹ الگ کرو تو کام نپٹ جائے۔

نارائن: جی۔ (دونوں مصروف ہیں عرضیوں سے ٹکٹ الگ کرتے ہوئے) (جیون داخل ہوتا ہے ہانپتا ہوا)

جیون: جی ایک پولیس آفیسر ساتھ والوں سے آپ کا پتہ پوچھ رہا ہے۔

آتمارام: جاؤ ان کی عرضی بھی لے آؤ۔

نارائن: سیٹھ جی پولیس آفیسر۔

آتمارام: ہیں!

نارائن: میں نے پہلے ہی کہا تھا پولیس سے ہوشیار رہیے گا۔

آتمارام: اب کیا ہوگا۔ اوہ ایشور۔ دیکھو جیون تم یہ تمام ٹکٹ اس رجسٹر میں رکھ دو اور اسے اپنے پاس رکھ لو نارائن داس تمام عرضیاں تم.... اف ہو..... تم ان کو جلا دو مگر باہر ....

خیر تم انہیں اپنے دراز میں رکھ دو (نارائن داس دراز میں رکھنے جاتا ہے مگر میز میں دراز نہ پا کر سیٹھ کی دراز میں رکھنے جاتا ہے)

نارائن: سیٹھ جی میری میز میں تو دراز ہی نہیں ہے۔

آتمارام: اف ہو۔ تم ان کے اوپر بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ جاؤ۔ ہے پرمیشور۔

(پولیس آفیسر داخل ہوتا ہے)

آفیسر: کیا جگہ لی ہے آپ نے بھی ڈھونڈتے ڈھونڈتے میں تھک گیا

آتمارام: جی لے لی ہے۔ کہیے میں آپ کی کیا سیوا کر سکتا ہوں۔ جیون ایک لیمن، ایک ٹھنڈا لیمن تو لانا۔

آفیسر: نہیں نہیں۔ لیمن رہنے دیں کوئی خاص ضرورت نہیں۔ دیکھیے کل کے ٹائمز میں اشتہار آپ ہی نے دیا تھا۔

آتمارام: جی مجھے ایک اسسٹنٹ منیجر کی ضرورت تھی۔

آفیسر: تھی یا ہے۔

آتمارام: جی فی الحال تو ہے۔ کام کا کوئی آدمی ہی نہیں ملتا۔

آفیسر: ہر عرضی کے ساتھ ایک روپے کا پوسٹیج ٹکٹ بھی منگوایا ہے نا آپ نے۔

آتمارام: جی۔ وہ رجسٹری سے جواب دینے کے لیے۔

آفیسر: بات دراصل یہ ہے..... میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔

آتمارام: جی۔ نہیں۔ آپ نے کسی اور کو دیکھا ہوگا۔

آفیسر: جی نہیں مجھے یقین ہے میں نے آپ ہی کو دیکھا ہے۔ یاد نہیں آتا کہاں شاید باندرہ پولیس سٹیشن پر پہلا نمبر

ریلوے سٹیشن پر۔
(جیون اپنا سامان لیکر باہر جاتا دکھائی دیتا ہے)
آتمارام: جی باندرہ ریلوے سٹیشن پر دیکھا ہوگا۔ میں کبھی کبھار باندرہ جاتا ہوں وہاں میرا ایک رشتہ دار رہتا ہے۔
آفیسر: جی ہاں پہلے باندرہ پولیس سٹیشن پر رکا ہوا تھا اب میری تبدیلی اندھیری ہوگئی ہے۔
آتمارام: ملگئے تو پھر یہ کیسے کا علاقہ ہے انسپکٹر صاحب
آفیسر: جی ہاں میں ایک ضروری کام کی وجہ سے آیا تھا۔ دیکھئے۔ آپ ذرا باہر تک تو چلئے
آتمارام: جی ہیں۔
آفیسر: جی ہاں آپ۔
آتمارام: جی یہ اپنے ہی آدمی ہیں۔ یہ میرے منیجر ہیں نارائن داس۔
نارائن: جی نمستے۔
آفیسر: نمستے۔ نارائن داس جی آپ ہی ذرا باہر چلے جائیں۔
(نارائن داس کرسی سمیت باہر جاتا ہے۔)
آفیسر: بات یہ ہے کہ میرا بھتیجا اب جوان ہوگیا ہے اور اگر آپ یہ نوکری اسے دے دیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ وہ بڑا ہی ہونہار لڑکا ہے۔ ایم۔ اے اسی سال پاس کیا ہے۔ یہ رہی اس کی عرضی۔ ٹکٹ تو میں لانا بھول گیا۔ البتہ یہ لے لیں ایک روپیہ۔
آتمارام: نہیں نہیں روپیہ کی کیا ضرورت ہے آپ تو شرمندہ کر رہے ہیں۔ آپ کا بھتیجا۔ میرا بھتیجا۔ میں تو .... خیر آپ عرضی بھی نہ لاتے تو بھی میرا فرض تھا کہ آپ کے بھتیجے کو رکھ لوں۔
آفیسر: آپ کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں۔
آتمارام: کیوں مجھے شرمندہ کرتے ہیں۔
آفیسر: تو میں اب چلتا ہوں۔
آتمارام: دیکھئے ایک مہربانی کیجئے۔

آفیسر: جی کہیئے۔
آتمارام: باہر کچھ امیدوار بیٹھے ہیں۔ اگر آپ انہیں کہہ دیجئے کہ جگہ پر ہو گئی ہے تو وہ چلے جائیں گے۔
آفیسر: ہاں ہاں کیوں نہیں۔ یہ کونسی بڑی بات ہے۔ ضرور کہہ دوں گا۔
آتمارام: شکریہ (آفیسر جاتا ہے۔ نارائن داس آکر)
نارائن داس: سیٹھ جی کیا ہوا۔ بڑا خوش خوش گیا ہے پولیس آفیسر تو۔
آتمارام: ہیں جلدی کرو۔ کاغذات عرضیاں سنبھالو اور بھاگو یہاں سے۔
نارائن داس: مگر سیٹھ جی ابھی تو آپ کا پلان رہنے میں چار آنے بھی مکمل نہیں ہوا۔ ابھی تو شام کی ڈاک آنے رہی ہے۔ کل کی ڈاک آنے رہی۔
آتمارام: ارے پاگل کل کی ڈاک سے پہلے تو انسپکٹر کا بھتیجا آدھمکے گا۔
نارائن داس: تو کیا ہوا۔ اگر ضرورت پڑی تو ان ٹکٹوں میں سے کچھ رشوت بھی دے دیں گے۔
آتمارام: دیکھو نارائن داس، پلان میں نے بنایا ہے یا تم نے۔
نارائن داس: آپ نے۔
آتمارام: تو جیسا میں کہوں گا ویسا ہی کرنا پڑے گا۔ اٹھاؤ فائلیں، عرضیاں وغیرہ۔ وہ ٹکٹوں والا رجسٹر بھی لے لو یہ سب لے کر چلو میرے گھر۔
نارائن داس: وہ ٹکٹوں والا رجسٹر تو آپ کے پاس تھا سیٹھ جی۔
آتمارام: ارے میرے پاس کہاں تھا۔ تمہیں ہی تو دیا تھا میں نے۔
نارائن داس: کیا کہہ رہے ہیں آپ بھی۔ یہاں تو دکھائی نہیں پڑتا۔
آتمارام: یہیں ہوگا، جانے کہاں رہ گیا۔ ارے وہ تو میں نے جیون کو دیا تھا۔ کہاں ہے جیون — ؟
نارائن: جیون ابھی ابھی تو یہیں تھا۔
آتمارام: دیکھو وہ رجسٹر اپنے بستر میں تو نہیں رکھ گیا

نادانش: سیٹھ جی، اس کا بستر تو ہے ہی نہیں۔
آتمارام: ارے نہیں ہوگا۔
نادانش: لگتا ہے بستر اور جبڑے کر وہ چمپت ہو گیا ہے۔
آتما رام: تمہیں کیسے پتہ کہ وہ چمپت ہو گیا ہے۔
نادانش: بس یونہی میرا خیال ہے۔
آتمارام: خیال ہے تو یہ تمہارا خیال ہے۔ سچ سچ بتاؤ کہاں ملنے کو کہہ گیا ہے۔ بولو۔ بتاؤ۔
نادانش: کیا کہہ رہے ہیں آپ۔
آتمارام: میں ٹھیک ہی کہہ رہا ہوں۔ تم دونوں مجھے لوٹتے پھرتے ہوئے ہو۔ میں ابھی تھانے میں جا کر رپورٹ لکھواتا ہوں کہ تم دونوں نے میری چوری کی ہے۔

نادانش: ذرا ہوش میں آیئے سیٹھ جی۔ تھانے میں جانے سے نقصان آپ کا ہی ہوگا۔ تھانے میں تو جاؤں گا میں۔ اور دیکھتا ہوں سزا آپ کو ہوتی ہے یا مجھے۔ یہ پلان آپ نے شروع کیا تھا! میں نے پہلے تو آپ نے مجھے اس کام میں شریک کیا اب مجھ ہی پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں۔ شرم نہیں آتی (نفرت سے چلا جاتا ہے)

آتمارام: اچھا بابا میں ہی ..... نادانش سنو تو ..... ہائے لٹ گیا۔ پولیس، جیل۔ نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ نہیں (کچھ دیر مسکراتا ہے) ہاں ہاں دوسرا آتمارام ....
آج ہی کلکتہ ..... آج ہی کلکتہ (زور سے ہنستا ہے پردہ گرتا ہے)

●

سنسکرت : راجہ مہندر وکرم
چندر دن چمن لال مہتہ کے انگریزی ترجمے سے
مترجم : شفیق عباس

یوگی اور ویشیا

منشی : گیانی درشکو! پرنام۔ آپ سب لوگ اس ناٹک کی شوبھا بڑھانے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ میں چاہتی ہوں اس ناٹک کے بارے میں چند باتیں کہوں ـــــ کیا سب لوگ بیٹھ گئے؟ دھنیہ واد۔ اس طرح کا ناٹک سنسکرت میں پرہاسن کہلاتا ہے۔

منیجر : تم سے کس نے کہا تھا کہ باہر آکر اپنے انداز میں بھاشن شروع کردو؟ میں تمہارا پتی ہوں، (دھیمی آواز میں) اور مجھے تو برداشت کرنا ہی پڑتا ہے ـــــ لیکن درشکوں کے ساتھ وہ سلوک نہ کرو جو اپنے پتی کے ساتھ کرتی ہو۔ وہ اسے برداشت نہیں کرسکیں گے۔

منشی : میں نے ایسا کیا کہہ دیا؟

منیجر : کرپا کرکے بھاشن نہ دو۔

منشی : یہی تو آپ ہمیشہ میرے ساتھ کہتے رہے۔ بھاشن، بھاشن اور صرف بھاشن۔

منیجر : میں منیجر ہوں ـــــ تم باہر کیسے آئیں۔

منشی : کیوں کہ آپ اپنا کرتویہ بھول گئے۔

منیجر : کیسا کرتویہ!

منشی : ناٹک سے پہلے کی پوجا، اسٹیج کے پیچھے تمام سازوسامان ٹھیک سے لگانے کا کام، اور دیکھنے والوں کو ناٹک کے لیکھک اور اس کے ورشے سے پریچے کرانا۔

منیجر : دیکھنے والے؟ تمہارا مطلب ہے ناظرین۔

منشی : ہاں دیکھنے والے ـــــ شرفا جو ناٹک دیکھنے آئے ہیں۔

منیجر : آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟

منشی : صرف یاد دلانا چاہتی ہوں، آپ نے ہمیں پڑھایا تھا کہ سنسکرت ناٹکوں میں جو لوگ شرکت کرتے ہیں، ان کے لیے ہم

دیکھنے کے شبدکا پریوگ کرتے ہیں، سننے کے شبد کا نہیں ——— پرکشا ' شروتہ نہیں۔

منیجر: لیکن یہ ناٹک سنسکرت میں نہیں دکھایا جا رہا ہے۔

منشی: سنسکرت ناٹک ہندی میں؟ یا یہ کہنا کہ ہندوستانی زبان میں۔

منیجر: ٹھیک ہے ——— تو پھر کیا؟

منشی: اس لیے جہاں تک ہوسکے سنسکرت شبدوں کا ہندی بھاشا میں انواد کرنا اور سامعین کو ٹیکنیک کے بارے میں بتانا، یہ کہ ایکا نشی کس طرح کا ہے، پوجا کرنا، آنے والے کی آؤبھگت کرنا وغیرہ وغیرہ۔ جو آپ کرنا بھول جاتے ہیں۔

منیجر: تم سمجھتی ہو کہ ہمارے گیانی ٹیکنیک راجہ مہندر وکرم سے زیادہ چالاک ہو۔

منشی: اچھا۔ لیکن کل تو آپ کہہ رہے تھے کہ اس کا ٹیکنیک بدھیان ہے۔

منیجر: لیکن اب ودوانوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ ناٹک راجہ مہندر وکرم کا لکھا ہے۔

منشی: تو یہ بات آخری ہوئی۔

منیجر: کم و بیش۔

منشی: اور اس لیے یہ ناٹک دوسری شتابدی کا نہ ہو کر ساتویں شتابدی کا ہوا۔

منیجر: اور راجہ مہندر وکرم نے اس ناٹک کو بغیر پرستاونا' پاتر سوچی' اور پوجا کے شروع کیا ہے کردار ناٹک شروع ہوتے ہی اندر آجاتے ہیں۔ اس لیے تم فوراً اسٹیج سے نکل جانے کی کرپا کروگی!

منشی: واہ۔ کیوں؟ آپ کا بیان تو یہ تھا کہ سنسکرت ناٹک شروع ہی نہیں ہوسکتا، جب تک۔

منیجر: بند کرو۔ اور چلی جاؤ۔

منشی: آپ کو وشواس ہے، پاتر سوچی کھو تو نہیں گئی یا پھر مل نہ رہی ہو۔ ہوسکتا ہے بعد میں مل جائے۔

منیجر: میں سمجھتا ہوں ...... میں سمجھتا ہوں۔

منشی: غصہ نہ کیجیے ... آپ کیا سمجھتے ہیں؟ یہی نا کہ پتنی، پتی کے لیے ایک دردِ سر ہے اور اس لیے ...

منیجر: اور اس لیے رسالک نے ایک حسین اور خوبصورت ولیشیا کو رکھ چھوڑا ہے۔

منشی: کیا کہا —؟

منیجر: ولیشیا ——— ایک عورت جو اس کی پتنی سے بہتر ہے۔

(جب پجاری داخل ہوتا ہے، منیجر تیزی سے باہر نکل جاتا ہے۔ منشی بھی پریشانی کے عالم میں باہر چلی جاتی ہے)

پجاری: سنڈلیا! سنڈلیا! تم کہاں ہو؟ تم کہاں ہوسکتے ہو۔ اگیانتا کے اندھیرے میں گھرے ہوئے لوگ اسی کی طرح ووہار کرتے ہیں۔ وہ کچھ نہیں پاسکتے۔ نہ اپنی آتما، نہ سچائی کو۔ وہ جوان، مضبوط اور سندر ہے اسی لیے اسے اپنے آدمی ہونے پر غرور ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ جسم بیماریوں کا گھر ہے۔ ہر لمحہ جذبات اسے نگلتے ہیں اور بڑھاپا اور موت اسے تباہ کرنے کی سازش کرتے ہیں۔ سنڈلیا! مجھے ان گوشوں کی تلاش کر لینے دو۔ اسے ہمیشہ کھانوں ہی کا خیال رہتا ہے۔

(پجاری ایک طرف چلا جاتا ہے۔ دوسری طرف سے ایک پل بعد شنڈلیا اس کے پیچھے جاتا نظر آتا ہے)

شنڈلیا: آخر کب تک میں اپنے گرو کی نصیحتیں سنتا رہوں۔ خالی پیٹ دماغ کو خراب کر دیتا ہے۔ میں براہمن پیدا ہوا ہوں، بڑوں میں سب سے بڑا، سب سے زیادہ پوتر اور فرقوں میں سب سے اونچا ——— پھر بھی میں

بھوکا ہوں۔ تین دن سے اناج کا ایک دانہ نہیں۔ میں نے اپنے فرقے کو چھوڑ دوسرے عقیدے کو اپنایا کہ یہاں کھانے کی تکلیف نہ ہوگی۔ لیکن یہاں بھی وہی حال ہوا۔ اب میں نے سوچ لیا ہے کہ کسی بدھ بھکشو کی سیوا کروں گا اور بھوک سے چھٹکارا پانے کی امید میں بدھ مت اپنالوں گا۔ ہم ہمیشہ مکتی پراپت کرنے کی سمسیا پر وچار کرتے ہیں۔ لیکن بھوک سے مکتی حاصل کرنے کے راستے اور سادھن کے بارے میں کبھی نہیں سوچتے۔

پجاری: (داخل ہوتا ہے) شندیلیا!

شندیلیا: آپ کہاں تھے گرو جی! میں آپ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا اور اسی کارن بھوکا ہوں۔

پجاری: نہیں ــــ میں تمہیں تلاش کرتا رہا ہوں، پورا سمے تمہارا نام لے لے کر چلاتا رہا ہوں۔

شندیلیا: لیکن اس سے کیا لابھ! مجھے انیہ چاہیئے۔

پجاری: تم ہمیشہ کھانے کی رٹ لگائے رہتے ہو۔ لیکن کبھی تپسیا اور دھیان گیان کی بات نہیں کرتے۔

شندیلیا: آسمان پر رینگنے والے سوریہ سمان آپ وہی پرانی بات دہراتے ہیں۔ لیکن کبھی کھانے کی بات نہیں کرتے۔ آخر ہم کیسے جیوت رہیں گے؟

پجاری: شندیلیا! اپنے گرو سے بات کرتے سمے تمہیں ایسے شبدوں کا پریوگ نہیں کرنا چاہیے۔ تم نے اپنی جسمانی اچھاؤں کو بنا کسی بندھن کے اس طرح آزاد چھوڑ دیا ہے کہ وہ جتنا چاہیں بڑھتی اور بھٹکتی رہیں۔ تم اپنے دھارمک وشواس کو یوں بدلتے رہتے ہو جیسے وہ بدن کے کپڑے ہوں۔

شندیلیا: سارا شہر اُتسو منا رہا ہے۔ ہر دن دعوتیں ہیں۔ مجھے بار بار یہ باتیں سنانے کے بجائے وہاں سے بھیک کیوں نہیں مانگ لاتے؟

پجاری: تم مجھے رائے دے رہے ہو؟

شندیلیا: ہاں ــــ میرا خیال ہے ان باتوں کا گیان مجھے زیادہ ہے جن میں آتما کا دخل نہیں۔ بہتر ہوگا ہم شہر چلیں اور کھانے کے لئے کچھ مانگیں۔

پجاری: بھکشا مانگنے کے بھی طریقے ہوتے ہیں۔ دوپہر سے پہلے ہمیں شریف دھن والوں کے گھر نہیں جانا چاہیے۔ میں سنسارک سکھوں کو تیاگ چکا ہوں۔ اس لئے تمام نیموں کا پالن کرنا اچت سمجھتا ہوں۔ تم اپنے آپ کو بے ادب بنانا چاہتے ہو تو بناؤ، لیکن میں یہ نہیں کرسکتا۔

شندیلیا: آپ نے مجھے خادم کے روپ میں سویکار کیا ہے۔ اور میری غذا کی ذمہ داری لی ہے۔

پجاری: ایک منٹ ــــ خادم اور چیلا ــــ ہاں اب کہو۔

شندیلیا: چیلا بھی ــــ مان لیا ــــ لیکن کھانے کا کیا؟

پجاری: دو تین گھنٹے بعد۔

شندیلیا: تب تک۔؟

پجاری: کچھ سیکھنے کی کوشش کرو۔ کیا تمہیں اس میں سے کچھ یاد ہے جو تمہیں بتا چکا ہوں۔

شندیلیا: صرف اتنا کہ آدمی کو ہمیشہ اچھے کام کرنا چاہیے۔ اگر وہ اچھا کام کرتا ہے تو ممکن ہے اس کا صلہ پائے۔

پجاری: کس حد تک صحیح۔

شندیلیا: میں نے آپ کا چیلا بن کر ایک اچھا کام کیا ہے پھر بھی تین دن سے بھوکا مر رہا ہوں۔

پجاری: تم جب مجھ سے جھوٹ بولتے ہو تو سمجھو کہ تمہارے اچھے کام کا صفایا ہو گیا۔ پچھلی شام رما لک کے گھر تم نے اچھی خاصی دعوت اڑائی۔

شند یلیا: وہ میں نے خود حاصل کی تھی۔ آپ نے نہیں دی —— ہاں اب آپ دوبارہ شروع کر سکتے ہیں۔

پجاری: کیا؟

شند یلیا: پرچار —— گیان حاصل کرنے کے لئے میں قریبی راستے کو پسند کروں گا۔

پجاری: خوشی میں نہ بہت زیادہ مست ہو اور نہ غم میں زیادہ غمگین۔

شند یلیا: فرض کیجئے اگر میں خوشی میں غمزدہ اور دکھوں میں بہت زیادہ خوش ہونے کی کوشش کروں تو؟

پجاری: اسمبھو!

شند یلیا: مجھے یاد ہے، ایک بار آپ نے کہا تھا کہ تپسیا، لگن اور اچھا شکتی سے کچھ بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

پجاری: لیکن تم نے کبھی اس اچھا شکتی کو بندھن میں نہیں رکھا، جو کسی مکھی یا بندر کے سمان ہے۔

شند یلیا: یعنی چنچل۔

پجاری: بہت زیادہ چنچل۔ یہ یاد رکھو۔

شند یلیا: یعنی میرے پاس یاد رکھنے کی شکتی بھی ہے۔ میں چیزوں کو یاد رکھ سکتا ہوں۔ اور جب یاد رکھ سکتا ہوں تو اس کا ارتھ یہ ہوا کہ میرے پاس اچھا شکتی بھی ہے۔

پجاری: تمہارا ذہن الجھا ہوا ہے۔

شند یلیا: چلئے آپ یہ تو مانتے ہیں کہ میرے پاس ذہن نام کی چیز ہے۔

پجاری: ہاں، سو بھاگیہ سے ہے تمہارے پاس۔ لیکن اس ذہن کو باندھنا ہوتا ہے۔ اسے صحیح راستے پہ لے جانا ہوتا ہے۔

شند یلیا: اور آپ اسی کوشش میں لگے ہیں۔!

پجاری: لیکن تم سنتے کب ہو؟

شند یلیا: تو سنائیے۔ میں تیار ہوں۔

پجاری: پہلے تو اپنے ذہن پہ قابو رکھو۔ ایک سچا رشی کبھی غصہ میں نہیں آتا۔

شند یلیا: اچھا! بات بڑی دلچسپ ہے۔

پجاری: وہ کیسے؟

شند یلیا: جہاں تک میرا تعلق ہے، آپ ہمیشہ غصہ اتارتے رہے ہیں۔

پجاری: پوتر کتابوں کے انوسار میں نے بالکل ٹھیک ہی کیا۔ ان میں لکھا ہے، اگر چیلا پڑھائی نہ کرے تو اس پر غصہ اتارا جائے یہی نہیں بلکہ پیٹا جائے —— لیکن ——

شند یلیا: لیکن ——

پجاری: میں جب بھی مارتا ہوں تو غصہ میں نہیں ہوتا۔ مجھے اپنے آپ پر پورا قابو ہوتا ہے اور کبھی تو میں پیار سے پٹائی کرتا ہوں۔ یہ سب تمہاری بھلائی کے لیے ہے

شند یلیا: واہ بات بڑی مزے دار ہے۔ غصہ ہوئے بغیر آپ کسی کو مار سکتے ہیں۔ غصہ کے بنا غصہ دکھانا۔ واہ!!

پجاری : ہاں یہ ممکن ہے۔ بہت ساری باتیں تم نہیں سمجھ سکتے۔ چلو اس باغ میں جاکر تھوڑی دیر آرام کریں۔

شندیلیا : آرام! یہ آپ کہہ رہے ہیں آرام حاصل کرنے کی کوشش! ایک بار پھر آپ غلطی پر ہیں۔

پجاری : وہ کیسے؟

شندیلیا : راحت اور تکلیف ـــــ دونوں آپ کی نگاہ میں ایک ہیں گرو جی!

پجاری : تم نہیں سمجھتے میری آتما راحت اور تکلیف کے بیچ کوئی انتر نہیں سمجھتی۔ لیکن اس سمئے میرا شریر آرام چاہتا ہے۔

شندیلیا : اچھا تو شریر اور آتما دونوں کے الگ الگ کام ہیں۔

پجاری : بے شک!

شندیلیا : آپ کس طرح ان کی تعریف کریں گے۔؟

پجاری : آتما پورے سنسار کا چکر لگا سکتی ہے اس کی کوئی سیما نہیں۔ لیکن شریر کام، کرودھ، مد، مت سر، لوبھ، موہ کو محسوس کرتا ہے۔

شندیلیا : اب سمجھ میں آگئی بات ـــ ہم باغ کے دوار پر آپہنچے ہیں۔ کیا پرویش کریں؟

پجاری : ہاں کرو۔

شندیلیا : واہ کیا باغ ہے! سندر پیڑ۔ یہ چمپا ہے، وہ کدمب۔ کیا رنگ برنگے پھول ہیں اور کیسی ہے ان کی سگندھ بسنت بہار ہے، سب سے پیارا موسم، یہاں مور بھی ہے اور کوئل بھی۔ بھنورا سندر سور میں گنگنا رہا ہے بسنت کی یہ سندرتا کسی برہ کی ماری دکھیاری کو اور دکھی بنا دینے کے لیے کافی ہے۔

پجاری : ہاں ابھی بسنت بہار ہے، پھر دوسرا موسم آئے گا اور یہ چکر یونہی چلتا رہے گا۔ ابھی جو کچھ سندر ہے، وہ آخر میں نشٹ ہو جانے والا ہے۔

شندیلیا : اگر کوئی چیز سندر ہے تو ہمیں اس کی سندرتا کو سویکار کر لینا چاہیے۔

پجاری : لیکن کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ یہ سب مٹ جانے والا ہے

شندیلیا : کیا ہم بیٹھ جائیں اور تھوڑی دیر آرام کریں؟

پجاری : ٹھیک ہے، چلو یہیں بیٹھ جاتے ہیں۔

شندیلیا : اوہ لیکن یہ جگہ صاف نہیں۔

پجاری : تم کتنے ناسمجھ ہو! باغ ہمیشہ ایک پوتر استھان مانا گیا ہے اور دھرتی نشچل

شندیلیا : دوسرے شبدوں میں، ہم جہاں بیٹھ جائیں وہ استھان خود بہ خود صاف ہو جائے گا۔

پجاری : طنز نہ کرو ـــ میں ہمیشہ پوتر پستکوں سے اداہرن دیتا ہوں۔

شندیلیا : لیکن میں کیسے آپ کی بات سچ مان لوں؟

پجاری : یہی تو مصیبت ہے تمہارے ساتھ جاہل ہونا! اسی لیے تمہاری ہر بات کی شروعات شک اور شبہ سے ہوتی ہے میں اسی لیے آگرہ کرتا ہوں کہ پڑھائی کرو۔

شندیلیا : ٹھیک ہے۔ لیکن پڑھائی کرنے کے لیے کوئی ایک اچھا کارن بتائیے۔

پجاری : کیسے ناسمجھ ہو تم! گیان کے ذریعہ نہ صرف ایک بلکہ بہت سے کارن خود تمہیں معلوم ہو جائیں گے۔

شندیلیا : گیان پراپت کرنے کے فائدے کیا ہیں؟

بھاری: گیانی خود ہر ایک بات کو سمجھا دیتا ہے۔ ان باتوں کو سمجھ کر تم سنسار کے موہ مایا کو تیاگ دیتے ہو۔ اور اس طرح تم ہی لائق بن جاتے ہو کہ پراشچت کا ابھیاس کر سکو۔ یہی ابھیاس تمہیں یوگی بناتا ہے۔ اور اگر تم یوگی بن گئے تو سمجھو بھوت، ورتمان اور بھوشیہ کی ہر بات کا گیان تمہیں پراپت ہو گیا۔

شندیلیا: بڑا لمبا ابھیاس ہے یہ —— آپ تو خود یوگی ہیں۔ کیا آپ کسی کے گھر میں اس طرح دیکھ سکتے ہیں کہ خود نہ دیکھے جائیں۔

بھاری: کیوں؟

شندیلیا: یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اس گھر میں کچھ زیادہ کھانا ہے؟ مجھے بھوک لگی ہے۔

بھاری: کیا تم یہ جانتے ہو کہ جیبھ کا سب سے بڑا شراپ لالچ ہے۔

شندیلیا: ہاں۔ آپ مجھ سے کہہ چکے ہیں کہ یہ بڑھتی ہی جاتی ہے۔ اس لیے جتنا زیادہ میں کھاؤں گا، میری صحت کے لیے اچھا ہوگا۔

بھاری: میں وچن دیتا ہوں، کھانا اچھی صحت اور دوسری چیزیں تمہیں ملے گی۔ اگر تم تپسیا میں دھیان لگاؤ گے تو یہ ساری چیزیں تمہیں پراپت ہوں گی۔ ایک بار بیٹھ جاؤ اور دھیان گیان کا ابھیاس شروع کر دو۔ یہ تمہاری بدھی کو بلوان اور تمہیں مکمل آدمی بنائے گا۔ چلو دھیان لگاؤ۔

شندیلیا: اچھا، کس پر دھیان لگاؤں؟

بھاری: اس پرکاش پر جو تمہارے بھیتر ہے۔

شندیلیا: ٹھیک ہے۔ آپ اپنے پرکاش پر شروع ہو جائیے اور میں دھیان لگاتا ہوں، چاول کے اس پیالے پر (باہر نکالتا ہے)

بھاری: بکواس مت کرو۔ میرا طریقہ اپناؤ۔ جیسا میں کرتا ہوں، ویسا کرو۔ اپنے محسوسات کو آتما کے راستے پر لے آؤ اور خود کو کائنات کا ایک انگ سمجھو۔ تمام اچھاؤں کو دل سے نکال دو۔ پھر تم بہت زیادہ آنند اور شانتی محسوس کرو گے۔

(وہ اسٹیج پر ایک طرف بیٹھ جاتے ہیں۔ اور تپسیا پر دھیان لگاتے ہیں۔ بھاری بہت زیادہ سنجیدہ ہے۔ لیکن چیلے کا دھیان تپسیا میں نہیں ہے۔ ایک ویشیا اپنی دو کنیزوں کے ہمراہ داخل ہوتی ہے)۔

مدھوریکا: اب ہم باغ میں پہنچ گئے۔

وسنتی: ہاں۔ اس سگندھ کی میں سراہنا کرتی ہوں۔ بہار اپنے جوبن پر ہے۔ لیکن کہاں ہیں میرے پیارے رمالک!

لتیکا: انھوں نے کہا تھا پہلے وہ شہر جائیں گے، پھر ادھر آئیں گے۔

وسنتی: لیکن کیوں؟ میں ان کی پریمیکا یہاں ہوں، پھر وہ شہر کیوں گئے؟

لتیکا: یونہی، سیر کے لیے۔

وسنتی: سیر کو گئے ہیں! کتنا بڑا اپمان ہے میرا!

مدھوریکا: سیر و تفریح یعنی ——

لتیکا: یعنی پیسے چلانے گئے ہیں۔

مدھوریکا: تاکہ وہ آپ کے ساتھ ہونے کا مزہ لوٹ سکیں۔

وسنتی: بکواس! میں خود جیتی جاگتی شراب ہوں۔ میں ان کے نین کا سکھ چین، ان کے جیون کا امرت رس، پھر وہ اوٹھل ہو
کیوں جائیں، لتیکا!!

لتیکا: آپ ٹھیک فرماتی ہیں مالکن!

وسنتی: جاؤ اور فوراً انہیں یہاں لے آؤ۔ کہو کہ ان کے بغیر میں برہ کی اگنی میں جل رہی ہوں۔

لتیکا: جو آپ کی آگیاں (جاتی ہے)

مدھوریکا: بہار جوبن پر ہے۔

وسنتی: تم میرے روپ کی طرف تو دیکھو۔

مدھوریکا: ہاں آپ کا روپ بھی جوبن پر ہے۔ اسی لیے تو آپ کے ہر دے کے سوامی رمالک یہاں ملیں گے، تاکہ وہ فضا، باغ اور آپ کی بہار لوٹ سکیں۔

وسنتی: پر میں یہ جدائی کیسے سہوں! تم کچھ گاؤ، ناچو، یا پھر آؤ کھیلیں۔

مدھوریکا: میرے پاس گیند ہے۔ یہ رہا۔ آیئے کھیلیں (وہ زوردار قہقہوں کے ساتھ کھیلنا شروع کرتی ہے)

شندیلیا: یہ کیسی مدھر آوازیں آرہی ہیں۔ کہیں کوئل کوک رہی ہے۔ نہیں یہ تو ہنسی کی آواز ہے۔ کوئی کیسے دھیان لگائے!
جب اسے سن کر کانوں میں امرت گھلتا ہے تو پھر آنکھیں کیوں پیاسی رہیں۔ ہائے وہ سندریاں — باغ اور کھیلتی ہوئی یہ سندریاں! جیسے مکھن لگی روٹی پر شہد — گرو جی! سنا آپ نے؟

بھاری: اگر تمہیں سننا اچھا لگتا ہے تو سنا کرو، میرا دھیان کہیں اور ہے۔

شندیلیا: تو اپنا دھیان ادھر بھی لگایئے۔

بھاری: بے وقوف مت بنو۔ اپنی تپسیا پہ دھیان دو

شندیلیا: یوگی کبھی کرودھ کی آگ میں نہیں جلتے۔ آپ کو غصہ نہیں کرنا چاہیے۔

بھاری: خاموش رہو۔ اب میں تمہاری کسی بات کی طرف دھیان نہیں دوں گا۔

شندیلیا: ہاں یہ ہوئی بات۔ اب میں آپ کو ایک سچا یوگی اور پکا رشی مانتا ہوں۔
واہ۔ کیا انداز ہے۔ کیا ادائیں ہیں۔ کیا دلربائی ہے۔ کیا گوملتا ہے، کیا خوب صورتی ہے اور کیا سندرتا!!

وسنتی: لتیکا! رمالک کب آئیں گے؟

لتیکا: بہت جلد! مجھے وشواس ہے کہ وہ بھی میری مالکہ وسنتی سے ملنے کے لیے اتنا ہی بے چین ہوں گے۔

شندیلیا: وسنتی! شہر کی مشہور ترین ویشیا! لگ وہاں کتنے سو بھاگیہ ہیں۔ کہیں یہ صرف میرا خیال ہی تو نہیں۔
باغ میں اسے دیکھنے کا اوسر ملا — گرو جی! سندرتا کی ان مورتیوں کو دیکھنے کے لیے کیا میں اور قریب جاؤں؟ (قریب جاتا ہے)

(موت کے دیوتا کے قاصدوں کا افسر اعلیٰ یمدوت کچھ چیلا دوں کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔ اسٹیج کے پیچھے کچھ تھوڑی سی اونچائی پر انہیں متحرک دکھایا گیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ وہ غیر فانی مخلوق ہیں)

یمدوت: سنو! دھرتی کا یہ وہ بھاگ ہے جہاں موت کے دیوتا کی آگیاں کے انوسار ہمیں کام کرنا ہے۔ یہ رہے ان لوگوں کے نام جنہیں آج بلایا گیا ہے۔ کشمتا کو تیاگ، کر موقع دیکھ کر، دیکھے سے جیسے ہی ان کا جیون سمے سماپت ہو، ان کی آتمائیں شریر سے نکال کر میرے پاس لے آؤ — اہا! یہ ادھر کیا ہو رہا ہے۔ باغ میں کوئی ناچ رہا ہے؟

پہلا خادم : وہ وسنتی ہے، ایک لڑکی !

یمدوت : کتنی معلومات ہے تمہیں ! تم نے اسے کیسے پہچانا۔ ؟

پہلا خادم : موت کے بعد تو ہمیں کچھ یاد نہیں رہتا، ہاں پرآتما یاد ہے۔ اس سنسار کے جیون میں میں اس کا پڑوسی تھا۔ اور اس سے بے انتہا پریم کرتا تھا۔ پر جب اس نے میرے پیار کو سویکار کیا تو میں نے آتم ہتیا کر لی۔

یمدوت : چلو اچھا ہے۔ تم نے ہمارا کام آسان کر دیا۔ اس کی آتما نکالنے کا کام میں تمہیں سونپتا ہوں۔ کرم سوچی کے انوسار اس کا جیون پورا ہے۔ تم سانپ کا روپ دھارن کرو۔ اسے کاٹو اور اپنی اپنی اچھائیں پوری کرو۔

پہلا خادم : دھنیہ واد۔ ایسا کرتے ہوئے میں بہت پرسنن ہوں گا۔

یمدوت : اب ہمیں اپنے راستے چلنا چاہیے۔ اپنے کام کا طریقہ سوچ لو۔ کام ہو جانے کے بعد پھر یہیں جمع ہو جانا (ایک کے سوا سب جاتے ہیں)

وسنتی : پھول بہت سندر ہیں۔ تھوڑے سے جمع کر لیے جائیں۔ (جاتی ہے)

شندیلیا : وہ پھول توڑنے جا چکی ہیں۔ مجھے ان کے پیچھے جانا چاہیے۔ آنکھوں کے لیے کیا دعوت ہے ! (بچاریوں سے) گروجی ! معلوم ہے آپ کیا کھو رہے ہیں ؟

پہلا خادم : یہ صحیح اوسر ہے میرے لیے۔ مجھے اب سانپ کا روپ دھارن کر لینا چاہیے۔ (جاتا ہے)

شندیلیا : واہ، کیا سندرتا ہے ! آنکھیں جیسے کنول کی پنکھڑی۔ گندھے بال، جیسے بل کھایا ناگ !

وسنتی : اے بھگوان، میری رکھشا کر۔ شاید کوئی ناگ تھا جس نے مجھے کاٹ کھایا۔

شندیلیا : کیا ؟

وسنتی : (باہر آتی ہے۔ پیچھے لتیکا ہے) اسے میں مری۔

لتیکا : پھول کے پیڑ سے جاتے۔ ایک بڑا سانپ میں نے بھی دیکھا ہے۔

وسنتی : اب میں گر جاؤں گی۔ ہائے میں مری۔

شندیلیا : سندرتا کی یہ مورت کیسے مر سکتی ہے۔ ؟

لتیکا : کون ہو تم ؟ کوئی سادھو، جوگی، مہاتما !

شندیلیا : ہاں میں ایک مہان آدمی ہوں

لتیکا : میری مالکہ کو بچا لیجیے۔ یہ مر رہی ہیں۔

شندیلیا : گروجی ! سن رہے ہیں آپ۔ سانپ نے اس ولیشیا کو ڈس لیا۔ اسے بچا لیجیے گروجی !

پجاری : اس کا جیون سمئے سماپت ہو چکا۔ یہ اس کا آخری وقت ہے۔

لتیکا : وسنتی دیوی ! اب آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں۔

وسنتی : لگتا ہے جیسے تین گھوم رہے ہیں۔ ہر دئیے جیسے تھم گیا ہے۔ زبان باہر آ رہی ہے۔ آہ میں نیند کی سی کیفیت محسوس کر رہی ہوں۔

لتیکا : تو سو جائیے ہو سکتا اس سے کچھ لابھ ہو۔

وسنتی : یہ میری آخری نیند ہو گی۔ میری پترا چھائیں اور پیار، میری ماتا جی اور مالک تک پہنچا دو۔ ہائے اب میں نہیں رہی۔

[illegible]

شسند یلیا: اس نے کہا میں زندہ نہیں رہنا۔

پہلا خادم: (داخل ہوتا ہے) واہ! ڈسنے میں کیا مدھر مٹھاس تھی۔ اس آتما کو حاکم کے حوالے کر دینا چاہیے۔ (جاتا ہے)

شسند یلیا: گرو جی! ویشیا مر گئی۔ اس نے جان دے دی۔

پجاری: بے وقوف! کوئی منش اپنی جان دینا نہیں چاہتا۔ یہ تو جان ہے جو جسم سے اپنا پیچھا چھڑا لیتی ہے۔

شسند یلیا: اوہ۔ لعنت ہے آپ پر۔ ایسے سمے پر فلسفیانہ بکواس۔ ظالم۔ سنگ دل کہیں کے۔

پجاری: کیا بکواس کر رہے ہو تم!

شسند یلیا: مجھے آپ سے نفرت ہے، میں آپ کو گالیاں دوں گا، پریشان کروں گا۔

پجاری: ٹھیک ہے۔ تم جو بن پڑے کر دیکھو۔

شسند یلیا: شما کیجیے۔ میں بہت جذباتی ہو گیا تھا۔ کرپا کیجیے گرو جی۔ میرے ساتھ آئیے۔

پجاری: لیکن کیوں؟

شسند یلیا: وہ ہم میں سے ایک ہے: ہماری ہے۔

پجاری: ہماری ــ کیسی عجیب بات ہے ــ بکواس!

شسند یلیا: وہ یوگی سمان ہے۔ ویشیا کبھی کسی ایک کی ہو کر نہیں رہتی۔ جیسے یوگی کسی سے سمبندھ نہیں جوڑتے

پجاری: ٹھیک ہے۔ لیکن وہ بیسیوں سے تو سمبندھ رکھتی ہے اور اسے دھن اور صرف دھن سمجھ کر جمع کرتی ہے۔

شسند یلیا: آپ کے من میں جو آئے کیجیے۔ میں اس دشا میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ میں اس پر دھیان دوں گا۔ میں جاتا ہوں۔

پجاری: تم اس کے پاس جانے کی ہمت نہ کرو شسند یلیا! یہاں آؤ۔

شسند یلیا: کرودھ نہ کیجیے۔ آپ ایک یوگی ہیں ــــ میں اس ویشیا کا ساتھ دوں گا

لتیکا: اپنی عالمانہ بحث کے بعد آپ نے کیا طے کیا؟

شسند یلیا: پریم!

لتیکا: پریم! آہا مجھ سے ــــ ہاں میں جانتی ہوں یوگی سب سے پریم کرتے ہیں۔

شسند یلیا: اے جوان ناری! کیا میں اسے چھو سکتا ہوں!

لتیکا: آپ کیوں نہیں! یوگی اور وہ بھی آپ کے سمان! کون جانے یہی ان کی نجات کا کارن بن جائے۔

شسند یلیا: او ہو سنتی! کتنی سندر ہو تم! (اس کے پاؤں چھوتا ہے)

لتیکا: یہ تو پاؤں ہے۔ کیوں ان کا پاؤں چھوتے ہیں آپ؟ سر کیوں نہیں؟

شسند یلیا: ارے ہاں! میں تو ہوش و حواس کھو بیٹھا ہوں۔ یہ بھی نہیں سمجھ پایا کہ سر کیا ہے اور پاؤں کیا؟ ہے بھگوان! کتنے شرم کی بات ہے میں اسے اس سمے نہیں پا سکا جب وہ جیوت تھی۔

لتیکا: (خود سے) جاؤں کسی کو لے آؤں (شسند یلیا سے) مہان پرش! کیا آپ اتنی کرپا کریں گے کہ ان کا دھیان رکھیں۔ میں ان کی ماتا جی کو لے آؤں۔

شسند یلیا: جاؤ۔ جلدی جاؤ ــــ میں ان سبھوں کے لیے ماتا سمان ہوں جن کی کوئی ماتا نہیں۔

لتیکا: کتنے مہربان اور دیالو ہیں آپ! (جاتی ہے)

شسند یلیا: اب میں رو سکتا ہوں۔ اپنے دکھ کا پھیلاؤ کر سکتا ہوں۔ آہ۔ تم چاند سمان کنول جیسی نرم اور پوتر،

جیسے آکاش کی شردھا ہوا کومل جیسے پیڑ کی پتلی شاخ، آہ وسنتی! تم کتنی سندر ہو۔ (روتا ہے)

بھاری: ہنگرو شنڈیلیا! تم میری تپسیا میں بادھا بن رہے ہو۔

شنڈیلیا: یہاں پڑی ہے آپ کی تپسیا کی زندہ تصویر، انتر گیان کا ذریعہ اور اس کی مکمل صورت!

بھاری: بکھرا ہو جاتا ہے، یہاں آؤ، اور پڑھائی شروع کرو۔

شنڈیلیا: آپ مجھ میں سے دور رہیے۔ آپ نے مجھے پتھر بنا دیا ہے، دکھوں میں گرفتار کیا، چٹان کی طرح سخت بنا دیا اور اب میں ایک پل میں پگھل گیا۔ میں ایک منشیہ ہوں، صرف منشیہ۔

بھاری: لیکن تمہارے گیان کا کیا؟

شنڈیلیا: نرک میں جائے گیان۔ اس سمے میں کسی انسان کی طرح جذباتی ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ آپ بھی انسان کی طرح برتاؤ کریں۔ مجھے کھو دیجئے سوامی۔ ادھر دیکھئے۔

بھاری: آخر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟

شنڈیلیا: کچھ نہیں —— آپ سے کوئی لابھ نہیں۔ تمام یوگیوں کو کسی سے کوئی لابھ نہیں۔ کہاں ہے آپ کا گیان، آپ کی شکتی سینکڑوں اور ہزاروں باتوں میں اپنی تعریف اور بڑائی، مردوں کو دوبارہ جیوت کرنے، دم توڑتے ہوؤں میں جان ڈالنے اور بوڑھوں کو جوان کر دینے کا دعویٰ

بھاری: ان تمام شکتیوں کا اپیوگ ایک ویشیا کے لئے!

شنڈیلیا: بھگتی کی نگاہ میں سب سمان ہیں۔ جب وہ مر گئی تو پھر کیسی ویشیا! —— اوہ کتنی سندر ہو تم —— موت بھی تمہاری سندرتا سے پیار کرتی ہے۔ تمہیں نہیں چھوڑتی —— اوہ وسنتی! (روتا اور سسکیاں لیتا ہے)

بھاری: مجھے دیکھنا چاہیے، پستکیں کیا کہتی ہیں —— یہ جاہل، بے وقوف ہے، اپنے گرو تک کو بھول گیا اور اسی کا دکھ ہے۔ مجھے کتاب کا ایک بھاگ اور ایک چھند یاد آیا۔ لکھا ہے کہ اگر چیلا مصیبت میں ہو تو گرو اس پر دیا کر سکتا ہے۔ ایک دوسرا قانون بھی ہے دیا کے جذبے کے تحت تم کچھ بھی کر سکتے ہو۔ (چیلے کی طرف جاتا ہے) سنو! دکھوں نے تمہارے سوچنے کی شکتی چھین لی ہے۔ بتاؤ میں کیا کروں! کسی کے جسم میں پرویش کرنے، اپنی آتما کو اس پر ڈال دینے اور اس کی اور اپنی آتما کو ایک دوسرے سے بدل لینے کی شکتی کا گیان میں جانتا ہوں۔ یہ شنڈیلیا کے لیے ایک اچھی برکت اور اچنبھے کی بات ہوگی۔

(وہ ایک کونے میں جاتا ہے، مخصوص انداز میں بیٹھ کر کچھ گانا شروع کرتا ہے)

میرے پران، میرے جیون اس طرف جاؤ۔ میری شکتی، میرے بل ادھر جاؤ —— ادم!!

(وہ اسے دہراتا ہے، اشاروں میں ادا کرتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ گرتا ہے اور وسنتی زندہ ہونے لگتی ہے)

وسنتی: ارے میں!! او شنڈیلیا! تم یہ کیا کر رہے ہو، چلو اٹھو۔

شنڈیلیا: ارے یہ تو ہی ادھر آ رہا ہے۔ وہ زندہ ہو گئی۔ کتنے اچنبھے کی بات ہے۔

وسنتی: شنڈیلیا!

شنڈیلیا: بولو کیا آگیا ہے تمہاری۔

وسنتی: نہیں، مجھے چھوؤ نہیں۔ تم نے مردہ شریر کو چھوا ہے، جاؤ پہلے نہا آؤ۔

شنڈیلیا: ہے بھگوان! یہ صفائی کی بات کر رہی ہے!

وسنتی: جاؤ اس جھرنے پہ نہا آؤ۔ اور اپنی پڑھائی اور تپسیا میں لگ جاؤ۔
شنڈیلیا: تمہارے ساتھ کیسی پڑھائی اور کیسی تپسیا!!
وسنتی: تم ایک دم لاپرواہ ہوتے جارہے ہو۔ بس اب اپنی تپسیا شروع کردو۔
شنڈیلیا: ہے بھگوان، میں کہاں آگیا۔
وسنتی: ہمیشہ کی طرح تم اب بھی موہ مایا میں گھرے ہوئے ہو۔
شنڈیلیا: سندر ناری! اس طرح کی باتیں تمہارے منہ سے شوبھا نہیں دیتیں۔
وسنتی: میرے شریر پر یہ زیور کس نے چڑھا دیئے۔ لے جاؤ انہیں۔
(ایک ایک کرکے تمام گہنے اتار پھینکتی ہے)
شنڈیلیا: اوہ۔ وہ ان قیمتی گہنوں کو اپنے سے الگ کر رہی ہے۔
وسنتی: شنڈیلیا۔ میری لکڑی اور مالا لے آؤ۔
شنڈیلیا: بھگوان چھما کرے یہ اپمان! (وہ تپسیا کرنے کے انداز میں بیٹھ جاتی ہے۔
کہاں ہیں میرے گروجی۔ مجھے اس دھوکے سے بچائیے ــــ مائیں، ایسا لگتا ہے مرگئے۔ ہے بھگوان دیا کر۔ کتنے اچنبھے کی بات ہے۔ گیانی بھی مرجاتے ہیں ــــ ہے گروجی میری رکھشا کرنے والے۔ میں آپ کے بغیر کیا کرسکتا ہوں۔ میں آپ کو تو برداشت کرسکتا ہوں۔ لیکن یہ سب نہیں۔
وسنتی: تم بے وقوف ہو۔
شنڈیلیا: ہوں
وسنتی: مردہ شریر پر آنسو نہیں بہاتے
شنڈیلیا: ہے بھگوان! اب میں کیا کروں۔ میں نے دونوں کو کھو دیا۔ پجاری اور ویشیا دونوں کو۔ (لتیکا اور وسنتی کی ماں داخل ہوتی ہیں)
ماں: ہائے، کہاں ہے میری پیاری بیٹی۔
لتیکا: یہاں، اس باغ میں، لگتا ہے ان کی طبیعت پہلے سے اچھی ہے۔ آپ کی ماتاجی ــــ کتنی پریشان تھیں۔ یہ
ماں: ہے بھگوان، تو نے بڑی دیا کی مجھ پر ــــ آ میری بچی۔ کیسی ہے تو؟
وسنتی: اے بڑھیا۔ مجھے ہاتھ نہ لگا۔
ماں: ہے بھگوان! لگتا ہے زہر نے بُرا اثر کیا۔ اس کی بدھی ہی خراب کردی۔
وسنتی: بدھی! ساری اچھائیاں اسی میں ابھرتی ہیں۔ اس لیے یہ دریل ہے ــــ اے عورت! اس پر قابو رکھو۔
ماں: میری بدھی! جلدی جاؤ۔ اس سے پہلے کہ اس کا دماغ بالکل خراب ہوجائے، وید کو لے آؤ۔ ہے بھگوان! مجھ پر دیا کر۔
وسنتی: بھگوان تم پر کیسے دیا کرسکتا ہے۔ تم جس کی ہمیشہ یہی اچھا رہی کہ شہر کے دھن وانوں میں اپنی لڑکیاں تقسیم کردو
ماں: تم اپنی زبان بند رکھو۔ کتنی نڈر ہوگئی ہو تم۔!
وسنتی: تم نے اپنی لڑکی کو بیچی سولہ گر ــــ نہیں بلکہ چونسٹھ گر سکھائے۔
ماں: ہے بھگوان!
وسنتی: ہاں یاد کرو بھگوان کو اور مجھے بھی ــــ اور اب میری تپسیا میں بادھا نہ ڈالو (وسنتی تپسیا کے انداز میں بیٹھ جاتی ہے)

شنڈیلیا: تم اس سندر لڑکی کی ماں ہو؟

ماں: ہاں۔ میں ہی ہوں وہ ابھاگن۔ کیا تمہیں اس کی بیماری پر وشواس نہیں؟

شنڈیلیا: میں کیسے وشواش کروں، میں خود پاگل ہو گیا ہوں! کچھ پاگل تو چارواک نے کر دیا تھا۔ رہی سہی کسر اس نے پوری کر دی۔

ماں: آہ! یہ مہان گیانی جا چکا۔

شنڈیلیا: سوگ میں ——— اب شاید وہ واپسی کے بارے میں نہ سوچے۔ ہائے میں کیا کروں؟

(رمالک اور مدھورلکا داخل ہوتے ہیں)

ماں: رمالک! تم ہی اب ہمیں اس دردشا سے بچا سکتے ہو۔

مدھورلکا: کیا بات ہے؟

ماں: یہ پاگل ہو چکی ہے، تمہاری پیاری وسنتی۔

رمالک: عجیب منظر ہے۔ کونے میں ایک یوگی مرا پڑا ہے، لوگ اس کا سوگ منا رہے ہیں۔ ادھر وسنتی تپسیا میں کھوئی ہوئی ہے ——— خیر دیکھوں تو۔۔

ماں: میں نے وید جی کو بلا بھیجا ہے۔

رمالک: اس کی ضرورت نہیں، میں خود وید ہوں۔ پیاری وسنتی! مجھ سے منہ نہ پھیرو۔ میں تھوڑی پینے پلانے چلا گیا تھا تاکہ میں ——— میں کر سکوں۔

وسنتی: نرک میں جاؤ۔ شراب، عورت اور بہار تمہیں تباہ کر دے گی۔

رمالک: یہاں باغ میں نخرے نہ دکھاؤ۔ اکیلے میں یہ سب اچھا لگتا ہے۔ چلو اٹھو میری جان!

وسنتی: مجھے مجھو ؤ مت گندے کتے۔!

مدھورلکا: یہ کیا بکواس ہے!

ماں: سانپ کاٹنے کے بعد یہ ہو گئی ہے اس کی دشا!

رمالک: وہ سانپ نے اسے کاٹ کھایا۔ اب سمجھا۔ لیکن سانپ کاٹنے کے بعد تو اسے مر جانا چاہیے تھا۔

لتیکا: یہی تو ہوا تھا جناب! لیکن ایسا دماغ لے کر وہ پھر جی اٹھی۔ اور اس نے اپنے سارے گہنے بھی اتار پھینکے

رمالک: ایسا لگتا ہے کوئی بھوت اس کے شریر پر چھا گیا ہے۔

ماں: جتنی جلدی اس بھوت کو بھگایا جائے اچھا ہے۔

رمالک: وسنتی۔

وسنتی: میں نے کہا پریشان نہ کرو۔

رمالک: میں ونتی کرتا ہوں، بتاؤ کہ تم کون ہو؟

وسنتی: کیا ہمیشہ کوئی اپنے آپ کو جانتا ہے؟ جب ہر چیز جانی بوجھی ہو تو پھر جاننے کے لیے رہے کیا؟ اگر کوئی ہر انجانی چیز کو جان لے تو پھر اس کے جاننے کے لیے بچے کیا؟ جو یہ نہیں جانتا کہ جانی اور انجانی سچائیاں کیا ہیں، وہ انھیں

کبھی نہیں جان سکے گا۔ میں کون ہوں؟ میں کیا ہو سکتی ہوں؟ کون کہہ سکتا ہے کہ کون کیا ہے؟ اس لیے خود اپنی آتما کی کھوج کرو۔

رمالک: بس بہت ہو گیا ——— اب سمجھا مجھے کیا جاننا چاہیے۔

ماں: کیا؟ مجھے بھی بتاؤ۔

رمالک: اس پر بھوت سوار ہے، آسیب ہے، تکلیف کی ماری ہے، اس لیے دماغ چل گیا ہے۔

لتمکا: یہ لو، مشہور اور مہان وید آگئے۔

رمالک: آپ کا نام؟

بناسپتی: بناسپتی

رمالک: بناسپتی یعنی سبزیاں۔

بناسپتی: یہ میرا نام ہے، بیمار کہاں ہے؟

رمالک: یہاں ہے یہ رہی۔

بناسپتی: کون کہتا ہے اسے سانپ نے کاٹا۔ یہ اب تک مر چکی ہوتی۔

رمالک: ایسا ہی ہوا۔ لیکن یہ زندہ ہے، اور اچھی طرح زندہ ہے۔

ماں: وید جی! میں دکھیاری اس کی ماں ہوں۔ اسے اچھی طرح دیکھیے۔ اس کے دماغ میں کچھ خرابی ہو گئی ہے۔

وسنتی: دماغ کی خرابی! میرے پاؤں کی دھول! خود اپنے آپ کو دیکھو۔ مریل، بوڑھی کتیا!

بناسپتی: ذرا نبض دیکھوں۔ پھر پتہ لگ جائیگا حقیقت کیا ہے۔

وسنتی: حقیقت اپنے تھوڑے سے گیان کے سہارے بہت نہ کرو۔ حقیقت بے کنار ہے، اس کا کوئی چھور نہیں۔ وہ وشال ہے۔ جانچ اور ناپ، دھیان، گیان اور بیان سے باہر ——— اتھاہ ———

بناسپتی: ہے بھگوان! زبان میں اتنے سارے شبد!! کہا کرو۔ اپنی نبض دیکھ لینے دو۔

وسنتی: بہتر ہوگا تم اپنے دل میں دھیان کرو۔ غلط جانچ اور غلط دوائیں دے کر اب تک کتنوں کو مار چکے ہو؟

بناسپتی: کسی کو نہیں۔ بلکہ مرتے ہوؤں کو میں نے جیون دیا۔

وسنتی: ہاں، اور انھیں مارتے ہو جو جیوت ہیں۔ مردہ نہیں۔ مجھ سے دور رہو۔

بناسپتی: یہ ٹھیک کہتی ہے۔ ہمیں دور رہ کر اس پر دھیان رکھنا چاہیے۔ آپ سب ایک طرف ہو جائیے۔ پھر میں کوئی دوا بتاؤں گا۔

(سب ایک طرف ہٹ کر اس پر نظر رکھتے ہیں ——— دکھوں کا مارا چیلا پجاری کے پاس ہے۔ یہ دوت کا پہلا خادم داخل ہوتا ہے)

پہلا خادم: یہ عجیب بات ہے۔ جب بھی کبھی خاص انتظام کرنا ہوتا ہے، کوئی نہ کوئی غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ اس مرتبہ میری کوئی غلطی نہیں ——— یہ تو میرے آفیسر نے غلطی کی۔ اس نے ایک غلط نام چن لیا۔ لیکن وہ بھی کیا کر سکتا ہے؟ ضیا طوالفوں اور دیشیاؤں سے بھری پڑی ہے۔ اور انھوں نے اپنے نام بھی تقریباً ایک جیسے رکھ لیے ہیں پھر بھی

ایک غلط آتما کو نکال لینے کا حکم دیا گیا ـــــ ہائیں - یہ کیا -؟ وہ مری نہیں - اب سمجھا - پجاری بے چین ہوا اور اس نے اپنی آتما اس کے شریر میں ڈال دی ـــــ خیر مجھے کیا لینا دینا - میرا کام تو یہ ہے کہ اس آتما کو بس لوٹا دوں - پھر وہ جانے اور اس کا بھوشیہ - ٹھیک ہے - میں اپنا یہ کام کر دوں -

(وہ وسنتا کی آتما پجاری میں ڈال دیتا ہے - پجاری میں اٹھ بیٹھنے کی تحریک پیدا ہوتی ہے -)

پجاری : ارے ! میں کہاں ہوں !

شندیلیا : اہا - کتنا بھاگوان ہوں میں ! میرے گرو جیوت ہیں -

رمالک : او فیہ یہ زندہ ہیں - ہمارے مہان پجاری

پجاری : مدھوریکا ! میں بہت پرسن ہو کر رمالک آ گئے - یہاں آئیے ، میرے پیارے ! اتنی دیر کیوں لگا دی ! (وہ اٹھ بیٹھتا ہے اور عورتوں کے انداز میں چلتا ہے - اور وسنتی کے چھینکے ہوئے گہنے پہننے لگتا ہے)

رمالک : یہ کیا -؟

شندیلیا : ہائے ، دنیا بدل گئی ، میں کیا دیکھ رہا ہوں ، وہ ہاتھ جنھیں لوہے کر لکڑی تھامنا چاہیے ، سونے کے کنگن پہن رہے ہیں !

پجاری : پیارے رمالک ! میں آپ کی جدائی میں مر رہی ہوں - مجھے اپنے سینے سے بھینچ کیوں نہیں لیتے ؟

رمالک : کیا بدتمیزی ہے ، چھٹانا ہے تو اس مال کو گلے سے چمٹاؤ - مجھے نہیں ـــــ مجھے نہیں ـــــ

(دونوں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ہیں ، ایک فرار اختیار کرنے کے لیے تو دوسرا گلے لگانے کے لیے)

پجاری : رمالک ! آپ نے تو شہر میں خوب پی ، اور میں یہاں مری جا رہی ہوں آپ کے پریم کی شراب کے لیے -

شندیلیا : کیا ؟ میرے گرو جی یہ شبد کہہ رہے ہیں ! اب میں کس راستے پر چل سکتا ہوں -

رمالک : بناسپتی صاحب ! آپ وسنتی کی نبض تو نہیں دیکھ سکتے - کرپا ہوگی ، یہاں آئیے اور اس کی نبض دیکھیے -

(شندیلیا ان دونوں سندریوں کی طرف چل دیتا ہے اور ان کے ساتھ کھیلنے لگتا ہے)

رمالک : مہان وید صاحب ! آپ کسی بھی طرح یہ سمسیا حل کیجیے -

بناسپتی : یہ سب بھگوان کی لیلا ہے - اسے سمجھنا اور حل کرنا میرے بس کی بات نہیں - میں اپنی فیس بھی چھوڑتا ہوں ـــــ میں چلا

(چلا جاتا ہے)

لتیکا : تم طے کر لو کس سے پریم کرتے ہو - مدھوریکا سے یا مجھ سے - دونوں تمہارے ہاتھ نہیں آئیں گی -

وسنتی : شندیلیا ! تم ان عورتوں کے ساتھ کیا اٹھکیلیاں کر رہے ہو - شیطان کے بچے ! یاد رکھو ، وہ تمہیں نرک میں پہنچا دیں گی -

رمالک : ذرا سوچو - یہ وسنتی کہہ رہی ہے -!

شندیلیا : وسنتی دیوی ! تم کیوں جلتی ہو - سچ تو یہ ہے ، میں تم سے پریم کرتا تھا - لیکن تم نے فلسفہ بگھارنا شروع کر دیا -

وسنتی : فوراً یہاں آؤ - بیٹھو اپنا پاٹھ یاد کرو -

شندیلیا : ہے بھگوان ! یہ میری گرو ہے یا پریمیکا -

رمالک : نہیں جناب - بچا لیجیے - میں پریم کے بینا تک نہیں سہن کر سکتا - یہ انسانیت کے خلاف ہے ، منشا کے ودھ ہے ، اپرادھ ہے ، اسبھو ہے -

ماں : لگتا ہے - اب میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھوں گی -

وسنتی: (پجاری کی طرف بڑھتے ہوئے بھیری آنچ کی تپسیا سماپت ہوئی (پجاری کی طرف دیکھ کر) تم نے میرے چیلے کو مصیبت میں پھنسا دیا۔ تم خود کو کمرہ میں بند کیوں نہیں کرلیتے۔ وہیں اپنے چاہنے والوں کے ساتھ رنگ رلیاں مناؤ۔

پجاری: ہم اس جیون اور اس کی رنگ رلیوں پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں۔ اگر زندگی کا مزہ لوٹنے تم بھی ہمارے ساتھ آنا چاہو تو میں منع نہیں کروں گی۔ ہم تمہارا بھی دل بہلا سکتے ہیں۔

وسنتی: تمہیں جو کرنا ہے۔ اپنے گھر کرو۔ ان باغوں میں ایسی حرکت کیوں کرتے ہو، جہاں لوگ آتے جاتے ہیں؟

پجاری: کیوں کہ یہاں لوگ ہیں —— پھر بہار کے اس موسم میں کوئی اور کہاں جا سکتا ہے؟

وسنتی: جانتے ہو، یہ بہار، جوانی سمان بہت کم دن باقی رہنے والی ہے۔

پجاری: اور کیا تمہیں معلوم ہے جوانی واپس نہیں لوٹتی، پر تو یہ بہار، ہر بار واپس آتی ہے۔ ہم بہار میں جوانی کا مزہ لوٹنا چاہتے ہیں۔ اسی لیے گاتے ہیں ناچتے ہیں (ناچنے لگتا ہے)

اے جوان سندر لڑکیو! میرے ساتھ آؤ۔ یہ جوانی کا تہوار ہے۔ (وہ سب مل کر ناچتے ہیں۔)

شنڈیلیا: واہ۔ وہ ناچ رہا ہیں تو میں کیوں نہ ناچوں۔

وسنتی: نہیں ——

(یمدوت اپنے خادم کے ساتھ داخل ہوتا ہے)

یمدوت: یہ کیا! عورت پجاری کے روپ میں اور ایک پجاری بے وقوفیاں کرتا ہوا؟

پہلا خادم: ہاں یہ ہماری غلطی کا نتیجہ ہے۔ میں نے آگیا کا پالن کیا اور وسنتی کی آتما نکالی۔ پر تو پجاری نے موقع کا فائدہ اٹھایا اور اپنی آتما اس کے شریر میں ڈال دی۔

یمدوت: اہا۔ یہ منشیہ بھی ہمارے لئے تفریح کا سامان مہیا کر سکتے ہیں۔ (وقفہ)

رمالک: اگر یہ بدتمیزی یوں ہی چلتی رہی تو میں ابھی یہاں سے چل دوں گا۔

ماں: ہے بھگوان! اس درجا گیہ سے تو موت ہی چھٹکارا دلا سکتی ہے۔

یمدوت: بس بہت ہوا۔ اب ہمیں جانا چاہیے۔ منشیہ کے مٹنے والے جیون کی ان دو بالکل وِردھ حالتوں کی بدل دینا ہے ٹھیک ہے۔

(وہ ایسا ہی کرتا ہے۔ دونوں زمین پر گر پڑتے ہیں۔ پھر جیوت ہو کر آہستہ آہستہ اٹھتے ہیں)

رمالک: یہ کیا! دونوں پھر بے سدھ ہو گئے۔

شنڈیلیا: یا شاید مر گئے۔ ہائے میں مصیبت میں پھنس گیا۔

رمالک: وہ کیسے ——؟

شنڈیلیا: پجاری یا وِلشیا کے بغیر مجھے رہنا پڑے گا۔

وسنتی: میرے رمالک کہاں ہیں؟

رمالک: ہاں میں یہاں ہوں، میری جان!

پجاری: شنڈیلیا!

شنڈیلیا: میں کس کے پاس جاؤں؟

ماں: بھگوان تیرا بڑا اپکار! اب وہ دونوں اپنے اصل روپ میں آ چکے ہیں۔

رمالک : پیاری وسنتی! میرے ساتھ آؤ۔ چلو گھر چلیں۔ یہ باغ ملاپ کے لیے اچھی جگہ نہیں۔

(وہ جانے لگتے ہیں۔ ماں اور لڑکیاں بھی ان کے پیچھے چل دیتی ہیں)

ماں : وسنتی! تم بتا سکتی ہو، یہ سب کیا تھا؟

وسنتی : یہ جاننا ہے تو اس مہان پجاری سے پوچھئے۔

شنڈلیا : گرو جی! بتائیے یہ سب کیسے ہوا؟

پجاری : یہ ایک بڑی لمبی کہانی ہے۔ جو کچھ ہوا، شاید اس کی وجہ بھوک تھی۔ آؤ پہلے کچھ کھانے پینے کا پربندھ کریں تاکہ سکھ چین کی نیند نصیب ہو۔ (دونوں جاتے ہیں)

(پردہ گرتا ہے)

مصنف ـــــــ واراروچی (سنسکرت)
مترجم ـــــــ چمن لال مہتا (انگریزی)
مترجم ـــــــ ابراہیم رنگلا

دوپرمی

ایک دوسرے کی کھوج میں !

چند سطریں ڈرامے کے بارے میں

یہ ڈرامہ" بھان "کہلاتا ہے۔ بھرت نے سنسکرت ڈرامے کو دس قسموں میں تقسیم کیا ہے :۔
ناٹک، پراکرن، سماواکر، ڈیم، ایہام ریگا، انکایا انکاوتار، پراہسان، ڈتھی، ویوگا اور بھان۔
بھارت نے بھان کو بھی دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک وہ جس میں ہیرو اپنے تجربے بیان کرتا ہے یعنی آپ بیتی۔ اور دوسرا جس میں دوسرے افراد کے تجربے پیش کرتا ہے یعنی جگ بیتی سُناتا ہے۔ دونوں طرح کی بھان میں صرف ایک کردار ہوتا ہے۔

بھان کی اہم خصوصیات یہ ہیں :

(۱) یہ ایک کرداری ڈرامہ ہے جس میں سوتر دھار (مینجر) ڈرامے کا ٹائیٹل بتاتا ہے۔ کردار کا نام "وِٹ" ہوتا ہے۔

(۲) وِٹ پر پورے شو کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ وہ گاتا ہے، ناچتا ہے، نقل اُتارتا ہے، تخیلی راہ گیروں سے باتیں کرتا ہے۔ ان تخیلی افراد میں حسین نوخیز دوشیزائیں بھی ہوتی ہیں، تجربہ کار طوائفیں بھی اور مختلف طبقوں اور پیشوں کے لوگ بھی۔

(۳) ایکٹر اسٹیج پر چلتے ہوئے بہت ساری گلیوں، چوباروں اور شاہراہوں سے گزرتا ہے۔

(۴) وہ دوسرے افراد کے جواب اور ان کے سوال بھی خود پیش کرتا ہے۔

(۵) یہ ایک ہی وقت میں اچھا بدمعاش، فیاض جعل ساز، رحم دل لفنگا اور حسینوں کے بستر گرم کرنے میں ماہر ہوتا ہے۔

سوتردھار: (اسٹیج پر آ کر) خوش آمدید! اس سے پہلے
کہ ڈرامے کا اہم اداکار ایک جوکر، آپ کے سامنے
آئے، میں آپ لوگوں کو آشیرواد دیتا ہوں کہ بھگوان
کرے آپ کی روٹھی ہوئی محبوبہ جسے آپ نے چھوڑ دیا
تھا آپ سے کبھی نہ ٹھنکے۔ اس کا سوال نہیں کہ
میں تمہاری اور تم میرے کیا ہو، فوراً اس دلیز سے باہر
نکل جاؤ۔ میں پورے ہوش میں ہوں اور صاف دیکھ
رہی ہوں کہ تمہارے گالوں پر دانتوں کے نشان بنے
ہیں۔ یقیناً یہ تمہاری محبوبہ کی نشانی ہے۔ جاؤ، آج
وہ تم سے روٹھی ہے۔ اسے مناؤ، اس کا جی بہلاؤ۔
(باہر چلا جاتا ہے اور وٹ اندر آتا ہے)
وِدُشک: موسم بہار شباب پر ہے۔ کتنا حسین موسم ہے۔ آم
کے جھاڑوں پر کوئلیں کوک رہی ہیں۔ باغوں میں جھولے
پڑے ہیں، ہوش اڑانے والی چاندنی بکھری ہے۔
ایسے موسم میں تو کام دیو کا من بھی للچائے۔ آج کے
دن پریم کرنے والے ہر طرح کے چٹکلے اور مذاق
برداشت کریں گے۔ پریم پتر لانے والے قاصد اس
طرح اکڑ کر چلیں گے جیسے وہ مہاراجے ہوں۔
بسنت رُت کا راج ہر دل پر ہے۔ دیکھوں کس
چیز کی کمی ہے۔ کوئی کمی نہیں — موتی، ہیرے،
چندن پیڑ — ہر وہ چیز جو مُردے میں بھی رُوح
پھونک دے یہاں موجود ہے۔
ذرا سوچئے، ایسے سہانے سمے کو پیرودت جو بیوپاریوں
کے راجہ ساگردت کا بیٹا ہے اپنی پریمیکا مادھوی رتنا
سے جھگڑ بیٹھا ہے۔ کو پیرودت نے اپنے نوکر سے کہلا
بھیجا ہے کہ مجھے ایسے جھگڑے کو ختم کرانا ہے جھگڑے
کی وجہ؟ کچھ نہیں۔ یا پھر بہت معمولی ہے۔ ایسا ہوا

کہ کوئی لڑکی کام دیو کے مندر میں ناچ رہی تھی، اور میرے
دوست نے اس کی تعریف کر دی۔ بس، پھر آپ
جانتے ہی ہیں کہ عورتیں کتنی شکی مزاج ہوتی ہیں۔ اس
کی محبوبہ ناراض ہو گئی جو اس کے ساتھ تھی ناراض ہو
گئی اور باہر جانے لگی۔ یہ بھی خبر ملی کہ بیچارے
کو پیرودت نے معافی مانگنے کی کوشش کی، اس کے
پیروں پر گر پڑا۔ معاملہ اور بگڑ گیا۔ وہ روٹھ کر چلی گئی۔
اور اب میں دونوں کے بیچ صفائی کرانے جا رہا ہوں۔
— پہلے میں اپنے بارے میں کچھ بتا دوں —
جب میں اس مہم پر روانہ ہونے والا تھا کہ میری معصوم بیوی
جو کافی کم عمر ہے یہ سمجھ بیٹھی کہ میں اپنے پیار کا پیام
لئے جا رہا ہوں۔ اس نے اس بات کا بھی خیال نہیں کیا
کہ میں عمر میں اس سے بہت بڑا ہوں۔ اس لئے میرا
پہلا فرض یہ تھا کہ میں اسے سمجھاؤں، مناؤں۔ لیکن
ایک سمجھدار، چالاک، حسین اور زندگی سے بھرپور
عورت کو کون سمجھا سکتا ہے، منا سکتا ہے۔ اس لئے
ایک لفظ کہے بغیر میں وہاں سے نکل آیا۔
کتنا پیارا شہر ہے، کیسی صاف سڑکیں
ہر چھت اور دروازہ حسینوں سے بھرا ہے۔ دراصل
یہ شاہراہ ہے۔ وہ طوائفیں جو مردوں کو رِجھانے
کے فن میں ماہر ہیں اپنے حُسن کے ہتھیاروں سے
لیس ہو کر، سج دھج کر سڑک پر نکل آئی ہیں۔ نینوں
کے بان، جگمگ جگمگ کرتے زیور، مہکتے پھولوں کے
گجرے اور اودے رنگ پیرہن سے جھانکتا حسین بدن
کیا دعوتِ نظارہ ہے۔ پاٹلی پتر کی نگری سورگ
بن گئی ہے۔ ہر طرف اپسرائیں دکھائی دیتی ہیں۔
(آگے بڑھتے ہوئے)

یہ آتنگ وشتہ ہے، چرن داس کی بیٹی۔ شب وصال کی شکن اور ٹوٹن اس کے انگ انگ سے جھلک رہی ہے۔ کیسا سڈول جسم ہے۔ آتے جاتے لوگ ٹھٹک کر رہ جاتے ہیں۔ نینوں میں امرت گھولتا بیتا ہرن کی طرح چلتی ہوئی میری طرف آ رہی ہے۔ دیکھئے تو اس کے پریمی نے کتنی بے دردی سے اس کے روپ کو لوٹا ہے۔ ہونٹوں پر دانتوں کے نشان ہیں، حسین پلکیں بوجھل ہیں، چہرہ رات کی کہانی سنا رہا ہے۔ نیند کا خمار چھایا ہے اور پھولوں کی مالا جو کمر کے گرد بندھی ہے بالکل ڈھیلی ہو چکی ہے۔ ابھی ابھی وہ اپنے پیارے کی آغوش سے نکل کر آئی ہے۔ اس کا ملنا ایک نیک شگون ہے، مجھے کامیابی کا یقین ہو گیا ہے ——— یہ کیا؟ میری طرف ایک نگاہِ غلط انداز بھی نہیں ——— ! ——— نہیں، وہ واپس ہو رہی ہے ——— اس سے کچھ باتیں کر لوں۔

اے حسین لڑکی، تم نے مجھے سلام تک نہیں کیا؟ اچھا تو تم نے مجھے دیر سے دیکھا۔ اب سلام کر رہی ہو ——— ! جیتی رہو، جیتی رہو! میرا آشیرواد لو: "تمہیں ایک ایسا چاہنے والا ملے جو آزاد روش ہو، خوب صورت، دولت مند اور چالاک ہو ——— تندرست ہو اور پچیس برس یا اس سے کم کا جوان ہو:"

اب بتاؤ کہ وہ خوش نصیب کون تھا جو کام دیو کے بان کا شکار بنا اور جس نے تمہارے سنگ رات بسر کی؟ جبھی تو تمہیں دیکھنا نیک شگون ہے اور طوائفوں کی بستی میں تم سے زیادہ نیک شگون اور کون ہو سکتا ہے؟ ——— کیا کہا ——— ؟ تم نگر دت کے گھر سے آ رہی ہو، فنتری کے بیٹے کے گھر سے! حیرت ہے۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ اس کی خوش حالی کا زمانہ بیت چکا ہے۔ تم ماں کے منع کرنے کے بعد بھی اس سے ملنے گئی تھیں۔ اب شرماؤ مت مجھے تمہاری یہ بات اچھی لگی ——— پہلے تم نے اپنی ماں کے حرص کو نظر انداز کیا اور اپنے پریمی کے پیار کے مزے لوٹتی رہیں۔ دوسرے، طوائفوں کے قانون کو ٹھکرا دیا اور اپنے پیارے کے ساتھ جوانی کی ہولی کھیلی اور اس طرح سے خود کو ان ساری طوائفوں سے بہتر ثابت کر دیا۔ کتنی سندر لگتی ہو۔ تمہارا چہرہ لاج سے گلابی ہو رہا ہے۔ ڈرو مت، میں جا کر تمہاری ماں کا غصہ ٹھنڈا کر دوں گا ——— یہ صحیح ہے کہ تم نے ایک اصول توڑا ہے لیکن میں سب ٹھیک کر دوں گا جاؤ اور میرا آخری آشیرواد لیتی جاؤ۔ "میں تمہاری ساری خوبیوں کی تعریف تو نہیں کروں گا لیکن تمہاری یہ من موہک جوانی قیامت تک قائم رہے۔ اب رخصت ——— !"

وہ چلی گئی ——— جی یہی چاہتا ہے کہ اسے دیکھے جائیں۔ آیئے، آگے بڑھیں۔ اچھا! مادھوسینا اس طرف آ رہی ہے۔ ہرنی کی طرح سہمی، جیسے کوئی چیتا اس کا پیچھا کر رہا ہو ——— لیکن اس کا چہرہ پیلا نہیں پڑا، گندھی ہوئی چوٹی میں لگا ہوا گجرا پھیکا نہیں پڑا۔ اس کے نچلے ہونٹ پر اس کے پریمی کے دانتوں کے نشان بھی نہیں۔ اس کی چھاتیاں تر و تازہ ہیں۔ انھیں کسی کے ہاتھوں نے دبایا نہیں۔ کمر کا پٹکا بھی کسا ہوا ہے، کسی نے اسے کھولا نہیں۔ پتہ چلانا ہوگا کہ گڑبڑ کیا ہے؟

لو وہ آگئی ۔ پہلے اسے آشیرواد دوں ۔ پیاری لڑکی سنو ۔ تم کسی دولت مند کی آغوش گرم کرو ، کبھی مفلس کا سایہ تم پر نہ پڑے ۔ اپنی ماں کی حرص کی وجہ سے تم ان کی آغوش میں جاؤ جن کو تم ناپسند کرو ــــ !

اب اپنی بپتا سناؤ ۔ یہ بتاؤ کہ کسی کے ساتھ رات گزارنے کے بعد بھی کیسے اتنی ترو تازہ اور شاداب دکھائی دیتی ہو ۔ اچھا اب سمجھا ــــ تمہارا مطلب ہے کہ تم سدماوتا جی کی حویلی سے آرہی ہو ــ ! کچھ بھی کہو ۔ وہ ہے کروڑپتی آدمی ۔ یہ ٹھیک ہے کہ دولت کے علاوہ اس کے پاس اور کچھ نہیں ۔ وہ طاقتور نہیں ، خوبصورت نہیں بلکہ بدصورت ہے ۔ اس لئے نہ تو اس نے تم سے پیار کی باتیں کیں ، نہ تمہارے من کا بوجھ ہلکا کیا اور نہ چھیڑ چھاڑ کی ۔ اس کے آغوش نے تمہیں کس کر جکڑا نہیں ، تمہیں مزہ نہیں آیا ۔ بس سیدھے بستر پر لے گیا جیسے فرض نبھا رہا ہو ۔ اور اس کی باہوں میں پڑی ہوئی تم آدھی رات ہی سے سویرے کے سورج کو کھوجتی رہیں ۔ افسوس ! دل چھوٹا مت کرو ۔ یاد رکھو ، وہ بہت دولت مند ہے ، اور ایسا آدمی اگر بدصورت بھی ہو تو اسے سویکار کرنا چاہئے ۔ تم اسے پسند کرو یا نہ کرو ، طوائف کا دھرم ایمان ہے پیسہ ، اور بس ۔ کیا کہا ؟ تم اس بات کو نہیں مانتیں ؟ تمہاری ماں بھی یہی کہتی ہے ۔ ٹھیک ہی تو ہے ۔ شاستروں میں یہی لکھا ہے ۔ ناراض مت ہو ۔ تمہیں جاؤ ۔ میں تمہارے گھر آکر سب سمجھاؤں گا ــــ ارے ، وہ بھاگ کر چلی گئی ۔ کتنی صحیح بات ہے کہ جب مرد بدصورت اور کمزور ہو تو کوئی عورت اسے پسند نہیں کرے گی خیر ، مجھے دور جانا ہے اس لئے جلدی کرنی چاہئے ۔

(تیزی سے چلنے لگتا ہے)

لیکن میں آگے کیسے جاؤں ؟ دیکھو کون آرہی ہے ولاسن نندنی ، دیوداسی کے سوا کون ہو سکتی ہے ۔ ہے تو دیوداسی لیکن چال میں کتنی لچک ہے ، کتنا حسن ہے ۔ کتنے دلوں میں امرت رس ٹپکاتی ہے اس کے پیرہن سے جو معطر گندھ آرہی ہے ، اس سے بے چین ہو کر مدھو مکھیاں آم کے پیڑ سے بیزار ہو کر اس کے چہرے پر منڈلا رہی ہیں ــــ ماتا جی پرنام ــــ تمہاری آنکھیں کتنی سندر ہیں بڑی بڑی اور چنچل ــــ ایک جگہ نہیں ٹھہرتیں ۔ تمہارے چہرے پر جو گمبھیرتا ہے وہ بھی دلنواز ہے ۔ چہرہ تمہاری پریم کہانی سنا رہا ہے ۔ نچلا ہونٹ کنارے سے کٹا ہوا ہے ۔ اس حسین رات کے پریم کے لئے تمہیں اپنے پریمی کا شکریہ ادا کرنا چاہئے ۔ تم بھاگیہ وان ہو کہ تمہارے پریمی نے محبت کے چھپے ہوئے طریقے تمہیں سمجھائے ، سکھائے ۔ اچھا میں سمجھا ــــ تم کہہ رہی ہو کہ میں نے تمہارے دل کی بات کہہ دی ۔ ٹھیک ہی تو ہے ۔ اس نے تمہارے من کو جیت لیا ہے ۔ جو تمہارے چرنوں کے داس ہیں وہ بہت بھاگیہ وان ہیں ۔ ہم پاپیوں کے ایسے نصیب کہاں کہ جیون میں کبھی تمہاری ایسی سندرتا کے مزے لوٹ سکیں ۔ اچھا تو تمہارا کہنا یہ ہے کہ تمہارے گرو نے تمہیں کام شاستر پر ، چار پرگٹ کرنے سے

منع کیا ہے۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ صحیح ہے کہ تم میں اب وہ پہلا سا ولولہ نہیں رہا۔ لیکن تجربہ بھی تو کوئی چیز ہے ـــــ نوجوان تمہیں زیادہ پسند کرتے ہیں۔ تم ان کا دل بہلاتی ہو اور جن کو تم پسند نہیں کرتیں ان سے دامن بچاتی ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو ـــــ یہی ناکہ مرد، عورتوں کے مزے لیتے ہیں اور پھر بھی ان کا دامن صاف رہتا ہے۔ جبکہ عورت داغدار ہو جاتی ہے۔ میری یہ باتیں تمہارے جذبات کو بھڑکا رہی ہیں۔ اور تم کسی نئے شکار کی کھوج میں نکلنا چاہتی ہو۔ ضرور جاؤ، میں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گا۔ مجھے بھی کسی کام سے نکلنا ہے۔ آہا! میرا جواب سُن کر وہ ہنس پڑی ـــــ جانے دو اِسے کسی نوجوان کے بازوؤں میں آغوشی سمیٹنے دو ـــــ میں کیوں اس کی راہ کھوٹی کروں۔

(آگے بڑھتے ہوئے)

یہ رام سینا ہے، چرن داسی کی ماں۔ بوڑھی ہے پھر بھی، دل لبھانے کے فن سے واقف ہے۔ جادو بھری مسکراہٹ اور ناز و ادا سے سب کو دعوتِ نظارہ دے رہی ہے۔ وہ اس طرف آ رہی ہے۔ بہت خوب۔ کسی جوان گاہک کی آغوش کے سارے مزے لوٹ چکی ہے۔ چالاک ہے۔ نوجوان پریوں کے دلوں میں رقابت کی آگ بھڑکا کر انھیں ایک دوسرے کے مقابلے میں لا کھڑا کرنے میں ماہر ہے۔ ذرا اسے دیکھئے! جس انداز سے چل رہی ہے، اس سے پتہ لگتا ہے کہ اپنی بیٹی کے عاشقوں سے سب کچھ حاصل کرنے کے ارادے سے جا رہی ہے

اس سے ملیں۔ اس بوڑھی چڑیل سے جو بھڑکتے ہوئے جذبات کے لئے برف کی سِل ہے ـــــ پرنام! تم درجنوں جوان عاشقوں کو تباہ کرنے والی رام سینا، پرنام! تم نے اپنی جوانی اور حُسن اپنی بیٹی کو دے دیا ہے۔ تمہارا نیا منصوبہ کیا ہے، کسے شکار کرنے کا ارادہ ہے؟ اچھا تو تم اپنی بیٹی کو اس دولت مند شخص کے یہاں سے واپس لا رہی ہو۔ تم اس فن کی ماہر ہو۔ اُس شخص سے سب کچھ نچوڑ لیا ہے، اور اب اسے پھٹے کپڑے کی طرح پھینکنا تم جانتی ہو۔ افسوس کی بات ہے کہ تمہاری بیٹی اس فن سے واقف نہیں۔ اگر اس نے یہ فن اب حاصل نہیں کیا، تو زندگی بھر نہیں کر سکے گی۔ اچھا تو گانے کی محفل کا بہانہ کر کے تم اسے نکال لاؤ گی۔ اور پھر اُسے سب کچھ سکھاؤ گی۔ بہت اچھا۔ جاؤ تم اپنے کام پر چلو۔ مجھے بھی ایک ضروری کام ہے۔ نمستے ـــــ رنڈی پر کوئی کیسے بھروسہ کرے وہ عاشقوں سے کھیلتی ہیں اور پھر ظالم اور پیسوں پر مرنے والی یہ طوائفیں انھیں وقت آنے پر چھوڑ دیتی ہیں۔ لعنت ہے رنڈیوں کی ماؤں پر۔

ہاں ـــــ یہ خواجہ سرا ہے۔ اس سے ملنا بدشگون ہے۔ میں جلدی سے، منہ چھپا کر اس سے بچ کر نکل جاؤں گا۔ اوہ، ٹھیک ہے ٹھیک ہے ـــــ میں نے تمہیں دیکھا نہیں تھا۔ تم کیسی ہو ـــــ؟ (دوسری طرف) اچھے کے پیچھے سے کوئی کیسے بچ سکتا ہے ـــــ میں اسے آشیرواد دوں ـــــ بھگوان تمہارے

پتی کی زندگی بڑھائے اور تمہیں بہت سی سنتان دے۔"

تمہاری آنکھوں کا پھیلا پھیلا کجرا، ہونٹوں کی شریر مسکراہٹ، ہرن کی سی متوالی چال اور پھیکا پھیکا کجرا بتا رہا ہے کہ بستر پر رات کیسے کٹی ہوگی۔ لگتا ہے کہ تم پوری طرح مطمئن نہیں ہو اسی لئے آدھے راستے میں ہم سفر بدل لیا۔ کیوں ایسا ہوا، ہمیں بھی بتاؤ۔ اچھا تو تم راجہ کے ساتھ یعنی رام سینا جی کے گھر سے آرہی ہو۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم نے اپنے عاشق کو کیوں چھوڑا۔؟ کہو۔ کہو۔۔!

"ایسا ہوا کہ ہم دونوں پلنگ پر تھے اور کھیل شروع ہونے والا تھا۔ وہ بھی جوش میں تھے۔ ٹھیک اسی سمے راجہ کی رکھیل رتی لتیکا کی ایک نوکرانی وہاں سے گزری اور میرے سوامی کو کچھ اس ادا سے دعوت دی، مسکرائی آنکھیں لڑائیں کہ میرے پریمی نے فوراً اسے قبول کر لیا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ میں اپنی آنکھوں کے سامنے یہ سب دیکھ کر کیسے برداشت کرتی۔ میں نے انھیں بہت جلی کٹی سنائی۔ وہ مجھ سے معافی مانگنے لگے، پیروں پر گر پڑے لیکن میں نے انھیں معاف نہیں کیا۔ وہ مجھے زبردستی اٹھا کر بستر پر لے گئے۔ وہ جوش میں تھے اور میں تھکن سے چور، بستر پر پڑتے ہی میں سو گئی۔ وہ فوراً مجھے چھوڑ کر رتی لتیکا کے گھر چلے گئے اور اب تک نہیں لوٹے۔ اس لئے میں تم سے مشورہ لینے چلی آئی۔"

اچھا تو یہ ہوا ۔۔۔ معاملہ ذرا گمبھیر ہے

مجھے سوچنے دو۔ کیا تم نہیں سمجھتیں کہ تمہارا پریمی رام سینا بے وقوف ہے؟ جب وہ تمہیں آغوش میں لیتا ہے تو تمہاری چھاتیاں ہم آغوشی کے آڑے نہیں آتیں۔ کیا اسے نہیں معلوم کہ تم مہینے کے تیس دن اس کے کام آسکتی ہو اور روپ کا سب سے بڑا دشمن گربھ وتی ہونے کا تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ ان تین خوبیوں کے باوجود اگر وہ تمہیں چھوڑتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کی جوانی ڈھل رہی ہے۔ میں تمہیں وچن دیتا ہوں کہ جو کچھ اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے میرے کہنے سے، اس کے لئے وہ پچھتائے گا۔ اور میں اسے تمہارے پاس آنے پر مجبور کروں گا۔ اب تم اپنے گھر جاؤ اور مجھے اپنی راہ جانے دو۔ رام رام! بڑی مشکل سے اس بھنڈے سے میرا پیچھا چھوٹا۔ چلو، اب میں چلوں ۔۔۔!

میرے چرن کون چھو رہا ہے؟ جیتے رہو اٹھو، میں تمہارا چہرہ دیکھوں۔ تم۔ پاٹھک جی کے بیٹے دھن متر ۔۔۔ بہت دنوں بعد دکھائی دیئے۔ کہاں رہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟ جوان ہو، تندرست ہو، زندگی کے ولولوں سے بھر پور ہو۔ حسین لڑکیاں تم پر مرتی ہیں۔ پھر کیوں اتنے اداس اور پریشان ہو! کیوں؟ کیا ہوا؟ کیا راجہ تم سے ناراض ہیں، یا تم نے جوا کھیلنا شروع کر دیا ہے، یا تمہاری دھن دولت چور اٹھا لے گئے؟ بتاؤ میرے نوجوان دوست! دیکھو تمہارے ناخن بڑھے ہوئے ہیں، بدن پر گرد و غبار ہے، چہرہ مرجھا گیا ہے، دستر پھٹ چکے ہیں

کسی نے تمہیں خراب دیا ہے؟ جلدی بتاؤ۔ ہاں میں جانتا ہوں کہ تم رام سینا کی بیٹی رتی سینا سے پریم کرتے ہو۔ ہاں بتاؤ میں تمہاری پریم کہانی سن رہا ہوں۔ تم رتی سینا کو جی جان سے چاہتے تھے دیوتوں نے تمہیں جتایا تھا کہ وہ تمہیں چھوڑ دے گی۔ احساس کے بعد بھی تم نے اپنی پوری دولت اُسے دے دی۔ اچھا تو پھر کیا ہوا؟ ایک دن جب تم دونوں حمام میں تھے، اس نے باہر سے تالا لگا دیا اور تمہارا دھن لے کر غائب ہو گئی! تم بڑی مشکل سے باہر آسکے۔ لوگ تم پر ہنس رہے تھے۔ تم نے سوچا کہ دنیا تیاگ دو گے اور جنگل میں بسیرا کرو گے۔ اب میں تمہیں مل گیا۔ یہ تمہارا سوبھاگیہ ہے۔ آؤ میں تمہیں گلے لگا لوں تم دکھی ہو۔ یاد رکھو دھن منترا، آدمی سانپ کے کاٹنے کا منتر جانتا ہے، پاگل ہاتھی سے اپنے کو بچا سکتا ہے، خونخوار مگرمچھ کے منہ سے اپنے کو چھڑا سکتا ہے لیکن مجھے آج تک کوئی ایسا نہیں ملا جو رنڈی کے چنگل سے چھوٹ سکے۔ کیونکہ وہ تو جنگل کی آگ ہے جو سب کچھ جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔ کیا تم نہیں جانتے ——— ؟

ٹھیک ہے، ذرا حالات کا جائزہ لیں۔ تمہاری پریشانی کا باعث مال ہے یا بیٹی؟ بیٹی تمہیں چاہتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں، اس لئے اطمینان رکھو۔ میں رتی سینا اور تمہاری ملاقات کراؤں گا۔ اور پھر ہم بات کریں گے۔ بھگوان کے لئے آہ و زاری مت کرو۔ میں تمہاری مدد کروں گا۔ جو کچھ بن پڑتا ہے کروں گا۔ یاد رکھو کہ جس طرح ایک بُرا راجہ راج کی خرابی کی ذمہ داری وزیروں پر ڈالتا ہے اسی خراب اور بدمعاش رنڈی اپنی ماں پر دوش رکھتی۔ اس وقت گھر جاؤ اور آرام کرو ——— آ بدمعاشوں کا سردار گیا ——— مجھے جلدی نکلنا چاہیے اپنے کام پر ——— !

اتنی پیاری اور مدھر آواز سے مجھے کون رہا ہے ——— ! او پریاگ سینا ——— پیاری لڑکی تم کیسی ہو؟ ہاں، ہاں، میں نے تمہارا نمسکار سویکار کیا۔ اب میرا آشیرواد غور سے سنو! "تمہیں ایسا مزہ ملے جب پیار کے کھیل کے وقت عورت کی رانوں کو مرد اپنی ٹانگوں میں لے کر پوری طاقت سے دباتا ہے"۔

آج تم بڑی سُندر لگتی ہو۔ تمہاری طرف نہ دیکھے وہ بدقسمت ہے۔ ذرا دیکھو تمہارے جسم پر زیور نہیں، آنکھوں میں گلابی ڈورے ہیں جسم چندن اور اُبٹن ملا ہے، مسکراتا ہوا چہرہ، بھری چھاتیاں اور پتلا سا کرتہ جو تمہاری کمر تک آتا ہے کمر کی مالا ٹھیک طرح سے بندھی نہیں ہے۔ کوئی نہیں اگر تمہارا روپ دیکھ کر کام دیو خود تمہارے کی بہار لوٹنے پر آمادہ ہو جائے۔ میری باتیں تمہیں اچھی لگتی ہیں۔ خیر بتاؤ کہ تم نے مجھے کیوں آواز دی ہاں میں سن رہا ہوں۔ جلدی کہو۔ تم چاہتی ہو کہ تم اور دیودتا میں جو ناچ کا مقابلہ راجہ کے سامنے ہوگا اس میں تمہاری سہایتا کروں ——— تمہیں کسی کی سہایتا کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ تم اپنے فن میں ماہر ہو۔ تمہارا روپ ہی کافی ہے۔ بزرگ راہبوں کو للچانے میں سورگ کی اپسرائیں بھی تمہا

مقابلے میں آنے سے کترائیں گی۔ تمہیں ناچنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا صرف رقص کے انداز میں کھڑا رہنا ہی مجسم رقص ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم میری باتیں سمجھ گئیں۔ کتنی لجا رہی ہو۔ تمہارا شرمانا بھی ایسی تلوار ہے جس کا نشانہ کبھی نہیں چوکتا ــــ اچھا اب چلیں ــــ !

مجھے اپنا کام جلد ختم کر لینا چاہئے۔ لیکن کیا ؟ مجھے نارائن دتہ اور کیرت کو ملانے کی کوشش کرنی ہے اور سامنے سے کنک لتا، نارائن دتہ کی نوکرانی دوڑی دوڑی میری طرف آ رہی ہے۔ دیکھو تو وہ کتنی خوش نظر آتی ہے۔ اپنی پتھریلی چھاتیوں پر اس نے خوشبو لگائی ہے۔ اس کی کلائیوں اور بالوں میں پھول سجے ہیں اور اس کی چال خوشی بکھیرتی ہے مجھے اس سے پوچھنا ہوگا۔

سنو پیاری لڑکی ! تم اپنے نازک کنول جیسے پاؤں سے زمین کو روند کر اس پر پیار کیوں نچھاور کر رہی ہو۔ میں تمہاری تعریف نہیں کر رہا ہوں بلکہ حقیقت بتا رہا ہوں۔ ہاں مجھے کہانی سناؤ۔ ہاں جب تمہاری مالکہ نارائن دتہ برہ کی اگنی میں جل رہی تھی، کس نے یہ گیت سنایا :

• اگر پریمی ناراض ہو جائے اور پریمیکا ہر جتن سے اسے منانے کی جلدی نہ کرے تو اس کی زندگی برباد ہے :

یہ بول سن کر وہ فوراً اٹھی، اپنے پریمی کیرت سے ملنے چل دی۔ اور اسی سمے ہمارا نوجوان عاشق تمہارا دوست بسنت رت کے جادو سے نرم ہو گیا اور اپنی پریمیکا سے ملنے گھر سے نکل پڑا۔

کتنی اچھی خبر تم نے سنائی۔ اس کا مطلب ہے کہ میرا کام پورا ہو گیا۔ پیار کرنے والے خود مل گئے۔ اچھا ہے، تو ہم واپس چلیں ــــ نہیں ! تم کہہ رہی ہو ــــ کیا ؟ دونوں پریمی اسی جگہ ملے جہاں پر ہم کھڑے ہیں۔ اب میں سمجھا۔ یہ دنا چاریہ کی کوٹھی ہے۔ اس نے دونوں کو کھڑکی سے دیکھا اور اندر آنے کی دعوت دی۔ دونوں پریمی اب کوٹھی کے باہری حصہ میں ہوں گے۔ کیسا سہانا اتفاق ہے۔ بسنت رت سچ مچ پیار کا موسم ہے۔ اس پیاری خبر کے لئے کنک لتا میں تمہیں آشیرواد دوں :

• تمہاری جوانی اور روپ کا سورج کبھی نہ ڈھلے اور تم اپنے چاہنے والوں کا من موہتی رہو :

او، دنا چاریہ جی ہیں اندر بلا رہے ہیں چلو۔ اہا پریمی یہاں بیٹھے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے میں کھو جانے کے لئے بے تاب ہیں۔ وصل کی اس گھڑی میں میں تمہارے بیچ نہیں آؤں گا، مجھے آگیاں دو اور جس پیار کے لئے تم تڑپ رہے تھے، اب جسم کی آگ کی پیاس بجھانے کا وقت آگیا ہے لیکن جانے سے پہلے میں کہنا چاہتا ہوں، • باغ، چاندنی رات، ساز اور آواز کا سنگم خوبصورت باندیاں اور یہ بسنت رت دو روٹھے ہوئے پریمیوں کے ملن کے لئے ضروری نہیں۔ ان کے ملن کے ذمہ دار ہیں گہرا پیار اور سچی لگن :

چلئے کیرت اور نارائن دتہ کا ملاپ ہو گیا، اب میں کیا کروں ؟ گھر جاؤں اور اپنی روٹھی ہوئی بیوی کو مناؤں۔ اس لئے نمسکار ــــ آپ کے لئے میرا آشیرواد ہے کہ آپ کو بھی وہی خوشیاں ملیں جو ان دو پریمیوں کو نصیب ہوئیں : (جاتا ہے)۔

پردہ گرتا ہے

ڈرامہ نگار: بلونت گارگی (پنجابی)
پنجابی سے ہندی ترجمہ: سچدیو۔ پی۔ ایس
اُردو ترجمہ: نیہپال سنگھ ورما

ڈاکٹر سرس

کردار:

ڈاکٹر رام لعل سرس ـــــــ دانتوں کا ڈاکٹر
سرلا ـــــــ ڈاکٹر کی بیوی
دیوان چھتر مل ـــــــ مالکِ مکان
پریش ـــــــ ڈاکٹر کا دوست
ٹیلیفون والا ـــــــ

دانتوں کے ڈاکٹر رام لعل سرس، کا مریضوں کو دیکھنے والا کمرہ۔ ایک طرف مریضوں کے دانت دیکھنے کیلئے کرسی رکھی ہے اور اس کے پاس ہی مشین۔ میز پر شیشیوں، اوزار، اخبار اور ٹیلیفون ہے۔ اسٹوپ جل رہا ہے، جس پر رکھے ہوئے ڈبے میں اوزار اُبل رہے ہیں۔

پردہ اُٹھتا ہے۔ ڈاکٹر سرس ایک موٹی ڈاکٹری کی کتاب کے اوراق اُلٹ پلٹ رہا ہے۔

سرلا فلٹ چھڑک رہی ہے۔

سرلا: کتنی عجیب بدبو آرہی ہے تمھارے سر سے

ڈاکٹر: بدبو...... ارے خضاب کی خوشبو ہے......

سرلا: خاک ہے.... فلٹ سے تیز تو ہے اُٹھالاؤ کہیں سے۔

ڈاکٹر: لو.... اُٹھالائے.... ارے بھئی بھونرا چھاپ خضاب ہے.... پورے دس روپے ستر پیسے کی ایک شیشی۔

سرلا: ہاں ہاں شاید اس کی خوشبو ہی مریضوں کو بھگا دیتی ہے۔ تین گھنٹوں سے کوئی جھانکنے تک نہیں آیا۔ (قریب جاکر ڈاکٹر کا سر سونگھتی ہے)

ہے بھگوان۔! بھونرا چھاپ خضاب......

ڈاکٹر: اچھا اچھا۔ فلٹ مار دو۔ جلدی جلدی۔ مریضوں کے آنے کا وقت ہو گیا ہے۔

سرلا: ہائے آپکے مریض۔ اس طرح روز مریضوں کی راہ دیکھتے دیکھتے تو تم خود مریض ہوگئے ہو۔ دیکھنا...... کیسا رنگ ہو گیا ہے۔

ڈاکٹر: (اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر) اچھا؟ پہلے پہلے ایسا ہی ہوتا ہے۔ بڑے بڑے شاعر، لیڈر اور ڈاکٹر پہلے پہلے بھوکوں ہی مرتے ہیں۔ ڈاکٹر بیلی کا نام سنا ہے۔؟ ...
جب اُس نے دوکان کھولی تھی تو شروع شروع میں چھ مہینے

تک کوئی مریض نہیں آیا تھا۔

سرلا: (فلٹ چھڑکتی ہے) اُف ! کتنے مچھر!
(کچھ یاد کرتے ہوئے فلٹ چھڑکنا بند کر دیتی ہے اور ڈاکٹر کے پاس جو کہ پھر کتاب پڑھنا شروع کر دیتا ہے، جا کر کھڑی ہو جاتی ہے)

ڈاکٹر: (سر اٹھا کر) کیا۔ ؟

سرلا: دھوبی آیا تھا۔ اب اس کی دُھلائی دینی ہے یا اُسے بھی نتھو کی طرح کھسکانا ہے۔

ڈاکٹر: کیوں...... نتھو کو کیا ؟

سرلا: مہینہ بھر اُس کی دوکان سے اُدھار کھایا۔ زیادہ نہیں یہی کوئی سات آٹھ روپیے تھے مگر وہ تو روز وہی کھاتا اُٹھائے آ کھڑا ہوتا تھا۔ میں تو محلے والوں کو منہ نہیں دکھا سکتی تھی۔ اُس نے چکر پہ چکر مار کر ہماری دہلیز نیچی کر دی تھی۔ بنیا تھا، اس لئے آپ سے ڈرتا رہا، پر یہ رمضان دھوبی تو....

ڈاکٹر: ہاں ہاں مجھے معلوم ہے۔ آج ایک مریض آنے والا ہے۔ اُس کا کیس تیار کر رہا ہوں۔

سرلا: ہمارے نصیب میں مریض کہاں ؟

ڈاکٹر: (اُمید بھری نظروں سے) جو میری ایک مانو.....

سرلا: تمہاری ہی باتوں کے صدقے تو یہ دن آئے ہیں۔ کتنا بڑا... اٹھارہ فٹ کا بورڈ لگا ہے باہر..... "ڈاکٹر رام لعل سرس" پر جانے کیوں مریضوں کا دم نکلتا ہے، یہاں آتے۔ باہر سے ہی کنی کترا جاتے ہیں (لمبی سانس بھر کر) آپ میری ایک بات مانیں تو.....

ڈاکٹر: (بے چینی سے) کیا۔ ؟

سرلا: اس سے تو اچھا ہے دودھ دہی کی دوکان کھول لو۔ سوکھ کر کانٹا ہو گئے ہو تم۔ دودھ پی کر کچھ صحت ہی بنتی۔ کیسی چل رہی ہے، رام جی کی اسٹیشن روڈ والی دوکان۔ بیس گنڈے دہی روز [illegible] جاتا ہے۔ آدھی کمائی ہے۔ میں شرط لگاتی ہوں کہ تمہاری دودھ کی دوکان......

ڈاکٹر: اچھا اچھا خاموش رہو..... کل جو مریض ملا تھا، اس کے آنے کا وقت ہے۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ میری ڈاکٹری کی پریکٹس کیسی چلتی ہے۔ رام جی کی دوکان بھلا نہ دوں تو........ پر اس کے لئے تھوڑا صبر ضروری ہے۔

سرلا: صبر صبر صبر.... کسی بات کیلئے پیسے مانگو۔ صبر..... آج اس دھوبی کے پیسے ضرور دے دینا۔ بڑا جھگڑالو ہے ـــــ پٹھان ہے پٹھان۔!

ڈاکٹر: پٹھان ہے تو کیا ہوا (مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) تمہیں یاد ہے ! چار سال پہلے کالج میں میں نے ہی رانا پرتاب کا رول ادا کیا تھا۔ تو تب.....

سرلا: (اُکتا کر) ہاں، ... مجھے یاد ہے جو آپ نے اس وقت تیر مارا تھا۔ یہ مہارانا پرتاب کی کہانی تم مجھے بیس بار سنا چکے ہو پر رمضان دھوبی نہیں سُنے گا یہ سب۔ پٹھان ہے وہ....

ڈاکٹر: (غصّے سے) تبھی کپڑے ٹھیک نہیں دھوتا۔ دیکھو میری قمیض یوں ہی بھگو کر نچوڑ دی ہے۔ پٹھان سے بھی کبھی کپڑے دھوئے گئے ہیں۔ ارے کپڑے تو دھوتے ہیں پُردیسی۔ پہلے کالو کیسے صاف دھوتا تھا۔ دودھ سے سفید۔ پہن کر طبیعت خوش ہو جاتی تھی۔ وہ کام یہ بھئیے کمال کے کرتے ہیں۔ گھاس کھودنا، کپڑے دھونا۔ تم نے کالو دھوبی کو کیوں نکال دیا۔ ؟ بے چارہ شریف آدمی تھا۔ پیسوں کیلئے اس بھوت کی طرح سر پہ تو سوار نہیں ہوتا تھا۔

سرلا: اچھا اچھا آگے سے کالو کو ہی لگا دوں گی، پر یہ پچھلے پیسے تو چکانے ہی پڑیں گے۔

ڈاکٹر: آج ایک آدمی دانتوں کا سیٹ لینے آنے والا ہے۔ میں نے اُس [illegible]

دانت بناکر رکھ دیئے ہیں۔ شام کو دھوبی کے پیسے چکا دونگا۔

سرلا: ہاں یہ قرض تو اُتار دو۔ اب میں خود ہی کپڑے دھولیا کروں گی۔ نوٹانیل دیا اور پرس پکڑلیا۔ آخر کپڑے دھونے میں رکھا ہی کیا ہے۔! تمہارے پاس کپڑے ہی کون سے ہیں۔ ایک پتلون جس پر تین پیوند لگ چکے ہیں۔ اس کو سی کر دیں تو اُنگلیاں دکھ گئی ہیں۔ میں خود پچھلے ایک سال سے کپڑوں کیلئے ترس گئی ہوں۔ میں وہی گھٹیا سی گھسی پٹی ساڑی۔ شادی سے پہلے کہتے تھے ہم ہر سال کشمیر جایا کریں گے۔ مجھے روز نئے سوٹ، نئے کپڑے، نئی ڈیزائن کے سینڈل لادیا کرونگا، پر یہاں پنا ایڑی کی چپل ہی چپکی ہوتی ہے۔

ڈاکٹر: میں کروں بھی کیا! اس شہر میں اتنے لوگ بیمار پڑتے ہیں، ہیضہ، ملیریا، زکام، پلیگ۔ پر کسی کا دانت نہیں دکھتا۔ ہمارے یہاں کے لوگوں کے دانت ہوتے بھی بڑے مضبوط ہیں۔ بس ایک ہی تو چیز ہے، ہم لوگوں کے پاس دانت۔ انگریز بھی اس بات کو مانتے تھے۔ کہتے تھے، بھئی ہندوستانیوں کے دانت بڑے مضبوط ہیں۔ اخروٹ، بادام، خوبانی کے بیج تک دانتوں سے ہی توڑ لیتے ہیں.........

(انگلیوں سے اپنے دانتوں کو ٹٹولتا ہے)

سرلا: تم نے بھی پڑھائی کی تو دانتوں کی۔ جو کہیں آنکھوں کا امتحان پاس کرتے تو باہر لکھا ہوتا "آنکھوں کا بڑا اسپتال" تب یہ سارا برآمدہ ہری پٹیوں سے بھرا ہوتا۔ تمہارے سامنے ہی تو کل کے ڈاکٹر نے آنکھیں ٹھیک کرنے کی دوکان کھولی ہے۔ ہر وقت اندھوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ کسی کو ککرا، کسی کو پھیپھڑا، کسی کو موتیا، سو بیماریاں، پر یہاں ہائے دانتوں کا ڈاکٹر، جو کبھی ایک آدھ دانت ٹوٹ بھی جائے تو بلا سے۔ اوپر والے نے دیئے بھی تو پورے بتیس ہیں، دو چار اِدھر یا اُدھر۔

ڈاکٹر: تم فکر مت کرو۔ دیکھ لینا کہ چند دن میں ہی ڈاکٹر رام لعل سرکار کا نام سارے شہر میں دوڑنے لگے گا۔ تمہیں اُس دن کہا تھا کہ ٹیلی فون لگوالیں تو پریکٹس چوتھے دن سے چلنے لگے گی۔ یہ دو مہینے ہم نے بھاڑ میں جھونک دیئے۔ پہلے ہی ٹیلیفون لگوالیتا تو سب ٹھیک ہوتا...... (میز پہ پڑے ہوئے ٹیلیفون کو ہلا کر) بس اب.... .....

سرلا: اب کیا ؟

ڈاکٹر: بس اب تم دیکھتی جاؤ۔ یہ ٹیلیفون فٹ ہوگیا ہے۔ کنکشن ملنے کی دیر ہے۔

سرلا: دیکھ لوں گی ٹیلیفون لگنے کے بعد بھی۔

ڈاکٹر: لگنے کے بعد کیا ؟ ٹیلی فون لگ چکا ہے۔ میں سارے دوستوں سے کہہ دوں گا کہ ٹیلی فون لگ گیا ہے۔ پھر دیکھنا بے حساب مریضوں کے کالس آتے رہیں گے۔ فرصت نہیں ملیگی۔ تم ہی بتاؤ بھلا ڈاکٹر کی دوکان ٹیلی فون کے بغیر چل سکتی ہے۔ دیکھو جی! اس شہر میں سارا کاروبار ٹیلی فون پر ہی ہوتا ہے۔ کوئی ڈاکٹر ٹیلی فون کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ گورنمنٹ بھی ٹیلیفون سب سے پہلے ڈاکٹروں کو ہی دیتی ہے۔

سرلا: پر تمہیں تو نا دیا۔ تمہیں تو پورے دو ہزار کرادے کرنے پڑے۔ اور ان دو ہزار روپیوں کے جمع کروانے کیلئے تم نے مجھے ہاتھوں، کانوں سے خالی کردیا۔ بس اب میرے گہنے چھڑا دو۔ یہی کرو، پھر شاید تمہاری دوکان چل نکلے گی۔

ڈاکٹر: کوئی بات نہیں۔ اب ٹیلی فون لگ گیا ہے۔ اس ٹیلیفون کے صدقے میں تمہیں ایک ہی مہینے میں چوڑیاں بنوا دوں گا۔ فکر مت کرو، پر اس کے لئے تمہیں ایک کام کرنا پڑے گا۔

سرلا: کیا ؟

ڈاکٹر: وہ ٹائم پیس اٹھا لاؤ ذرا ــــ

سرلا: (ٹائم پیس اٹھا کر لاتی ہے) لو۔

ڈاکٹر: بجتا ہے۔

سرلا: ہاں تم نے دو بجے کا الارم لگایا ہوا ہے، مگر ابھی بجی نہیں۔ گھنٹی بج بج کر چپ ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر: اچھا سنو، جب کوئی مریض باہر سے زنجیر کھٹکھٹائے، تم جھٹ سے دوسرے کمرے میں جا کر ٹائم پیس کا الارم بجا دیا کرنا۔

سرلا: اس کا کیا فائدہ ــ؟

ڈاکٹر: جب کوئی مریض آئے تو میں ٹیلی فون پر کسی سے باتیں کرنے لگ جاؤں گا، مریض سمجھے گا، میں بہت مصروف ہوں۔ ہر بڑے بزنس کا یہی راز ہے کہ اپنا پول نہ کھولو۔ یہ بڑے بڑے سیٹھ، بڑے بڑے بینک اندر سے پولم پول ہوتے ہیں۔ پر باہر سے کسی کو پتہ نہیں چلتا۔ بزنس میں لاکھ جائے پر ساکھ نہ جائے۔ یہی بات ڈاکٹری میں بھی ہے۔ میں اسی دم اگر مجھے دس روپے فیس ملتی ہے تو پانچ مانگوں گا۔ چابی دے کر دیکھو۔

سرلا: دیکھتی ہوں۔

ڈاکٹر: لاؤ مجھے دکھاؤ۔

سرلا: لو

ڈاکٹر: (چابی دیکر) اب گھنٹی بجا کر دکھاؤ۔

سرلا: (الارم کی گھنٹی بجا کر) ٹھیک ہے نا؟

ڈاکٹر: شاباش۔

(باہر سے ٹھک ٹھک کی آواز آتی ہے) لو اب جھٹ سے دوسرے کمرے میں جاؤ۔ اور جا کر الارم کی گھنٹی بجاؤ ــ میں ٹیلی فون اٹھا لوں گا۔ جاؤ جلدی کرو۔

(ٹھک ٹھک) (اونچی آواز میں) ٹھہرئیے۔ ویٹ پلیز۔ ڈاکٹر بزی (دھیمے سے) جلدی کرو۔ تم جاؤ۔

سرلا: (ٹائم پیس کو جلدی جلدی اوپر نیچے کر کے) کیا کروں۔ یہ نہیں بج رہی۔

ڈاکٹر: (گھبرا کر اٹھتے ہوئے) ـ گھنٹی نہیں بجتی ــ؟

سرلا: نہیں ــ

ڈاکٹر: لاؤ ــ میں ٹھیک کر دوں۔

(ٹھک ٹھک)

بس دو منٹ ..... دو منٹ ..... رکئے ــــ ابھی آیا!

(گھنٹی ٹھیک کر کے ٹائم پیس سرلا کو دیتا ہے، خوشی سے کہتا ہے) مریض آیا ہے۔ دروازے پر ٹھک ٹھک لگا رکھی ہے اس نے۔ کوئی تگڑا مریض ہے۔ ضرور سوڑے کے درد سے چھٹپٹا رہا ہوگا ..... جلدی .... جلدی (سرلا اندر جاتی ہے اور الارم کی گھنٹی بجاتی ہے)۔ آ جائیے ..... آ جائیے (گھنٹی بجتی ہے۔ ڈاکٹر ٹیلی فون اٹھا لیتا ہے اور باتیں کرنے لگتا ہے دیوان چھتر مل ہاتھ میں لاٹھی لئے اندر داخل ہوتا ہے۔ اس کی آدھی کالی سفید کڑ کڑ بالوں والی مونچھیں چڑھی ہوتی ہیں۔ سر پر پٹھانی یا لالہ لوگوں کی طرح طرہ دار پگڑی ہے۔ ماتھے پر گہرا تیوری ہے جو اس کی لوگوں کے ساتھ سخت برتاؤ کا ایک نشان بن گیا ہے)۔

ڈاکٹر: (ٹیلیفون پر باتیں کرتے ہوئے) جی ـ جی ہاں ـ ٹھیک ..... میں نے دوا بھیج دی ہے ـ جی ـ؟ ہا ہا ـ ہا ـ مہربانی ہے آپکی آپ بالکل درست فرماتے ہیں ..... اسی لئے امریکہ میں اصلی دانت تڑوا کر لوگ یہی دانت لگوا لیتے ہیں۔ یہ دانت اصلی دانتوں سے کہیں زیادہ مضبوط اور خوبصورت ہوتے ہیں ..... نہ تو کیڑا لگتا ہے، نہ کوئی روگ نہ درد، ..... اچھا میں ــ؟ کوئی بات نہیں ..... ہاں ..... تین سو روپے ..... آ جائیں گے ٹھیک ہے شام کو نوکر کے ہاتھ چیک بھجوا دیجئے گا ... شکریہ کوئی جلدی نہیں ..... ہو ہو ہو ... اچھا ... اچھا گھر کی بات ہے

نبی: میں بھی گھر کی بات کرنے آیا ہوں۔

ڈاکٹر: گھر کی بات — ؟

نبی: ہاں! ڈاکٹر صاحب! یہ میرا اٹھارواں چیک ہے۔

ڈاکٹر: کون — ؟ کون — ! (ٹیلیفون رکھ کر) ارے — آیئے آیئے دیوان صاحب (کرسی سے کھڑا ہو جاتا ہے)۔

دیوان: (کھوپڑی کو زمین پر مارتا ہوا) ڈاکٹر صاحب آپ کو شریف انسان سمجھ کر میں نے یہ مکان بغیر پگڑی کے آپ کے نام کرایے پر دیا، پر آپ نے شریفوں جیسی کوئی حرکت ہی نہیں کی۔

ڈاکٹر: دیوان صاحب بیٹھئے تو سہی — میں آپ سے عرض کروں..... ایک مصیبت میں پھنس گیا تھا ورنہ آپ جانتے ہیں میں نے کبھی پہلی تاریخ بھی آنے نہیں دی۔

دیوان: آج تو اٹھائیس تاریخ ہے اور آپ کی دعا سے تیسرا مہینہ لگ رہا ہے، جب آپ نے ٹھینگا دکھا دیا۔ آخر آپ کا بھی جائے پانی روٹی کپڑا سب کچھ چلتا ہے — اس غریب مالک مکان نے ہی کیا گناہ کیا ہے — ؟ کیسا جرم کیا ہے ؟ میں نے سمجھ لیا کہ گھر پر قبضہ ہو گیا — ؟ مگر میں بتا دوں آپ کو، میرا نام بھی چھتر لال ہے (تیوری چڑھا کر) آپ جیسوں کو نکال باہر کرنے میں ایک دن بھی تاخیر نہیں کروں گا — میں نے اب تک گھاس نہیں کھودی۔ کرایے داروں سے ہی سر لاتا آیا ہوں۔ میں نے کہا بھی تھا اپنے منشی سے کہ ڈاکٹر صاحب نمائشی گھوڑے ہیں اور ہمیں تنگ کریں گے، پر وہ نہیں مانا۔ شاید دلالی کھائی ہو گی اس نے لیکن — ! ڈاکٹر صاحب! میں آپ کو بتا دوں کہ پچھلے مہینے میں نے چھ کرایہ داروں کو سیدھا کیا ہے۔ یہ کرسی اور یہ بھانومتی کا کنبہ سبھی سڑک پر پڑے نظر آئیں گے ..... اور یہ ٹیلیفون بھی — !

ڈاکٹر: دیوان صاحب! بات تو سنئے — عرض یہ ہے (انجو رکھ کر) یہ رقم میرے ہاتھ میں ہے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ دو دن کے اندر آپ کا کرایہ ضرور دے دوں گا۔

دیوان: دیکھئے ڈاکٹر صاحب..... میری شرافت کا آپ نے یہ فائدہ اٹھایا کہ جب تو یہ انجو ہاتھ میں پکڑا اور قسمیں کھانا شروع کر دیں۔ اچھا تو یہ چیک آپ کے پاس جو شام کو آ رہا ہے، کیش کرا کر رکھنا میں کل چکر لگاؤں گا۔

ڈاکٹر: (حیران ہو کر) کونسا چیک ؟

دیوان: ..... کون سا چیک ؟ ارے وہی جو ابھی ابھی ٹیلیفون پر جو آپ کا مریض بھیج رہا تھا، جیسے آپ کہہ رہے تھے کوئی بات نہیں چیک آ جائے گا۔

ڈاکٹر: (یاد کر کے) ہاں ہاں — وہ چیک..... ٹھیک..... تب ہی تو میں نے آپ سے کہا تھا کہ پرسوں آپ کے پیسے چکا دوں گا۔

دیوان: تین مہینے کا کرایہ ۳۳ روپیے کے حساب ۹۹ روپیے بنتا ہے۔ ایک کم سو۔ میں کل آؤں گا۔

ڈاکٹر: اب آپ تکلیف مت کیجئے گا۔ میں آپ کے گھر ہی بھجوا دوں گا۔ دیوان جی..... کرایہ آپ کو پہنچ جائے گا۔ مریضوں کے آنے کا وقت ہو رہا ہے، آپ اب شرمندہ مت کیجئے۔

دیوان: مریضوں کے آنے کا وقت ہو رہا ہے تو میں کیا کروں ؟

ڈاکٹر: جہاں تین مہینے آپ نے صبر کا گھونٹ پیا ہے، ایک دن اور دل مضبوط کیجئے۔

دیوان: روپیہ کل پہنچ جائے۔ جو آدمی زبان کا سچا نہیں اس کا اعتبار کبھی نہیں چل سکتا۔

ڈاکٹر: بس دیوان صاحب — آپ دو ایک روز کی مہلت دیں، پہلا کام اب یہی رہا کہ آپ کی رقم ادا کروں گا۔

دیوان: اچھا تو پھر ہم چلتے ہیں۔

ڈاکٹر: کچھ چائے پانی تو لیتے جائیے۔

دیوان: نہیں، ابھی اور تین جگہ جانا ہے۔ یہ جوتیاں کھڑی کر کے سوچا
تھا ابھی بے وقت پیٹ بھر کھاؤں گا۔ پر چکر لگا لگا کر تلوے
گھس گئے، چھالے پڑ گئے پیروں میں...... اچھا اب
چلتا ہوں...... آپ مریض کو سنبھالیے۔
(دیوان جاتا ہے۔ ڈاکٹر چین کی سانس لیتا ہے۔ سرلا اندر آتی ہے)

ڈاکٹر: صبح صبح دیوان کا بچہ منہ دکھا گیا ہے، خیر ہو۔

سرلا: کہتے تھے دیوان، شریف آدمی ہے۔ ہو نہہ دیکھ لی اس کی شرافت؟
خدا کرے کہ دیر ہوتی نہیں کہ چڑھ بیٹھتا ہے سر پہ۔ تم کبھی میری
مانو تو کہوں...... میری بات کی قیمت ہی کیا۔۔؟ تمہیں تو وہی
کرنا ہے جو تمہاری کھوپڑی میں گھس گیا ایک بار۔

ڈاکٹر: جان چھڑا لی ہے سالے سے۔ اب برسوں کا وعدہ ہے۔ سوچتا
ہوں ایک بھی مریض نہ آ جائے، جس کی تیس گھڑی ہوتی ہو تو
سارا لین دین چکتا ہو جائے (خیالوں میں کھو کر ایک دم
جذباتی ہو کر) ہندوستان ہے ہی جاہل ملک...... اسی لئے
تو آئے دن لاکھوں لوگ بے موت مر جاتے ہیں۔ جان
چاہے چلی جائے علاج نہیں کروائیں گے جبکہ دوسرے ملکوں
میں انگلی دکھے تو آپریشن کروا لیتے ہیں لوگ۔ تب ہی تو ڈاکٹروں
کی پریکٹس چلتی ہے وہاں...... پر یہاں بکھرے نہیں نا......
اس دیش میں تو عطاری اور پجاری ہی کام چلا سکتے ہیں، ڈاکٹر نہیں
جب کہ ہر چوک، ہر موڑ، ہر ریل گاڑی میں دانتوں کا منجن بیچنے
والے اور دانت نکالنے والے گھومتے ہوں تو اس دوکان میں
کیوں آنے لگے لوگ۔۔؟ اور وہ مریض جسے آج آنا تھا،
ابھی تک اس کا پتہ ہی نہیں ہے؟ (کچھ سوچتے ہوئے) دوسرے
ڈاکٹروں کی طرح ٹیلیفون لگانے کے بعد شاید...... شاید نہیں
ضرور...... ضرور (یکایک ایک خیال سے اس کا چہرہ چمکنے
لگتا ہے) میں ایک بات کہوں تمہیں ــــ!؟

سرلا: کیا ــ؟

ڈاکٹر: میں اس دن کہہ رہا تھا کہ ایک نرس بھی ضروری ہے ــ؟

سرلا: ہاں ــــ!

ڈاکٹر: ایک نرس جو تتلی کی طرح پنکھ پھڑپھڑاتی، اونچی ایڑی کے سینڈل
پہنے پھرتی رہے تو مریض بھونروں کی طرح گریں گے۔

سرلا: ہائیں ــ؟

ڈاکٹر: ہاں ــ جب تک نرس نہیں ملتی اگر...... تم......

سرلا: میں ــ؟

ڈاکٹر: ہاں ہاں ــ نرس بننے میں لگتا ہی کیا ہے ــ؟ یوں تو تم نے
سائنس بھی پڑھی ہے دسویں تک ــ بس نرس کے کپڑے
پہن کر نرس بن جاؤگی۔ میں اس دن کپڑے بھی لایا تھا ــ
(اس کو سمجھاتے ہوئے) دیکھو، تمھیں کوئی آپریشن تو کرنا نہیں
ہے۔ بس میری چیزیں اٹھا اٹھا کر پکڑاتی رہنا۔ ذرا سوچو،
جب تم سفید رومال باندھ کر تتلی کی طرح......

سرلا: اچھا پھر میں نرس والے کپڑے پہن لیتی ہوں......

ڈاکٹر: ہاں جلدی، ذرا جلدی ــ ابھی مریض کو آنا ہے ــ جلدی
(سرلا دوسرے کمرے میں جاتی ہے۔ ڈاکٹر اسٹیتھسکوپ
ٹھیک کرتا ہے، زلفیں چھڑکتا ہے اور شیشے میں
چہرہ دیکھتا ہے۔)

سرلا: (اندر سے نرس کے کپڑے پہنے ہوئے آتی ہے) ٹھیک ہے؟

ڈاکٹر: ارے تم تو ایکدم نرس لگتی ہو ــ واہ...... واہ...... یہ
کرامت ہمیں پہلے کیوں نہ سوجھی ــ؟ لو...... دیکھو شیشہ......

سرلا: (شیشے میں منہ بناتے ہوئے) پوری چڑیل لگتی ہوں۔ سر پہ
رومال۔ مجھے بڑا عجیب عجیب لگتا ہے۔ اس کا ایک پلّہ بہت
ڈھیلا ہے۔ ذرا تم کس دو ــ؟

ڈاکٹر: تم نے پن نہیں لگائی ــ؟

سرلا: پن چھوٹی ہے۔ مجھے رومال باندھنے کا طریقہ بھی تو نہیں آتا۔

ڈاکٹر: اچھا ذرا اِدھر مڑو۔ (ڈاکٹر ٹیبل سے ایک پن اٹھا کر سرلا کا رومال باندھتا ہے، باہر سے ٹھک ٹھک سنائی دیتی ہے) جلدی کرو جلدی۔ اُف.... یہ پن تو انگلی میں چبھ گئی۔! تم بھاگ کر تانم یہیں بچاؤ۔ جاؤ......

(ٹھک ٹھک)

سرلا: مریض۔؟

ڈاکٹر: ایک مریض کو ٹائم دیا تھا۔ وہی آیا ہے، دانتوں کا سیٹ لینے۔ کل رات کو ہی میں نے یہ سیٹ کمپلیٹ کیا تھا پورے دو سو روپیے۔

سرلا: کون۔؟

(ٹھک ٹھک)

ڈاکٹر: وہی ہے۔ میں اس کی ٹھک ٹھک سے ہی جان گیا ہوں بڑا جلد باز ہے۔ بھدر پور کا ٹھیکیدار۔ دوسری شادی ہے بیچارے کے دانت نہیں۔ بوڑھی گھوڑی لال لگام۔! خیر..... پورے دو سو روپیے ملیں گے۔ ۹۹ کرایہ۔ باقی ۱۰۱ روپیے۔

سرلا: میری ایک سینڈل، ایک قمیص اور تمہارے لئے بڑھیا خضاب کی ایک شیشی........

(باہر سے آواز) رام لعل سرسں گھر پر ہیں۔؟
(سرلا جھٹ دوسرے کمرے میں چلی جاتی ہے اور ڈاکٹر سرس ٹیلیفون پر باتیں کرنے لگتا ہے۔ نرشِش داخل ہوتا ہے)

ڈاکٹر: (ٹیلیفون پر باتیں کرتے ہوئے) ہلو... ہلو... بول رہا ہوں... ٹھیک ہو گیا ہوں.... اچھا اچھا...... ہاں ہاں... میں دوا بھیج رہا ہوں...... جی ہاں.....

(نرشِش کی جانب دیکھ کر ٹیلیفون رکھتے ہوئے)
ارے نرشِش! کیا بات ہے؟ تو کب آیا یار!

نرشِش: (کرسی پر بیٹھتے ہوئے) آوازیں دے دیکر میرا گلا تو خشک ہو گیا۔ کیا کر رہا تھا۔؟

ڈاکٹر: یونہی ایک مریض کو نپٹا رہا تھا۔ سنا بھئی تو یہاں کب آیا۔؟

نرشِش: آج صبح۔ صرف ایک دن کیلئے۔ ایک فوجداری کے کیس میں۔ پیشی دِلّی ہے۔ ذرا اُسی کے لئے......

ڈاکٹر: پریکٹس کیسی چل رہی ہے تیری؟ لڑھک پڑا کام کاج کچھ؟

نرشِش: بھئی پہلے پہل تو تنگ ہونا پڑا لیکن پھر چل پڑا اور پھر سرپٹ دوڑنے لگا۔ بس بھیّا من مار کے بیٹھنے کی بات ہے۔

(سرلا اندر سے آتی ہے) ارے واہ۔ اخوب ٹھاٹھ ہیں۔ نرس بھی رکھ لی (راز بھرے لہجے میں) تتلی ہے تتلی۔

ڈاکٹر: ارے بھیّا..... یہ تو بھابھی ہے تیری! پہچانا نہیں۔؟

نرشِش: ہیں۔ ہیں..... یہ ہماری بھابی ہیں۔؟ واہ بھئی واہ... نمستے بھابھی جی...... خوب بھیس بدلا ہے!... ہیں۔؟

سرلا: نمستے۔ سوچا، فالتو بیٹھنے سے اِنکا ہاتھ بٹایا جائے۔ کیا بُرا ہے۔؟

ڈاکٹر: اس میں ہرج ہی کیا ہے۔؟

نرشِش: یہ تم نے بڑا ہی اچھا ہی کیا جو بھابھی کو نرس بنا لیا۔

ڈاکٹر: آجکل اس کے بغیر گذر بھی تو نہیں...... اور پھر اس شہر میں تو یہ بات عام ہے۔ آدمی اگر کسی لانڈری کا مالک ہے تو بیوی گھر بیٹھ کر استری کرتی ہے۔ مرد پبلشر ہے تو بیوی گھر بیٹھکر کتابوں کی جلد سازی کرتی ہے۔ منیاری کی بیوی کروشیہ اور کڑھائی کا کام کرتی ہے۔

نرشِش: میں خود بیوی کو اپنے ساتھ کام میں لگاؤں گا۔

سرلا: سنایئے۔ ہماری بھابھی جی کا کیا حال چال ہے؟

نرلیش: موج کر رہی ہیں۔

سرلا: ببٹی تو اسکول جانے لگا ہوگا۔

نرلیش: اب تو ریاضی کے سوال حل کرنے لگا ہے۔ مجھے تو بخار آتا تھا ریاضی کے نام سے ہی..... لیکن وہ...... وہ تو بجلی ہے بجلی۔ بے شک کوئی سوال دیدو۔ منہ زبانی بتا دے گا جھٹ سے پچھلے دنوں اسکول میں انسپکٹر صاحب معائنہ پر آئے تھے۔ اسے اول انعام ملا۔ میں اسے ایم اے تک پڑھاؤں گا۔

ڈاکٹر: ایسی بے عقلی نہ کر بیٹھنا کہیں۔ نوکری کہیں نہیں ملے گی..... بس گھر کے بیہی کھاتے ہی چیک کرے گا۔

نرلیش: تو پھر ــــ؟

ڈاکٹر: میں تو کہتا ہوں، کیمسٹ کی دکان کھلوا دینا۔ ڈاکٹروں سے کہیں زیادہ یہ کیمسٹ کماتے ہیں۔

نرلیش: یہ اس کے لئے تو نقد نارائن چاہیئے۔ آج کل ادویات بہت مہنگی ہو گئی ہیں ــــ چاہے چھوٹی سی دکان ہی کیوں نہ ہو۔ وہاں بھی دس ہزار کی لاگت ہے۔ (ذرا رک کر) اسے تیری طرح دانتوں کا ڈاکٹر کیوں نہ بنا دوں۔

ڈاکٹر: دانتوں کا ڈاکٹر مت بنانا ــــ جانوروں کا ڈاکٹر چاہے بنا دینا۔

نرلیش: (سنجیدہ ہو کر) پھر تمھیں کچھ بتاؤ یار۔ جانوروں کا ہی ڈاکٹر بناؤں یا دانتوں کا ــــ؟

سرلا: گاؤں تو آباد نہیں ہوا۔ بھکاری پہنچ گئے پہلے۔ رام نام کہہ کے سات سال کا تو ہوا ہے ببٹی۔ دس سال بعد جانے کیا ہوگا۔ کل کی سوچو کل کی۔ دس سال جانے کس کے مقدر میں ہے۔

ڈاکٹر: باتوں ہی میں لگی رہوگی۔ چائے والے تو پوچھو۔ کیوں بھئی۔ چائے لوگے یا ٹھنڈا۔ یا کچھ......؟ ان کو......

نرلیش: بھیا۔ کورٹ جانا ہے مجھے تو ــــ بہت جلدی میں ہوں ــــ بس دو منٹ ملنے چلا آیا تھا۔ سوچا تم کہیں یہ نہ کہہ دینا کہ کبھی آیا اور بغیر ملے چلا گیا۔

ڈاکٹر: (سرلا سے) اچھا جاؤ..... جلدی سے چائے بنا کر لاؤ۔

نرلیش: کیا ضرورت ہے چائے کی۔ خواہ مخواہ تکلیف مت کرو۔!!

ڈاکٹر: کچھ نہیں یار۔ کتنا وقت لگے گا ــــ؟ دو منٹ میں چائے بن جاتی ہے۔

(سرلا سر سے رومال آتارتی ہے اور دوسرے کمرے میں چلی جاتی ہے)

نرلیش: اب آگ جلائے گی بھابی۔ رہنے دے یار۔ تو تکلیف مت کر مجھے جانا ہے..... ہاں۔ یاد آیا...... ایک کام تھا تیرے سے..... یہاں بستی میں ہمارے چاچا جی نے سارے دانت نکلوا دیئے ہیں۔ انھوں نے بہت سے ڈاکٹروں سے دریافت کیا۔ دو سو سے کم کوئی بات ہی نہیں کرتا۔ میں نے سوچا میرا یار جب دانتوں کی دکان کھولے بیٹھا ہے۔ تو دوسرے کسی باہر کے ڈاکٹروں کو کیوں چڑھائے جائیں ــــ؟ تو تیار کر دے گا؟

ڈاکٹر: ضرور ضرور۔ ارے پوچھتے ہو پہلوان کشتی کرے گا ــــ؟ اور کام ہی کیا ہے ــــ!

نرلیش: کتنے پیسے لگ جائیں گے۔؟

ڈاکٹر: تیرے ساتھ کوئی دکان داری کرنی ہے، جو لے گا ــــ؟

نرلیش: پھر بھی

ڈاکٹر: نہیں..... تو اپنے چاچا کو بھیج دینا۔ میں دانت تیار کر دوں گا۔

نرلیش: ارے یار آخر کچھ لاگت واگت ہوگی تیری... وہ تو لینی ہی پڑے گی۔

ڈاکٹر: اچھا دیکھ لیں گے تو بھیج دینا۔ میں بالکل فٹ تیار کر دوں گا۔ مسوڑھوں کے لئے لال ربر استعمال نہیں کرتا بلکہ امریکن پوڈر لیتا ہوں۔ مسوڑھے بالکل اصلی لگتے ہیں۔

(سرلا اندر سے آتی ہے۔ اسٹو پر سے اصلاسل کا ڈبہ اتار کر

چائے کی کیتلی رکھ دیتی ہے)

نریش: میں نے تو چاچاجی سے کہہ ہی دیا تھا کہ اول تو میرا دوست آپ کا سٹ مفت بنا دے گا۔ یا پھر جو پانچ سات لگیں گے۔۔۔ وہ ہم دے دیں گے۔ آخر ایک ڈاکٹر دوسرے ڈاکٹر کا لحاظ تو کرتا ہی ہے۔ میں ڈاکٹر ہوں آنکھوں کا۔ اور تو ڈاکٹر ہے دانتوں کا۔ کل اگر تیرے گھر کسی کو آنکھوں کی بیماری ہو جائے تو کیا میں پیسے مانگنے کی جرأت کر سکوں گا۔۔؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ بات میں نے چاچاجی کو اچھی طرح سمجھا دی ہے۔ پرسوں وہ میرے پاس آئیں گے۔ ذرا خوبصورت بنانا ان کے دانت۔۔۔

ڈاکٹر: فکر مت کر۔

نریش: اچھا۔ میں چلتا ہوں، جب کبھی ہمارے شہر سے گزرو تو ملنا نہ بھولنا۔ اسٹیشن روڈ، چوکی کے پاس سے، دائیں اور چوتھا مکان، اس کے پاس کونے میں ہی میری دکان ہے۔۔۔ باہر بورڈ لگا ہے۔ آنکھوں کا دواخانہ آئے گا نہ۔۔۔ ؟!

ڈاکٹر: ہاں ضرور۔

نریش: اچھا میں چلتا ہوں۔

ڈاکٹر: چائے تو پی جا۔

نریش: نہیں۔۔۔! دیر ہو رہی ہے مجھے۔۔۔ میں چلتا ہوں۔ یار تجھ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ نمستے (نریش چلا جاتا ہے)

سرلا: فٹ سے چائے کے لئے پوچھ لیا تم نے۔۔۔۔ ؟ شکر، دودھ کہاں تھی گھر میں۔۔۔ ؟

ڈاکٹر: کیا کرتا...... کم سے کم پوچھنا تو پڑتا ہی ہے۔

سرلا: میں نے کہا تھا نا تم سے دودھ دہی کی دکان کھولو۔۔۔ جو میری مانی ہوتی تو اپنے سارے دوستوں کو پیٹ بھر چائے تو پلا سکتے۔

(ٹھک ٹھک)

ڈاکٹر: ہش یش ہش۔۔۔ ؟ ؟ ؟۔ کوئی مریض۔۔؟

سرلا: میں اندر جاتی ہوں۔۔۔

ڈاکٹر: جلدی جا کر الارم بجاؤ..... یہ ضرور کل والا مریض ہے۔ (سرلا الارم کی گھنٹی بجاتی ہے اور ڈاکٹر ٹیلی فون اٹھا کر باتیں کرنے لگتا ہے)

"ہیلو..... ہیلو ہیلو..... ہاں..... میں نے چپراسی کو دوا دیکر بھیج دیا ہے۔"

(ٹھک ٹھک......) آجائیے۔

(ایک غریب سا آدمی اندر داخل ہوتا ہے، اسکے ہاتھ میں تھیلا ہے، اور دوسرے ہاتھ میں پیچ کش وہ آکر چپ چاپ کھڑا ہو جاتا ہے)

ڈاکٹر: (اسی طرح)..... ہاں ہاں۔۔۔ پیٹ اور دانتوں میں بڑا گہرا تعلق ہے۔۔۔ آپ جانتے ہیں..... ہاہاہا.....(قہقہہ) دانت ہمارے جسم کے مکان کا دروازہ ہے۔ ٹھیک۔۔۔ ٹھیک۔۔۔ جی.....؟ ہاں..... پیٹ کی ساری بیماریوں کی وجہ یہ دانت ہی ہیں۔ بالکل..... ہاں..... آپ یہ دانت نکلوا دیں، ورنہ باقی دانت بھی گر جائیں گے آپ کے۔؟

آدمی: جی میں.....

ڈاکٹر: ارے بھئی وہاں بیٹھ جا..... میں بات کر رہا ہوں کسی سے۔ دیکھتا نہیں..... کتنا بزی (.Busy) ہوں۔۔۔ ؟ (ٹیلی فون پر) ہاں جی..... میں نے دوا بھیج دی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ رات تک آپکے سارے دانت.....

آدمی: صاحب، مجھے بڑی جلدی.....

ڈاکٹر: جلدی..... کیا کہا...؟..... جلدی۔؟ اگر جلدی ہے۔

(ٹیلی فون پر) ہاں۔ جلدی ہی۔۔۔۔ نہیں نہیں۔ معاف کیجئے میں دوسرے مریض سے باتیں کررہا تھا۔ جلدی آرام مل جائیگا میں ایک انجکشن بھیج رہا ہوں۔

آدمی: (اُٹھ کر) صاحب میں۔۔۔۔۔

ڈاکٹر: (تنگ آکر غصہ سے ٹیلی فون بند کرکے) اُف۔ ی ی ی ی کیسے کیسے لوگ چلے آتے ہیں ـــ تمیز نہیں۔۔۔۔ ٹیلی فون پر بھی بات کرنے نہیں دیتے۔۔۔۔۔ ہاں بول کیا بولتا ہے۔ ارے بھئی بتا بھی دے۔ اب کیا تکلیف ہے تجھے۔؟ "مسوڑھے میں درد ہے۔؟"

آدمی: جی نہیں میں۔۔۔۔۔۔

ڈاکٹر: (کرسی سے اُٹھ کر اسکی جانب بڑھتے ہوئے) میں میں کیا کرتا ہے۔ تیرے دانتوں میں کیڑا لگا ہے۔؟ پائیوریا ہے۔؟ کیا ہے تجھے۔؟ بول ـــ !؟

آدمی: جی مجھے۔۔۔۔۔ دانتوں کی کوئی تکلیف نہیں۔۔۔۔۔

ڈاکٹر: پھر کیا ہے۔۔۔۔؟ پیٹ میں درد ہے۔؟ پتھری ہے ـــ؟ گردہ بند ہے۔ پھیپھڑوں میں پانی بھر گیا ہے ـــ؟ کیا بیماری ہے تجھے ـــ؟

آدمی: (گھبراکر) جی میں ٹیلی فون اکسچینج سے آیا ہوں۔ آپنے ٹیلی فون کنکشن کے لئے اپلائی کیا تھا۔ سو انھوں نے مجھے بھیجا ہے کہ آپکے ٹیلی فون کا کنکشن دیدوں۔

ڈاکٹر: (خلا میں دیکھتے ہوئے) کیا۔؟ کیا ـــ؟

(وہ آدمی اپنے تھیلے میں سے اوزار نکالتا ہے۔ امبور اور پیچ کش میز پر رکھتا ہے۔ ڈاکٹر نرس کے ہاتھ سے ٹیلی فون گرجاتا ہے۔ دروازہ کھول کر سرلا داخل ہوتی ہے اور سہمی ہوئی کھڑی ہوجاتی ہے ـــ)

پربودھ جوشی (گجراتی)

ہم نہ روئے تھے تمہارے مسکرانے کیلئے!

کردار: کپور، نیلمک، پریم کمار، شوبھا
شنکر، باپ، کلاکار

(پردہ کھلنے پر کپور اور پریم کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نیلمک بیٹھے ہوئے کچھ سوچ رہا ہے)

نیلمک: (چانک) اچھا تو اسٹارٹ! پہلا ہی شارٹ اور ہیروئن سسکیاں لیتی روتی ہوئی کھڑی ہے۔

کپور: روتی ہے؟ کیوں!

نیلمک: نہیں کپور صاحب! ہیروئن سسکیاں نہیں لیتی۔ وہ زکھلکھلاتی ہنستی کھڑی ہے۔

پریم کمار: ہنستی ہے! کیوں؟

نیلمک: نہیں پریم جی! وہ ہنستی نہیں ہے۔ وہ تو اداس اور مایوس کھڑی ہے۔

کپور: اداس اور مایوس، کیوں؟

نیلمک: اداس اور مایوس نہیں۔ وہ تو شبنم سی معصوم کھلتی کلی کی طرح مسکراتی ہے۔

پریم: مسکراتی ہے کیوں!

نیلمک: وہ مسکراتی نہیں۔ وہ تو بلینک Blank کھڑی ہے۔

کپور: Blank کیوں؟

نیلمک: سمجھ لیجئے کہ وہ کوئی بھی Expression کے ساتھ کھڑی ہے۔

پریم: کھڑی ہے کیوں؟ (پریم اور کپور دونوں صوفے کے پاس نیلمک کے ساتھ آتے ہیں)

نیلمک: (صوفہ پر بیٹھتے ہوئے) بیٹھئے!

کپور: بیٹھئے کیوں!

نیلمک: (لیٹ جاتا ہے) سوتی ہے!

دونوں: (نیلمک کو اٹھا کر نیچے پھینکتے ہیں) لیکن سوتی ہے کیوں؟

نیلمک: شاید ہیروئن کچھ نہ کچھ تو کرے گی۔

کپور: ہاں! ہاں! سب کچھ کرے۔ بھاڑ میں جائے۔ جہنم میں جائے مگر کیوں؟

پریم: مطلب کی کوئی وجہ؟

کپور: مطلب کہ پھر کیا ہوتا ہے؟

نیلمک: تو یہ پوچھئے نا کہ کیا ہوتا ہے؟ پھر کیا ہوتا ہے! میں تو سمجھا کہ آپ کو میری کہانی پسند نہیں آئی۔

کپور: اجی صاحب! کہانی تو شروع ہی کہاں ہوئی؟ کہانی ابھی شروع ہی نہیں ہوئی تو پسند ناپسند کا سوال کہاں آسکتا ہے؟

بولو نا! میرے باپ تو پھر کیا ہوتا ہے؟

نیلمک: مجھے باپ بنانے کی فرصت نہیں! میں کہتا ہوں اچھا

تو ہیروئن کسی بھی Expression کے ساتھ بیٹھی ہے کوئی ہے سوئی ہے! اور ہیرو آتا ہے! دونوں میں پریم ہو جاتا ہے۔ بعد میں ویلن آتا ہے اور تکلیفیں آتی ہیں اور تکلیفیں ہٹتی ہیں اور ویلن ہٹتا ہے اور فارمولا کے مطابق Happy end دونوں کی شادی، پٹنہ میں، ماجو کو جو پٹنہ ہوئی رانی۔

چودھری ۔ واہ! کہانی تو بہت اچھی ہے۔ آج کل کی ہٹ فلموں کی فارمولا والی ہے۔ مگر ایسی کہانی کے لئے اچھا کلاکار چاہیے اور آج کل انڈسٹری میں کلاکار کہاں ہیں!

(کلاکار داخل ہوتا ہے)

کلاکار : صاحب! میں کلاکار ہوں۔ مجھے رول دیجئے میں ایکٹنگ جانتا ہوں۔ مجھے ایک ننھا سا منا سا رول دیجئے۔

چودھری ۔ پریم کمار آ گئے ہیں صاحب! Come on فارمولا نمبر One

(دونوں اسے اٹھا کر باہر پھینکتے ہیں)

کلاکار ۔ (پھینکتے ہوئے!) ارے! یہ کیا کرتے ہیں! مجھے رول دو۔ ارے کیسے پروڈیوسر ہو۔ باہر رستہ دکھانے کے لئے نوکر بھی نہیں۔ (کلاکار نکل جاتا ہے)

چودھری ۔ یہاں اسٹوری کا شکلا دھیں اور جناب رول لینے چلے آتے ہیں اور ... تو مجھے ایک Sensation اسٹوری سنا۔ ایسی اسٹوری جس میں ہر ایک منٹ میں Situation ہو۔ ہیرو گھومے Situation گھومے اور .... Audience جھومے۔ ہالی ووڈ سے لا جاپان سے لا، دلی سے لا، بنگال سے لا، مدراس سے لا۔ کہیں سے بھی لا۔ مگر لا۔ ہے کوئی اسٹوری۔

یکتک ۔ بھانت بھانت کی ہے۔ قسم قسم کی ہے سسپنس، فیملی ڈرامہ، میلو ڈرامہ، تھرلر، کرائم، فانٹسی اسٹنٹ، ایموشن!

چودھری ۔ ایموشن ہو نہ ہو، آئی وانٹ موشن، یہ موشن پکچر ہے! بلکہ موشن چاہیئے۔

یکتک ۔ آپ کو موشن چاہیئے نا! تو لیجئے موشن! ایک کے بعد ایک ہال کی بتیاں گل۔ دھاڑ دھاڑ کر کے ایک کے بعد ایک سیلائیڈ ختم۔ انڈین نیوز بھی ختم۔ دو آدمی Audience باہر۔ نیوز ریل ختم۔ باہر کی Audience اندر، سنسر بورڈ کا سرٹیفکیٹ گول ہی۔ بڑا تاپ۔ گلستان پیش کرتا ہے! اندھیرے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی یعنی تمہاری بدولت اور تالیاں!

پریم ۔ تالیاں!

یکتک ۔ تالیاں نہیں تالیاں! آج کے اسٹوری کے کرشمے زمانے میں Audience یکتک کے نام پر تالیاں تو بجا گی ہی۔ ایک کے بعد ایک ٹائیٹل ختم اور پہلا ہی شاٹ اور Audience زور سے اچھلتی ہے۔

پریم ۔ ہماری Audience والے یکتک جاننے کی طرح بیوقوف نہیں ہے کہ ہنسے!

یکتک ۔ جی! جی! Visualise کیجئے! پہلا ہی شاٹ اور کیمرہ Pan ہو کر گٹے پر

چودھری : Now don't take this liberty

یکتک ۔ کتا بھونکتا ہے کیمرہ Pan ہو کر ہیرو پر۔

پریم ۔ Oh! God!

یکتک ۔ ہیرو گھبراتا ہے۔ کیمرہ Pan ہو کر سامنے کی کھڑکی پر ہیروئن کھڑی ہے۔ ہیرو، ہیروئن کے Entire cantd اب ہیرو بھونکتا ہے۔ کتا گھبراتا ہے۔

پریم ۔ نیوز ریل ابھی تک چالو ہے۔

چودھری ۔ Continuity

یکتک ۔ ہیرو، شراب نہیں پیتا۔ وہ تو پیتا ہے۔

چودھری : سگریٹ۔

نیلکنٹھ: سگریٹ نہیں دوائی!

کپور: تم نے پریم سے پوچھا!

نیلکنٹھ: Shame on you ہاں! تو ہیرو دوائی پیتا ہے۔ ہائے رے قسمت! ہیرو نے جو دوا پی ہے وہ تو آنکھ کی دوا ہے اسے پی کر ہیرو اندھا ہو جاتا ہے۔

پریم: اوہ! تو!

نیلکنٹھ: اور دوسری طرف ہیروئن، ہیرو کے پریم میں مبتلا ہیروئن ہیرو سے پیار جتانے کے لئے سوریا نمسکار کرتی ہے اور اسے سن اسٹروک لگتا ہے اور ہیروئن بھی اندھی ہو جاتی ہے! دونوں اندھے ہو جاتے ہیں۔ اور Audience دیکھتی رہ جاتی ہے۔

پریم: Audience اندھی نہیں ہوتی!

نیلکنٹھ: Audience اندھی ہے اسی لئے تو ایسی پکچر دیکھتی ہے۔ اچھا! تو دونوں اندھے ہو جاتے ہیں۔ اور دونوں میں پیار ہو جاتا ہے۔

کپور: پیار کی وجہ؟

نیلکنٹھ: اس Situation پر میرا لکھا ایک گانا آتا ہے کہ "عشق وہ آتش ہے کہ بجھائے نہ بجھے"۔

پریم: تیرا لکھا! ارے یہ تو تیرے چچا مرزا غالب کا شعر ہے!

نیلکنٹھ: آپ لوگ ہالی وڈ سے کہانی، ڈائیلاگ، میوزک سب اڑاتے ہیں تو کچھ نہیں اور میں نے اپنے ہی ملک کے ایک مشہور شاعر کے شعر پر اپنا نام لکھا تو چلاتے ہیں! اچھا! تو دونوں اندھوں میں پیار ہوتا ہے اور Climax آتا ہے!

کپور: کس کے پیچھے؟

نیلکنٹھ: راستے سے گزرتا ہوا ہیرو کیلے کے چھلکے سے پھسل جاتا ہے۔ اور اس Accident سے وہ دیکھنے لگتا ہے

پریم: کیا ولن بھی اندھا ہے؟

نیلکنٹھ: نہیں پریم کار، عشق اندھا ہے! اور ولن عاشق کہاں! وہ تو سچائی دیکھنے لگتا ہے۔ اور دونوں سے معافی مانگ کر چلا جاتا ہے۔

کپور: چل کر جاتا ہے۔

نیلکنٹھ: جی نہیں! میری اسکرپٹ میں تو وہ کار میں جاتا ہے! مگر اگر شوٹنگ کے وقت آپ کی کار بک گئی ہو تو وہ پیدل جائے گا۔

پریم: ارے! لیکن۔ Climax تک ہیرو، ہیروئن ملتے ہیں کہ نہیں۔

نیلکنٹھ: اس کا آدھار دونوں ایک ہی شوٹنگ ڈیٹ دیتے ہیں یا نہیں اس پر ہے۔

کپور: سمجھو کہ دیا تو!

نیلکنٹھ: تو فارمولے کے مطابق شادی۔ کشمیر میں ہنی مون آؤٹ ڈور شوٹنگ کا Scope ضرور ہے Good سہاگ رات، شب وصال، گولڈن نائٹ، پھولوں کا کلوز اپ، پلنگ روم کا کلوز اپ ہیروئن بولتی ہے ہیرو سنتا ہے۔ ہیروئن بولتی ہے۔ بولتی رہتی ہے۔ ہیرو تنگ آکر بھاگتا ہے۔ دوڑتا ہے۔ راستے پر آکر اسی کتے سے ملتا ہے۔ اسے گلے لگاتا ہے۔

کپور اور پریم: What nonsense

نیلکنٹھ: دونوں ہو گئے ہیں اور End۔
I remember its pen
گلستاں، شبنم۔

کپور: اسے جو اندھی لڑکی راستے پہ دوڑے گا تو گم نہیں ہو جائے گا۔

نیلکنٹھ: کپور صاحب! ایسے کسی کا لڑکا کبھی کھویا ہے کیا؟ (باپ داخل ہوتا ہے)

باپ: صاحب! میرا اکلوتا لڑکا آج سات سال سے کھو گیا ہے!

کپور: مجھے گواہ یا ثبوت کی ضرورت نہیں!

باپ: صاحب میرا بیٹا کھو گیا ہے!

کپور: تو اخبار میں اشتہار دو! پولیس میں فریاد کرو۔

باپ: نہیں صاحب مجھے بیٹا چاہیے۔

کپور: ارے یہ Maternity اسپتال تو نہیں ہے نہ یہ کا ہرو پارک ہے۔

باپ: صاحب آپ سمجھے نہیں۔ میری ایک ناٹک کمپنی تھی۔ میرا بیٹا بھگت دھرو کا پارٹ کرتا تھا۔ ایک دن رات کے کھیل میں مجھ سے پوچھا "پتا جی بھگوان کہاں ملے گا" میں نے کہا بیٹا "بھگوان اس اسٹیج کی روشنی میں کہاں؟ بھگوان تو ملتا ہے جنگلوں کے اندھیرے میں" بس یہ سن کر وہ بھگوان کی کھوج میں چلا گیا۔ سات سال ہو گئے۔ اس بات کو مجھے اپنا بیٹا یاد آ رہا ہے!

کپور: مگر میں اس میں کیا کر سکتا ہوں؟

باپ: صاحب! میرا بیٹا بھوکا مرتا ہوگا۔ فٹ پاتھ پر سوتا ہوگا۔ چنے کھا کر میونسپلٹی کے نل سے پانی پیتا ہوگا۔ مگر فرسٹ کلاس میں پکچر ضرور دیکھتا ہوگا!

کپور: تو!

باپ: آپ مجھے اپنی نئی پکچر میں رول دیجئے۔ مجھے اسکرین پر دیکھ کر میرا بیٹا مجھے پہچان جائے گا!

کپور: ہٹ! بڑی! چل بھاگ! رول لینے آیا ہے۔ کیا کہانی بنائی ہے؟ چل بھاگ!

(باپ پیچھے سرکتا ہے)

کپور: اور.... تو بھی Genuine کی اسٹوری سنا!

یکمک: میری بات مانو کپور صاحب! کہانی Genuine نہیں ہو سکتی۔ کہانی تو ایک سنہرا خواب ہے! جو Audience اپنی نیند میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اور تم لاکھوں میل دور کے ستارے توڑنے کی بات کرو گے تو Audience کو گدگدی ہو گی۔ لیکن اگر زندگی کی حقیقت ان کے فائدے کی پیس پوائنٹ فائدے کی بات ڈاکومنٹری میں دکھاؤ گے تو Audience بھاگ جائے گی آج کی..... Modern Audience کو چاہیے چٹکارے دار Social یا Mythological پکچر

پریم: ماڈرن سوشیل پکچر میں چٹکارا!

یکمک: — Mythology سے بھی زیادہ نہیں مانتے! آئیے دکھاؤں Situation ہے۔ ایک لڑکا کھڑا ہے۔ لڑکی پرس لے کر جا رہی ہے۔ لڑکی کا پرس گر جاتا ہے۔ آؤ پریم کمار اس سچویشن پر کون سی پکچر میں تم نے کام کیا ہے۔

(یکمک فائل لے کر نکلتا ہے۔ فائل گرتی ہے Mime)

پریم: جی! جی! (Mime فائل سے چہرہ ڈھانکتا ہے)

کپور: جی! جی!

یکمک: تو یہ تھی حقیقت! اب دیکھو حقیقت میں آؤ — پریم کمار وہ Sequence دیکھو (Mime چانٹا مارتا ہے۔ شنکر داخل ہوتا ہے)

یکمک: تو یہ تھی حقیقت۔ اور ثبوت چاہیے؟ تو وہ دیکھو بھگوان! Heaven and Hell شنکر جنہیں اسکرین پر دیکھ کے لوگ پوجتے ہیں۔ نمسکار کرتے ہیں۔ منت مانتے ہیں اور یہ سچائی ہے دیکھو سگریٹ پیتے شنکر بھگوان کو Audience

مچل گئے کیا؟

شنکر: ارے بھائی! یہ کہاں Nobody بیٹھا ہے۔ یہ تو ہے سوشیل۔ مس چیخ پڑے گی۔

بیکھک: مس چیخ پڑے گی! یہ کیا؟

شنکر: بات یہ ہے کہ پکچر میں ہیروئن شنکر جگروں کی تصویر کے سامنے بھجن گاتی ہے۔ اب گاؤں میں شنکر جگروں کا تصویر بہت مشکل ملتی ہے۔ سو اپنا ایک اسٹیل فوٹو دے دیا اور کچھر صاحب اپنا اسٹیل مانگے.....

کچھر: شنکر تیری یہ مجال! چل بھاگ! You are a nuisance (شنکر نکلتا ہے۔ ہیروئن آتی ہے)

کچھر: اوہ! میڈم..... آؤ میڈم!

شوبھا: (ہیروئن) شنکر ذرا Chair!

شنکر: اوکے میڈم!

شوبھا: وہاں رکھو! نہیں یہاں رکھو۔ نہیں وہاں.....
بیٹھئے نا کچھر صاحب!

کچھر: Oh! Thank you madam!

شوبھا: پریم کمار تم بھی بیٹھو!

پریم کمار: Thank you obliged —

کچھر: میڈم آپ کیا لیں گی؟ چائے یا کافی؟

شوبھا: Cold old tea —

کچھر: شنکر ایک کولڈ اولڈ ٹی! اور ہاں دو چائے۔

شنکر: ابھی لایا! (چلا جاتا ہے)

کچھر: یہ ہیں میڈم شوبھا دیوی! اور یہ ہیں میڈم — ہمارے اسٹوری رائٹر!

شوبھا: بیٹھئے نا!

کچھر: نہیں یہ تو کھڑے ہی رہیں گے۔

بیکھک: ہاں! ہاں! میں تو.....

شوبھا: تو آپ اسٹوری کانفرنس میں تھے

کچھر: اوہ! ایس۔ میڈم!

شوبھا: مجھے پوچھے بنا؟

کچھر: اوہ! 'نو' 'نو' میڈم.... (بیکھک سے) میں نے تجھے کہا تھا نا کہ میڈم کو خیال میں رکھ کر اسٹوری لکھنا
کہا تھا نا! کہا تھا! کہا تھا نا!

بیکھک: ہاں' ہاں! کہا تھا! (شنکر ٹرے کے ساتھ آتا ہے۔ ٹرے ٹیبل پر رکھتا ہے)

بیکھک: ہاں! تو میڈم! آپ کو خیال میں رکھ کر کہانی اسٹارٹ اور ماں کو لڑکی آتی ہے۔

شوبھا: کہاں؟

بیکھک: اسپتال میں!

شوبھا: کوئی وجہ دے سکتے ہو؟

بیکھک: دنیا کا دستور ہے' قدرت کا اصول ہے۔ اس لئے ماں کو لڑکی آتی ہے۔

شوبھا: اچھا! کس کی ڈلیوری میں!

بیکھک: کسی کی نہیں! ماں کی ڈلیوری میں۔ ماں کو لڑکی آتی ہے اور ماں کی ماں' لڑکی کی' لڑکی کو' دیکھنے آتی ہے۔

شوبھا: اچھا! اس ماں کی بھی ماں ہے اور اس لڑکی کی بھی لڑکی ہے۔

بیکھک: دونوں الگ نہیں ہیں میڈم! دیکھئے میں سمجھاتا ہوں۔ یہ ماں کی ماں اور ماں' اپنی لڑکی کی لڑکی، یہ لڑکی کو دیکھنے آتی ہے۔ اور لڑکی کو دیکھ کر ماں خوش ہو جاتی ہے۔

شوبھا: کونسی ماں!؟

بیکھک: لڑکی کی لڑکی۔ ماں کی ماں! اچھا تو ماں کو لڑکی آتی ہے۔ ماں کی ماں۔ لڑکی کی لڑکی کو دیکھنے آتی ہے اور لڑکی کی لڑکی، ماں کی ماں' خوش ہو جاتی ہے اور یوں لڑکی بڑی ہوتی ہے۔

شوبھا: کونسی لڑکی؟

ٹیکھک: ماں کی ماں، لڑکی کی لڑکی! اچھا تو ماں کو لڑکی آتی ہے۔ ماں کی ماں لڑکی کی لڑکی کو دیکھنے آتی ہے۔

شوبھا: Oh you naughty [illegible] تم کہانی سناتے ہو یا نہیں؟ کپور صاحب! میں بیٹھ جاتی ہوں۔ شنکر میرا Chair لاؤ

شنکر: لایا میڈم!

کپور: میڈم! میڈم! (شنکر اور پروین چلے جاتے ہیں) تیرا یہ Behaviour! ابھی تیری نوکری سے تجھے نکال دیتی۔ یہ کیسا برتاؤ۔ کوئی باہر کا آدمی ہوتا تو سوچا کرتا Nonsense ہے کیوں؟

ٹیکھک: معاف کیجیے کپور صاحب! کہانی سناتے سناتے جذباتی ہو جاتا ہوں اور اگر سچ دیکھا جائے تو، اسٹوری ہی تو فلم کا سچا Romance ہوتی ہے۔

کپور: بکواس بند کرو اور سے چائے لے۔

ٹیکھک: Oh thank you

کپور: میں نے پریم کمار سے کہا ہاں! اور تم مجھے ایک Genuine اسٹوری یعنی اسٹوری، اچھی اسٹوری سنانا۔

ٹیکھک: میری بات اب بھی مان لو کپور صاحب، اچھی کہانی سچی نہیں ہوتی۔ سچی کہانی، اچھی نہیں ہوتی۔

پریم: سچی بات ہے! اچھی پکچریں چلتی نہیں اور جو چلتی ہیں وہ اچھی نہیں۔

کپور: پریم کمار، اسے Genuine اسٹوری سنانے دے۔ ہاں سناؤ۔

ٹیکھک: ٹھیک سے سنیئے۔ سیاہ زلفیں بکھیرے رات اپنے دامن میں ساری دنیا کو لئے سوئی ہے اور گھپ اندھیرے میں سنائی دیتی ہیں دو چیخیں۔ (کلاکار اور باپ دونوں آتے ہیں)

کلاکار: صاب: مجھے رول دو۔

ماں: صاب، مجھے رول دو!

کلاکار: صاب، میں بھی ایکٹنگ جانتا ہوں۔ میں اپنے باپو کی ناٹک کمپنی میں رول کرتا تھا۔ بھگت دھرو کا رول کرتے کرتے ایک رات بھگوان کی کھوج میں چل پڑا، کاشی گیا۔ ہردوار گیا۔ لیکن کہیں بھی بھگوان نہیں ملے۔

کپور: تو پھر یہاں کیسے ملیں گے۔

کلاکار: بھگوان تو نہیں ملے۔ لیکن جان پایا کہ بھگوان اپنے بھیتر ہیں۔ صاحب! مجھے اپنے باپو کی یاد ستا رہی ہے وہ میری یاد میں خون کے آنسو بہاتے ہوں گے۔

باپ: صاحب میں اپنے لئے نہیں۔ اپنے بیٹے کے لئے رول مانگتا ہوں۔

کلاکار: آپ کیوں بیچ میں ٹانگ اڑاتے ہیں؟

باپ: تم چپ رہو! ہیں!

کلاکار: ہیں! کون؟

باپ: کون؟ رام!

کلاکار: کون؟ باپو!

(دونوں گلے ملتے ہیں)

باپ: رام چلو!

کلاکار: چلو باپو! مجھے اب رول نہیں چاہیئے! مجھے اپنے باپو مل گئے۔

باپ: اور مجھے اپنا بیٹا!

(دونوں چلے جاتے ہیں۔)

ٹیکھک: یہی سے جو سب سے زیادہ جھوٹی کہانی پہ پکچر

جاننے والے اسٹیڈیو میں کیسا پیارا اور سچا مِلن؟ اگر ہر کہانی
کا Good End ایسا Happy ہو تو........

کپور: Good End' Happy لاتا ہے تو اسٹارٹ کرو
چلو مجھے سناؤ اپنی Genuine اسٹوری۔

نیلکنٹھ: سنئے! سیاہ زلفیں بکھیرے رات اپنے دامن میں
ساری دنیا کو لپیٹے سوتی ہے۔ اور گھنگھور اندھکار میں
سنائی دیتی ہے (تیز میوزک)

کپور: ارے شنکر میوزک بند کرو ورنہ صاحب کو اسٹوری
کا موڈ نہیں آئے گا۔ (میوزک بند ہو جاتی ہے)

پریم کمار: ہاں! کچھ ایسی Situation لاؤ۔

نیلکنٹھ: کیسی پریم کمار؟

پریم کمار: ہیرو الجھن میں ہے کہ اپنے اصولوں کے لئے
سماج کے پرانے خیالات اور اپنے رواج کو چھوڑ
دے یا دنیا کے رسم و رواج اور گھسے پٹے خیالوں
کو اپنا کر اپنے اصولوں کو چھوڑ دے۔ To be
or not to be پھر اپنے من کو مضبوط کر کے
فیصلہ کر لے کہ اصولوں کے لئے رسم و رواج کے بندھن
کو توڑ کر اس پاگل کرا دینے میوزک کے ساتھ جیسے وہ
چلا جا رہا ہے۔ چلا جائے گا۔
(نیلکنٹھ پریم کمار کو پکڑ لیتا ہے)

نیلکنٹھ: ہیرو کو جانے دیجئے پریم کمار! آپ واپس
آ جائیے۔

پریم کمار: (بگڑ کر) کپور صاحب آپ اس کارٹون
کو نکالتے ہیں یا میں اسے نکالوں!

کپور: ٹھہر بھائی! وہ کہانی سناتا ہے Genuine
اسٹوری ہے۔ ہے Genuine
اسٹوری ہے۔

نیلکنٹھ: اسٹوری تو ہے۔ مگر ڈر ہے کہ میں اگر سناؤں گا
تو آپ تک پہنچے گی نہیں۔ اگر آپ تک پہنچی تو
آپ کے بھی دماغ تک پہنچے گی نہیں۔ اور اگر آپ
کے دماغ تک پہنچ بھی گئی تو آپ اسے دل
تک پہنچنے نہیں دیں گے۔

کپور: ارے جا! بہانے بنا کر اپنی مفلسی مت چھپا!

نیلکنٹھ: کپور صاحب! میں مفلس ضرور ہوں۔ مگر لکشمی کا نہ کہ
سرسوتی کا! لیکن اب آپ نے میری سرسوتی پر شک
کیا ہے۔ تو سنئیے! (فائیل کھولتا ہے)
سیاہ زلفیں بکھیرے رات اپنی آغوش میں ساری
دنیا کو لپیٹے سوتی ہے اور بھیانک سناٹے میں اور
اندھیرے میں گاؤں کی سرحد سے دور ٹمٹماتا ہے۔
ایک دیا۔ جیسے روشنی بن کر دنیا کے سرمایہ داروں کو
آگاہ کر رہا ہے کہ مت رکھو اپنے ناپاک اور منحوس
قدم ہماری سرحد میں۔ ورنہ ہمارے رہے سہے کھنڈرات
بھی خاک میں مل جائیں گے۔ مٹی کے ڈھیر سے بنی
کٹیا سے سنائی دیتی ہیں دو چیخیں! جوان بیمار ہے!
اور پیدا ہوتے ہی ہونی نے جس کی موت کی تاریخ
طے کر دی ہے۔ اس کا آٹھ سال کا بیٹا کبھی باپ
کے پیر دباتا ہے۔ کبھی سر۔ جوان کی خوبصورت
بیوی پریشان ہے۔ دوائی کے لئے وہ بھیک لیتی
نہیں کیونکہ وہ جانتی ہے کہ ہر ایک بھیک کے پیچھے
بھیک دینے والا چھپا ہوتا ہے۔ مگر وہ لیتی نہیں
کیونکہ مدد کے پیچھے ماپاپ چھپا ہے۔ ایسے میں
اسے پتہ چلتا ہے کہ گاؤں کے نگر سیٹھ کشتی تندل
سیٹھ کے ہاں سات دن کا جلوس نکلنے والا ہے
جس میں پٹرومکس کی بتی اٹھانے والے کو بارہ آنے
مزدوری ملنے والی ہے۔ لہٰذا شام کے سات بجے
یہ جلوس نکل کر نو بجے لوٹنے والا ہے۔ جوان عورت

وہ مزدوری قبول کرتی ہے۔ [illegible] کو سات
بجے جلوس نکلا۔ اس عورت نے بتّی اٹھائی۔ لیکن
ہائے رے قسمت جو پیٹرومیکس اس نے اٹھایا تھا
وہ [illegible] ہوتا تھا اور گرم گرم کیروسین
کی بوندیں اس کے بدن کو جلاتی تھیں۔ پھر بھی وہ
وہ ایک ہی اُس میں آگے بڑھ رہی تھی کہ چلنے کے
بعد اسے بارہ آنے تو ملیں گے۔ جس سے وہ
اپنے پتی کے بجھتے دیپ میں زندگی کا تیل تو جلا
سکے گی۔ [illegible] کو بجے جلوس لوٹا۔
سیٹھ نے منیم سے کہا "سب کو بولو کل سات
بجے آجائے" سب چلے گئے۔ وہ عورت کھڑی
رہی۔ سیٹھ نے کہا "جاؤ" اس نے کہا "مزدوری"
سیٹھ نے کہا "سات دن کے بعد اکٹھا دیں گے"
عورت نے کہا "نہیں مجھے آج اسی وقت چاہیئے"
سیٹھ نے منیم سے کہا "دے دو اسے پیسے" اور
اس سے کہہ دو، کل سے نہ آئے" عورت کو کل
کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ تو کال سے لڑ رہی تھی۔
ستیا وان کی جان بچانے۔ ساوتری سنگرام سے
کھیل رہی تھی۔ منیم نے ترچھی نظر سے اس کی طرف
دیکھا: سکّے سے پھینکے، عورت نے پیسے اٹھائے
اور اچھلتی، خوشی سے ناچتی چل پڑی۔ خیراتی دواخانے
کی طرف۔ جہاں چار آنے ڈبے میں ڈالنے پر دوائی
مفت ملتی تھی۔ بے خبر ناسمجھ عورت کو یہ پتہ نہ تھا
کہ ہر خوشی کے پردہ میں غم اور ہر امید کے پیچھے،
ناامیدی ہوتی ہے۔ اس نے ایک بار سکّے اچھالے
تو اٹھنی تو واپس ہاتھ میں آئی لیکن چونی اس کے
داہنے ہاتھ کی دھن ریکھا کو چھو کر نیچے جا گری اور
لڑھک کر بدنصیبی کی گٹر میں چلی گئی اور سماج کی

گندگی کے ساتھ بہہ گئی۔ بھگوان تو غریبوں کا دھرم
ٹیکس معاف نہیں کرتا۔ سماج اور میونسپلٹی کو کوستی
بچی ہوئی اٹھنی کو مٹھی میں سختی سے دبا کر عورت دواخانہ
پہنچی، ڈاکٹر نے مریض کا حال پوچھنے کی بجائے پوچھا
"پیسے" عورت اٹھنی بتائی۔ ڈاکٹر نے دوائی لکھی
اور کمپونڈر نے دوائی بنائی اور جیسے ہی عورت
نے دوائی کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ کمپونڈر کی تیز آواز
آئی "بائی! بائی! رکھو وہ دوائی، لے یہ تیری اٹھنی
کھوٹی ہے" گرم پیٹرومیکس کے کیروسین سے نہیں
جلنے والی عورت اب جل گئی۔ خیراتی دواخانہ کی،
دوائی سے مایوس گمبھیر اور اُداس لڑکھڑاتی چل
پڑی گھر کی طرف۔ گھر جا کر دوائی کے بدلے ملنے کے
دیپ جلائے۔ ایک شمع نے گل ہو کر دوسری جوت
کی لو بڑھائی۔ Dissolved۔ بچّا کے سورگ کی
پہلی کرن پر دنیا جاگی۔ اخباروں میں فرنٹ Page
پر سیٹھ کشن چند کے جلوس کی تصویریں دھرم ویر
دان ویر کے القابوں کے ساتھ چھپی تھی۔ مگر اسی
اخبار کے [illegible] میں تو کیا مفت
چھپنے والی موت کی خبروں میں بھی گاؤں کی سرحد
کے اُس پار مرنے والی اس جوان عورت کی
خبر تک نہیں چھپی تھی۔ جوان بیوہ کی آخری نشانی
منگل سوتر کو بیچ کر پتی نے اس کے انتم سنسکار
ادا کریا کرم کیئے۔ اور اس کی دوسری نشانی ننھے
بچے کو لے کر وہ نکل پڑا۔ حقیقت کو کلپنا اور
سچائی کو کہانی بنا کر وہ اسٹوڈیو کے چکر کاٹنے
لگا۔ روز صبح آشا سے اٹھنے والے قدم ہر شام کو
مایوسی کے ساتھ لوٹتے اور بیٹا پوچھتا: "بابو کیا
ہوا۔"

پریم : چھٹے!

کپور : پھر کیا ہوتا ہے؟

لیکھک : اس کا انحصار آپ پر ہے۔

پریم : یہ تیری کہانی ہے!

لیکھک : ہاں!

کپور : یہ تیری لکھی ہوئی کہانی ہے؟

لیکھک : میری لکھی نہیں۔ مجھ پر بیتی کہانی ہے۔ کپور صاحب
میں نے اپنے دل کے زخم دکھائے ہیں۔ جیسے ہوا
ویسے۔ نہ تو مرہم لگایا اور نہ پٹی

کپور : لو! تیری کہانی لی! دیکھو Scene میں بتاتا ہوں۔
باپ گھر جاتا ہے۔ بیٹا پوچھتا ہے۔ باپ بول
نہیں سکتا۔ دونوں بھوکے پیاسے سو جاتے ہیں۔
اور صبح کو بیٹا مر جاتا ہے۔

لیکھک : صاحب! بیٹے کو مت مارو! باپ بھلے سے مر جائے۔

کپور : Grim Melo Drama .O.K —
باپ اور بیٹا دونوں مر جاتے ہیں۔

لیکھک : بیٹا نہ مرے! اس کے لئے باپ مرنے کو تیار
ہوا۔ تب بھی آپ بیٹے کو مارنے پر تلے ہیں —
بیٹا نہیں مرے گا۔

کپور : بیٹا نہیں مرے گا تو کہانی نہیں لی جائے گی!

لیکھک : کہانی نہیں لی جائے گی! کپور صاحب۔ میں نے تو
سداما بن کر اپنے چاول کی گٹھری کھولی لیکن آپ
کرشن نہ بن سکے۔ جب میں گھر پہنچوں گا تو میری
کٹیا محل نہیں بنے گی۔ میرے تو چاول بھی نہ ہوں گے۔

کپور : دیکھو! ...... تیری کہانی
ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے۔ اس میں مسالہ بھرنا ہو جائیے

لیکھک : بنا روح ہڈیوں کے ڈھانچوں میں مسالہ بھر کے کیا
کروگے؟ روح تو رہنے دو۔

پریم : مگر تیرا لڑکا گھر پر کہاں مرتا ہے؟ وہ تو Studio پر
مرتا ہے۔

لیکھک : وہ گھر پر نہ مرے تو اس لئے تو Studio پر لایا ہوں
تو تم اسے Studio پر مارنا چاہتے ہو؟ لڑکا نہیں
مرے گا!

پریم : اگر بکھر زیادہ چلے! اس لئے تیرا لڑکا مرے تو
تیرا کیا جاتا ہے؟

لیکھک : میرا بیٹا!

پریم : کپور صاحب! میں Studio پر جاتا ہوں۔

(وہ جاتا ہے)

لیکھک : کپور صاحب! یہ کوئی دیواروں کا بیوپار نہیں۔
زندگی کی تلخ حقیقت ہے!

کپور : تم ہی تو کہتا تھا کہ راجا کو پسند ہو رانی ——
میں ہوں یہاں کا راجا! مجھے پسند ہے اپنی پسند
سے سجائی ہوئی رانی۔

(پریم آتا ہے)

پریم : کپور صاحب! Studio تیار ہے چلئے۔

کپور : چلو! سوچ لو! اگر بیٹے کو مارنے کو تیار ہو تو
بولنا میں Studio پر ہوں!

(دونوں جاتے ہیں)

لیکھک : Genuine اسٹوری کے خریدار
خود Genuine نہیں۔ کون راجا؟
یہ پروڈیوسر جو ہم پر ہنستا ہے —— وہ
Audience جو ایسے پروڈیوسر
پر ہنستی ہے۔ نہیں ہم سب بھول جاتے ہیں۔
کرسچا راجا تو ہے۔ اوپر والا جو ہم سب
پر ہنستا ہے۔ وہ روز کروڑ ہا اور کہانیاں
لکھتا ہے۔ اور لکھنے کے بعد ایک لفظ تک

نہیں بدلتا! بھگوان تو نے ہماری قسم تو بنائی
مگر ایسی کہ ہمیں بھی دیکھنے کی فرصت نہ ملی کہ
کتنے Out of focus ہو
گئے ہیں۔ ہمارے جیون۔ ہمارے اصول
ہماری فطرت ؎

"دیئے جا درد، ڈھائے جا ستم"

خیرات کر قسم کی۔ لیکن بھگوان میں تیرا نہ رہوں
گا۔ آخر میں تو ہی رو دے گا! بھگوان تیری
اور میری کہانی کی کل اور آج تو وہی ہے۔
لیکن اگر تو کل اپنی خدائی بھول کر کچھ بھول
کر بیٹھے گا تو میری انسانیت کا تو یہی تقاضہ
ہوگا کہ تجھے معاف کر دوں!

(فائیل بند کرتا ہے)

چھڑائی تو تو ہے۔ اوپر والے راجا کی من پسند
رانی ملی ہے۔ مفت میں پھر بھی کتنی مہنگی۔ میں
تجھے اپنی کٹیا کی رانی بنا کر رکھوں گا۔ مگر اسے
محل کی داسی نہیں بننے دوں گا۔ میں پانڈو نہیں
کہ اپنی آنکھوں کے سامنے دروپدی کے وستر ہرن
ہونے دوں۔ میں نل راجہ نہیں جو دکھ کی ماری
دمینتی کو چھوڑ دوں۔ میں تو ہوں آٹھویں ایڈورڈ
کے آج کے زمانے کا ادنیٰ آدمی۔ سلطنت،
چھوڑ دوں گا۔ ساتھ نہیں۔

؎ حسرتیں پامال ہوکر رہ گئیں
؎ حسرتیں پامال ہوکر رہ گئیں

ہم نہ روئے تھے، تمہارے مسکرانے کے لئے!

** (پردہ)

سائیں مہاراج

بلراج ساہنی

بیوی، میں نے تو مردوں کو اکثر بیٹھ کر شیو کرتے دیکھا ہے۔ تپائی پر سجا دھجا کر اپنا سامان رکھتے ہیں۔ پیالے میں کھولتا ہوا پانی اور پھر بڑے اطمینان سے آئینہ میں اپنا منھ چڑاتے ہوئے حجامت بناتے ہیں۔ لیکن تمہیں واش اسٹانڈ کے پاس کھڑے ہو کر ٹھنڈے پانی سے داڑھی گھسیٹنے میں نہ جانے کیا مزہ آتا ہے۔

میاں، اگر تمہاری طبیعت بھی میری طرح شاعرانہ ہوتی تو تمہیں معلوم پڑتا کہ کیا مزہ آتا ہے۔ پہلے کھڑکی کے ڈنڈے پر آئینہ بٹھانے میں پانچ منٹ لگ جاتے ہیں۔ اس کے بعد بھی کھٹکا لگا رہتا ہے کہ اب گرا کہ جب گرا۔ ایک تو یہ مزہ آتا ہے دوسرا مزہ یہ ہے کہ کھڑکی کے باہر کا نظارہ۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس کھڑکی میں سے مجھے صرف ایک امرود کا پیڑ اور تھوڑا سا آسمان نظر آتا ہے۔ مگر یہ بھی اتنا ہی بہت ہے۔ بمبئی شہر میں رہنے والے کے کمرے چاروں طرف سے کئی منزلہ مکانوں سے گھرے ہوتے ہیں۔ ان میں دھوپ تو کیا روشنی بھی بڑی مشکل سے پہنچتی ہے۔ آسمان کے اس نظارے کے لئے بمبئی والے ترس جاتے ہیں۔

بیوی، معلوم ہے! معلوم ہے!

میاں، اور سنو! اس پیڑ پر ایک سانڈا رہتا ہے اور ایک گلہری۔ یہ دونوں ایک چڑیا کے گھونسلے پر بُری طرح عاشق ہیں۔ اور بے چاری چڑیا اپنے انڈوں کے مستقبل کے بارے میں برابر فکرمند رہتی ہے۔

بیوی، اچھا! اچھا! اب جلدی جلدی شیو ختم کرو، اور کپڑے پہنو۔ ناشتہ میز پر پڑا ہے۔

میاں، اچھا! ہاں! بس ایک منٹ میں یہ بارش بند ہو تو آج میں بھی سائیں مہاراج کے پاس جاؤں گا۔ اور ان سے پوچھوں گا۔ مہاراج ذرا جوتش لگا کر بتائیے تو چڑیا کے انڈے سانڈا کھائے گا یا گلہری۔ اگر انہوں نے یہ صحیح بتا دیا تو سمجھوں گا کہ جوتش ودیا میں ابھی کچھ دم

ہے۔ ورنہ سب ڈھونگ ہے۔

بیوی: (ہنس کر) وہ کہیں گے نہ ساڑھے ساتی ہے تو بچھو بلکہ ہم کھائیں گے۔ ساتھ چڑیا اور چڑیا کے بچّے کو بھی!

میاں: اب تم خود سائیں مہاراج کا اپمان کر رہی ہو۔ جانِ من ــــ یہ سوچنے کی بات ہے کہ اگر آدمی کی زندگی پہ ستاروں کا اثر پڑتا ہے تو چڑیا ساتھ اور تھیری پہ بھی ضرور پڑتا ہوگا۔ اس بارے میں کھوج کرنی چاہیئے۔

بیوی: ہاں! وقت ضائع کرنے کا یہ بھی اچھا طریقہ ہے۔

میاں: تو تمہیں اپنی جوتش ودیا پر خود ہی یقین نہیں ہے۔

بیوی: مجھے ایسی چیزوں کے لئے جوتش کی ضرورت پڑے تب تو میرے پاس تمہاری طرح ضائع کرنے کا فالتو وقت نہیں ہے۔ کبھی سائیں مہاراج کے پاس جاکر دیکھا ہے۔ فلم پروڈیوسروں کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ ان کے پاس ایسی فضول باتوں کے لئے وقت نہیں ہے۔

میاں: اب یہ تمہاری زیادتی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ تمہارے سائیں مہاراج کے پاس بہت سے فلم پروڈیوسر اور ایکٹر جاتے ہیں مگر میں نے دیکھا ہے کہ عورتوں کی تعداد بھی وہاں کم نہیں ہوتی۔ میں نہیں کہتا کہ جوتش سائنس ہے۔ لیکن یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ نہیں ہے۔ یہ بہت سی باتیں......

بیوی: اچھا بھئی میں تو جاتی ہوں۔ کھانے کی میز پر تم سوچتے رہو! اپنے فلسفے پر ہاں! دیکھو سائیں مہاراج کہتے کہتے تل کھلا نہ چھوڑ دینا ٹانکی کا سارا پانی بہہ جائے گا!

میاں: ارے! کہاں چلیں! جانِ من! ذرا بات تو سنو بھئی! چلتا ہوں، میں بھی اکیلا چلتا ہوں!

(آغوش میں لینا چاہتا ہے)

(نوکر داخل ہوتا ہے)

نوکر: صاحب! (یہ کہہ کر رک جاتا ہے)

میاں: کیا ہے؟

نوکر: کوئی صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔ اور پوچھتے ہیں آپ گھر پر ہیں! کیا کہہ دوں؟

میاں: ملنے آئے کے بچّے! تم سے کتنی بار کہا ہے کہ اندر آنے سے پہلے دروازہ پر دستک دیا کرو ــــ کون ملنے آیا ہے؟ کیا نام ہے؟ کیا کام ہے؟

نوکر: کوئی فلم کمپنی کے صاحب معلوم ہوتے ہیں!

میاں: ارے نکلوش! فلم کمپنی کے صاحب تو اس شہر میں ہزار گھوما کرتے ہیں۔

نوکر: ایک بار پہلے بھی آئے تھے۔ گول مول سے آدمی ہیں۔ استرے سے سر منڈوا رکھا ہے! بدن پر جھلا جھک سِلک کا کرتا ڈالے ہیں۔ چکر دار بٹن بھی لگائے ہیں۔ اور نیچے دھیان نہیں دیا، دھوتی پہنے ہے یا پاجامہ

میاں۔ استرے سے سر منڈوا رکھا ہے اس لئے فلم کمپنی کے آدمی ہو گئے۔

"واہ رے میرے کرسٹوفر کولمبس"

بیوی: ٹھہر تو جاؤ: (نوکر سے) ارے باہر کھڑے ہیں کیا؟

نوکر: نہیں بی بی جی! سیدھے ناشتہ کی میز پر آ بیٹھے ہیں!

بیوی: تب تو ضرور فلم کمپنی کے آدمی ہوں گے اور کون ہو سکتا ہے؟ مفت خورے کہیں کے۔ جاؤ کہہ دو صاحب گھر میں نہیں ہے۔

(نوکر جانے لگتا ہے)

میاں: نہیں! نہیں! اب یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کدھر جاتا ہے شہر! سن! ادھر آ! یہ ساری گڑبڑ تیری بے وقوفی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ میں نے کتنی بار تجھ سے کہا ہے کہ جب کوئی ملنے آئے تو پہلے نام پوچھا کرو۔ کہا تھا کہ نہیں؟ چپ کیوں کھڑے ہو، جواب کیوں نہیں دیتے؟

نوکر: جی!

میاں: تو پھر تم نے پوچھا کیوں نہیں!

نوکر: بھول گیا تھا صاحب! غلطی ہو گئی!

میاں: غلطی نہیں! غلطیاں ہو گئیں ہیں۔ غلطیاں ــــ دروازہ پر دستک نہیں دی ایک غلطی۔ نام نہیں پوچھا دوسری غلطی اور دروازہ کھلا چھوڑ آئے تیسری غلطی۔

نوکر: آگے سے ایسا نہیں ہوگا صاحب!

میاں: کیوں نہیں ہوگا! ضرور ہوگا! تم کل تک سے ہمیشہ بہت ہمارا لگا ہو۔ تم نے ہی سب کو حیران کرنے کا بندوبست کر رکھا ہے۔

بیوی: اب بس بھی کیجیے! اس نے کہہ جو دیا۔ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔ دیکھو پھر تم نے نل کھلا چھوڑ رکھا ہے۔ تم بھی کیا کم ہو!

میاں: (نوکر سے) جاؤ! ان سے کہو صاحب آتے ہیں!

نوکر: اچھا جی۔ (جاتا ہے)

میاں: جانِ من! تمہیں نوکر کے سامنے میری توہین نہیں کرنی چاہیے۔

بیوی: میں نے کیا کہا ہے؟

میاں: مجھ سے نل کھلا رہ گیا۔ تم کہتی ہو تم کون سے کم ہو! یعنی میں بھی اتنا ہی جاہل ہوں جتنا وہ۔۔ وہ آنے والوں کا نام پوچھنا بھول جاتا ہے۔ میں نل بند کرنا بھول جاتا ہوں۔

بیوی: ہائے رام! آج تو صبح ہی صبح تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ ابھی اس بے چارے کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ اب میرے پیچھے پڑ گئے۔

میاں: پھر تم نے ایک اور ناواجب بات کہی تھی۔ نوکر نے کہا تھا کہ آدمی بغیر پوچھے اندر چلا آیا۔ اس پر تم نے کہا تب تو ضرور فلم کمپنی کا آدمی ہوگا۔ مطلب یہ کہ فلم کمپنی میں کام کرنے والا ہر آدمی بھوکا، آوارہ اور اُجڈ ہوتا ہے۔ ادھر اس کمبخت کی رائے میں جس آدمی کا سر استرے سے منڈا ہوا ہو وہ ضرور فلم کا آدمی ہوتا ہے۔ خوب ــ

بیوی: پر اس سے تمہاری توہین کیسے ہو گئی؟

میاں: کیا میں ایڈیٹر نہیں! کیا میں فلم کمپنی میں کام نہیں کرتا۔

بیوی: اچھا بابا! معاف کرو۔ اپنے منہ سے تو ہمیشہ فلم انڈسٹری کو کوستے رہتے ہو میرے منہ سے ذرا سی بات نکل گئی تو تم نے طوفان کھڑا کر دیا۔

میاں: وہ ایک الگ بات ہے، یہ اور بات ہے۔

(نوکر آتا ہے)

نوکر: وہ۔ بیٹھے ہیں صاحب؟

میاں: تم نے کہا ان سے کہ ہم آ رہے ہیں۔

نوکر: جی!

میاں: چائے وائے دی ان کو!

نوکر: نہیں صاحب!

میاں: کیوں نہیں؟ میز پر ناشتہ نہیں رکھا ہے کیا؟

نوکر: دکھا ہے صاحب!

میاں: تو بلاؤ نا جائے ان کو۔ ان سے کہو صاحب تیار ہو رہے ہیں پانچ دس منٹ میں آئیں گے۔

نوکر: اچھا صاحب! (نوکر جاتا ہے)

میاں: دیکھو دروازہ پھر کھلا چھوڑ گیا۔ یہ جان بوجھ کر گستاخی کرتا ہے۔ تم سے کہے دیتا ہوں۔

بیوی: تم بھی تو ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہو۔ کیا ہوا ہے کھلا چھوڑ گیا ہے تو؟

میاں: ارے بھئی ہوا آتی ہے بنیان پہنے کھڑا ہوں سردی لگ جائے گی مجھے بارش جو ہو رہی ہے!

بیوی: تو یہ کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو تب ہوا نہیں آئے گی؟ (دروازہ بند کرتی ہے)

میاں: بمبئی میں ہوا پچھم سے آتی ہے۔ چار برس ہو گئے ہیں یہاں رہتے ہوئے اتنا بھی نہیں معلوم۔

بیوی: معلوم ہے! ان چار برسوں میں اور بھی بہت سی باتیں معلوم ہو گئی ہیں۔

میاں: مثلاً!

بیوی: مثلاً یہ کہ دو دن بھی اگر شوٹنگ نہ ہو اور تمہیں گھر میں رہنا پڑے تو تم اتنے پریشان ہو جاتے ہو کہ گھر ہی میں ایکٹنگ شروع کر دیتے ہو۔

میاں: تو میں ایکٹنگ کر رہا ہوں؟

بیوی: اور جو کوئی بھی تم سے ملنے آتا ہے تو تم یہی سوچتے ہو کہ کوئی پروڈیوسر یا کنٹریکٹ لے کر آیا ہے۔

میاں: خوب!

بیوی: کیوں؟ ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟

میاں: بالکل غلط!

بیوی: سچ سچ بتاؤ کہ کیا میں واقعی غلط کہہ رہی ہوں۔ شاید کوئی پروڈیوسر ہی ہو۔

میاں: (ان سنی کر کے) آج اگر اس سانڈ سے کھڑکی سے ٹکر ہو جاتی تو مزہ آ جاتا۔ اس کمبخت بارش نے سب مزہ کرکرا کر دیا ہے ارے وہ دیکھو وہ آیا۔ دیکھو دیکھو کیا دہشت بھری چال ہے اس کی جانِ من ادھر تو آؤ.....

بیوی: میں نہیں آتی تم بات بدلنے کی کوشش کر رہے ہو!

میاں: خدانخواستہ میرا اس سے سامنا ہو جائے تو میں صاف میدان چھوڑ کر بھاگ جاؤں۔ معلوم ہے آج سے کروڑوں سال پہلے زمین پر صرف سانڈ سے ہی سانڈ سے پھرا کرتے تھے۔ ہاتھی نہ شیر، نہ گینڈا، نہ انسان، صرف سانڈ سے، بڑے بڑے سانڈ سے۔

بیوی: دیکھو مجھ سے کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہ کیا کرو۔

میاں: کیا چھپانے کی کوشش کر رہا ہوں میں!

بیوی: تمہیں صبح سے کسی کا انتظار تھا۔

میاں: اس موسلا دھار بارش میں؟ اگر تمہارا ذکر کرشنا فرکولیس ہے تو تم بھی شرلاک ہومز سے کم نہیں ہو۔

بیوی: (اس کی طرف دیکھتے ہوئے) وہ دیکھو چہرہ کہیں کہیں کٹ گیا ہے۔ ذرا سا پاؤڈر منہ پر لگا لو (لگاتی ہے) ہاں اب تو اچھے خاصے لگتے ہو۔

میاں: ارے ہٹاؤ بھی! کیوں فضول باتیں بناتی ہو!

بیوی: اچھا بتاؤ تمہیں انتظار نہیں تھا کسی کے آنے کا؟

میاں: بالکل نہیں!

بیوی: تو پھر اتنی جلدی شیو کرنے کا کیا مطلب؟ ویسے تو تم دس بجے سے پہلے اٹھنے کا نام نہیں لیتے اور

تم نے اس آدمی کو بٹھایا ہے لیکن اتنا بھی نہیں پوچھا کہ وہ کون ہے؟

میاں: اب تو اندر آ ہی چکا ہے اور بیٹھ بھی گیا ہے اسے کیسے نکالا جا سکتا ہے۔ آخر اخلاق بھی تو کوئی چیز ہے؟

بیوی: اگر کوئی چور آ جائے تو بیٹھک سے کچھ لے کر چلتا بنے گا؟

میاں: اچھا بیگم! تو تم جاؤ اور اسے کان پکڑ کر باہر نکال دو اور کہہ دو میں گھر میں نہیں ہوں۔ بلکہ یہ کہہ دو کہ وہ کہتے ہیں گھر پر نہیں ہیں۔ خالص فلمی محاورہ ہے۔

بیوی: ٹھیک ہے! میں دیکھتی ہوں کون ہے؟ اگر کوئی معقول آدمی ہو تو بٹھاؤں گی ورنہ بتا دوں گی ــ بستر سے سر منڈوانے والوں کا گھر میں آنا ٹھیک نہیں (دروازہ تک جاتی ہے)

میاں: دیکھو جلد بازی نہ کرنا۔ سر منڈوائے ہوئے ہے شاید کسی سبھا یا سوسائٹی کا آدمی ہو۔ کسی چیریٹی شو کے لئے یا ڈونیشن ... کرنے آیا ہو۔

بیوی: چیریٹی شو والے سر نہیں منڈواتے تم چنتا نہ کرو۔ ایجنٹوں سے کیسے کیسے لوگ ملنے آتے ہیں میں انھیں اچھی طرح پہچانتی ہوں۔

میاں: ٹھہرو! میں بھی تو دو ایک منٹ میں کپڑے پہن کر تیار ہو جاؤں گا۔ پھر مل کر چلیں گے۔ ناشتہ بھی تو کرنا ہے نا

بیوی: اچھا کیا پہنو گے؟

میاں: کیا پہنوں گا؟ قمیص پتلون پہنوں گا اور کیا پہنوں گا؟

بیوی: کونسی؟

میاں: وہی جو تمہارے سامنے ٹنگی ہے اور کونسی؟

بیوی: گول والی؟

میاں: اور کیا؟ کہیں باہر تو نہیں جا رہا ہوں؟

بیوی: یہ تو میلی ہو چکی ہے۔

میاں: تو کیا سوٹ پہنوں؟

بیوی: میں بتاؤں۔ وہاں جو میرا ڈریسنگ گاؤن ہے نا۔ سلک کا جو میں ولایت سے لائی ہوں وہ پہن لو۔ اور اس کے ساتھ وہ گلوبند جو بخشی جی نے تمہارے برتھ ڈے پہ دیا ہے۔

میاں: جانِ من مذاق چھوڑو! قسم سے تم تو عجیب عورت ہو!

بیوی: اچھا میں کچھ نہیں کہتی جو تمہارے جی میں آئے پہنو۔

میاں: میں تو یہی قمیص، پتلون پہنوں گا۔

بیوی: تو پہن لو! میری ساتے کبھی مانی ہے تم نے!

میاں: پہن لوں؟

بیوی: اب مجھ سے کیوں پوچھتے ہو؟

میاں: کیا؟ تم واقعی یہ سمجھتی ہو کہ وہ شاید کوئی پہیدڈیو سر ہے؟

بیوی: میں نہیں سمجھتی! تم سمجھتے ہو تو مان کیوں نہیں لیتے!

میاں: ویسے ہو بھی سکتا ہے۔

بیوی: کیوں نہیں ہو سکتا! آخر اتنی صبح اور اسی جھیا تک بارش میں اگر کوئی خاص کام نہ ہو تو کون کس کے گھر آتا ہے۔ اسی لئے میں تو کہہ رہی ہوں کہ.....

میاں: یہ تو ٹھیک ہے۔ کل سے آج تک بارش بھی تیس انچ ہو چکی ہے۔ چرچ گیٹ سے لے کر باندرے تک تمام لیس اور گاڑیاں بھی بند ہو گئی ہیں۔

بیوی: میرا تو خیال ہے کہ آج بھی بند رہیں گی۔ رات بھر پانی برسا ہے اور اب بھی برس رہا ہے۔ میرے خیال میں یہ آدمی ضرور موٹر پہ آیا ہو گا۔

میاں: اڑوس پڑوس کا تو کوئی آدمی ہو نہیں سکتا!

بیوی: اور پھر سائیں جاوا جی نے بھی تو بتایا تھا کہ اس ہفتہ میں لا پتہ ہونے والا ہے۔

میاں: ارے رہنے بھی دو میں یہ سب نہیں مانتا۔

بیوی: میں جانتی ہوں تم نہیں مانو گے اس بات کو! (آنکھ کیا دل ہے؟ (سوچتی ہے) پڑھو۔ سائیں بابا نے کہا تھا پڑھو! پیر اور منگل وار خاص طور سے اچھے دن ہوں گے۔

میاں: ارے ہاں! جانِ من! کل شہر سے میرا جو دوست آیا ہے وہ کہہ رہا تھا کہ ہماری "پریم کی چھت" وہاں چھ ہفتوں سے چل رہی ہے۔ اندر ہی اندر وہاں شہر میں خبر پھیل گئی ہوگی۔ مگر جانِ من! اس فلم میں تو میں نے بالکل نیچر کام کیا ہے۔

بیوی: تو کیا ہوا! پکچر تو ہٹ ہو گئی ہے نا! شاید تم نے اچھے ہوں گے خوب ڈٹ کر سودا کرنا۔

میاں: لیکن میں ڈریسنگ گون میں بہت عجیب لگوں گا۔

بیوی: تو کیا ہوا؟ ذرا بن سنور کر جاؤ۔ اب ایکٹری کرنی ہے تو ایکٹروں والی عادتیں ڈالنا بھی ضروری ہے۔

میاں: لیکن اگر وہ کوئی فالتو کمپنی ثابت ہوا تو!

بیوی: پھر بھی کوئی بات نہیں۔ اپنی طرف سے لاپرواہ نہیں ہونا چاہیئے۔

(دونوں چیزیں لے آتی ہے)

میاں: ہم تو اچھے خاصے ہوا باندھ رہے ہیں؟ کیوں بیوی؟

(زور سے ہنستا ہے)

یہ سب اس کمبخت نوکر کی جہالت کا نتیجہ ہے — دیکھ لینا کوئی انشورنس ایجنٹ ہوگا۔

بیوی: تو کیا ہوا؟ میں خود انشورنس ایجنٹ ہوں۔ انشورنس کرو تم یہ رومال لو (دیتی ہے)

میاں: میں ابھی نہیں پہنوں گا!

بیوی: کیوں؟

میاں: کیونکہ؟ میں سمجھتا ہوں کہ میں ایک اچھا ایکٹر ہوں مجھے بناوٹ سنگار کی ضرورت نہیں!

بیوی: ہاں ہاں! سو تو ٹھیک ہے مگر اس وقت آدمی والی بننے کی کوشش نہ کرو۔ کوئی گڑبڑ ہو گئی تو ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔ اس بار کے کانٹریکٹ پر تو میں سینہ تان کر کتھا کرواؤں گی۔ کالونی کے سارے پڑوسیوں کو نیوتا دوں گی۔ کیوں ٹھیک ہے نا! ... ہاں اللہ سائیں بابا کا کرم.....

میاں: سائیں بابا کا کرم تو بعد میں دیکھا جائے گا۔ پہلے کانٹریکٹ تو ہو جانے دو۔

بیوی: تو یہ جلدی سے پہن لو۔ گلو بند بھی ڈال لو خدا کنگھی تو کر لیتے جاؤ۔ لاؤ مجھے دو۔

(کنگھی کرنے لگتی ہے)

میاں: ٹھیک ہے! ٹھیک ہے! دیکھ لینا ضرور کوئی انشورنس ایجنٹ ہوگا۔

بھولو! بھولو! (نوکر کو آواز دیتا ہے)

بیوی: اب نوکر کو کس لئے پکار رہے ہو؟

(نوکر آتا ہے، نوکر آکر)

نوکر: جی!

میاں: دیکھو! وہ موٹر میں آئے ہیں یا پیدل؟

نوکر: موٹر میں آئے جیسا معلوم ہوتا ہے صاحب!

میاں: کیا واقعی وہ فلم کمپنی کے آدمی معلوم ہوتے ہیں؟

نوکر: صاحب! مجھے یاد ہے جب وہ پچھلی بار آئے تھے تو آپ ان سے اپنی فلموں کی ہی بات کر رہے تھے اس وقت بھی ان کا سر منڈا ہوا تھا!

میاں: اچھا! اچھا! مجھے تو کوئی منڈے ہوئے سر والا یاد نہیں آرہا ہے۔ جوان ہے یا بڑی عمر کا ہے؟

نوکر: بڑی عمر کے ہیں صاحب۔ چالیس کے کچھ اوپر ہوں گے۔

میاں: چائے وائے پی انہوں نے؟

نوکر: ہاں صاحب! خوب ڈٹ کے پی!

میاں: اچھا جاؤ! جلدی سے ہمارا ناشتہ وہیں لے آؤ۔

نوکر: ناشتہ! ..... صاحب آپ دونوں کا ناشتہ تو وہ اکیلے ہی چٹ کر گئے۔

میاں: ہائیں! ارے خوش بخش اگر ان کے اندر قدم رکھتے ہی تو ان کا نام پتہ پوچھ لیا ہوتا تو تیرا کیا بگڑ جاتا۔

نوکر: ۔او۔ تو میں نے سب پوچھ لیا ہے صاحب!

میاں: کیا نام ہے؟

نوکر: سائیں مہاراج! کچھ ایسا ہی نام بتایا ہے صاحب!

میاں: سائیں مہاراج ..... لعنت تیری کی۔ جاؤ فوراً انھیں باہر کا راستہ دکھاؤ؟ سن لیا جانور کہیں!

(سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

★★

مطبوعاتِ زندہ دلانِ حیدرآباد و دیگر مزاحیہ کتب

نشتر و مرہم	رضا نقوی واہی	مجموعہ کلام	۳/۵۰	روپے
تیر نیم کش	بھارت چند کھنہ	مضامین	۷/۵۰	"
مزاج شریف	رشید قریشی	"	۳/۵۰	"
چھیڑ چھاڑ	پرویز ید اللہ مہدی	"	۶/۰۰	"
سایہ اور ہمسایہ	یوسف ناظم	"	۶/۰۰	"
مکرر ارشاد	برق آشیانوی	مجموعہ کلام	۴/۰۰	"
لالہ زار	خواجہ عبد الغفور	مضامین	۵/۰۰	"
قطع کلام	مجتبیٰ حسین	مضامین	۳/۵۰	روپے
بہر حال	مجتبیٰ حسین	"	۷/۰۰	"
قصہ مختصر	مجتبیٰ حسین	"	۶/۰۰	"
گل و گلزار	خواجہ عبد الغفور	"	۶/۰۰	"
در پردہ	مسیح انجم	"	۶/۰۰	"
فقط	یوسف ناظم	"	۶/۰۰	"
کیا نام نہ ہوگا	بھارت چند کھنہ	"	۸/۰۰	"
تو تو میں میں	پرویز ید اللہ مہدی	ڈرامے	۱۰/۰۰	"
پوری کے غلام	پرویز ید اللہ مہدی	مضامین	۷/۰۰	"

شگوفہ

۳۱/۱ مجرد گاہ

معظم جاہی مارکٹ

حیدرآباد

آشیا کہانی — وپاس کوی کا تصیر موہن سیناپتی
ڈرامائی روپ — گوپال چھوٹرائے
مترجم — اسمٰعیل آفتہ

پیٹنٹ میڈیسن

مالکن : کیا ہوا ہے — ؟
بابو : کچھ نہیں — وہی جو تم نے کہا تھا۔
مالکن : میں نے کہا تھا کہ گھر سے باہر بہر نہ نکلیں۔ اگر نکلیں تو اسی سڑک پر۔ صبح ہو یا شام — گھر کے سامنے والی سڑک پر پاؤ گھنٹہ چل پھر لینا۔
بابو : تمہاری رتی رتی بات پر عمل کیا ہے۔ اپنی اسی سڑک پر ٹہل رہا ہوں۔
مالکن : پھر بھی کہے دیتی ہوں۔ خبردار! زیادہ دور نہ نکل جانا۔ دس قدم اس طرف اور دس قدم اس طرف۔ ایک قدم زیادہ نہیں۔
بابو : بالکل ایسا ہی ہے۔ دس قدم، صرف دس قدم۔ ایک قدم بھی زیادہ نہیں گیا۔
مالکن : جاؤ گے بھی کیوں —؟ کیوں جاؤ گے — ؟ تمہارے جانے کا حال کیا میں نہیں جانتی؟ چلتے چلتے کسی طرف نکل جاؤگے تو بھی دلی تک دوڑتے نہیں ملیں گے۔ کیا میں تمہارے گن نہیں جانتی — ؟
بابو : میں کب کہتا ہوں کہ تم نہیں جانتیں — ؟
مالکن : کب سے گھوم رہے ہو — ؟
بابو : پاؤ گھنٹہ نہیں ہوا۔ سات آٹھ منٹ ہوئے ہوں گے۔
مالکن : اچھا ٹھیک ہے۔ جلدی گھر آجانا سن لیا۔ جلدی گھر آجاؤ۔
بابو : ہاں، سن لیا۔ جلدی گھر آجاؤں گا۔
مالکن : ہاں، بس آجاؤ — (وقفہ)

مالکن: (کھنکار کر) ہوں!

(بابو چونک کر رک گئے)

مالکن: ادھر کہاں چلے جا رہے تھے — ؟
بابو: کہیں نہیں۔ کہاں جاؤں گا۔ دس قدم کے اندر ہی تھا۔
مالکن: جھوٹ بولتے ہو۔ میں نے دروازے کی دراڑ سے دیکھا تھا — نظر نہیں آئے۔ جھوٹ کیوں بک رہے ہو۔
بابو: نہیں جی۔ جھوٹ کیوں بکوں۔ ناپ کر دیکھ لو — یہی دس قدم۔
مالکن: تب تو کم کر دو — پانچ۔
بابو: (بیکل ہو کر) پانچ!
مالکن: ہاں پانچ۔
بابو: سات ہو تو کیسا رہے گا؟
مالکن: نہیں نہیں — پانچ۔
بابو: اچھا، ٹھیک ہے۔ پانچ۔
مالکن: ہاں، پانچ اس طرف — پانچ اس طرف۔ کواڑ کی دراڑ سے دکھائی دیتے رہنا — سمجھے!
بابو: سمجھ گیا۔ کواڑ کی دراڑ سے دکھائی دیتا رہوں گا۔
مالکن: ہاں۔

(مالکن اندر چلی گئیں۔ بابو مالکن کے ڈائرکشن پر چہل قدمی کر رہے ہیں۔ اچانک یہ دکھائی دیا کہ کچھ فاصلے پر کوئی ہاتھ کے اشارے سے بلا رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد دھیمی آوازیں۔ بابو اور ایک چھوکرے میں گفتگو)

بابو: کیا بات ہے؟
چھوکرا: میں آیا ہوں نا!
بابو: کہاں؟ کس کے پاس — ؟ کیوں — ؟
چھوکرا: نہیں، آپ کے پاس!
بابو: میرے پاس؟ تو ہے کون؟
چھوکرا: بھلے — مجھے نہیں پہچان سکے بابو — ؟ میں نا — میں تو ......
بابو: میاں میاں سے کیا خاک پہچانوں؟ گھر کہاں ہے تیرا؟
چھوکرا: ہمارا گھر بھدرک ہے، حال ساکن تلنگا بازار۔
بابو: ارے ارے تو تو ہی بھدرک کا چھوکرا ہے کیا!؟
چھوکرا: ہاں بابو۔ وہی چھوکرا۔

بابو: اوہ ــــ کیا خبر ہے؟

چھوکرا: ٹھیک ہے۔ مجھے انھوں نے بھیجا ہے۔

بابو: کس نے؟

چھوکرا: مجھے دیکھ کر سمجھ نہیں پائے بابو کہ کس نے بھیجا ہے؟! انھیں نے بھیجا ہے! (توقف) وہی ــــ!

بابو: کیا کہہ رہا ہے بے تو ــــ؟! انھوں نے بھیجا ہے ــــ؟ (خوش ہو کر)

چھوکرا: ہاں جی۔ چٹھی دی ہے۔

بابو: چٹھی!!

چھوکرا: ہاں، یہ رہی چٹھی۔ (خط دیتا ہے)

بابو: (خط پڑھتے ہیں) "جیون ساتھی ہے! میں کل کلکتہ آئی ہوں۔ ماتر تمہارے سری مکھ کے درشن نہ ہونے کے کارن یہ سنسار ایک دم کڑوا لگ رہا ہے۔ پتر پاٹھ کرتے ہی بابو بے، تلے دم میرے پاس چلے آنا۔ تمہیں میری سوگند، اپنی سوگند، تمہاری ان کی سوگند ہو"

(اسی وقت مالکن پھر نظر آئیں ــــ کھنکارا ــــ بابو چونک پڑے۔ خط پڑھنا بند کر دیا)

مالکن: (کھنکار کر) ہوں ــــ!

بابو: (بات بناتے ہوئے ــــ چھوکرے سے) ہمارے ــــ اس کاغذ پر مسٹر بابو صاحب کا پتہ لکھا ہوا ہے۔ ان کے مکان کے لئے بس سیدھا چلا جا۔ وہاں سے بائیں جانا ــــ ایک موڑ ــــ وہاں سے دائیں مڑ جانا۔ وہاں سے پھر بائیں مڑ جانا۔ ــــ پھر بائیں ــــ پھر دائیں ــــ پھر بائیں۔

چھوکرا: لیکن بابو....

بابو: لیکن ویکن رکھ اپنے پاس۔ تیرے ساتھ چل کر میں ان کا گھر تو بتا نہیں سکتا۔ تو خود چلا جا۔

(مالکن خوش ہو کر ہنس پڑیں اور غائب ہو گئیں)

چھوکرا: یہ دائیں بائیں کیا بتا دیا بابو؟

بابو: ابے احمق۔ اگر نہ بتایا ہوتا تو مجھے خود یہاں سے دائیں بائیں ہونا پڑتا۔ ہاں ــــ تو وہ کل آئی ہیں؟

چھوکرا: ہاں

بابو: میرے لئے ان کا دل بہت بے تاب ہے نا رے؟

چھوکرا: ہاں! بہت بہت بیتاب!!

بابو: میں کیا کروں بتا؟

چھوکرا: چلیں گے۔ انھوں نے مجھ سے کہا تھا ــــ بابو کو بیٹھی جگہ سے کھینچ لانا۔

بابو: کھینچا تانی سے فائدہ نہیں۔ میں پانچ قدم سے زیادہ کھسک نہیں سکتا۔

چھوکرا : انھوں نے چٹھی دی، مجھے بھیجا اور آپ کہہ رہے ہیں میں نہیں چلوں گا۔

بابو : زبان سے نا کہہ رہا ہوں۔ اگر سچ مچ نہ جاؤں تو میری جان پر بن جائے گی۔ اچھا تو جا۔ یہاں تیرا زیادہ دیر ٹھہرنا اچھا نہیں۔ بھاگ چل

چھوکرا : آپ ۔؟

بابو : میں آؤں گا۔

چھوکرا : تب تو ان سے کہہ دوں گا کہ بابو آرہے ہیں۔

بابو : ہاں، جا۔ (وقفہ)

بابو : (خط پڑھتے ہیں) "تم کو میری سوگند، اپنی سوگند، تمہاری ان کی سوگند۔ آنا، ضرور آنا۔ نہ آئے تو میں زہر کھالوں گی۔"

"ہائے ہائے کیا کیا نہیں لکھ ڈالا ہے۔ مجھ سے ایسی ہی محبت ہے، جیمی! کیا کروں کیسے اس کے پنجے سے نکل کر اس کے پاس جاؤں (وقفہ) اچھا! (خط پھاڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا)

بابو : (کومل آواز میں) اجی، کہاں ہو جی؟ کہاں گئیں مُو؟ کس رہا ہو؟

مالکن : (اندر سے) کڑک کر کیا ہے؟

بابو : (غصے سے) باپ رے باپ! کیا کڑک ہے! (وقفہ) اجی ذرا سننا تو!

مالکن : اے میری قسمت! اتنی محبت کہاں سے اُبل رہی ہے۔ کیا ہوا؟

بابو : بات یہ ہے ــــ آج تین چار دن ہو گئے۔ ہر روز رات کو میرا سر چکراتا ہے۔ پیٹ بھی مروڑتا ہے۔ بدن جھن جھن کرنے لگتا ہے۔ بے حد ــــ بے حد تکلیف رہتی ہے۔

مالکن : اے لو ــــ ہوا۔ پھر کوئی نیا پریم نکلا۔ کیوں! چار دنوں سے تکلیف ہے اور کہہ رہے ہو آج۔ مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ سڑک پر ٹہلتے ٹہلتے دماغ میں کچھ گھُس تو نہیں گیا؟

بابو : نہیں جی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

مالکن : وہ جو دارو، گانجا، افیم، خاک دھول نگلتے تھے نا یہ اسی کا نتیجہ ہے۔

بابو : اب تو نہیں نگلتا ــــ تین مہینے سے چھوڑ چکا ہوں۔

مالکن : یہ اسی نشے پانی کا گن ہے۔ انسان کو جانور بنا دیتا ہے۔

بابو : کون نہیں جانتا یہ بات۔ میں انسان ہوتے ہوتے بچ گیا۔

مالکن : بچایا کس نے؟ میں نے۔

بابو : بے شک بے شک! جو تم نے کیا وہ اور کتنوں کی بیویاں کریں گی۔

مالکن : تمہارے گن سے ایک نہیں، تین بار نوکری گئی۔ خیر گئی گئی۔ اس کا فکر بھی نہیں۔ پیٹ کا تو فکر نہیں کرنا پڑتا۔ اب تو بھلے مانس بن کر گھر میں بیٹھو۔ کتنا تنگ کر کے، کتنے جتن سے راستے پر لائی تھی ــــ پھر اسی طرف خیال چلا گیا؟ پھر وہی ڈھکوسلا

ہے کیا؟ پھر کسی کی اولتی تلے پڑنا ہے کیا؟ آج پھر کہاں سے بلاوا آگیا؟

بابو : نہیں جی نہیں۔ وہ بات اب زبان پہ لاؤ ہی مت۔ جلد از جلد اسے بھول جاؤ۔ میری طبیعت جو بگڑی ہے کیوں جانتی ہو؟

مالکن : بدن میں، بدن بھر بیماری رکھ کر تو بیٹھے ہو۔ مجھے اور کیا جاننا ہے۔ تم میں کون سا گن نہیں ہے؟

بابو : نہیں جی۔ یہ بات نہیں۔ آج ماد ھو بابا چار یہ کھڑی رتن آئے تھے۔ راشی دیکھ کر بتایا کہ شنی راشی بچھو کی طرف جا رہی ہے یہ مہینہ شنی کا ہے۔ کوئی بچھو کی طرح ڈنک مار رہا ہے۔ کھڑی رتن نے کہا ہے کہ پن کا کام کرو تو سب دکھ کٹ جائیں گے۔

مالکن : کونسا پن کا کام کرنے کے لیے کہہ گئے ہیں کھڑی رتن ۔۔؟

بابو : میں بھینشور ستگراج مندر جاکر تین دن رہوں۔ وہاں جتنے مہادیو ہیں سب کی پوجا کروں۔ سو مٹکے، نہیں نہیں سیکڑوں مٹکے پانی کے ڈھالے جائیں۔

مالکن : اور؟

بابو : برہمنوں کو بھوجن دیا جائے۔ کچھ روپے ضرور خرچ ہوں گے ـــــ مگر شنی بانی ـــ سے جی چھوٹ جائے گا۔

مالکن : (شک کے ساتھ) کھڑی رتن آئے تھے؟ کب، مجھے تو پتہ نہیں چلا۔

بابو : ایں کھڑی رتن! کھڑی رتن آئے تھے میں نے کہا ہے کیا؟

مالکن : اور کیا کہا؟

بابو : غلط ـــــ غلط کہہ دیا۔ کھڑی رتن نہیں جی ان کے بیٹے آئے تھے۔

مالکن : ان کا بیٹا کہاں سے آگیا ـــ؟

بابو : (ہنس کر) اتنی معمولی بات میں نہ جانے کیوں بھول پر بھول ہو رہی ہے۔ تم تو جانتی ہو کھڑی رتن کے ساتھ میرے کیسے تعلقات ہیں۔ میری راشی کے ستاروں سے وہ واقف ہیں۔ انھوں نے اپنے لڑکے سے کہلا بھیجا تھا۔

مالکن : سچ؟

بابو : اور نہیں تو کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ بالکل سچ ہے۔

مالکن : دیکھوں، دیکھوں۔ ادھر میری طرف ذرا دیکھنا تو ـــ دیکھوں تمہارا منہ۔

بابو : دیکھو دیکھو ـــــ یہ لو دیکھ لو۔

مالکن : نہیں ـــــ مجھے نہ جانے کیوں وشواس نہیں ہو رہا ہے۔

بابو : تم گھر کی مالکن ہو۔ اگر تم وشواس نہیں کرو گی تو نہ یہ گھر چل سکے گا نہ میں چل سکوں گا۔ رات بھر مجھے جو تکلیف ہوتی ہے۔

مالکن : ہاں سمجھ گئی۔

بابو : میں جانتا ہوں، میری بیماری کی بات ہے تو تم ضرور سمجھو گی۔ اچھا کچھ روپے تو نکالنا۔ میں ابھی دن ہی کی گاڑی سے نکل جاؤں گا۔

مالکن : میری سمجھ نے جو کچھ سمجھا ہے، وہ یہ کہ تم کہیں نہ جاؤ، گھر میں چپ چاپ بیٹھو۔ طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔

بابو : ہاں ہاں۔ تین دن کے لیے کہیں جانا بھی اچھا نہیں ہوگا۔ میں ابھی جا رہا ہوں۔ دھلیشور کے درشن کر کے رات دو بجے تک لوٹ آؤں گا۔

مالکن : نہیں ــــ گھر چھوڑ کر کہیں نہ جاؤ۔

بابو : اچھا یہی سہی۔ صحت کا معاملہ ہے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ اچھا اچھا، کتنے روپے، نکالتی ہو نکالو تو۔ میرے پاس ہی کوکل شہر میں جتنے مہادیو ہیں ــــ نندا دیول ــــ امریشور ــــ گڑگڑیا......

مالکن : شہر ہی کی تو بات ہے نا، مکرا کو بھیج دو، ایک بگھی لے آئے۔ ہم دونوں مل کر مہادیو کے درشن کر آئیں۔ یہ اچھا رہے گا۔ (بابو درد کا بہانہ کر کے نیچے بیٹھ گئے)

بابو : اوہ ــــ بڑی تکلیف ــــ بڑی تکلیف !

مالکن : کیا ہوا ــــ کیا ہوا جی ! (بیٹھ سہلانے لگیں)

بابو : جو لات کو ہوا کرتا تھا، اب دن کو ہونے لگا۔ سر کا درد ــــ پیٹ کا درد ــــ بدن کی جھنجھناہٹ ــــ اوہ . . . .

مالکن : میں کیا کروں رے ماں ــــ . . . ارے مکرا۔

بابو : مکرا کو کیوں بلا رہی ہو۔ تم میرے پاس بیٹھو۔

مالکن : بیٹھی تو ہوں۔

بابو : میری تکلیف پر تو تم کو وشواس نہیں۔ اف ــــ ہو ــــ ہو ــــ

مالکن : خود آنکھ سے دیکھ رہی ہوں۔ تکلیف تو اٹھا ہی رہے ہو۔

بابو : بچھو ماشی کی طرف شنی جا رہا ہے۔ بچھو کی طرح ڈنک مار رہا ہے۔ اوہو ــــ ہو

مالکن : اس حال میں باہر کیسے جاؤ گے کہو تو ؟!

بابو : کنڈلی دیکھنے والے نے بھی یہی کہلا بھیجا تھا۔ طبیعت بگڑ جائے تو باہر جانے کے بجائے گھر ہی میں دھرنا دینا۔ اس کا بھی نتیجہ اچھا ہی نکلے گا۔

مالکن : کیسا دھرنا مجھے بتاؤ تو۔

بابو : بتاتا ہوں سنو ــــ ایک ــــ سر سے پیر تک کمبل اوڑھ کر اندھے منہ دھرنا دینا۔

مالکن : اس کے بعد ــــ ؟

بابو : دو ــــ چپ چاپ من ہی من میں سبھی دیوتاؤں کا دھیان کرنا۔

مالکن : ہے پربھو ــــ ہے دھلیشور ــــ ہے لنگراج مہا پربھو۔

بابو : تین ــــ دھرنا تنہائی میں دینا جہاں کسی عورت کی پرچھائیں تک نہ پڑے۔

مالکن : نہیں پڑے گی ــــ نہیں پڑے گی۔

بابو : چار ــــ سرہانے منّت کے کچھ روپے رکھنا اور طبیعت اچھی ہو جانے پر انھیں روپیوں سے بجرنگ بلی کرنا۔
مالکن : ہاں، وہ بیمہ بھی رہے گا۔
بابو : پانچ ــــ اب سے پانچویں پہر تک یعنی رات نو دس بجے تک ایک ہی دھن میں دھرنا دینا۔
مالکن : اسی گھڑی سے دھرنا دو گے؟
بابو : ترنت کرم مہاہن۔ دیر کیوں کروں؟
مالکن : نہیں نہیں ــــ دیر کیوں کرو گے۔ ارے مکرا .....
مکرا : (اندر سے) آیا مالکن۔
مالکن : اندر سے وہ کمبل لے آنا۔ ہاں، تو تم کیا تن ادھا کی دو گے؟
بابو : رام رام! دھرنے میں کیا کوئی کھاتا ہے۔ نرجلا اپواس۔
مالکن : آ ــ ا ــ ا! ہائے مجھے موت آ جائے۔ کتنی تکلیف ہو گی تم کو! (مکرا کمبل لے آیا)
مکرا : مالکن جی، پجاری پوچھ رہا ہے اس وقت کیا پکے گا۔
مالکن : کچھ نہیں۔ اس وقت پکانا رینڈھنا کچھ نہیں ہوگا۔ میں جاتی ہوں۔ روپے لے آتی۔ (مالکن چلی گئیں)
مکرا : کمبل لے آیا حضور۔
بابو : ٹھہر جا۔ اپنی مالکن کو آ جانے دے۔ (مالکن آ گئیں)
مالکن : یہ لو۔ روپے رکھ لو (روپے دیتی ہیں) دھرنا یہیں دو گے نا؟
بابو : ہاں۔ یہیں۔ اسی کمرے میں۔
مالکن : مکرا! اس کمرے کو اچھی طرح بہار دے۔ (مکرا بہار دیتا ہے)
مالکن : تب میں چلی۔ میری پرچھائیں تمہیں پڑنا چاہیئے کہ رہے ہو نا؟
بابو : ہاں تم جاؤ۔ کوڑیا رتن نے جو کہا ہے اسے حرف بہ حرف پورا کرنا ہے۔
مالکن : ہے بھگوان ہمارا پرچھوڑیے ہاں کمٹ چنڈسی ہے ماں ــــ شگلا ــــ (تمام جسم کے ساتھ مالکن چلی گئیں۔)
مکرا : یہیں سونا ہے حضور؟
بابو : کیا کہا؟
مکرا : آپ کو یہاں سونا ہے نا؟
بابو : میں سوؤں تو پھر تو کس لیے ہے؟
مکرا : جی جی ــ!
بابو : ادھر آ ــــ یہاں اس کمبل کو اوڑھ کر سو جا۔
مکرا : میں حضور، میں ....

بابو : کہا نا سوجا۔ تو سوئے گا تو میں باہر جاؤں گا۔
مکرا : میں کیوں سو جاؤں حضور؟ دھرنا آپ کو دینا ہے ـــــ کمبل آپ اوڑھیں گے۔
بابو : میں جو کہتا ہوں وہ کر۔ چل سو جا۔ میرا وقت برباد مت کر۔ مجھے جانا ہے
مکرا : میرے بھیجے میں کچھ نہیں آرہا حضور۔ میں کیوں سوؤں جھوٹ موٹ کو؟
بابو : ابے احمق، تو کمبل اوڑھ کر سو رہے گا تو مالکن سمجھیں گی میں سویا ہوا ہوں۔ اس کے بعد میں اپنا . . .
مکرا : حضور حضور۔ مالکن کو اگر معلوم ہو گیا کہ آپ نہیں سوتے ہیں ـــــ میں سویا ہوں ـــــ تو؟
بابو : کیا بک رہا ہے بے۔
مکرا : میری پیٹھ کی چھال اتر جائے گی حضور۔ مالکن کے ہاتھ میں جھاڑو کی مٹھیا آگئی تو اندر چندر بھی گھر چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔
میں کس گنتی میں ہوں مالکن . . . . .
بابو : میرے ساتھ کھیل کر رہا ہے کیا بے مکرا؟ پاجی، بدمعاش۔ پیٹ پیٹ کے تیری ہڈیاں چور کروں گا سمجھا۔
مکرا : (روتے ہوئے) آپ ہڈی چور کردیں گے۔ مالکن چھال اتاریں گی۔ میں تو مر ہی گیا۔ ہائے ہائے رے میری ماں۔ میں کس مصیبت میں پھنس گیا۔ میں مر جاؤنگا میری ماں (رونے لگا)
بابو : (نرم لہجے میں) مکرا۔ رو مت۔ میں یونہی مذاق کر رہا تھا۔ میں تجھے ماروں گا؟ ارے مکرو؟
مکرا : حضور۔
بابو : تو اپنے ماموں کے پاس کیندرا پاڑہ جانے کو کہہ رہا تھا نا؟
مکرا : چھٹی نہیں ملی حضور۔
بابو : کل سے تجھے چار دن کی چھٹی۔ جا تو اپنے ماموں کے گھر۔ راستے کا خرچ تو ہے نا؟
مکرا : کہاں سے لاؤں!
بابو : اچھا لے ـــــ چار روپے۔ راستے کا خرچ۔ ماموں ممانی کے لئے کھاجا خرید لینا۔ یہ لے۔ (روپے بڑھاتے ہیں)
مکرا : ننگے بدن کیسے جاؤں؟ بابو کے گھر کا نوکر ـــــ انگا (نیم آستین) بھی تو نہیں ہے۔
بابو : کوئی پرواہ نہیں۔ کل تیرے لیے انگا خرید دوں گا۔ پہن کر ماموں کے گھر چلے جانا۔ اب یہ کمبل اوڑھ کر سو جا۔ میرے آنے تک اسی طرح اوڑھ کر سوئے رہنا۔ نہ کھانسنا نہ چھینکنا۔ زور سے سانس بھی نہ لینا۔ اگر نیند آجائے تو خراٹے مت بھرنا۔ سمجھ گیا۔ سو جا۔ میں چلا۔

(مکرا سو گیا۔ بابو چلے گئے۔ کچھ وقت بیت گیا۔ مالکن آئیں)

مالکن : آہا! بغیر کھائے پیئے دن دوپہر سے زمین پر کمبل اوڑھے پڑے ہیں۔ شام ہو چلی۔ آرام طلب آدمی۔ کتنی تکلیف ہو رہی ہوگی۔ ہے۔ لنگراج مہاپربھو ان کو اچھا کر دو۔ نشے پانی کی لت چھڑا دو۔ میں ایک سو آٹھ پانی، ایک سو آٹھ بیل پتے چڑھاؤں گی۔ کہا تھا آج کچھ نہیں کھائیں گے۔ بازار سے کچھ پھل ہی منگوا لیتی ۔ یہ جوانی مرگا مکرا جانے کہاں مر گیا۔

(گردن اٹھاکر دیکھتی ہیں) کہہ رہے تھے میری پرچھائیں نہ پڑے۔ شام تو ہوگئی ہے۔ اب پرچھائیں کہاں سے آئے گی۔ ٹھاکر کے نام سے دھرنا دے رہے ہیں۔ اس وقت ان کے پیروں پر ماتھا ٹکا دوں تو پن ہوگا۔ ان کے من کی کامنا پوری ہوجائیگی جاؤں۔

(بے حد ہوشیاری برتنے پر بھی بابو کے سر پر پیر پڑ گیا)

مالکن: آ آ ہا۔ مجھ کلموہی نے یہ کیا کیا رے! سر پر میرا پیر پڑ گیا (بابو سے مخاطب ہو کر) اے جی! انجانے میں مجھ سے پاپ ہوگیا مجھ کو دوشی نہ دینا۔ یہ لو، تمہارے پیر پکڑ کر تین بار سر ٹیکتی ہوں۔ (سر ٹیکنے لگیں) اے میں مر جاؤں۔ بھوک پیاس میں اتنا خوب صورت پیر کیسا سکڑ گیا ہے! اس پر سارا بدن پسینے سے تر بہ تر ہے! کتنی تکلیف ہو رہی ہوگی۔ پسینہ تو پونچھ دوں۔ (یہ سن کر مکا اندر سے کانپ اٹھا) اس طرح کانپ کیوں رہے ہو جی؟ نہیں نہیں ——— تم شانت ہو کر سوئے رہو۔ میں کمبل نہیں کھینچ رہی ہوں۔ کمبل کے اندر ہاتھ ڈال کر پسینہ پونچھ دے رہی ہوں۔ (پسینہ پونچھتے ہوئے) ایں! ریشم کی طرح چھوٹے چھوٹے بالوں کے گچھے یوں کھردرے کیوں لگ رہے ہیں! دھرنا دینے سے کیا اس طرح سب بدل جاتا ہے! ہے ٹھاکر رے! ایں!! مونچھیں؟ مونچھیں کہاں گئیں؟ کیا جھڑ گئیں؟

مکرا: (کمبل کے اندر سے) نہیں مالکن! بابو کی مونچھیں بابو کے منہ پر ہوں گی۔ یہ منہ میرا ہے (مالکن نے کمبل کھینچ لیا)

مالکن: ایں! کیوں رے مکرا! کیوں رے جوانی مرگا! جوگن کھیا! تو یہاں کمبل اوڑھے پڑا ہے۔ میں تیرے پیر چھو کر تین بار سر ٹیک چکی ہوں۔ کہاں گئی وہ جھاڑو!

مکرا: ماں جی، ماں جی، مجھے مت مارو ماں۔ میں حکم کا چاکر ہوں۔ مجھے ماریں گی تو پڑوسی جان جائیں گے۔ اگر یہ پڑوسی جان گئے تو دوسرے پڑوسی بھی جان جائیں گے۔ پھر اس کے بعد والے پڑوسی۔ اسی طرح پڑوس کے پڑوس کے پڑوس جانتے جائیں گے۔ شرم کی بات ہے، سوچو تو ماں!

مالکن: تیرا بابو کہاں گیا؟

مکرا: اپنے کام سے۔

مالکن: اچھا تو جا اپنا کام کر۔

مکرا: کہاں جاؤں مالکن۔ یہاں بھی تو کام ہی کر رہا ہوں۔ بابو کے آنے تک کمبل اوڑھ کر یہیں سونا ہے۔

مالکن: اوں۔ (لہجہ بدل کر) اے مکرا!

مکرا: جی مالکن

مالکن: تو اپنی ماسی کے گھر بیٹا منڈی جانے کو کہہ رہا تھا نا؟

مکرا: بابو سے دو دن کی چھٹی مانگی ہے۔

مالکن: بابو کون؟ میں تجھے چار دن کی چھٹی دے رہی ہوں۔ جا تو ماسی کے گھر۔ راستے کا خرچ ہے نا؟

مکرا: کہاں سے لاؤں؟

مالکن: اچھا لے ـــــ لے ۔ یہ چار روپے ۔ (پلو سے روپے نکال کر دیتی ہیں) راستہ میں خرچ کرنا ماں سی کے لئے کھاجا وغیرہ خرید لینا ۔ ہاں تو کہہ رہا تھا کہ انگا نہیں ہے ؟

مکرا: انگا لیکر کیا کروں ماں جب جُھّا ہی نہیں ہے۔

مالکن: ٹھیک ہے کل میں ایک جھنا منیا ماندھی جُھّا خرید دوں گی ۔ تو جا ۔ کسی کو بالکل خبر نہ ہو ۔ گوال میں چھپا بیٹھا رہ ۔

مکرا: یہاں کون سوئے گا ماں ؟

مالکن: میں سوؤں گی کمبل اوڑھ کر۔

مکرا: پھر تو جھنجٹ ہی ختم ہوا ۔ بابو نہ سوئے آپ سوئیں گی ۔ اچھا سو جائیے ماں ۔ میں جا رہا ہوں ۔

(مکرا چلا گیا ۔ مالکن کمبل اوڑھ کر سو گئیں ۔ کچھ وقت گذر گیا ۔ بابو نشے میں لڑکھڑاتے ہوئے آئے)

بابو: مکرو، بابو مکرو، بھائی مکرو ـــــ تو نے آج مجھے بچا لیا ارے مکرو ! اٹھ بابا اٹھ اور کیا مانگتا ہے مانگ ۔ ماموں کے گھر جانے کو کہہ رہا تھا نا ـــــ اب سسرال بھی جا ۔ بھیج دوں گا تجھ کو ۔ ارے میں تو اپنی سسرال گھوم آیا ۔ اب تو اپنی سسرال جا ۔ آٹھ دن کی چھٹی دیتا ہوں ۔ اٹھ ۔ ارے بابا مکرا اٹھتا کیوں نہیں ۔ سونے میں مزہ آگیا ۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے سو یار ـــــ سو سمجھا ـــــ تیری مالکن، مالکن کون ہے ـــــ ڈائن ہے ڈائن ۔ دو مہینوں سے مجھے گھر میں باندھ رکھا تھا ۔ دو مہینے تک شراب کو چھوا بھی نہیں ۔ ہونٹ ترس کر رہ گئے تھے ۔ آج میرے منہ کا مزہ بدلا ہے ۔ کیا بڑھیا مال تھا ۔ شراب نہیں ـــــ امرت، کھاتی ولایتی ۔ اکشا نمبر ون ۔ ارے مکرا ۔ میں اتنی باتیں بک رہا ہوں ۔ تیری مالکن کہیں سن تو نہیں رہی ؟ سن رہی ہے تو سنے ۔ وہ میرا کیا بگاڑ لے گی ۔ وہ آدمی نہیں ـــــ کٹھ پتلی ہے ۔ نام تو دیکھو ـــــ سلوچنا ! کیوں رے سلوچنا کوئی نام ہے ۔ سو لو یا سُو لو جلب تالاب یا بنسی کا تنڈا ۔ اس پر کیا یعنی آتما ۔ ماش کا آتما یا کلستی کا آتما اور اس کا نام ! آسمان تارہ ۔ نیلے آکاش کا تارہ ۔ سندھیا تارہ ۔ سندھیا تارہ ۔ آدھی رات کا تارہ ۔ صبح کا تارہ ۔ دن میں تارہ ۔ رات میں تارہ ۔ ایک دن کی بات نہیں ہے رے مکو ۔ اس کے ساتھ میرا تین سال کا یارانہ ہے ۔ آج جیسے ہی ملاقات ہوئی ۔ بوتل ہی بوتل کھل گئی ۔ اور کھانے کیا دیا معلوم ؟ تیری مالکن کھانے کو دیتی ہے ۔ پتلا چتو، چھنچھی، پترا تھا رمنڈا ۔ چھی چھی ۔ یہ تو گھوڑے کا چارہ ہے ۔ اور اس نے دیا ـــــ کٹلٹ، بوائلڈ ایگ، ڈیل اور شراب کے ساتھ چاٹ کیا تھا معلوم ہے ؟ بھنی مچھلی واہ ! ایک پیٹ ٹھونک لیا ۔ کل پھر جاؤں گا ۔ تو ہی بتا مکرا ـــــ آسمان تارہ کو چھوڑ کر کیا میں رہ سکوں گا ؟ وہ محفل یہاں کہاں ؟ تیری مالکن تو سوکھی لکڑی ہے ۔ اس کا باوا سالا بھی ۔ ۔ ۔ ۔

مالکن: کیا کہا ؟ ! میرا باوا تیرا سالا ہے ! (پیٹتے ہوئے)

بابو: ارے ! ارے !! ارے !!! تم مجھے مار رہی ہو ! جھاڑو کی مٹھیا سے پیٹھ ڈال رہی ہو !

---

۱ دھرتی

مالکن : خزانی ! پہلے گھر میں گھسنے والا — میرا باپ اور سالا ! (پھر ملتی ہیں)

بابو : میں نے کچھ نہیں کہا —— کہیں بھی نہیں گیا —— کسی کے گھر نہیں گھسا ۔ اسی سڑک پر بس پانچ قدم اس طرف ۔ — پانچ قدم اس طرف تمہارا سر چھوتا ہوں ۔

مالکن : مکھا بھائی اور میرا باپ ہوا سالا ! (پھر مار پڑتی ہے)

بابو : مر گیا رے ! بڑے زور کی چوٹ لگ رہی ہے ۔

مالکن : میں کلمتی کا آٹا —— اور وہ سنسنیا تارہ ! (پھر مار پڑتی ہے)

بابو : بس کرو —— نشہ ہوا ہو گیا ۔

مالکن : میں سوکھی لکڑی —— وہ آسمان تارہ ۔ ۔ ۔ آسمان ! (حملہ جاری ہے)

بابو : (نیچے گر کر) او —— ہو —— ہو !

مالکن : بھنی مچھلی کے چاٹ کے ساتھ یہ جھاڑو کی مٹھیا کا چاٹ کیسا لگ رہا ہے ؟ کیسا لگ رہا ہے جی ! اوے ! چیتے کے گھونگ کا ٹلپ ! مجھ سے دو پیسے اینٹھ کے کسی کی اولتی تلے یا ناڑے نالی میں گرنے گئے تھے —— میرا باپ تیرا سالا !

(بابو دوسرے کراہ رہے ہیں) اونہہ ! ڈھنگ دیکھو ! کیسا نخرہ ہو رہا ہے ۔ کیوں جی ! یہ کیا تماشہ ہے ؟ نیچے کیوں لوٹ رہے ہو ؟ پھر کمبل اوڑھ کر سونا ہے کیا ؟ اٹھ رہے ہو کہ پھر دو چار جماؤں ؟ ایں ! یہ کیا ! بے ہوش ہو گئے ! ہے ٹھاکرے ، ہے ماں منگلا —— کیوں ان میں بری خصلت ڈالتے ہو ؟ غصے میں منحوس کیا نہ کر گئی ۔ سوامی ، ایک دیوتا —— انھیں کو جھاڑو سے پیٹ ڈالا ! اب کیا کروں ! (پکارتی ہیں) اے مکا ، مکا

مکا : میرا کوئی قصور نہیں مالکن ۔ بابو نے مجھ سے جو کہا . . .

مالکن : نہیں اے مکا —— بابو کچھ بول نہیں رہے ہیں اے ۔ ان کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی ہے ۔

مکا : یہ کیا ماں ! بابو چت پڑے ہیں ۔ انھیں کیا ہو گیا ماں ؟

مالکن : جو ہونا تھا ہو گیا ۔ تو ان کو پکڑ تو ۔ پلنگ پر لے چلیں ۔

مکا : بابو ! بابو جی !

بابو : ہاں

مکا : اٹھئے حضور ۔ پلنگ پر چلیے ۔

بابو : ارے باپ رے باپ —— جھاڑو کی مٹھیا ہاتھ میں ہے !

مالکن : نہیں نہیں ۔ یہ لو پھینک دی ۔

مکا : ماں جی ! ہمارے بابو پر بھوت سوار ہے کیا ؟ جھاڑو کی مٹھیا دیکھ کر یوں ڈر رہے ہیں ؟

مالکن : انھیں پہلے اٹھاؤ ۔ آ —— بیٹھ —— میرے ساتھ —— پلنگ پر لے چلیں ۔

بابو : (اندر سے) مکا !

بابو : (اندر سے) مکلا!

مکوا : جی حضور۔ (بابو اور مالکن اندر داخل ہوتے ہیں)

مالکن : کرسی لانا۔

مکوا : ابھی لایا جی۔

مالکن : یہ کیا کتاب لائے ہو ــــ بھگوت ؟

بابو : نہیں ــ واٹر آف بھگتی۔

مالکن : اچھی کتاب ہے۔ اچھے اچھے دوشتے ہیں اس میں۔

بابو : جا، ایک اور کرسی لے آ۔

مالکن : ضرورت نہیں۔ یہی ایک کرسی کافی ہے۔ بیٹھو۔

بابو : تم نہیں بیٹھو گی ! پُران سننا ہے نا ؟

مالکن : ہاں، یہاں ــــ تمہارے ان چرنوں میں بیٹھ کر سنوں گی۔

بابو : یہ کیا ! میرے پیر کیوں چھو رہی ہو ؟

مالکن : مجھ ڈائن نے جو پاپ کیا ہے ــــ تمہارے چرنوں میں بیٹھ کر تمہاری زبانی بیان سننے سے ہی میرا وہ پاپ دھلے گا۔

بابو : نہیں نہیں۔ میں کئی بار کہہ چکا ہوں، تم نے کوئی پاپ نہیں کیا۔ تم نے اپنا فرض نبھایا ہے۔ مجھے صحیح راستہ مل گیا۔

مالکن : تمہاری آنکھیں کھل گئیں۔ تم اچھے راستہ پر آگئے یہ تو بھگوان کی دیا ہے۔ بھگوان نے میری سن لی۔

بابو : بھگوت میں لکھا ہے ــــ "کرتا کرتا میں ہوں" کرنے والے بھگوان ہو سکتے ہیں اور کرنے والی ہو تم۔ تم اپنا فرض ٹھیک سے ادا کرو گی تو بھگوان کی خواہش پوری نہیں ہو گی۔ تمہاری دوا ٹھیک کام کر رہی ہے۔ میرا سارا روگ دور ہو گیا۔ اب میں اچھا ہو گیا ہوں۔ شیام گھن نے کہا تھا ــــ

مالکن : کیا کہا تھا ؟

بابو : کہا تھا ــــ پیٹنٹ میڈیسن۔ تمہاری جس دوا سے میری بیماری گئی ہے وہی ہے پیٹنٹ میڈیسن اور وہ تمہاری ہی ایجاد ہے ــــ تمہیں نے پلائی ہے۔

مالکن : میں پیٹنٹ ویٹینٹ کچھ نہیں جانتی۔ تم بھلے تو جگ بھلا۔

بابو : لیکن صرف تمہارے بھلے سے دنیا کا کیا بھلا ہو گا۔ آخر دوسرے لوگ بھی تو ہیں۔

مالکن : دوسرے کون ؟

بابو : نہیں سمجھیں ؟ ہمارے اڑوس پڑوس میں رشتہ داروں میں بہت سے سنساری ہیں بہت سی سگھڑ عورتیں ہیں۔ یہ صرف میرا ہی معاملہ نہیں۔ صبح سویرے اٹھ کر ان کو بھی اس پر دھیان دینا چاہیے۔ ویاس کوی فقیر موہن کا قول ہے۔ میں انھیں کا قول دہرا رہا ہوں ــــ بدقسمتی سے اگر کسی گرہستی کے 'دو' شوہر گونگی اسی طرح کے روگ میں مبتلا ہوں ــــ ہو جانا ناممکن بھی نہیں تو وہ نیک خاتون اس پیٹنٹ میڈیسن کو ایک بار آزما کر کے دیکھ سکتی ہیں۔ میری آتنی ہی التجا ہے۔ ●●

مصنف : جملا کانت نوری

مترجم : حمید خاں پٹھان
(گجراتی سے اردو)

صبح نے کیا دیکھا

کردار

پتی - کوئی تیس برس کا نوجوان

پتنی : نائٹ گاؤن پہنے ہوئے - نیم غنودگی کے عالم میں -

دن : پتنی کی طرح وہ بھی نائٹ گاؤن پہنے ہوئے ہے آنکھوں میں نیند ہے اور تھوڑی تھوڑی دیر سے جمائی لیتا ہے -

رات : پتی کی طرح ہی دیکھنے - پھرتی اور چستی دکھلاتی رہتی ہے -

[رات اور دن دو مثالی کردار ہیں - بقول پتنی کے وہ انسان نہیں صرف ایک خواب کی پرچھائیں ہیں]

مقام : ایک دولت مند نوجوان میاں بیوی کا نہایت ہی جدید ترین سجاوٹ سے پُر دیوان خانہ -

وقت : نمود سحر سے پہلے -

پتی ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھے نہایت ہی عجلت کے ساتھ ناشتہ کر رہا ہے جیسے اسے باہر جانے کی جلدی ہو - پتنی صوفے پر پڑی جاگ رہی ہے

پتی : سنتی ہے (پتنی جواب دیئے بغیر دوسری طرف مڑ جاتی ہے) ارے سن رہی ہو؟

پتنی : ہوں.........

پتی : ارے تجھ سے کہہ رہا ہوں -

پتنی : کیا ہے

پتی : آج دیر سے لوٹوں گا -

پتنی : کتنے بجے تک

پتی : یہی بارہ بجے

پتنی : کیسے بارہ

پتی : یعنی دس اور دو - بارہ

پتنی : دوپہر کے یا رات کے

پتی : رات ہی کے

پتنی : ٹھیک ہے

پتی : (کچھ ہچکچاہٹ کے بعد) ارے ادھر تو دیکھو میری بات تو سن -

پتنی : (اس کی طرف دیکھ کر) آل رائٹ - آل رائٹ تمہیں لوٹنے میں دیر ہوگی - آتے آتے بارہ بج جائیں گے - بس یہی نا -

پتی - جی ہاں Thats that

پتنی : کیوں

پتی : ڈنر میں جو جانا ہے

پتنی : ڈنر میں

پتی: ہاں

پتنی: تو لوٹ کر کھانا بھی کھا آؤ گے

پتی: بالکل نہیں۔

پتنی: کیوں

پتی: کہا تو ہے کہ ڈنر میں جا رہا ہوں

پتنی: تو جائیے نا (ٹیبل کے قریب جا کر) یہاں آکر کھانے میں کیا حرج ہے۔

پتی: ڈنر کا مطلب ہوتا ہے رات کا کھانا۔

پتنی: ہاں ہاں۔ یعنی آپ ڈنر میں جانے والے ہیں۔

پتی: (دانت دبا کر) ڈنر میں کھانے کے سوا ہوتا ہی کیا ہے

پتنی: بہت کچھ ہوتا ہے۔ تمہارے ڈنر میں کھانے کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔

پتی: (غصہ سے) دیکھو میں تجھے کہہ دیتا ہوں

پتنی: (نہایت ہی ٹھنڈے لہجے میں) بہت بار تو صرف دوسرا ہی ہوتا ہے اور وہ بھی بہت کچھ۔

پتی: قصہ مختصر آج ہم کھائیں گے نہیں۔

پتنی: (پیار بھرے لہجے میں) ہم کبھی اکٹھا تو کھاتے ہی نہیں۔

پتی: اس میں میں کیا کر سکتا ہوں کتنی مرتبہ کہا ساتھ کھائیں۔ ساتھ کہیں باہر جائیں۔

پتنی: ساتھ کا مطلب صرف میں اور تم، ہم دونوں اکیلے وہ تمہارے دوست اور ان کی نخرے والی بیویاں نہیں۔

پتی: نہیں تو۔

پتنی: نہیں۔

پتی: (بیزاری سے) تو کچھ بھی نہیں۔

پتنی: مجھے سب خبر ہے

پتی: کونسی

پتنی: تمہیں ہماری کچھ نہیں پڑی

پتی: جھوٹ بات مت کرو میں تمہیں ہر جگہ لے جانے کو تیار ہوں۔ صرف تیار ہی نہیں بلکہ انتہائی مشتاق بھی، مگر تو ہے کہ مانتی ہی نہیں۔

پتنی: شاید تم تیار ضرور رہو گے مگر مشتاق تو ہرگز نہیں۔

پتی: مشتاق ہوں، تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔

پتنی: لوگ۔

پتی: ہاں لوگ! اس لیے کہ میں ہر جگہ اکیلا گھومتا پھرتا ہوں۔

پتنی: ہر؟

پتی: ہر کیا

پتنی: ارے اکیلا وکیلا کاہے کا۔ تیری دوست داشتیاں بہت ہیں۔

پتی: اگر ہوں بھی تو وہ دوست دارنیاں ہیں۔ پتنی نہیں۔

پتنی: وہ دوست دارنیاں ہوں کہ پتنی، تیرے لیے کیا فرق پڑتا ہے۔

پتی: بہت فرق ہے۔ بہت فرق۔ کیونکہ سب یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جھگڑ بیٹھیں گے۔

پتنی: سب مرد کھ ہیں۔

پتی: کیوں؟

پتنی: جھگڑنے کے لیے بھی کچھ وقت ساتھ بتانا پڑتا ہے۔ ہم تو اتنا بھی نہیں کر رہے ہیں۔

پتی: برائے مہربانی اب تم یہ سب بند کرو گی۔

پتنی: (پیار سے) میری تو تم ایک بھی بات نہیں مانتے۔

پتی: اگر بات معقول ہو تو۔

پتنی: (نہایت جوش کے ساتھ) لو گے؟

پتی: ہاں

پتنی: دیکھو پھر مُکر نہ جانا

پتی: نہیں

پتنی: ٹھہرو (ایک چاک کا ٹکڑا دیتے ہوئے)۔

پتی: کیوں

پتنی: ہم سُسّی چوکڑی کھیلتے ہیں۔

پتی: سُسّی چوکڑی' اس وقت جب کہ صبح کی پو پھٹی ہی نہیں اور مرغے نے اذان ہی نہیں دی اور تجھے سُسّی چوکڑی کھیلنی ہے۔

پتنی: ہاں

پتی: کھانے کا وقت نہیں، مجھے دیر ہو رہی ہے۔

پتنی: لاٹ صاحب تمہیں دیر ہو رہی ہے۔

پتی: ہو رہی ہے' اس لیے کہہ رہا ہوں۔

پتنی: تو نے ہی تو کہا کہ ابھی تک صبح کی پو نہیں پھٹی اور نہ مرغ نے اذان دی۔

پتی: کہا تو ہے۔

پتنی: نہیں۔ مرغے نے ضرور اذان نہیں دی لیکن مرغی کی طرح تو بولا ہے کہ مجھے دیر ہو رہی ہے۔

پتی: مجھے آٹھ بجے تو پونا پہنچنا ہے۔

پتنی: اس لیے سوٹ بوٹ پہن کر تیار ہو گئے۔

پتی: ہاں۔

پتنی: (پونا جانے کے لیے)

پتی: (جلدی سے بیڈ روم کی طرف جاتے ہوئے) ہاں

پتنی: میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ پونے میں تیرا کیا ہے؟

پتی: (بیڈ روم کے اندر سے) فیکٹری

پتنی: (زمین پر پاؤں مارتے ہوئے) مجھے پریشان کرنے کے لیے پونا میں فیکٹری ڈالی ہے۔

پتی (بریف کیس اور کاغذات کے ساتھ باہر آتے ہوئے) ہاں۔

پتنی: اور یہاں دوسری دو

پتی: یہاں تین

پتنی: فیکٹری

پتی: ہاں فیکٹری۔ دو تو احمد آباد میں ہیں۔

پتنی: یعنی کل ملا کر چھ (۶)

پتی: ایک اور تین۔ چار اور دو چھ۔ درست۔ بالکل درست کل چھ

پتنی: یعنی چھ دن چھ فیکٹری اور اتوار کو چھ پارٹنر کے ساتھ پکنک۔

پتی: کاغذات دیکھتے ہوئے۔ Now if you don't mind

پتنی: I do mind (نزدیک جاتے ہوئے) اسے یہ روز کی ڈنر کی پارٹیاں بند کرنا۔

پتی: کیا پتنی: یہ روز روز کی ڈنر پارٹیاں بند کرے۔

پتی: یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میرا آدھا بزنس ان پارٹیوں میں ہی ہوتا ہے۔

پتنی: تو یہ چھ دن کی چھ فیکٹریاں بند کر دے۔

پتی: فیکٹری بند کر دوں

پتنی: جی ہاں۔ پورا دن میرے ساتھ گھر میں رہنا اور رات کو پارٹیوں میں جا کر بزنس کرنا۔

پتی: وہ کیسے ہو سکتا ہے۔

پتنی: آدھا...... یعنی ہمیں بہت بزنس نہیں کرنا ہے

پتی: فیکٹریاں اگر بند کر لی جائیں تو پارٹی میں آدھا بزنس نہیں ہو سکتا۔ بول دیا فیکٹریاں بند کر دو۔

پتنی: تو پھر کیا؟ فیکٹری میں بنا بنا کر بناتا ہی کیا ہے۔ تو کہہ تو

پتی: پیسے۔

پتنی: مجھے بناتا ہے۔

پتی: میں بناتا نہیں۔ آخر تمام فیکٹریوں میں پیسے ہی بنتے ہیں ہم اگر انہیں بند کر دیں تو پیسے کہاں سے لائیں گے۔

پتنی: بینک سے۔

پتی: (پتنی کی طرف مڑتے ہوئے) کہاں سے۔

پتنی: بینک سے: لکھا جانے والا۔ ..اس پر دستخط کیے جانے والا۔ اور پھر پھاڑ دیئے جانے والا ہم۔ چیک۔

پتی: ہاں یہ قبول کرتا ہوں کہ تم ایک عورت ہو۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ایسی بے عقل بات کرو۔ بنک میں پیسا بھرا جائیگا۔ تو پیسہ ملے گا۔

پتنی: ایسا۔

پتی: ہاں۔

پتنی: بولنا بہت آسان ہے مگر پیسے بغیر چلتا بھی تو نہیں۔ بھکاری سے لے کر سرکار تک سبھی کو پیسہ چاہیے لیکن مجھے تو تو ہی چاہیے۔

پتی: یہ سب تو ٹھیک لیکن ہم کھائیں گے کیا؟

پتنی: کیوں ہر روز پارٹیوں میں جانا اور وہاں کھانا وہاں یہ سوچا جاتا ہے۔

پتی: ہائے بھگوان!

پتنی: ہاں تو تم فیکٹریاں بند کر دینا۔ پورا دن میرے ساتھ گذار کر پھر میں روزانہ تیرے ساتھ پارٹیوں میں آؤں گی نئے نئے لباس میں سج دھج کر۔

پتی: اس کے بجائے اگر اس وقت آتی ہو تو

پتنی: نہیں ایسے ہرگز نہیں۔ میرے ساتھ پورا دن گذار تو پھر میں تیرے ساتھ پارٹی میں بھی چلوں گی اور تجھے صبح کا اخبار بھی پڑھنے دوں گی۔

پتی: اخبار!

پتنی: ہاں! مگر زور زور سے بڑبڑاہٹ کر کے نہیں خاموش پڑھنا پڑے گا۔

پتی: مجھے للچا رہی ہو۔

پتنی: سچ مچ .... مجھے نہیں!

پتی: ایسا کیسے ہوگا۔ ۸ بجے کے پہلے لوٹنا ......

پتنی: (اس کی ٹائی کو ہاتھ سے چھوڑتے ہوئے) please

پتی: ارے اے۔

پتنی: تو پھر جا۔

پتی: ضرور جاؤں گا۔

پتنی: بہت پتھر دل ہے تو

پتی: پتھر دل تو تو ہے۔ کسی بھی دن تو میرے ساتھ نہیں گئی۔

پتنی: میری شرط منظور ہو تو آؤں گی۔

پتی: مجھے سزا دے رہی ہو۔ مجھے حیران کر رہی ہو۔

پتنی: نہیں پریشان بالکل نہیں کر رہی ہوں۔ لیکن میں یہ سوچ رہی ہوں کہ وہ دن کب آئے گا کہ جب پورا دن میرے خیال کے بغیر تو گزارے گا اور میرے ہی پاس رہے گا۔

پتی: میں بھی یہ سوچ رہا ہوں کہ کب آئے گی وہ رات جب میں پورے دن کا کام ختم کر کے گھر لوٹوں گا اور تو میرے ساتھ باہر جانے کے لیے تیار بیٹھی ہوگی۔

پتنی: اور تم شام ہی سے نائٹ سوٹ پہنے ہوئے سو گئے۔

پتی: اور تم صبح سے شام تک اپنی ساریوں کے انتخاب میں مشغول رہوگی۔

پتنی: بیڈروم سے کچن اور کچن سے بیڈروم۔

پتی: پکچر سے پارٹی میں اور پارٹی سے پکچر میں اور

پتنی: اور ہمیں کوئی نہ دیکھے۔

پتی: اور ہمیں دیکھنے والے دیکھ کر دنگ رہ جائیں۔

پتنی: میں تجھے دیکھ کر خوش ہوں اور تو مجھے دیکھ کر خوش ہو۔

پتی: اور ہمیں سب دیکھ کر جل کر خاک ہو جائیں۔

پتنی: کب آئے گا وہ دن۔

پتی: کب آئے گی وہ رات

دن، رات } دونوں پیچھے کے دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔

پتی، پتنی } (چونک کر) ہیں

دن، رات } (آگے آکر) آ گئے۔

(دن کی آنکھوں میں نیند ہے اور نائٹ سوٹ پہنا ہوا ہے۔ رات بھڑکیلے کپڑوں میں سجی ہوئی ہے اور پتی ویچرتی دکھاتی ہے)

پتی : کون آیا ؟

رات : ہم

پتی : ہم یعنی کون

رات : (صوفے کی طرف آتے ہوئے) میں وہ رات

دن : میں وہ دن

رات : (پتی سے) کیا تم نے ہمیں بلایا۔

دن : (پتنی سے) کیا تم نے ہمیں بلایا۔

رات : (پتی سے) اسی لئے تو ہم آئے۔

پتی : (خوشی کے مارے) ہائے ہائے Hi Hi smartie

پتنی : ہائے ہائے

دن : (پتنی سے) ہائے Hi Hi Beautiful

پتنی : (چونک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے) میں کس سے کہا (پتی کا دھیان رات کی طرف ہے اور وہ اس کے نزدیک جاتا ہے)

دن : تجھ ہی سے تو

پتنی : اوہ Thank you تم تو دن ہو۔

دن : صرف دن ہی نہیں مگر وہ دن جس کی تم راہ تک رہی ہو۔

پتنی : How nice (پتی سے) تو نے سنا۔

دن : وہ نہیں سنے گا۔

پتنی : کیوں

دن : کیوں کیا ؟ تجھے دکھ نہیں رہا کہ وہ دیکھنے میں مشغول ہے۔

پتنی : (پتی کی طرف جاتے ہوئے) سن رہا ہے۔

دن : اس وقت اس کی تمام قوت آنکھوں میں سمٹ کر آگئی ہے۔

رات : (بناوٹی غصے کے لہجے میں) اتنی دیر سے کیا گھور رہا ہے۔

پتی : (سیٹی بجا کر) wow

رات : Naughty

پتنی : سن رہا ہے نا Naughty

پتی : ہوں ؟

پتنی : ہوں کیا ؟ میں جس دن کو مانگ رہی تھی وہ آگیا ہے۔

پتی : (رات کی طرف جاتے ہوئے) ہاہا

پتنی : (اُسے روکتے ہوئے) میں جس دن کا انتظار کر رہی تھی وہ دن۔

پتی : (پھر رات کی طرف جاتے ہوئے) کوئی حرج نہیں۔

پتنی : (اسے روکتے ہوئے) جا کہاں رہا ہے۔ چل جلد کپڑے تبدیل کرلے۔

پتی : ہا۔ ہے کپڑے ؟

پتنی : ہوں ! کپڑے بدل لے۔ سوٹ بوٹ ٹائی نکال کر پہن لے

پتی : کیوں کیوں !

پتنی : ہر بات میں کیوں کیوں نہیں کرتے۔ سمجھداری سے کام لے کر کپڑے بدل لو۔

پتی : پھر کیا ؟ سُن چکر کی

پتنی : نہیں۔

پتی : نہیں ؟

پتنی : کچھ نہیں۔ تو پھر ہم باتیں کریں گے۔

پتی : تو ہمیں بھی کونسی باتیں کرنی ہیں۔

پتنی : یہی ہے وقوفی اور نادانی سے پر۔

پتی : ہٹ پگلی۔

(اس درمیان میں دن ڈائننگ ٹیبل کے قریب کرسی پر بیٹھ جاتا ہے)

دن: اے if you don't mind (پلٹ جاتا ہے)

پتی: mind ola کو چل اٹھ کھڑے ہو۔

پتنی: کیوں

پتی: کیوں کیا۔ یہ آدمی ....

پتنی: یہ آدمی نہیں ولن ہے ولن

پتی: تو بھی کیا ایسے بدمعاش کو ......

پتنی: تم میرے ولن کو بدمعاش نہیں کہہ سکتے۔

پتی: میں تیرے ساتھ کہاں کی ترائی میں اتر رہا ہوں۔ (ولن سے) اے چل اٹھ بیٹھ۔ ادھر آ۔

دن: (بے رخی سے) کیوں!

پتی: مجھے تیرے ساتھ بات کرنی ہے۔

پتنی: (ولن کے پاس جاتے ہوئے) نہیں نہیں۔ میں اس سے ذرا سی بھی بات نہیں کرنی ہے۔

دن: کیوں!

پتنی: میں نے انکار کیا یعنی انکار۔

پتی: دیکھ تو بیچ میں مت بول۔

پتنی: (پتی کی طرف آتے ہوئے) مجھے خبر ہے ان سے مجھے سب کچھ خبر ہے۔

پتی: کیا خبر ہے۔

پتنی: تو اسے بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔

پتی: ساتھ! میرے ساتھ......... اسے۔

پتنی: ہاں تو۔ اس وقت کتنے مزے سے لیٹا ہے میرا ولن نہ نہایا ہے نہ دھویا ہے۔ کالی کا بہت اچھا piece

پتی: کالی کا Fine Piece - Fine جیسا

پتنی: دیکھنا کتنی خوب صورت جمائیاں لے رہا ہے۔ لیکن تو اسے سوٹ بوٹ پہنا کر باندھے گا۔ پھر وہ بے چارہ چاق و چوبند ہو جائے گا۔ (ولن کے پاس جاتے ہوئے) ہمیں کہیں بھی نہیں جانا.......... ہاں۔ تو یہاں جمائیاں لیتا رہ

دن: Thank you!

پتی: لے ہم سٹی بوگڑی کھیلیں گے۔

دن: (پتی اور دونوں زمین پر بیٹھ کر سٹی بوگڑی کھیلنے میں مشغول ہو جاتے ہیں)

پتی: (ولن کی طرف دیکھ کر شکست خوردہ آواز میں) ہے بھگوان..... اب اس کا کیا کرنا۔

رات: Poor Boy

پتی: (ولن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اس

رات: تجھ سے کہا my poor boy

پتی: اے ای۔ میں کوئی poor بوائے نہیں ہوں۔ میری فیکٹریاں ہیں اور میری کی چھ بڑی دھوم سے چل رہی ہیں۔

رات: you are poor my boy.. بیٹھو نا

پتی: ابھی بھی مجھے یقین نہیں! پتہ ہے میری روزانہ آمد کیا ہے؟

رات: نہیں..... کہہ تو دے۔

پتی: میری روزانہ آمدنی (دیکھتے دیکھتے رک جاتا ہے)

رات: کیوں! کتنی ہے تیری روزانہ کی آمدنی۔

پتنی: (کھیل میں مشغول) صفر!

رات: کیوں بولا نہیں۔

پتی: جانے دے

رات: آمدنی کو جانے نہیں دیا جاتا۔ کتنی ہے کہہ دینا۔

دن : چوکڑی

پتی : نہیں کہنی چاہیے۔

رات : کیوں

پتی : اگر غلط کہوں تو impression خراب ہوگا۔

رات : تو پھر سچ کہو

پتی : اگر سچ کہوں تو انکم ٹیکس والے پکڑ لے جائیں گے۔

رات : کیا تو یہ سمجھ رہا ہے کہ میں انکم ٹیکس والی ہوں۔

پتی : کیسے معلوم! شاید تم ہو بھی

رات : میں کہہ رہی ہوں میں نہیں ہوں۔ تجھے مجھ پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

پتی : اس میں بھروسہ کا سوال ہی نہیں۔

رات : تو؟

پتی : یہ اصول کا سوال ہے۔ کوئی بیوپاری اپنی سچی آمدنی نہیں بتلاتا۔

رات : تو بہت چالاک ہے۔

پتی : میں اصول پرست ہوں۔ اپنی سچی آمدنی خود اپنے آپ سے بھی چھپاتا ہوں۔

رات : جو ہو سو ہو۔ یہ تمام آڑی تیڑھی باتیں ہیں بنیادی بات یہ ہے کہ میں نے تجھے پیسے کے ناطے غریب نہیں کہا۔

پتی : تو؟

رات : (پتنی کی طرف) دیکھنا کیسی ہے؟

پتی : کون!

رات : تیری wife

پتی : کیسی ہے میری wife

رات : لدی پھندی۔

پتی : اے او...... اسے کوئی کام دھندا نہیں ہے اس لیے۔

رات : اگر کام دھندا نہ ہو تو ٹیپ ٹاپ ضرور کرنا چاہیے۔

پتی : یعنی؟

رات : اگر عورتیں ٹیپ ٹاپ نہ کریں تو کیا کریں؟

پتی : یہ ہے کام دھندے میں ٹیپ ٹاپ؟

رات : ہوں۔

پتی : عورتوں کو

رات : ہاں

پتی : مجھے بہت سے کام ہیں میں جا رہا ہوں۔

رات : کیوں

پتی : ہیں۔

رات : مجھے بلا کر ایسے تم یوں جا رہے ہو؟

پتی : تجھے کس نے بلایا؟

رات : (اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے) تو نے ہی تو

پتی : ارے چھوڑ۔ تو کون ہے مجھے اس کی بھی خبر نہیں

رات : میں رات ہوں۔ تو کب سے مجھے بلا رہا تھا۔ اسی لیے تو آئی

پتی : یہ مان لو کہ تو وہی رات ہے جو کہ تو نہیں پھر بھی اگر ایسا ہو تو بھی اس وقت کیا ہے۔

رات : یعنی؟

پتی : ابھی صبح ہو رہی ہے اور رات یہاں آگئی اور اس طرح بن ٹھن کر۔

رات : بلائی گئی اس لیے آئی اور آئی تب آئی۔

پتی : آئی سے کیا مراد ہے۔

رات : مجھے نظر انداز کر کے اس طرح چلے جانا!

پتی : نظر انداز کیا! گر نظر انداز کیا ہوتا تو کب کا چلا گیا ہوتا؟ نہیں کر سکا اسی لیے یہاں ہوں۔

رات : اور کہیں نہیں گئی تیرے پاس آئی۔

پتی : آئی ہو وہ دیکھ رہا ہوں۔ کھڑی کیوں ہو؟ بیٹھو۔

رات : Thank you (کاغذات پر بیٹھ جاتی ہے)

پتی : (اسے اٹھاتے ہوئے) بیٹھنے سے مراد صوفے پر بیٹھو میرے دھندے پر نہیں۔ اور جب تک میں لوٹ کر نہ آؤں

میری راہ دیکھتا۔
رات: میں اکیلی اکیلی بیٹھی رہوں!
پتی: اکیلے کیسی ہے نا میری بیوی بھی ادھر بیٹھی۔
رات: یہ بیٹھو نہیں ہے۔
پتی: اگر ہوں تو
رات: میرے شوہر ہیں
پتی: تو شادی شدہ ہے
رات: ہاں تو پھر...... میں رات وہ دن
پتی: رات کا شوہر دن اور صبح کا اجالا تمہارا بیٹا۔
رات: نہیں یہ non sense
پتی: اس میں non sense کیا ہے۔
رات: میں اس میں مانتی نہیں
پتی: کس میں
رات: پہیلی میں
پتی: اوہ
رات: اور ایسے بھی ہم کہاں ملتے ہیں
پتی: جو بھی ہو لیکن اے رات تجھے میرا ایک کام کرنا پڑے گا۔
رات: کیا۔
پتی: تو یہاں بیٹھ اور ذرا ان لوگوں پہ دھیان رکھ۔
رات: کیوں
پتی: کیوں کا کیا سوال ہے۔ دیکھ نہیں رہی ہو ان کی حرکتیں؟
سن یعنی صفر جیسی میری بیوی اور جوکر کی طرح تیرا
شوہر اور کھیل کیا رہے ہیں سٹی چوکڑی۔
رات: میں کوئی تیری چوکیدار ہوں۔ کہ جب تو نہ ہو اس وقت
تیری بیوی پہ نظر رکھوں
پتی: اگر میری بیوی پہ نظر نہ رکھے تو نہ سہی مگر اپنے شوہر پہ
نظر رکھنا
رات: لیکن اس میں تیرا کیا فائدہ
پتی: تو اپنے شوہر پر نظر رکھے گی تو لامحالہ طور پر میری بیوی پہ
بھی تیری نظر رہے گی۔
رات: یعنی ایک کنکری سے دو پرندے مار رہا ہے۔
پتی: نہیں ایک کنکر سے تین پرندے اور یہ چوتھا چلا آفس
(جاتے ہوئے) good day
دن: (کھیل سے توجہ ہٹا کر سر اونچا کرتے ہوئے)
Thank you
پتی: کیوں
دن: تم نے گڈ ڈے کہا نا۔
پتی: میں نے تجھے نہیں کہا..... تجھے نہیں سمجھا۔
دن: نہیں۔
پتی: نہیں۔
دن: (کھیل میں مشغول ہوتے ہوئے) چوکڑی۔
پتی: مجھے تو تجھ کو bad day کہنا چاہیئے۔
دن: کیوں
پتی: کیوں کہ تو بالکل اچھا نہیں۔ ایک تو نائٹ سوٹ پہن
کر میرے گھر میں گھس آیا ہے۔
دن: نہیں۔
پتی: ہے کیا؟ اور پھر میری بیوی کے ساتھ گھسر پھسر کر رہا ہے
پتنی: اس کے باوجود تجھے کچھ ہو رہا ہے؟
مجھے اس کے ساتھ اکیلے چھوڑ کر تو چلنے لگا۔
پتی: اکیلی کیسی؟ (رات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)
تجھ پہ دھیان رکھنے کو اسے چھوڑے جا رہا ہوں۔
(رات میک اپ کرنے میں مشغول ہے)
پتنی: (رات کو دیکھ کر) اسے اگر اپنے آپ سے توجہ ہٹانے
کی فرصت ہو تو تجھ پر توجہ دے گی نا؟
پتی (رات کو ڈانٹتے ہوئے) یہ سنگھار پھر کرنا پہلے ان
پہ توجہ دے۔

رات، (غصے میں) how dare you
پتی: How dare I what.
رات: Bully me like that
پتی: لو کیجیے بات
رات: میں کوئی تیری غلام نہیں ہوں
پتی: لیکن
رات: خاموش
پتی: تیرے خاوند پر توجہ رکھ
رات: بالکل نہیں
پتی: سنا۔ کیا!
پتی: جی
پتی: اب تو گھر میں ٹھہر لگا یا نہیں؟
پتی: نہیں
پتی: تو بہت سخت جان ہے پتھر کی طرح جامد مجھے دوسر کے ساتھ دیکھ کر تجھے حسد بھی نہیں ہوتا۔
پتی: غصہ اور حسد دونوں محسوس کرتا ہوں غصہ تو اتنا سخت کہ میں اس کا خون کر ڈالوں لیکن ....
پتی: لیکن کیا۔
پتی: فیکٹریاں .... میرا مطلب
پتی: مجھ فیکٹریاں اور زیادہ لگانے میں کیا حرج ہے۔
پتی: فیکٹریاں چاہے کتنی ہوں۔
پتی: کیوں؟
پتی: قانون اس کی اجازت دیتا ہے۔
پتی: لیکن قانون کیوں اجازت دیتا ہے؟
پتی: کیوں کہ فیکٹری اور بیوی میں فرق ہے۔
پتی: یہ فرق تو ہے ہی مگر تجھے سمجھ میں آئے تب نا۔
پتی: جس وقت شادی کی یہ فرق سمجھ گیا تھا۔
دن: شادی کی تب کیا؟
پتی: سوکھے ہوئے تھے۔
پتی: سوکھے ہوئے تھے؟
پتی: جی ہاں .... لیکن
پتی: (دن سے) ایک مہینہ رہے (پتی سے) رہے تھے نا؟
پتی: رہے تھے۔ ایک مہینہ نہیں صرف ایک مہینہ۔
پتی: کشمیر میں رہے تھے۔
دن: "ہو ہو"
رات: تو کاہے کو "ہو ہو" کہہ کر بات اٹھاتا ہے۔
دن: کیوں نہ بات اٹھاؤں اس وقت میں بھی تو وہیں تھا۔
رات: کہاں
دن: کشمیر میں لوگوں کے ساتھ۔
رات: یعنی تو ایک مہینہ ان لوگوں کے ساتھ رہا تھا۔
دن: اور خوبی تو یہ ہے کہ میری موجودگی کی انہیں خبر تک نہ ہوی۔
رات: shame on you ... ایک مہینہ۔
دن: میں نے ان کو کوئی خلل نہیں کیا۔
رات: اس سے کیا۔ تو نے تو یہ بات آج تک مجھ سے کبھی کہی ہی نہیں
دن: ہم کہاں ملتے تھے ویسے بھی
رات: یوں خاص نہ مل سکیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہوا کہ تو کسی کے ہنی مون میں چلا جائے؟
پتی: اور کیا؟ تو بالکل نالائق ہے۔
رات: تو کیوں اپنی ہوشیاری دکھا رہا ہے یہ کہ تمام قصور تیرا ہی ہے۔
پتی: میرا قصور
رات: وہ ایک مہینہ تک تیرے ساتھ رہا اور تجھے خبر تک نہ ہوئی
پتی: اس میں اس کا قصور نہیں۔

رات : تو کیا

پتنی : تصور تو ماحول کا تھا۔ جہاں کوئی خبر ہو دلیا کچھ نہ تھا
بھرپور سردی، برفباری اور مزے دار ٹھنڈک۔

پتی : ٹھنڈک نہیں

پتی : تو؟

پتی : ٹھنڈی

پتنی : چھٹ... چھٹ..... ٹھنڈک تھی؟

پتی : کڑاکے کی سردی تھی۔

پتنی : چل سکرمت جا.... تو سردی میں کوئی ٹھٹھرا
نہیں جا رہا تھا بلکہ میں سردی سے کانپ رہی تھی دانت
بج رہے تھے۔ اور تم مجھے کہتا یاگل مارے سردی
کے کڑکڑا کیا رہی ہے.... یہ کوئی سردی ہے ٹھنڈک
ہے خنکی خوش گوی خنکی کیا یہ نہیں کہتا تھا؟

پتی : ALL RIGHT ہی کہتا تھا۔

رات : پھر

پتی : پھر..... والی بات جانے دے۔

رات : (پتی سے) بول نا پھر کیسا ہوا!

پتی : کہہ تو دیا کہ جانے دے۔

دن : (پتنی سے) ارے ایسا کچھ تھوڑا ہی چلیگا۔ بول پھر کیا
ہوا۔؟

پتنی : پھر ہم جدا ہوگئے

دن : واہ!

پتی : درد بھی نہیں ملا بھی نہیں.... بس یہی وقت جو
اس وقت ہے۔

رات : کیسا ہے؟

پتنی : دن نہیں رات نہیں۔

پتی : صبح..... یہ بجات۔

پتنی : پربھات بھی نہیں۔

پتی : تو پھر کیا۔

پتی : کچھ نہیں اس ایک مہینے کے بعد کچھ نہیں

پتی : بالکل سچ.... ہمارے جیون میں نہ سکھ ہے نہ
شانتی۔

پتی : یہ ایک الگ بات ہے بالکل الگ اور بے تعلق۔

پتی : یہ الگ بات کیوں ہے؟ ارے کچھ نہ ہو تو زندگی میں
شانتی اور سکون تو ہو۔

پتنی : کچھ نہ ہو تو شانتی ہو۔ لیکن کس کی زندگی میں۔

پتی : کس کی زندگی سے کیا مراد؟ ان دونوں کی ہی مثال
لے نا۔

پتنی : کس کی

پتی : ان دونوں کی۔

رات : ہماری

پتی : آپ شادی شدہ ہیں ٹھیک نا!

رات : بالکل ٹھیک

پتی : لیکن تم دونوں ہماری طرح جھگڑتے ہو؟

رات : نہیں رے۔

پتی : دیکھو اسے کہتے ہیں شادی نہ کوئی جھگڑا اور نہ کوئی
فساد نہ فریاد۔

رات : ہو

پتی : نہ کوئی زیادتی نہ ٹنٹا نہ فساد

دن : بالکل سچ ہے۔

پتی : سنا!

پتنی : لیکن یہ لوگ تو ملتے ہی نہیں

رات : کون کہتا ہے ہم ملتے نہیں۔

پتنی : میں کہتی ہوں۔

رات : اس وقت ہم ملے نہیں تو کیا ہے۔

پتی : جلب دے۔ ہے نا یہ مثالی شادی

پتنی : مثالی ہے مگر شادی نہیں۔

پتی : کیوں۔

پتی: ایک دوسرے کو تم نے دیکھا بھی ہے۔
دن: ایک دوبار تو دیکھا تھا۔
پتی: ایسے نہیں۔
پتی: تو پھر کیسے؟
پتنی: اگر یہ دونوں پانچ منٹ ساتھ رہیں تو
پتی: تو
پتنی: جھگڑا ہوئے بغیر رہے گا نہیں۔
پتی: میں یہ نہیں مانتا کہ دونوں جھگڑا کریں گے۔
پتنی: دونوں پانچ منٹ باتیں تو کریں؟
پتی: ایسا ہو نہیں سکتا۔
پتنی: شرط لگانی ہے؟
پتی: قبول
پتنی: اگر تو ہار گیا تو میری شرط قبول کرنا پڑے گی۔
پتی: قبول۔
پتنی: آج کا دن گھر میں گذارے گا۔
پتی: سن چوکڑی بھی تیرے ساتھ کھیلوں گا۔
پتنی: (دن سو گیا ہے اسے جگاتے ہوئے) اسے
دن: (گھبرا کر) چوکڑی
پتنی: بات کرنا ہے تجھ سے۔
دن: اس کی بجائے تین سن چوکڑی کھیلیں تو؟
پتنی: نہیں۔
دن: اچھا کھیل ہے۔
پتنی: تیری بیوی سے بات کرنا ہے۔
دن: کیوں؟
پتنی: ہماری شرط لگی ہے۔
پتی: (رات سے) تو کیا دیکھ رہی ہے ادھر آ
رات: لیکن مجھے یہ ٹھیک نہیں لگ رہا۔
دن: "چپ"
پتنی: پلیز

دن: اچھا۔
رات: کیا بات کرنی ہے۔
پتی: کچھ بھی
رات: جانے دیجئے۔
پتی: سنیما دیکھنے چلوگی
رات: جی ہاں
پتی: تو پھر یہیں بیٹھ۔
پتنی: اب شروع کیجئے۔
پتی: دن۔ ٹو۔ تھری ..... اسٹارٹ
(دن جمائی لیتا ہے) ابتدا اچھی ہے۔
رات: (دن سے) یہ تو نے کیا کیا؟
دن: جمائی لی۔
رات: کتنی جمائیاں لے رہا ہے۔
دن: بہت زیادہ جمائیاں لے رہا ہوں۔
رات: نیند جو آتی ہوگی۔
دن: سستی بھی تو ہے۔
رات: کمال ہے۔
پتنی: (پتی سے) اب جائیے
دن: کیا تمہیں اچھا نہیں لگ رہا ہے۔
رات: مجھے کس لیے اچھا نہ لگے۔
پتی: دیکھا۔
پتنی: ہاں لیکن ایسا نہ چلے گا (دن اور رات کو) تم لوگ کوئی
ذاتی بات کیجئے۔
رات: ذاتی؟
پتنی: ہاں ذاتی اور نزاعی
دن۔ چل چل
رات: (پتی کو دکھا کر) اس کے ساتھ
دن: چل
رات: آخری شو میں

دن: اوہو

رات: آدھی شو نوسے بارہ بجے کا ہوتا ہے۔

دن: رتجگا ہوگا۔

رات: رتجگا تو پوری رات کا ہوتا ہے۔

دن: اگر نیند نہ آئے تو کیا حرج ہے۔

رات: (پتی اور پتنی کی طرف مڑکر) اب

دن: اب اسی طرح ہمیں کب تک چلنا ہے

پتی: چل بول اب۔ پتنی۔ کیا بولوں؟

پتی: ہار گئی؟

پتنی: ہاں کیوں کہ ایک بات تو بھول ہی گئی۔

پتی: ایسا نہیں چلے گا۔

پتنی: مشکل صرف یہ ہے کہ یہ انسان نہیں ہمارے خواب ہیں۔

پتی: اس سے کیا ہوتا ہے۔

پتنی: انہیں Permanent ہونا ماس آسکتا ہے۔

پتی: اس کا مطلب ہم جھگڑتے رہیں۔

پتنی: جب وقت ملے کبھی کبھی۔

پتی: اور بے اطمینانی کے دلدل میں سڑتے رہنا۔

پتنی: اس کے بغیر چارہ کیا ہے۔ جب دن بھر فیکٹریاں نہ چلیں تو روپیہ کہاں سے آئے گا۔

پتی: نہ آئے گا اور اگر پیسہ نہ آئے تو

پتنی: روزانہ رات کو پارٹی میں نہ جا سکو۔ اتوار کو پکنک نہ منا سکو۔

پتی: نہ منا سکوں ... مگر یہ سب نہ کروں تو

پتنی: تو فیکٹریاں نہ چلے کیونکہ آدھا بزنس تو وہیں ہوتا ہے۔

پتی: بہت ہی عجیب ہے۔

پتنی: عجیب ہی نہیں بے سود بیکار بھی

پتی: کتنا لولہ، لنگڑا اطمینان اور یہ سب یاد دلانے کی سوجھی۔

رات: چل جانے دے اس طرح منہ کیا لٹکا دیا۔ یہ سے دن کا کام باقی ہے پھر دفتر جاتا ہے اور آخری شو میں میرے ساتھ پکچر۔

پتنی: لیکن اس کا ابھی کیا؟

پتنی: اگر ابھی سے اتنا اداس رہا تو کیسے چلے گا۔

پتی: یہ بالکل سچ ہے (پتنی سے) بہت دیر ہوگئی ڈیر، اب مجھے دوڑنا پڑے گا۔

رات: اے جاتا کدھر ہے ... ٹھہر جا

پتی: میں زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔

رات: میں بھی تیرے ساتھ آتی ہوں

پتی: ابھی سے

رات: ہاں تیرے کام میں ذرا بھی خلل نہ کروں گی۔ صرف تیرے ساتھ رہوں گی اور تجھے خوش کروں گی۔

پتی: وعدہ

رات: وعدہ

پتی: (پتنی سے) تجھے کوئی اعتراض نہیں۔

پتنی: ذرہ برابر بھی نہیں

دن: میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ تمہارا بیڈروم کدھر ہے؟

پتنی: ادھر کی طرف ... ٹھہر میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔

پتی: تو بے دھڑک جا مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

پتنی: تجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ بڑے بڑے پنڈت اور ملتی دان مہاتماؤں کو بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تو خواب ہیں ... صرف ایک احساس ... ابھی تک کھڑے کیوں ہو؟

پتی: چلو آج خوب باتیں ہوئیں نہیں کیا؟

پتنی: ہاں خوب باتیں کیں اب ذرا با عمل بنیں۔ اور سپنوں میں اس جائیں۔

(سب جانے لگتے ہیں اور صبح کی روشنی اسٹیج پر ابھرتی ہے)

●●●

ساگر سرحدی

ایک بنگلہ بنے نیارا

(ایکانکی)

کردار:

۱- سپرنٹنڈنٹ		۴- آدمی
۲- کلرک		۵- رپورٹر
۳- لڑکی		۶- اسٹاف کے کچھ آدمی

ہاؤزنگ بورڈ کا دفتر:

دیواروں پر پلان کے بڑے بڑے نقشے لگے ہوئے ہیں۔ کچھ ایک ماڈل بھی ہیں۔ سامنے میز پر ایک بار ایک کپ چائے اور ایک فریم رکھی ہوئی ہے۔ جو بغیر کسی تکلیف کے استعمال کی جاتی ہے۔ کام کرنے والے کچھ بے ہنگم سے آدمی ہیں۔ ان کی ذات میں مزاح کی زیادہ گنجائش ہے۔ صرف لڑکی قدرے خوبصورت ہے۔ رپورٹر اور کلرک خاص طور پر پیسے ہوئے آدمیوں کی علامت ہیں۔ آدمی بھی اسی طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن اپنی بے نیازی کی وجہ سے ہنس لیتا ہے۔ جب وہ داخل ہوتا ہے۔ DAZED حالت میں ہے۔

سپرنٹنڈنٹ: تار منگوا لیا ہے؟

کلرک: یس سر

سپرنٹنڈنٹ: کتنے بجے آنے کو کہا تھا؟

کلرک: گیارہ بجے۔

سپرنٹنڈنٹ: گیارہ تو بج گئے ہیں۔

کلرک: آتا ہی ہوگا۔

سپرنٹنڈنٹ: اگر نہ آیا تو؟

کلرک: تو ــــ تو ــــ تو ــــ تو ــــ

سپرنٹنڈنٹ: "تو تو" تو میں بھی سمجھتا ہوں، لیکن سوال پھر آتا ہے کہ اگر وہ نہ آیا تو ــــ؟

کلرک: تو تو ــــ تو وہ نہیں آئے گا۔

سپرنٹنڈنٹ: تمہارا مطلب ہے کہ میں یہ نہیں جانتا کہ وہ اگر نہیں آیا تو نہیں آئے گا ــــ؟

کلرک: یس سر۔ میرا مطلب یہی ہے یا وہ آئے گا یا وہ نہیں آئے گا۔

سپرنٹنڈنٹ: کلرکی کرتے ہوئے کتنے سال ہو گئے ہیں؟

کلرک : فائل لے کر آؤں سر؟

سپرنٹنڈنٹ : نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ دراصل میرے کیریر کا سب سے بڑا واقعہ ہے، واقعہ ہی نہیں سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ جب سے میں سپرنٹنڈنٹ بنا ہوں، یہ پہلا واقعہ ہے۔

کلرک : یس سر

سپرنٹنڈنٹ : ہاں۔ اور میری اسپیچ کے بعد تالیاں بجانے کا پروگرام بنا لیا ہے نا!

کلرک : یس سر

سپرنٹنڈنٹ : سارا اسٹاف! پیا سٹاف کا فرض بنتا ہے کہ جب سپرنٹنڈنٹ اسپیچ دے۔ تو وہ تالیاں بجائے۔

کلرک : میں نے اپنی ماں اور اپنے چھوٹے بھائی کو بھی بلا لیا ہے۔

سپرنٹنڈنٹ : کس لیے؟

کلرک : تالیاں بجانے کے لیے۔

سپرنٹنڈنٹ : اچھا کیا ہے۔ کدھر ہیں!

کلرک : باہر ہیں۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ جب وہ تالیوں کی آواز سنیں تو باہر تالیاں بجانا شروع کردیں، ہو سکتا ہے اس خوشی میں سڑک پر جاتے ہوئے لوگ بھی تالیاں بجانا شروع کردیں۔

سپرنٹنڈنٹ : بہت ممکن ہے اور پھر ہندوستانی بھائیوں کی عادت بھی ہے کہ سوچے سمجھے بغیر نقل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور وہ رپورٹر کہاں ہے؟

کلرک : باہر بیڑی پی رہا ہے۔

سپرنٹنڈنٹ : بس اب وہ آجائے اور اگر نہ آیا تو ___

کلرک : تو تو۔

سپرنٹنڈنٹ : تو تو :

(آدمی داخل ہوتا ہے اس کے پیچھے پولیس کا آدمی بھی ہے۔ سپرنٹنڈنٹ بے حد خوش ہے)

سپرنٹنڈنٹ : آپ ہی ہیں نا؟

آدمی : آپ کے لیے تو میں ہو سکتا ہوں لیکن اپنے لیے نہیں ہوں۔

سپرنٹنڈنٹ : آپ نے نام کی جگہ سیاہی کا دھبہ ڈالا تھا؟

آدمی : وہ اس لیے کہ میں نام بھول چکا ہوں۔

سپرنٹنڈنٹ : اور پتے کی جگہ پاگل خانہ لکھا تھا؟

آدمی : یہی ایک جگہ ہے جہاں مجھے کوئی نہیں چھیڑتا۔

سپرنٹنڈنٹ : کتنے بڑے آدمی ہیں آپ!

آدمی : آدمی ہوں، اس کا شک ہے مجھے!

سپرنٹنڈنٹ : کتنی ممتا (لڑکی سے) ہار

(وہ میز سے ہار لے کر جلدی سے پہناتی ہے۔ اسٹاف کے سارے آدمی تالیاں بجاتے ہیں۔ رپورٹر فوٹو لیتا ہے)

آدمی : یہ کس جھوٹ کی سزا مجھے دی جا رہی ہے۔

سپرنٹنڈنٹ : جی۔

آدمی : عام طور پر ہندوستان میں اس کو ہار پہنایا جاتا ہے جو جھوٹ بولتے ہیں۔ جتنا بڑا جھوٹ اتنا بڑا ہار

رپورٹر : انٹرویو

سپرنٹنڈنٹ : تھوڑا آرام کرنے دو، کتنے تھکے ہیں۔ (لڑکی سے) چائے۔

(وہ فوراً چائے کا کپ اسے تھماتی ہے۔ وہ ایک لمحہ چائے کے کپ کو دیکھتا ہے پھر لڑکی کو ایک گھونٹ ہی چائے پی کر کپ لڑکی کو تھما دیتا ہے۔

اب وہ خوش ہے)

آدمی: آپ روز ہی چائے پیتے ہیں۔

سپرنٹنڈنٹ: ہم چائے ہی نہیں پیتے کھانا بھی روز کھاتے ہیں۔

آدمی: میرے جہاں میں اتنی اچھی باتیں کوئی نہیں کرتا۔

رپورٹر: انٹرویو

سپرنٹنڈنٹ: ہاں

(وہ اسے کرسی پر بٹھاتے ہیں وہ بڑے اسٹائل سے بیٹھتا ہے۔ ایک آدھ نظر لڑکی پر ڈالتا ہے۔ لڑکی مسکراتی ہے۔ کلرک شک بھری نظروں سے دونوں کو دیکھتا ہے۔ رپورٹر نہایت سنجیدہ ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ پریشان ہے۔ کہاں سے شروع کرے۔ اینٹھتا ہے۔ اور جیخ سا پڑتا ہے)

رپورٹر: تو؟

آدمی: "تو" تھوڑا اونچا ہوگیا ہے۔

(لڑکی ہنستی ہے)

آدمی: ہنستی ہوئی اچھی لگتی ہیں آپ!

(وہ شرماتی ہے)

رپورٹر: آپ مکان کے بارے میں کیوں سوچتے ہیں؟

آدمی: اتنے ذہین آدمی ہو مجھے اس کا اندازہ نہ تھا۔

رپورٹر: (خوش ہوکر) اور جب کہ آپ کو اپنے آدمی ہونے پر بھی شک ہے۔

آدمی: اس کا کارن کوئی بہت بڑا نہیں۔ کئی سال ہوگئے ہیں کہ میں اکیلا، اپنے آپ، تنہا میٹھی نیند سویا نہیں ہوں۔

رپورٹر: تو آپ سونا چاہتے ہیں۔

(سب ہنستے ہیں)

آدمی: یہی اچھا ہے پر بس مجھے یہ وشواس ہو کہ کوئی مجھے دیکھ نہیں رہا۔ اپنی نیند سوؤں اپنی نیند جاگوں۔

رپورٹر: کمال ہے آپ اس زمانے میں بھی سپنا دیکھتے ہیں ― تو آپ کیسے مکان کے بارے میں سوچتے ہیں؟

آدمی: جیسے آپ نہیں بناتے۔

رپورٹر: مطلب؟

آدمی: یہی آپ کے مکانوں کا کوئی کردار نہیں، ناریل کے ڈبوں کی طرح سب ایک سے کھڑے کر دیتے ہیں۔ کاغذی دیواریں، بات کرو، اپنی بیوی سے جواب دیتی ہے پڑوس کی عورت، روتا کسی کا بچہ ہے لگتا ہے ہمارا پیدا ہوا ہے۔

(لڑکی زور سے ہنستی ہے)

سپرنٹنڈنٹ: مس ڈسپلین سانوشاسن۔ یہ بڑے آدمی، یہ مہمان آئے ہیں۔ ہمارے ڈپارٹمنٹ کا کیا امپریشن لے جائیں گے

لڑکی: ساری سر

سپرنٹنڈنٹ: (آدمی سے) ساری سر۔ رپورٹر

رپورٹر: تو

آدمی: میں اور کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔

سپرنٹنڈنٹ: کارن؟

آدمی: میں ناراض ہوگیا ہوں۔

سپرنٹنڈنٹ: کارن

آدمی: آپ نے ان کو ہنسنے سے کیوں منع کیا ہے؟

(لڑکی شرماتی ہے)

سپرنٹنڈنٹ: ساری سر۔ مس، آپ جب بھی چاہے، جیسا بھی چاہے ہنس نہیں سکتی ہیں۔ مسکرا سکتی ہیں، بلکہ گا نا گا سکتی ہیں۔

لڑکی : تھینک یو سر

سپرنٹنڈنٹ : آل رائٹ سر

آدمی : ویری آل رائٹ سر

سپرنٹنڈنٹ : رپورٹر

رپورٹر : تو

آدمی : تو تو

رپورٹر : آپ کیسے مکان کے بارے میں سوچتے ہیں۔

آدمی : میں جذباتی ہو سکتا ہوں۔

سپرنٹنڈنٹ : آپ چاہیں تو آنسو بھی بہا سکتے ہیں۔

آدمی : کوشش کرتا ہوں۔ سب سے پہلے میں اپنی پہلی بات ختم کرنا چاہتا ہوں۔ چائے کا ایک کپ اور نہیں مل سکتا۔

سپرنٹنڈنٹ : ساری سر۔ ایک منسٹر کے لیے ایک ہار اور ایک کپ چائے کا کوٹا ہے۔ اس کھاتے میں دوسرا کپ چائے کا نہیں آسکتا۔

آدمی : ڈسپلین، انوشاسن!

سپرنٹنڈنٹ : یس سر

آدمی : ویری گڈ سر

سپرنٹنڈنٹ : رپورٹر

رپورٹر :۔ تو ۔۔۔ آپ کیسے مکان کے بارے میں سوچتے ہیں۔

آدمی : میں ایک کام کرتا ہوں۔

سپرنٹنڈنٹ : کام کرنا انسان کا سب سے پہلا ادھیکار ہے۔

آدمی : کام کر کے بھول جانا انسان کا دوسرا ادھیکار ہے۔ اس ادھیکار کا فائدہ اٹھا کر میں جذباتی ہوتا ہوں۔ اپنا خون جگر پیتا ہوں، جس کی مجھے خاصی عادت ہے۔ رونے کی کوشش بھی کرتا ہوں اور ایک بھاشن دیتا ہوں۔

(سب تالیاں بجاتے ہیں)

آدمی : آپ لوگ جب مکان بناتے ہیں تو یہ بھول جاتے ہیں کہ ان مکانوں میں کوئی بسنے والا ہے۔ مزدوروں کے لیے مکان بنتے ہیں تو ایسے جیسے مرغیوں کے ڈربے۔ دو آدمی ایک ساتھ کھڑے ہو کر حرکت کریں تو ٹکرا جائیں۔ دن میں بھی بجلی کی روشنی کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہوا، تو ہوا ہو جاتی ہے۔ اچھا فقرہ کہا ہے نا؟

لڑکی : بہت اچھا۔

آدمی : تو اس پہ تالیاں آنی چاہییں تھیں۔

(سب تالیاں بجاتے ہیں)

آدمی : یعنی، وہ اصول جو ایک صحت مند فضا کے لیے ضروری ہوتے ہیں سرے سے خارج ہوتے ہیں۔ اور جب آپ نوکر پیشہ لوگوں کے لیے مکان بناتے ہیں تو ان کی سفید پوشی کی طرح مکان بھی ویسے ہی ہوتے ہیں۔ اوپر سے ٹیپ ٹاپ، اندر سے کھوکھلے، خالی کاغذی مکان ہر صورت شکل سے، قد کاٹھ سے ایک، دیکھنے سننے میں ایک۔ آدمی جب اپنے گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے تو پڑوس کے گھر میں گھس جاتا ہے۔ دوسرے مالے پر جانا چاہتا ہے تو کبھی پہلے مالے پر پہونچ جاتا ہے۔ اور کبھی تیسرے۔ کیونکہ کسی مالے میں کوئی فرق نہیں ۔۔ میرا خیال ہے۔ اتنا کافی ہے۔

لڑکی : تھوڑا اور بولیے نا۔

آدمی : اور، اور ان سب لوگوں کے لیے جو فٹ پاتھوں پر رہتے ہیں، جھونپڑوں میں رہتے ہیں۔ گندی بستیوں:

میں رہتے ہیں ان کے لیے۔۔۔ تالیاں۔

(سب تالیاں بجاتے ہیں۔ آدمی بھی شامل ہے)

رپورٹر: لیکن آپ نے میرے سوال کا تو جواب ہی نہیں دیا۔

آدمی: جواب دینا بہت ضروری ہے؟

رپورٹر: اگر آپ جواب نہیں دیں گے تو میرے ایہم کو دھکا لگے گا۔ انسانیت کے ناطے آپ کو میرے سوال کا جواب دینا ہی چاہیے بلکہ دینا ہی پڑے گا۔!!!

آدمی: اپنا سوال دہراؤ۔

رپورٹر: اتی دھنیہ واد (رونے کے انداز میں) میں آپ کا اپکار جیون بھر نہ بھولوں گا۔

آدمی: سوال دہراؤ

رپورٹر: میں آپ کے اس برتاؤ سے اتنا خوش ہوں کہ مجھے رونا آرہا ہے۔

آدمی: اچھی بات ہے۔ دو ایک آنسو بہالو، لیکن جلدی۔۔

رپورٹر: لیکن تھوڑی گڑبڑ ہے۔

آدمی: گڑبڑ کو تڑبڑ بنالو اور اپنی بڑبڑ چالو رکھو۔

رپورٹر: میری آنکھوں میں آنسو نہیں ہیں۔

(سب ہنستے ہیں)

سپرنٹنڈنٹ: رپورٹر۔۔۔

رپورٹر: یس سر (تیار ہوکر) تو۔۔۔ آپ کیسے مکان کے بارے میں سوچتے ہیں؟

آدمی: بس دیواروں میں کھڑکیاں ہوں کہ آدمی کھڑکی کھول کر گلی محلے میں دیکھ سکے۔ جھک کر آسمان کے ایک نیلے ٹکڑے کو نہار سکے۔ دروازے کے باہر آنگن ہو، آنگن نہ ہو تو بالکونی ہو کہ آدمی آسمان کے نیچے بیٹھ سکے اور صبح۔۔۔

آدمی: میں چلتی ہوئی ہوا کے جھونکے کو اپنی مٹھی میں بند کر سکے۔ جس کا مطلب ہے کہ باہر کی آواز نہ سن سکے!!!

(سب حیرانی سے اسے دیکھتے ہیں)

آدمی: کیا ہوا؟

آدمی: مجھ سے ناراض ہیں آپ لوگ؟

(کوئی جواب نہیں دیتا۔ سپرنٹنڈنٹ کہتا ہے)

سپرنٹنڈنٹ: میں آپ کو بتاتا ہوں۔ ان کو شاک لگ گیا ہے!!

آدمی: شاک

سپرنٹنڈنٹ: جس کو ہماری بھاشا میں دھچکا کہتے ہیں۔

آدمی: وہ کیوں؟

سپرنٹنڈنٹ: وہ اس لیے کہ اس دیش میں ایسے مکان کا تصور ہی نہیں ہے۔ یہ باتیں جو آپ نے فرمائی ہیں ان کے لیے بالکل نئی ہیں یا بہت پرانی ہیں لیکن میں کہوں گا کہ آپ میں بہت گٹس ہیں، جسے ہماری بھاشا میں ہمت اور حوصلہ کہتے ہیں۔

(سب تالیاں بجاتے ہیں)

سپرنٹنڈنٹ: رپورٹر بس ایک بات اور لکھ دینا کہ یہ اتہاسک گھٹنا میرے ہوتے ہوئے ہوئی ہے۔ اس کا ضرور اللیکھ کرنا۔ اس یادمیں میں نے ان کی مرضی فریم بھی کروادی ہے۔

(لڑکی فریم دیتی ہے)

سپرنٹنڈنٹ: یہ ہے پیارا آپ کی ہے نا؟

آدمی: جی اتنی بڑی تحریر اور کسی کی نہیں ہوسکتی۔

(وہ اسٹاف کی طرف دیکھتا ہے)

سپرنٹنڈنٹ: تیار؟

(سب سر ہلاتے ہیں)

سپرنٹنڈنٹ: تو یہ اس ڈیپارٹمنٹ میں پہلا واقعہ ہے کہ ایک ناگرک نے مکان مانگنے کے بجائے مکان بنا کر دینے کا وعدہ کیا ہے۔

آدمی: کیا!

(وہ ڈھیر ہوجاتا ہے۔ باقی سب تالیاں بجاتے ہیں)

سپرنٹنڈنٹ: اگر یہاں کے سبھی ناگرک اپنی ہمت اپنے حوصلے کا اسی طرح ثبوت دیں کہ وہ مکان مانگنے کے بجائے مکان بنا کر دیں تو میں وشواس کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہاؤسنگ ڈیپارٹمنٹ کے بہت سے

کام آسان ہو جائیں۔

آدمی : میں دیکھ سکتا ہوں؟

سپرنٹنڈنٹ : بڑی خوشی سے

(سپرنٹنڈنٹ فریم دیتا ہے، آدمی اسے غور سے دیکھتا ہے)

سپرنٹنڈنٹ : تمہاری ماں اور بھائی کی تالیوں کی آواز نہیں آئی۔

(کلرک کھڑکی سے جھانکتا ہے)

کلرک : سوری سر، دونوں سو رہے ہیں۔

آدمی : اب تو آپ ایک کپ چائے پلوا دیجئے۔

سپرنٹنڈنٹ : سوری سر۔ ایک وزیٹر کے لیے ایک بار اور ایک ہی کپ چائے منگا کرتا ہے۔

آدمی : آپ ایسا کیجئے، ہار کو واپس بیچ دیجئے اور اس سے چائے کا ایک اور کپ منگوا دیجئے۔

سپرنٹنڈنٹ : وہ بہت پا جی ہے نہیں مانے گا۔

آدمی : اس سے کہئے کہ آدھے پیسے دے دے۔

سپرنٹنڈنٹ : (کلرک سے) کیوں؟

کلرک : مشکل ہے۔

آدمی : اور اگر اس سے بھی نہ مانے تو آدھے پیسوں میں وہ ہار پھر خرید لیجئے اور کل جو وزیٹر آئے گا اسے پہنا دیجئے۔

سپرنٹنڈنٹ : ہاں یہ شاید ہو سکتا ہے۔ تم جاؤ۔ پہلا ہار آدھے پیسوں میں بیچ دو۔ پھر ان ہی پیسوں سے وہی ہار خرید لو اور اس وزیٹر کے کھاتے میں ایک کپ چائے منگوا دو۔

کلرک : اتنا مشکل کام تو میں نے زندگی میں نہیں کیا!

سپرنٹنڈنٹ : چلو میرے ساتھ۔

(دونوں کمرہ سے نکل جاتے ہیں)

رپورٹر : سر؟

آدمی : یس سر!

رپورٹر : میں سمجھتا ہوں کہ وہ مکان جو آپ بنا کر دینے والے ہیں اس پر میرا دعویٰ کا زیادہ ہے۔

آدمی : کیوں!

رپورٹر : پہلا کارن تو یہ ہے کہ میں آدمی ہوں

آدمی : اچھا ——

رپورٹر : دوسرا یہ کہ میں دو وقت روٹی کھانے کی کمائی کی کوشش کرتا ہوں۔

آدمی : تیسرا!

رپورٹر : تیسرا کارن ذرا ٹیڑھا ہے، میں اس مکان کی ساری کھڑکیاں اور دروازے بند کر کے جی بھر کر رونا چاہتا ہوں۔

آدمی : آپ کے اس تیسرے کارن سے جان پڑتا ہے کہ آپ کو مکان کی سخت ضرورت ہے۔

رپورٹر : آپ کے یہ کہنے سے میرا اب بھی پھوٹ کر رونے کو جی چاہتا ہے۔

آدمی : تو؟

رپورٹر : تو کیا، آنکھوں میں آنسو ہی نہیں۔

(خود زور سے ہنستا ہے)

رپورٹر : تو

آدمی : تو تو (آدمی ہاتھ ملاتا ہے۔ رپورٹر نکل جاتا ہے)

(لڑکی اس کے قریب جاتی ہے۔ بڑی میٹھی آواز میں کہتی ہے)

لڑکی : آپ سچ مچ تو مکان اس کو نہیں دے رہے ہیں؟

آدمی : وہ مکان جو ابھی بنا ہی نہیں۔

لڑکی : وہ میرے سپنوں میں بس گیا ہے۔

آدمی : مکان ہی یا اور کچھ بھی——

لڑکی : آپ نے کیسے جان لیا؟

آدمی : کیونکہ جیسے ایک مکان ہوتا ہے اس میں دوسرے کمروں کے علاوہ بیڈروم ہوتا ہے۔ آدمی اسے بڑے پیار سے سجاتا ہے۔ ہلکے گلابی پردے، کچھ ایک سندر چیزیں، بھلے آدمی اور عورت کے کپڑے۔ ایسے ہی انسان کے جسم میں ایک دل ہوتا ہے بالکل بیڈروم

کی طرح۔ آدمی اسے خوشبوؤں سے سجانا چاہتا ہے۔

لڑکی: آپ کوی ہیں؟

آدمی: میں آدمی ہوں اس پر بھی مجھے شک ہے۔

لڑکی: اتنی پیاری باتیں —

آدمی: وہ اس لئے کہ پچھلے دس برسوں سے کوئی لڑکی میرے اتنے قریب نہیں کھڑی ہوئی۔ کسی نے اتنے قریب سے مجھے دیکھا نہیں۔ کسی نے اتنے قریب سے مجھ سے باتیں نہیں کیں۔

لڑکی: آپ نے ٹھیک ہی سمجھا ہے۔

آدمی: تو؟

لڑکی: آپ نے انہیں دیکھا بھی ہے۔

آدمی: میں نے وہ ایک بار اس کچے پل کے گدلے پانی میں اپنا چہرہ دیکھا تھا، اب تو وہ صورت بھی بھول چکا ہوں۔

لڑکی: آپ مذاق کر رہے ہیں۔

آدمی: آپ کو مذاق لگتا ہے؟

لڑکی: اور نہیں تو — ابھی تو وہ گئے ہیں ناسپرنٹنڈنٹ صاحب کے ساتھ —

آدمی: اچھا وہ —

لڑکی: ہاں — ایک سو اسی پاتے ہیں، تین روپے سال ترقی۔ اب ڈیپارٹمنٹل امتحان کی تیاری بھی کر رہے ہیں۔ پاس ہو گئے تو تنخواہ سیدھے سوا دو سو روپے ہو جائے گی اور ترقی پانچ روپے سالانہ۔ تنخواہ مقررہ تاریخ پر نہیں ملتی۔ لیکن ملتی ضرور ہے۔ میری تنخواہ بھی دو سو دس روپے ہے۔ آپ جلد ہی مکان دیجئے ہم شادی کر لیں گے۔

آدمی: اوہ!!

لڑکی: تو؟

آدمی: تو تو!!!

لڑکی: یعنی؟

آدمی: ایک بات بتائیے؟

لڑکی: ہاں

آدمی: اگر آپ مجھے کہیں، کسی جگہ پر دوبارہ مل جائیں تو مجھے پہچان لیں گی؟

لڑکی: آپ بھی کمال کی بات کرتے ہیں، ہم دونوں ہاتھ جوڑ کر "ہیں" آپ کو نمستے کہیں گے۔ پھر آپ کو چائے کی دعوت دیں گے۔ خود پوچھیں گے "شکر؟" اگر آپ نے کہا دو چمچ تو ہم ایک چمچہ ڈالیں گے۔

آدمی: وہ کیوں؟

لڑکی: آپ اس طرح اس وقت بھی پوچھیں گے "وہ کیوں" اور ہم ہنس کر جواب دیں گے وہ اس لئے کہ چائے ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہے۔ اس میں چاشنی گھل گئی ہے شکر کی ضرورت نہیں۔

(اور وہ بے اختیار ہنستی ہے)

آدمی: جینے کو طبیعت چاہ رہی ہے اب تو!

لڑکی: اور جب آپ وہ مکان دلوائیں گے تو ہم اس کے بیڈ روم کو دل کی طرح سجائیں گے اور ہمیشہ آپ کو یاد رکھیں گے۔

آدمی: مرنے کو طبیعت چاہ رہی ہے

لڑکی: آپ کچھ پریشان نظر آرہے ہیں۔

آدمی: کاش کہ کچھ ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ ہر کسی کو یوں مکان کے لئے ترسنا نہ پڑے۔ ہر کسی کو ضرورت کے مطابق خود بخود مکان مل جایا کرے۔

لڑکی: جس کا مطلب ہے آپ ہمیں مکان نہیں دے رہے؟

آدمی: وہ مکان جو ابھی ہمارے لئے تیار ہی نہیں ہوا؟

لڑکی: کم از کم وعدہ تو کر دیجئے، کئی سال بیت گئے، پہلے ان کے پاس نوکری نہ تھی، پھر نوکری ملی، وہ پیسے ہر مہینے کم پڑتے تھے پھر میں نے نوکری کر لی۔ شادی کے بعد ہم دونوں روزانہ ایک کمرہ دیکھنے جاتے ہیں۔ کبھی کمرہ ہے تو پانی نہیں، کبھی دوسری چیزیں ہیں تو کمرہ نہیں اور یہ سب باتیں ایک کمرے میں ہوں تو پگڑی اتنی کہ ہم واپس لوٹ آتے ہیں۔ دوسری صبح

پھر اخبار کے کالم دیکھتے ہیں۔ پھر نیا سفر۔ پھر مایوسی!!

(آواز بھرآتی ہے)

آدمی: (مسکراکر) دیکھئے اگر اس طرح آپ جذباتی ہوجائیں گی تو وہ رشتہ جو ان گھڑیوں میں پیدا ہوا ہے وہ ٹوٹ جائے گا۔

لڑکی: تو؟

آدمی: تو تو!

لڑکی: معنی؟

آدمی: کہ آپ جسے مجھے سمجھ رہی ہیں میں وہ نہیں ہوں۔ آپ جو نہیں سمجھ رہی ہیں میں وہ ہوں۔

لڑکی: معنی؟

آدمی: یہی ایک بات میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔

لڑکی: تو!

آدمی: تو تو!

(لڑکی ہنس پڑتی ہے)

لڑکی: معنی

آدمی: اب آپ ہنسنے لگی ہیں تو اچھی لگتی ہیں۔

لڑکی: کبھی کبھی من بھر آتا ہے

آدمی: من کو اپنے پلاسٹک کے پرس میں رکھا کیجئے۔ ہے نا آپ کے پاس!

لڑکی: وہ رکھا ہے۔

آدمی: جب کبھی پلاسٹک کا وہ پرس پرانا ہو جایا کرے تو اسے دل سمیت کہیں بھول جایا کیجئے، پھر میں آپ کے ہونے والے پتی اور آپ تینوں مل کر آپ کے دل کی تلاش میں نکلیں گے اور ہو سکتا ہے وہ میرے اس پھول کے آس پاس پڑا ہوا ملے۔

لڑکی: بالکل ہو سکتا ہے۔

آدمی: آپ کی اس مسکراہٹ کو دیکھ کر میرا وشواس لوٹ آیا ہے۔

لڑکی: وہ وشواس جو لوٹ آیا ہے اسے لوٹے میں بند کر کے مجھے دے دیجئے۔

آدمی: وہی تو کر رہا ہوں وہ بات جو میں صرف آپ ہی کو نہیں کہنا چاہتا، صرف آپ ہی کو کہنا چاہتا ہوں۔

لڑکی: تو؟

آدمی: تو تو!

لڑکی: معنی؟

آدمی: اس کے پہلے ایک وعدہ کیجئے۔

لڑکی: کرلیا!

آدمی: میری داستانِ محبت، جس میں داستانِ غربت شامل ہے، اسے سن کر آپ جذباتی نہیں ہوں گی۔

لڑکی: بالکل نہیں، بلکہ ہنستی رہوں گی

آدمی: مجھے پچھلے سات دنوں سے ایک گیسٹ ہاؤس سے نکال دیا گیا ہے۔

لڑکی: کیا بات ہے!

آدمی: ایک پرانا لوہے کا ٹرنک جس میں گیارہ کپڑے اور ایک سو گیارہ کتابیں تھیں وہ ضبط کرلیا گیا۔

لڑکی: کس خوشی میں؟

آدمی: کہ میں نے پچھلے چھ مہینوں سے کرایہ ادا نہیں کیا۔

لڑکی: بہت مناسب ہوا۔

آدمی: پھر میں نے ایک بہت ضروری کام کیا۔

لڑکی: وہ کیا؟

آدمی: میں نے اپنا وہ پرانا دل، جس میں دو چار غزلیں ٹیپ ریکارڈ کی تھیں، دو چار نورجہاں اور سہگل کے ٹریجک گیت بھی شامل تھے اور چند ایک کتابوں کا عرق۔ وہ پرانا دل میں اسی پرانے لوہے کے ٹرنک میں پیک کر آیا تھا۔

لڑکی: ہائے بیچارہ پرانا دل!

آدمی: دو روز بعد گیسٹ ہاؤس کا مالک، اسی پرانے پل پہ مجھے ڈھونڈتا ہوا ملا، بولا کہ اپنا وہ لوہے کا ٹرنک واپس لے جاؤ کیونکہ رات میں سہگل اور نورجہاں Duet گاتے ہیں وہ اتنے دردناک ہوتے ہیں کہ گیسٹ ہاؤس

کا کوئی آدمی نہیں سو پاتا۔

لڑکی: تو؟

آدمی: تو تو!

لڑکی: (ہنس کر) معنی؟

آدمی: میں نے کچھ پل کے گدلے پانی میں جاسے اس کی شکل دکھائی اپنا چہرہ دیکھ کر وہ بھاگ کھڑا ہوا اور آج تک واپس نہیں لوٹا۔

(دونوں ہنستے ہیں)

لڑکی: اب؟

(وہ سنجیدہ ہو جاتا ہے)

آدمی: پھر باقی کے چار دن، چار راتیں۔ بھوکا پیاسا۔ نہ نیند آسکے۔ نہ چلا جائے نہ سویا جائے نہ سمجھا جائے۔ دن کی گرمی، رات کی سردی، گدلے پانی کی بو، میرے اپنے جسم کی بو، میرے خالی ذہن کی بو، میلے کچیلے کپڑوں کی بو، ٹرنک میں چھوڑے ہوئے گیت، غزلیں کتابوں کا عرق سب نے پریشان کر دیا۔ نچوڑ کر رکھ دیا مجھے!!! میں نے کہیں سے کاغذ ڈھونڈا، کہیں سے ٹوٹی ہوئی پنسل دیکھی اور ایک مکان کے لیے عرضی لکھی کہ مجھے مکان کی سخت ضرورت ہے!!!

لڑکی: اور یہ وہ عرضی ہے جو سپرنٹنڈنٹ صاحب نے فریم کروا کر رکھ دی ہے۔

(ہنستی ہے)

آدمی: (مسکرا کر) بالکل۔ دماغ کی اس حالت میں بجائے اس کے کہ مجھے مکان دیجئے، میں نے لکھ دیا کہ میں آپ کو مکان پیش کر دیتا ہوں۔

(دونوں ہنستے ہیں۔ خاموشی۔)

لڑکی: اگر ہمیں کوئی کمرا مل گیا۔ اچھا برا چھوٹا بڑا کوئی اس میں جو بالکونی ہوگی نا وہ ہم لوگ آپ کو دیدیں گے!!!

آدمی: میرے کو طبیعت چاہ رہی ہے۔

(سپرنٹنڈنٹ اور کلرک داخل ہوتے ہیں سپرنٹنڈنٹ کے ہاتھ میں پلیٹ ہے۔ کلرک کے ہاتھ میں کپ۔

دونوں اسے چائے کا کپ پیش کرتے ہیں۔)

سپرنٹنڈنٹ: آپ کا فارمولا بہت کامیاب رہا۔

کلرک: اس نے ہار واپس لے لیا اور چائے مفت۔

(آدمی چائے ایک گھونٹ میں پی جاتا ہے)

سپرنٹنڈنٹ: میں نے کہا تم ہار واپس خرید لو

کلرک: پھر وہی ہار واپس بیچ دو

سپرنٹنڈنٹ: کیونکہ ہمیں ایک کپ چائے خریدنی ہے۔

کلرک: وہ ہار جو تم نے پوری قیمت میں بیچا تھا۔

سپرنٹنڈنٹ: وہ ہار ہم آدھی قیمت میں بیچنے کو تیار ہیں۔

کلرک: پھر وہی ہار ہم اسی آدھی قیمت میں خریدنے کے لیے تیار ہیں۔

سپرنٹنڈنٹ: اور ہم اس وزیٹر کی آخری خواہش پوری کرنا چاہتے ہیں۔

کلرک: پہلے وہ مسکرایا پھر وہ ہنسا اور بولا کہ ہماری حالت دیکھ کر اس کا جی چاہتا ہے کہ پھولوں کی دکان بند کر کے چائے کی دوکان کھول دے اور ہمارے مہمان کے لئے سورج نکلنے اور سورج غروب ہونے کے ساتھ ایک ایک کپ چائے روز پیش کیا کرے۔

سپرنٹنڈنٹ: پھر وہ مسکرایا، پھر وہ ہنسا اور آپ کا پہنا ہوا ہار اس نے خود پہن لیا، اپنا چائے کا کپ اس نے ہمیں تھما دیا۔ اور بڑی حسرت سے ہمیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

کلرک: اور ہمیں بڑا گھمنڈ ہے کہ ہم آپ کے کسی کام آسکے ہیں۔

سپرنٹنڈنٹ: اور آتے رہیں گے۔

کلرک: کبھی کبھی جاتے رہیں گے۔

سپرنٹنڈنٹ: کیونکہ دنیا آنی جانی ہے۔

کلرک: آنے جانے کے درمیان ایک انٹرول ہے۔

سپرنٹنڈنٹ: جس کو زندگی کہتے ہیں۔

کلرک: زندگی سے زندگانی بنتی ہے۔

سپرنٹنڈنٹ: زندگانی جو چار دنوں کی ہے۔

کلرک: وہ چار دن جو کاٹے نہیں کٹتے

سپرنٹنڈنٹ: جو کٹتے کم ہیں، کاٹتے زیادہ ہیں۔ اس سے یاد آیا

میرے گھر میں مچھر زیادہ ہیں، کیونکہ رسوئی کے اوپر جو موری ہے وہ ٹپکتی رہتی ہے اس لیئے میری پیار تھا ہے کہ جو مکان جاکب بنانے والے ہیں اس پر میرا ادھیکار زیادہ ہے کیونکہ یہ انتہاسک گھٹنا میرے ہوتے ہوئے اس آفس میں پیش ہوئی ہے۔

(ان دونوں کی باتوں میں آدمی خاصا مزا لیتا ہے)

آدمی: ایک بات بتایئے۔

کلرک: مجھ سے پوچھیئے۔

سپرنٹنڈنٹ: تم چپ رہو، میں تم سے سینیر ہوں۔ فرمایئے مہودے!

آدمی: گھٹنا میں اور دُر گھٹنا میں کتنا انتر ہے۔

کلرک: صرف "دُر" لگانے کی کسر رہ جاتی ہے۔

سپرنٹنڈنٹ: دیکھا نا، تم کتنے موقع شناس ہو، اسی انتہاسک دیش کا انتہاسک انتر میں دیتا تو اس انتہاسک گھٹنا میں اس کا ایکو ہو جاتا۔

آدمی: مہودے وہ دُر میں لگا دیتا ہوں۔

سپرنٹنڈنٹ: تو؟

آدمی: تو تو! (لڑکی ہنستی ہے)

سپرنٹنڈنٹ: یعنی؟

آدمی: ہم نے ایک بات نہیں سوچی؟

سپرنٹنڈنٹ: کیا؟؟؟

آدمی: کہ اس مکان اور پھر ایسے مکان بنانے کے لیے پیسے کہاں سے آئیں گے!

(باہر سے تالیوں کی آواز آتی ہے۔ کلرک اچک کر دیکھتا ہے)

کلرک: دیکھا نا سر، میں نے کہا تھا کہ وہ ضرور تالیاں بجائیں گے میری ماں اور میرا چھوٹا بھائی۔

سپرنٹنڈنٹ: ان سے کہہ دو میری ایم ختم ہو چکی ہے!

(کلرک چلاتا ہے)

کلرک: بس، بس!!!

(تالیوں کی آواز بند ہو جاتی ہے)

آدمی: اور اس انتہاسک گھٹنا کا جو انتہاسک نتیجہ ہم نے نکالا ہے کہ پیسے کہاں سے آئیں گے۔ اس کے لیے تالیاں!!

(سب تالیاں بجاتے ہیں۔ زور سے آدمی نکل جاتا ہے)

کلرک: پیسے

سپرنٹنڈنٹ: کہاں سے آئیں گے۔

دونوں: پیسے کہاں سے آئیں گے۔

(لڑکی بے اختیار ہنستی ہے۔ تالیوں کی آواز دھیمی ہو جاتی ہے جیسے وہ سوچ رہے ہوں۔ لڑکی ہنستی رہتی ہے۔)

(پردہ)

ساگر سرحدی

کہ عشق آساں نمود اوّل

میں نے جب بھی اپنے بارے میں کچھ لکھنے یا کہنے کی کوشش کی، یا تو وہ بات غلط ثابت ہوئی یا یکطرفہ یا ادھوری رہ گئی۔ پھر انسان کی فطرت بھی تو یہی ہے کہ اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کو ڈھکا چھپا کر رکھے اور اچھائیوں اور خوبیوں کا چرچا کرتا پھرے۔ اس لئے میں بھی ان تمام کمزوریوں کا شکار ہوں۔

آج جب میں اپنی اسٹیج کی زندگی کے بارے میں لکھنے لگا ہوں تو تھوڑی سی دشواری پیش آ رہی ہے۔ کیونکہ جب میں نے لکھنا شروع کیا تھا تو ابتدا کہانیوں سے کی تھی۔ اسٹیج کے قریب کیسے آیا، میں ٹھیک سے نہیں کہہ سکتا۔ میرے دوستوں کا کہنا ہے کہ میں نے کچھ اچھی کہانیاں لکھی ہیں۔ دوستوں کا، جن کی میں بے حد قدر کرتا ہوں، آج بھی یہی خیال ہے کہ میں ڈراموں سے کہانیاں زیادہ بہتر لکھتا ہوں۔ لیکن جوں جوں میں ڈرامے لکھنے لگا، میرا لگاؤ اسٹیج سے بڑھتا گیا۔ لگاؤ بخار ہو گیا اور دھیرے دھیرے میں نے کہانیاں لکھنا کم کر دیں یا بند ہی کر دیں۔ اِن سال چھ مہینے میں ایک آدھ کہانی جو ذہن میں آ جائے اور جانے کا نام نہ لے تو روتے روتے لکھ دیتا ہوں۔

پھر اسٹیج کی زندگی، میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کے کسی ناٹک کار کی اتنی دُرگت نہیں بنی ہو گی جتنی کہ صاحب ہماری ہوئی۔ آپ نے تھیٹر، پتھر اور جوتے پڑنے کی باتیں ہی سنی ہوں گی، ہم نے تو صاحب کھائے ہیں۔ ایک بار تو ہمارا ایکا ایکی اتنا ہُوٹ ہوا کہ بیمار ہو گئے قسم کھائی کہ ساگر سرحدی اگر زندگی کی خیریت چاہتے ہو تو بیٹا ناٹک مت لکھنا۔ کیفی اعظمی صاحب کو پتہ چلا کہ ساگر جوتے کھا کر بیمار ہو گیا ہے، انھوں نے دو تین پیار بھرے سندیسے بھیجے، ابتدائے عشق ہے۔ پھر انھیں کمیونسٹ ہونے کا ایک فائدہ ہے۔ آگامی کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔ انھیں وشواس تھا کہ کچھ سالوں کے بعد جوتے بہت مہنگے ہو جائیں گے، تھیٹر شہروں سے غائب ہو جائیں گے اور پتھر کسی بھی تہذیب یافتہ شہر کی سڑکوں پر دستیاب نہیں ہونے چاہئیں۔ اس لئے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ پھر انھوں نے یہ بھی کہا کہ میں ڈرامے پروڈیوس کرنا چھوڑ دوں۔ اس کی ذمہ داری وہ اپنے سر لیتے ہیں، لیکن کتنے کی دُم کہاں سیدھی ہوتی ہے۔

خیر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ جب چالیس روپے مہینے کمانے لگے تو ڈرامے پروڈیوس کرنا شروع کر دیئے سالہا سال قرض چکاتے رہے۔ ایک مزیدار بات یاد آئی۔ میرے ایک سیٹھ والے، اب نام بھول گیا ہوں، بہت اچھے سیٹ بناتے تھے، انھوں نے مجھے ایک تھیم سنائی اور اس پر ایکانکی لکھنے کو کہا۔ اس ایکانکی کا نام میں نے (دائرہ) رکھا۔ ان صاحب نے ایک اور تجویز رکھی کہ میرا ناٹک "خیال کی دستک" اور "دائرہ" وہ پروڈیوس کرنا چاہتے ہیں۔ ہم بہت خوش ہوئے کہ

خرچ کے جھنجھٹ سے آزاد ہوئے۔

وی۔ کے شرما نے (جنہوں نے 'سویرا' نامی فلم ڈائرکٹ کی ہے) دونوں ایکانکی ڈائرکٹ کیے۔ داؤن روڈ کی ٹیرس پر ہمارا شو ہوا۔ ہم بہت خوش تھے کہ ہم لوگوں میں بیٹھ کر اپنے ناٹک دیکھیں گے۔ بس شو کے کچھ منٹوں پہلے پتہ چلا کہ پروڈیوسر صاحب نے کرایہ کے ۲۵ روپے ادا نہیں کیے' اس لئے شو نہیں ہو سکتا۔ بس' پھر کیا تھا' ہم نے اپنی جیب سے تین روپے گیارہ آنے نکالے' جن دوستوں کو ہم نے انوائیٹ کیا تھا' ان کی جیبوں پر حملے کیے' بڑی مشکل سے کرایہ ادا کر پایا۔ خیر خدا خدا کر کے شو ہوا اور اچھا ہوا۔ لوگ خوشی خوشی ہم کو مبارکباد کی شابیاں دیکر گھر چلے گئے۔

رات کے ۱۱ بج چکے تھے۔ میں اور وی بے کے شرما گرانٹ روڈ اسٹیشن کے باہر فٹ پاتھ پر بیٹھے تھے۔ اور ہم دونوں کی جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں تھی۔ چند ایک بچے کچے لوگ کھانا کھا کر شراب پی کر لوٹ رہے تھے۔ جاتے جاتے ہماری پیٹھ ٹھونک گئے تھے کہ شو بیحد کامیاب رہا۔ ہم لوگوں نے نئی طرز کے اکسپریمینٹل ناٹک کئے ہیں اور ہم سوچ رہے تھے کہ گھر کیسے پہنچیں گے۔ آخر ہم دونوں نے طے کیا کہ بلا ٹکٹ چلتے ہیں۔ اگر کہیں ٹی۔ ٹی نے پکڑ لیا تو ہم اسے اچھا خاصا بھاشن دیں گے کہ ہم اس دیش کے مشہور ناٹک کار اور ڈائرکٹر ہیں اور پھر بھی وہ متاثر نہ ہوا تو یہ اس کی بدقسمتی۔

پنگ سرکل پہنچے تو ہمارے چہروں کے علاوہ رات کے بھی بارہ بج رہے تھے۔ کھانا نہ کھایا تھا۔ عجیب تلخی اور اُداسی تھی دلوں میں۔ گھر کون جائے گا؟ نیند کیسے آئے گی؟ کیا ہم ہی رہ گئے ہیں ایک آرٹ اور کلا کی سیوا کرنے کے لئے؟ اگر ہم نے لکھنا بند کر دیا تو کیا کمی رہ جائے گی ناٹیہ کلا میں؟ پھر شو کی تھکن' جینے بھر کی ریہرسل کے بعد شو کی ٹینشن اور شو اچھا ہو جانے کی ذرا سی خوشی۔ عجیب سی خوشی۔ ایک اس کے لئے ہی ساری محنت کی گئی تھی۔ ہم نے اپنے تمام دوستوں کے دروازے کھٹکھٹانے شروع کیے۔ وہ حیرت سے ہمیں اپنی کھڑکیوں' دروازوں' اور بالکنیوں سے جھانک کر دیکھنے لگے۔ رات کے بارہ بجے یہ دو آدمی شہر کی سڑکوں پر لوگوں کو آوازیں دیکر اٹھا کر پریشان کر رہے ہیں۔ تو صاحب ہم نے دوستوں سے چندہ جمع کیا اور آٹھ دس روپے کی پونجی لے کر دارو کے اڈے کی طرف بڑھے تو میں نے اعلان کیا کہ اب میں کبھی ناٹک نہیں لکھوں گا' لعنت ہو مجھ پر' لعنت ہو ناٹک پر۔ سب نے اس فیصلے کی تائید کی اور اس خوشی میں ہم نے ٹھرا منگایا۔ صبح ۴ بجے تک پیتے رہے اور اس وقت جب میں نے ناٹک نہ لکھنے کی قسم کھائی تو ایک اور ناٹک سوجھا اور تیسرے ہی روز وہ ایکانکی پڑھ کر سنایا جس کا نام تھا ' ایک شام اور گزر گئی '۔ اب آپ ہی میرے شاندار ہوش کا اندازہ لگائیے۔

اِس واقعہ سے کچھ تو ثابت ہوتا ہوگا' اگر کچھ ثابت نہ ہوتا ہو تو مجھے معاف کر دیں۔ لکھتے ہوئے یہ واقعہ یاد آگیا تو لکھ ڈالا۔ دراصل میری یادداشت بہت کمزور ہے۔ میری یادداشت کے بارے میں کئی لطیفے مشہور ہیں' ایک آپ کو سناتا ہوں۔ ہم کئی دوست پونا میں سائیکلنگ کر رہے تھے۔ یہ ان بے فکر دنوں کی بات ہے' جب ہم دل کھول کر ہنس سکتے تھے۔ سنیچر کی شام تھی۔ ہم سب ایک قطار میں تھے۔ تقریباً ساری سڑک گھیر رکھی تھی۔ ایک چوراہے پر ایک حوالدار نے ہمیں روک لیا' خوب ڈانٹا۔ جانتے نہیں ہو' سنیچر کا دن ہے' ریس کھیلی جاتی ہے' ٹریفک ہوتی ہے اور آپ ٹریفک روک رہے ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر اعلان کیا' شریمان حوالدار صاحب! آپ اس نظام میں رہتے ہیں' جہاں آپ کی خدمات کی کوئی قدر نہیں کرتا۔ آپ کو تنخواہ بہت کم ملتی ہے' روز بیوی سے جھگڑا رہتا ہے اور بچے پیٹھ پیچھے آپ کو بُرا بھلا کہتے ہیں' وہ ایک بار آپ نے گالیاں دیتے بھی سنا ہوگا۔ پڑوس والے اور جتا آپ کا مذاق اُڑاتے ہیں کہ آپ وردی' چوری کی رشوت بھی قبول کر لیتے ہیں۔ اس لئے حالات کی رنگا رنگی سے یا بے رنگی سے یا نارنگی سے اس کی تصویر کبھی کبھی آپ اخبار میں دیکھتے ہیں' پڑھتے رہتے ہیں۔ کوئی آپ کا درد نہیں سمجھتا۔ میں ادیب ہونے کے ناطے اور

آپ کو شاید معلوم نہ ہو، مَیں تازہ تازہ ناٹک کار بھی بن گیا ہوں، اس لئے کردار نگاری میرے حصّے میں آئی ہے۔ آپ کا درد سمجھتا ہوں۔ غلطی ہماری ضرور ہے، لیکن اتنی نہیں جتنی آپ سمجھتے ہیں، کیونکہ ہم پونا کے رہنے والے نہیں ہیں، کاش کر پونا کے رہنے والے ہوتے اور روز صحت مند، خوبصورت لڑکیاں دیکھنے کو ملتیں۔ تازہ سبزیاں کھانے کو ملتیں۔ خوشگوار آب و ہوا سے ہمارے چہرے بھی چمکتے۔ لیکن بدقسمتی ہماری، ہم بمبئی سے آئے ہیں۔ مَیں بی۔ اے کا ودیارتھی ہوں اور یہ لیجئے میرا آئیڈنٹٹی کارڈ۔ بس ٹریجیڈی ہو گئی صاحب، ایک تو وہ آئیڈنٹٹی کارڈ نہیں تھا، کالج کا لائبریری کارڈ تھا۔ دوسرے جب اس نے میرا نام پوچھا تو مَیں نام بھول گیا۔ آپ تو جانتے ہیں، خاکسار ساگر سرحدی کے نام سے مشہور ہے۔ اصل نام تو مَیں خود بھی بھولتا جا رہا ہوں اور اگر وہ نام آپ کو بتا دوں تو آپ بھی ہنسنے لگیں گے۔ صاحب اتنی گالیاں سُننے کو ملیں کہ نام یاد آ گیا۔

کالج کے دنوں میں بھی کچھ مزیدار باتیں ہوئیں۔ ان دنوں ضیا سرحدی کی فلم "ہم لوگ" لگی تھی جس نے ہمیں بہت متاثر کیا تھا۔ اس کے ڈائیلاگ ہم گلی کوچوں میں رٹتے تھے۔ اسی سے متاثر ہو کر مَیں نے ایک ڈرامہ لکھا "زمانہ" جس میں ایک بیکار آدمی کی زندگی کی طرف اشارہ تھا۔ ڈرامہ کالج میں چل گیا اور ہم راتوں رات اسٹار بن گئے۔ کالج کی سب سے مقبول ہیروئن اندرا والیہ، رول ادا کرنے رضامند ہو گئیں۔ ایک اور صاحب جو کالج کے مشہور ایکٹر سمجھے جاتے تھے، وہ سائیڈ رول کرنے لگے۔ ہمارے ڈائیلاگ کی بہت تعریف ہوئی۔ صرف اتنی ہی کسر رہ گئی کہ ڈائیلاگ حاضرین نہ سُن سکے، کیونکہ میری ضد سے ہیرو نخچے بچنے گئے تھے جو آج ڈاکیومنٹری فلموں میں بہت نام کما چکے ہیں، مسٹر ایس۔ سکھدیو ــــ ریہرسل میں وہ بڑے زور و شور سے ڈائیلاگ بولتے تھے لیکن شو والے دن ان کے ڈائیلاگ یا تو وہ خود سُن سکے یا پھر میں۔ کیونکہ مجھے اپنے ڈائیلاگ زبانی یاد ہو چکے تھے۔ سائیڈ ایکٹر چونکہ بہتر ایکٹر تھا، تجربہ تھا اسے، کچھ کامیڈی بھی شامل تھی اس کے رول میں، وہ چمک گیا اور ہم راتوں رات غائب ہو گئے۔

اس طرح ایک اور ڈرامے میں ایک سین تھا جس میں ایک ایکٹر کو ٹفن سے کھانا کھاتے ہوئے دکھانا تھا۔ جناب یا تو اپنا رول بھول گئے یا کھانا اتنا لذیذ تھا کہ وہ پورے ڈرامے میں کھانا کھاتے رہے۔

ایک اور واقعہ یاد آیا۔ مَیں اپنی کھولی میں سو رہا تھا۔ میرے دوست نے آ کر مجھے جگایا کہ وہ لڑکی جو ڈرامے میں کام کرنے والی تھی وہ انکار کر رہی ہے۔ ان دنوں مجھے بہت غصّہ آتا تھا۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا، اس کی یہ ہمّت۔ میرے ڈرامے میں کام کرنے سے انکار کرے! میں اس کا رول ہی ڈرامے سے کاٹ دیتا ہوں۔ لیکن کرو گے کیسے۔ کیونکہ ڈرامہ دوسرے ہی دن تھا۔ مَیں نے جواب دیا۔ ابھی اور اسی وقت۔ میں نے پاجامہ اُوپر کیا، قمیص ڈھونڈھ ڈھانڈ کر پہنی اور چل نکلا سڑک پہ۔ لڑکی کا رول کاٹ کر پھینک دیا۔ اس کے بجائے کیا لکھا مجھے یاد نہیں۔ رات بھر سڑکوں اور باغیچوں میں ریہرسل کرتے رہے۔ دوسرے دن ڈرامہ کھیلا گیا، خاصہ فلاپ ہوا تھا۔

اس کے بعد کسی لڑکی نے میرے ڈرامے میں کام کرنے سے انکار تو نہیں کیا۔ لیکن میرے دوستوں نے ایک مذاق گھڑ لیا کیا ہوا میرا ڈرامہ فلاپ ہوا، میری ہیروئن تو خوبصورت تھی۔

آج میں سوچتا ہوں، میرے ڈرامے کی لگن بہت پُرانی، بہت گہری ہے۔ جب میں چھوٹا تھا، شاید چھ سات سال کی عمر ہوگی۔ میرے بڑے بھائی تھے۔ ہم لوگ اپنے گاؤں میں ناٹک کرتے تھے، میں نہیں، میرے بڑے بھائی کرتے تھے۔ وہ مجھ سے چار پانچ سال بڑے تھے۔ یہ تقسیم سے پہلے کی بات ہے۔ سرحد کے ہزارہ ضلعے میں ہمارا ایک بے حد خوبصورت گاؤں تھا۔ دریا کنہار کے درمیان بستا تھا۔ آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھائیں تو رنگ نیلا۔ اور اُفق کی جانب پہاڑوں کی قطاریں، پہاڑوں سے جھرنے گنگناتے تھے۔ سردیوں میں ہم جھرنوں کی سرگوشی اور ترنم سُنتے تھے۔ دسہرے کے دنوں میں ہر سال ایک منڈوا باندھتے تھے۔ بڑے بڑے شہتیر اپنے سروں پہ اُٹھا کر ہمیشہ پلیٹ فارم کھڑا کرتے تھے۔ جسم پسینہ پسینہ ہو جاتا تھا۔ ہمارا کام صرف شہتیر ڈھونا تھا۔

یعنی جسم کی محنت تک ہی تعلق تھا۔ اور میرے بھائی ارجن اور ابھیمنیو کی اداکاری کرتے تھے۔ ان دنوں ٹکٹ بھی نہیں ہوا کرتے تھے۔ شہر میں سیکڑوں آدمی زمین پر بیٹھ کر، کوٹھے کی چھتوں پر بیٹھ کر ناٹک دیکھتے تھے۔ میرے بھائی کی آواز نہایت گرجدار، اونچی اور نہایت پُرکشش تھی۔ وہ اپنے گروپ کے مانے ہوئے اور مقبول کلاکار سمجھے جاتے تھے۔ کلاکار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بے خدا سچے آرگنائزر تھے۔ یہ باتیں میں یہ بتانے کے لئے کر رہا ہوں کہ تھیٹر چلانے میں میری کوشش صرف لکھنے تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ اسے تکمیل تک پہنچانے کے لئے جتنی کوششیں درکار ہیں، میں نے سب کی ہیں۔ جسمانی محنت، بھاگ دوڑ، پیسے جمع کرنا، ایکٹروں کو جمع کرنا، ہال بُک کرنا، پیسے کی ساری ذمہ داریاں اپنے اوپر لینا۔ یہ سب شاید اس لئے ممکن ہوا کہ بچپن میں اپنے بھائی کو دیکھا کرتا تھا۔ تھیٹر میں ان کا سایہ بن کر رہتا تھا۔ ان کی آخری پرفارمنس مجھے آج بھی یاد ہیں۔ ایک ایک لفظ، ایک ایک فقرے پر تالیاں، واہ۔ لوگ ان کو سر پر بٹھاتے تھے۔ شاید ابھی مینو کی اداکاری کر رہے تھے۔ بس اس کے بعد وہ بیمار پڑ گئے۔ کئی لوگوں کا کہنا تھا کہ انھیں نظر لگ گئی ہے، وہ بستر سے نہیں اُٹھ سکے اور ایک طویل بیماری کے بعد چل بسے۔

دوسرے سال ان کی ذمہ داری میں نے سنبھالنے کی کوشش کی۔ شیٹیر ڈھونڈے گئے، پردے اکٹھے کئے گئے، پیسے جمع کئے گئے، منڈوا تیار ہوا۔ میں نے کہا، یہ روایت برقرار رہنی چاہیے۔ میں نے رول بھی لیا، یاد کیا، ریہرسل کی۔ اگر بھائی صاحب کلائمکس تھے تو میں اینٹی کلائمکس تھا۔ وہ عروج پر تھے اور میری آواز میں خود بھی نہ سُن سکتا تھا۔ سامنے لوگوں کو بیٹھے دیکھ کر ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ ہستی ختم ہو گئی۔ بھاگنے کے لئے کونے ڈھونڈنے لگا۔ پردوں کے سائے میں، منہ دوسری طرف کر کے پسینہ پسینہ آسمان کی طرف نظر اُٹھائے دُعا پڑھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ میں کہاں، کس جگہ کیوں آ گیا ہوں۔ دوسرے دن جب لوگوں نے پوچھا کہ میں بھی ڈرامے میں کام کر رہا تھا تو میں نے سرے سے انکار کر دیا کہ میں تو تھا ہی نہیں اسٹیج پر!

اس دن سے میں اسٹیج پر جانے کے خیال سے کانپتا ہوں، ایکٹروں کو حیرت سے دیکھتا ہوں۔ حالاں کہ ساری زندگی ایکٹروں کے ساتھ گزری ہے۔ لیکن یہ راز آج تک نہیں سمجھ سکا کہ وہ اتنے لوگوں کے سامنے کیسے آرام سے ہنستے رہتے ہیں، لمبے لمبے ڈائیلاگ سُناتے ہیں۔ یہ ایکٹر تو میرے لئے معجزہ ہیں۔ بالکل سمجھ کے باہر!

میرے پہلے فُل لینتھ ڈرامے "میرے دیش کے گاؤں" کو جسے میں نے بعد میں رد کر دیا تھا، حکومت مہاراشٹرا کے سالانہ انعامی مقابلہ میں سات ایوارڈز ملے تھے، جس میں سال کے بہترین ڈرامے کا ایوارڈ بھی شامل تھا۔ یہ ڈرامہ ہم نے انڈین نیشنل تھیٹر کی طرف سے کیا تھا۔ دی۔ کے شرما نے اس کی ہدایت دی تھی۔ ان دنوں ہم سب کالج میں پڑھتے تھے۔ انڈین نیشنل تھیٹر کے کارکنوں نے ہمارے اعزاز میں ایک فنکشن کیا تھا۔ اس شو کے ہر ایوارڈ یافتہ کو اسٹیج پر بُلا کر اس کا تعارف حاضرین سے کرایا جاتا تھا۔ جب مجھے اس بات کا علم ہوا کہ مجھے بھی اسٹیج پر جانا ہوگا تو وہ ایک منٹ پہلے ہی پیچھے سے ہال سے نکل کر کینٹین میں چلا گیا۔ جب میرا نام پکارا گیا تو سارا سرحدی ندارد تھا۔ مجھے ڈھونڈا گیا۔ لوگوں کے بھی صبر کی انتہا ہوتی ہے۔ بہر حال مجھے کینٹین میں گھیر لیا گیا۔ اس میں میرے دوستوں کی شرارت بھی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ میں اسٹیج پر جانے سے کتراتا ہوں۔ میں نے بہت منّت سماجت کی، ہاتھ جوڑے اور جب اوپر پہنچنے سے بالکل انکار کر دیا تو وہ مجھے گھسیٹ کر اُٹھا کر اسٹیج پر لے آئے۔ میری حالت غیر تھی، کیسے کھڑا تھا، ہاتھوں کو کیا کرنا چاہیے، انھیں کیسے استعمال کرنا چاہیے، لوگوں کو کیسے نمسکار کرنا چاہیے، بس شور و غل، تالیاں اور قہقہے گونج رہے تھے، جیسے میں کوئی کامیڈی رول ادا کر رہا ہوں۔

میری اس ادا کی صلاحیت کا ایک اور آرگنائزیشن نے بہت فائدہ اُٹھایا۔ ایک شام میں مُنہ اُٹھائے ہال میں چلا گیا کہ امجدی بیگم چوپڑہ کی غزلیں سنوں گا۔ ہال پر پہنچتے ہی ایک صاحب میرے استقبال کے لئے بڑھے اور کہا۔

"اچھا ہوا تم آ گئے"

میں باقاعدہ مسکرا تا رہا اور قطعی نہ سمجھ سکا کہ کیسے اچھا ہوا، وہ بھی میرے آنے سے۔ پھر انھوں نے مجھے چائے پانی تو

مجھے اپنے آپ پر شک ہوا کہ کہیں مجھے غلط آدمی تو نہیں سمجھ رہا ہے۔ میں نے کہا: "بھائی صاحب! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" انھوں نے بڑی عاجزی کے ساتھ کہا "آج ہماری لاج آپ کے ہاتھوں میں ہے۔" میں نے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا، پھر ان کی طرف اور لاج کو ڈھونڈنے لگا۔ انھوں نے فوراً میرے شک کو دُور کرنے کے لئے کہا:

"آج ہمارا پروگرام ہے، آپ اناؤنس کر دیجئے۔ آپ کو زحمت تو ہوگی۔"

میں نے ان کا دل رکھنے کے لئے کہا: "مجھے بڑی خوشی ہوگی، آپ پریشان نہ ہوں۔ میری آواز بھی اچھی ہے اور میں آپ کا سارا پروگرام کمپیر کر دوں گا۔ آپ زندگی بھر یاد کریں گے۔"

ہوا بھی وہی۔ میرا خیال ہے زندگی بھر وہ مجھے یاد کریں گے اگر ان کی سوسائٹی بند نہ ہوئی ہو تو۔ میں جھٹ اسٹیج پر گیا۔ مجھے بتایا گیا کہ احمدی بیگم جو پڑھ غلاں غزل گا کر سنائیں گی۔ میں نے بڑے اسٹائل سے مائک آن کر دیا۔ بس یہی سب سے بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ مجھے مائک آن نہ کرنا چاہیے تھا۔ میں بے حد نروس ہو گیا۔ میں نے پہلے جو پڑھ کہا یا احمدی اور غزل کے بول پتہ نہیں کیا کہا۔ بیگم نے میری طرف دیکھا جو اسٹیج پر براجمان تھیں۔ میں اور گھبرا گیا۔ آخر میں اپنا غلط نام اناؤنس کر کے جو بھاگا تو آج تک اس ہال پر واپس نہیں گیا۔ ان صاحب پر کیا گزری ہوگی، جنھوں نے مجھے چائے پلائی تھی اور یہ فقرہ کہہ کر نوازا تھا: "اچھا ہوا تم آ گئے۔"

شاید یہی بات دل کے کسی گوشے میں بیٹھ گئی تھی۔ ایکٹر نہ سہی، رائٹر ہی سہی، خود نہیں بول سکتے تو دوسروں سے بلوائیں گے بہرحال وہ دَور شروع ہوا کہ ڈرامے مقبول ہونے لگے، ایک ایک لفظ پر تالیاں اور داد ملنے لگی۔ اچھے ڈرامہ نویسوں میں نام شمار کیا جانے لگا تو روزی کمانے کا خیال آیا۔ کالج کے دن نکل گئے تھے۔ صبح اُٹھتا تو پہلا سوال یہ ہوتا تھا کہ کروں کیا؟ نوکری کی، استعفیٰ دے دیا۔ دس کام اور شروع کئے، کہیں کامیابی نہیں ملی۔ تھیٹر سے پیسہ کمانا تو ریگستان میں پانی تلاش کرنا ہے۔ فلموں سے سخت نفرت تھی فلمی ماحول سے دُور بھاگتا تھا۔ لیکن اچھی فلمیں دیکھنے کا بے حد شوق تھا۔ پڑھتا بھی تھا۔ دُنیا بھر کے اچھے ڈائرکٹروں کی کتابیں پڑھ رکھی تھیں، فلمیں دیکھی تھیں، ان کے بارے میں پڑھا تھا۔ آخر فلم بنانے کی سوجھی۔ کہانی لکھی، ۹ دن شوٹنگ کی، ڈائرکٹ کی اور کسی وجہ سے فلم بند ہو گئی۔ بیس پچیس ہزار کا قرضہ سر پر لے کر بیٹھ گیا۔

اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ڈائیلاگ لکھنا شروع کروں۔ کسی طرح دو وقت کی روٹی تو ملے۔ اپنا قرضہ چکا سکوں اور شاید اس قابل ہو جاؤں کہ پھر فلم بنا سکوں۔ فلم "از بہر" کے ڈائیلاگ لکھے، پھر "سویرا" آخر میں "کبھی کبھی" اب ہم مقبول ہو گئے۔ شہرت، نام، مصروفیت سب کچھ ہے۔

ابھی دنوں کا واقعہ ہے، دسمبر کا مہینہ تھا۔ میں سویرا لکھنے کے لئے بنگلور گیا تھا۔ پہلا نصف حصہ جابلیشور میں لکھا تھا اور نصف حصہ بنگلور میں لکھ رہا تھا۔ اس دن ڈائیلاگ ختم کیے، گرنام جو اس فلم کا پروڈیوسر اور میرا دوست تھا، اس کے فون کا انتظار کر رہا تھا۔ کام ختم کرنے کی خوشی بھی تھی، کچھ ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا، اس لئے فلم دیکھنے چلا گیا۔ رات کے ۹، ۱۰ بجے کے بعد پیدل چلتا ہوا ہوٹل کی طرف آ رہا تھا، سنسان تھا، اچھی خاصی تنہائی تھی، خود سے باتیں کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔ دماغ سوچ کی طرف مائل تھا، چھوٹی چھوٹی، اچھی بُری باتیں۔ ذاتی باتیں، اپنے بارے میں، اپنے لکھنے کے بارے میں۔ ٹھنڈ بہت تھی۔ دسمبر کی خشکی دھیرے دھیرے بڑی تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی اور اچانک ایک پارک سے گزرتے ہوئے میں دھاڑیں مار کر رو پڑا۔ کیا میں نے ساری زندگی اس لئے محنت کی ہے، پڑھا ہے، سوچا ہے، چند اصولوں اور قدروں کو مانا ہے کہ آخر میں ڈائیلاگ رائٹر بن جاؤں؟ "سویرا" کے مکالمے لکھوں؟ پتہ نہیں کتنی دیر روتا رہا۔ طے ہو گیا کہ میں لکھنا بھول گیا ہوں۔ کہانیاں کھو کر ہو گئی ہیں اور اب ناٹک لکھنا بھول چکا ہوں۔ ہوٹل پہنچا تو قلم ہاتھ میں لیا۔ اپنے آپ سے کہا، دیکھو تمہیں لکھنا آتا ہے۔ کوشش تو کرو۔ اسی رات میں نے ایک کہانی "متوازی لکیریں" لکھنی شروع کی اور دوسرے دن کہانی ختم کر دی۔ اب ڈائیلاگ لکھنا بھی کم ہوتا ہے۔ وہی دو روٹی چلنے کی کوشش کرتا ہوں۔ روپیہ کمانا کبھی نہیں سوچا اتنا کمانا چاہتا ہوں جتنا جینے کے لئے ضروری ہے۔ فلم بنانے کا پھر ارادہ کر رہا ہوں۔ کہانی بھی طے کر لی ہے۔ کہانی سے فاصلہ طے کر کے ناٹک تک پہنچا تھا، اب فلم بنانے تک آ گیا ہوں، کتنا حق ادا کر سکوں گا، نہیں جانتا۔ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں ؎

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب دیکھئے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں!

محمد سعادت علی خاں

حیدرآباد میں اُردو ڈرامے کی روایت

حیدرآباد میں سلاطین آصفیہ کے دور میں اُردو زبان کی طرح اُردو ڈرامہ کی بھی بے پایاں سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی گئی۔ اس سلسلہ میں نواب جیا پلی کی شخصیت قابلِ ذکر ہے کہ انہوں نے دال منڈی کے ناٹک کی ابتداء کی۔ اس ادارے کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہ ادارہ ریاست میں ڈرامے پیش کرنے والا پہلا ادارہ تھا۔ اس ادارہ نے اپنا پہلا ڈرامہ "اندر سبھا" اوپن ایر تھیٹر کے اسٹیج پر پیش کیا۔ عام طور پر اس دَور میں جاتراؤں یا میلوں میں پیش ہوا کرتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں تک ڈرامہ کرنے والے پہنچ کر ایک عارضی اسٹیج بجھ اور مٹی سے بنا لیتے اور عوام کھلے میدان میں بوریے، شطرنجیاں بچھا کر بیٹھ جاتے۔ اور بڑی دلچسپی سے ڈرامے دیکھتے۔ ان ڈراموں میں مشہور یاردنی "رکمنی کلیان" "ستی ساوتری" "لنکا دہن" "وشنو لیلا" اور رام لیلا عام ہوئے۔ اس زمانے کی ایک بات قابلِ ذکر یہ ہے کہ عورتوں کا کسی شکل میں بھی اسٹیج پر آنا نہایت برا سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے عام طور پر مرد ہی عورتوں کے کردار ڈراموں میں ادا کیا کرتے تھے۔

نواب حمزہ حسین مدنی نے جو عام طور پر مدنی نواب کی عرفیت سے مشہور تھے ۱۹۱۶ء میں "دی مون پارسی تھیٹریکل کمپنی" قائم کیا۔ جو عوام میں مدنی نواب کی تھیٹر کے نام سے جانی پہچانی جاتی تھی۔ اس کمپنی نے نہ صرف حیدرآباد بلکہ ہندوستان کے دوسرے بڑے بڑے شہروں میں بھی ڈرامے کئے۔ اس کمپنی کے قابلِ ذکر ڈرامے "دلّی دربار" "تل کا تانا" "دھوپ چھاؤں" "انوکھی دنیا"

"ستی انسویا" "جوہار" "بولتی دنیا" "آج کل" "اسلام کا انصاف" اور "شریف دوست" وغیرہ ہیں۔ اس کمپنی کو ڈراما نگاری سے سنوارنے والوں میں منشی ذاتی، منشی محمد حسین تیر، منشی یاور علی اعظم، منشی نورالدین اور منشی عنایت علی قابلِ ذکر ہیں۔ منشی یاور علی اعظم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُن کے قلم میں بلا کی روانی تھی۔ مزاحیہ کرداروں کو آغا حشر کی طرح خوب سنوارتے تھے۔ ۱۹۲۲ء میں ایک باضابطہ تھیٹریکل کمپنی قائم ہوئی۔ جس کے مالک سیٹھ نذر اور علی موتی لال تھے۔ اس کمپنی نے آغا حشر کی خدمات حاصل کرنے کی حتی المقدور کوشش کی لیکن آغا صاحب اپنی بے حد مصروفیات کی وجہ سے نہ آسکے۔ تب منشی عباس علی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ لیکن موصوف بھی دو ایک ڈرامے لکھنے کے بعد بمبئی چلے گئے۔ اس طرح یہ سلسلہ شمس لکھنوی، دل لکھنوی اور منشی فرخ تک چلتا رہا۔ اور آخر کار مجنوں قمر اور منشی دلدار علی کو بھی لکھنے کا موقع دیا گیا۔ اس کمپنی نے کافی نام اور شہرت پائی۔ اب وہ دور تھا کہ مقفیٰ، مسجع نثر سے احتراز کیا جانے لگا۔ آخر کار یہ کمپنی اس وقت مسدود کر دی گئی۔ جب کہ مجنوں قمر کا لکھا تاریخی ڈراما "کلوپٹرا" نیل کی ناگن کے نام سے پیش کیا جانے والا تھا۔ لیکن مجنوں قمر نے کئی اور ڈرامے اس کے بعد لکھے۔ اور انھیں اسٹیج کیا۔ جن میں قابلِ ذکر "عورت کا دل" ہے۔

فلمی صنعت کا آفتاب طلوع ہو چکا تھا۔ اور ڈراما کا چاند غروب ہونے کو تھا۔ ریاست حیدرآباد پر خاندانِ آصفیہ کے ساتویں حکمران کا دورِ حکومت تھا۔ اس دور کو اردو کا دکن میں زرّیں دور کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ بادشاہِ وقت کے حکم سے حیدرآباد میں اردو ذریعۂ تعلیم کی یونیورسٹی جامعہ عثمانیہ قائم ہو چکی تھی۔ جامعہ عثمانیہ کے فارغ التحصیل بلند پایہ طلبا نے سر جوڑا اور اکبر وفا قانی کمر کس کر میدان میں آئے اور ایک بزم کی بنا ڈالی جس کا نام "بزمِ تمثیل" رکھا۔ اس بزم کے ڈراما نویس اور اداکاروں کی اکثریت عثمانیہ یونیورسٹی کے گریجویٹس کی تھی۔ اس بزم کے ڈراما نگاروں میں اکبر وفا قانی، عزیز احمد، مرزا ظفر الحسن، مخدوم محی الدین، میر حسن اور ناکارہ حیدرآبادی تھے۔ اس بزم کے پیش کردہ ڈرامے "مالن" "پھول بن" "کشمکش" "کالج کے دن" "مغالطہ" اور "سویرا" تھے۔ جو بے حد پسند کئے گئے۔ اور مقبول ہوئے۔ پروفیسر فضل الرحمن کا نام بھی نہیں بھلایا جاسکتا۔ کہ انھوں نے "بھی قاہرہ بابل"، "نئی روشنی" جیسے ڈرامے لکھ کر بے حد داد تحسین حاصل کی۔ صنعت اللہ بیگ صنعت کے لکھے ڈرامے "غلط در غلط" کو بھی پسند کیا گیا۔ بزمِ تمثیل کے قابلِ ذکر اداکاروں میں مرزا المشکور بیگ، ظفر مرزا، عبدالرب، شرافت اللہ، فضل الرحمن (کمرشیل آرٹسٹ) شہریار کا اس جی، محمود مرزا، رضوی، علی صاحب میاں، اعجاز حسین خان کھٹکا اور نذیر احمد دہقانی ہیں۔ اس بزم کو جبھی بہل اُس وقت ماند پڑ گئی جب کہ اس بزم کے ذمہ دار لوگ کچھ تو تحصیلِ معاش میں سرگرداں ہو گئے کچھ ملازمت اختیار کر کے اضلاع اور تعلقہ جات پر جا رہے۔ اس طرح آہستہ آہستہ اس بزم کی سرگرمیاں ختم ہو گئیں۔ عین اسی زمانہ میں ایک اور بزم نے جنم لیا۔ جو عوامی اسٹیج کی بجائے گھریلو محفلوں کو لالہ زار بنانے میں کامیاب اور کامران رہی جس کا نام "ناگہ بہار" رکھا تھا۔ (ریختہ چار بھائی) یہ تلگو اور اردو کا حسین و خوشگوار امتزاج تھا۔ جو قدیم حیدرآبادی تہذیب کا آئینہ دار ہے۔ تلگو میں چار کے عدد کو "ناگو" کہتے ہیں۔ برادران فارسی کا لفظ ہے جو اردو میں اتنا زیادہ مستعمل ہے کہ اس کا ذکر رہ گیا ہے۔ اس کے روحِ رواں دراصل چار صاحبان تھے۔ "عبدالرحمن" معزالدین، محمد عثمان اور فرید گرفتہ۔ یہ بزم ہمیشہ گھریلو پروگرام ترتیب دیا کرتی تھی۔ جس میں طرفیں، مزاحیہ خاکے، فکری ریفس ہوا کرتے تھے۔ پھر نے ذاتی مزاحیہ فنکار ان لوگوں نے جس قدر خوبصورت انداز میں پیش کیا تھا اس کی مثال نہیں ملتی۔ وہ اپنے وقت کی محفلوں میں بہت زیادہ مقبول ہوا تھا۔ اس خاکہ میں حصہ لینے والے اہم اداکاروں میں

عبدالرحمٰن (عرف بڑے بھائی)، محمد عثمان (عرف چاند بھائی) فرید گردہ، علی صاحب میاں، نذیر احمد دہقانی، بالا پرشاد گوڑ، جگموہن راؤ، ٹھاکر شامل ہیں۔ آخری دور میں سعادت علی خان اور غلام سرور خان ڈنڈا بھی اس ادارے سے وابستہ ہے۔ اس بزم کے عزل نواز فنکاروں میں معزالدین اور محمد عثمان کو ہرگز بھلایا نہیں جاسکتا کہ انھیں محفلوں کو بازار بنانے میں ید طولیٰ حاصل تھا۔

۱۹۴۸ء میں دوبارہ بزم تمثیل حرکت میں آئی پھر سے اکبر وفاقانی کی قیادت میں عثمانیہ یونیورسٹی کے نئے گریجویٹس نے اس بزم میں روح پھونکی۔ غلام خواجہ معین الدین کا لکھا اور ابراہیم جلیس کے تعاون سے تیار کردہ ڈرامہ "پہلا قدم" عوام میں بے انتہا مقبولیت حاصل کیا۔ اسی بنا پر اسے دوبارہ پیش کیا جانے والا تھا کہ اسی اثناء میں پولیس ایکشن ہوا۔ سانحے اور انقلابات لفزا تغزی کے شکار ہو گئے۔ بیشتر اصحاب پاکستان منتقل ہو گئے۔

ڈرامے اس دور میں عام طور پر صرف دو ہی تھیٹروں میں ہوا کرتے تھے۔ ایک زمرد محل دوسرا امپیریل، جو آج کل ساگر ٹاکیز کہلاتی ہے

پولیس ایکشن کے بعد ایک طویل تعطل رہا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد ڈرامہ کے میدان میں ہلچل شروع ہوئی۔ ۱۹۵۰ء میں ایک ادارے فائن آرٹس اکیڈیمی کا قیام عمل میں آیا۔ ڈرامہ اور موسیقی سے لگاؤ رکھنے والے چند نوجوانوں، محمد یوسف عبدالصمد خان، ایم ٹی ہادی، ایم۔ اے۔ باسط، محمد صفدر حسین، محمد حمایت اللہ، اقبال قریشی، ایم۔ اے رشید، احمد رشید، محمد عبدالنعیم، ممتاز احمد، قمرالدین احمد خان، مجید مقبول، محمد سعادت علی خان اور ولی محمد نے اس عظیم ادارے کی بنیاد رکھی جو آج ترقی کرتے کرتے حیدرآباد کی تہذیبی زندگی کا جزو بن گیا ہے۔ اس ادارہ کی بنا ۱۹۴۵، ۴۷ء کے قریب پڑی۔ چند ہی برسوں میں اکیڈیمی کے فن کار موسیقی اور ڈرامہ کی محفلوں کے لئے کامیابی کی ضمانت سمجھے جانے لگے۔ اس ادارے کے پیش کردہ ڈرامے "رشتہ یا سودا" "دھان کا پودا" "جنگ کے بعد" "فلم اسٹوڈیو" "سڑک پر بارہ گھنٹے" "دھنک" "چھلاوا" "انتشار دیوہ" "جھانسی کی رانی" "جوہی حلوہ" "کانٹو کا آلو" "لوک جھوک" "کٹھ گھر" "دروازے کھول دو" "برف کا چاند" "کوہ نور کا لٹیرا" "خاموش عدالت جاری ہے"۔ اور محمد قلی قطب شاہ ہیں۔ ۱۹۵۵ء میں عزیز قیسی کا لکھا ڈرامہ "سڑک پر بارہ گھنٹے" مظہر اسراری کی ہدایت کاری میں پیش ہوا اور کافی پسند کیا گیا۔ اس کے سلسلہ مشہور پینٹر ولی محمد نے سعادت علی خاں کے تعاون سے تیار کئے تھے۔ مجید مقبول، سعادت علی خان، عزیز قیسی، قمرالدین، رمیش کول اور ولی محمد نے اس کے کردار ادا کئے۔ ڈرامہ "جنگ کے بعد" ۱۹۵۶ء میں پیش ہوا۔ اس کے فنکاروں میں رشنی، خورشید ناہید، مظہر اسراری، مجید مقبول اور قمر سلطانہ شامل تھے۔ منجو قمر کا ڈرامہ "جھانسی کی رانی" ۱۹۵۸ء میں مظہر اسراری کے ڈائریکشن کے ساتھ صرف آٹھ روز کی تیاری میں پیش کیا گیا۔ اس میں کوئی ۲۰ یا ۲۵ چھوٹے بڑے کردار تھے۔ اس کے فن کاروں میں قابل ذکر شمس ناہید کے علاوہ مظہر اسراری، عزیز قیسی، حمایت اللہ، سید اشرف علی، قمرالدین، سعادت علی خان، سلیمان، ایم۔ اے۔ باسط، ایم اے ہادی، ایم۔ اے۔ جمیل، حبیب قیصر، خلیل واسی وغیرہ ہیں۔

اردو ڈرامہ کی تاریخ میں ۱۹۶۶ء کو تاریخی اہمیت حاصل ہے کہ اس سال جمن خاں نے ایک ایسا ڈرامہ پیش کیا جسے ڈرامے کے ناقد ڈرامہ نہیں سمجھتے۔ لیکن ملک کی آزادی کے بعد اس ڈرامہ کے جتنے شو سارے ملک میں پیش ہوئے اس کی مثال

نہیں تھی۔ فیملی پلاننگ کے موضوع پر لکھا گیا یہ ڈرامہ ۴۵ منٹ کے خاکے کے روپ میں لکھا گیا تھا لیکن اس میں جنّی خاں، وقتاً فوقتاً اضافے کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ اب مکمل ڈھائی گھنٹہ کا ڈرامہ بن چکا ہے۔ اور لاکھوں روپے اس ڈرامے کے ذریعہ فنڈ میں جمع ہوئے۔ جنّی خاں اس کا مرکزی اور مستقل کردار ہے۔ جبکہ دوسرے اداکار وقتاً فوقتاً بدلتے رہتے ہیں۔

سنہ ۱۹۷۶ء میں کرشن چندر کا لکھا ڈرامہ "دروازے کھول دو" رنگ بھون سوسائٹی کی سالانہ تقاریب کے موقع پر فائن آرٹس اکیڈیمی کی جانب سے بمبئی میں پیش کیا گیا۔ حکومت ہند کے سانگ اینڈ ڈرامہ ڈیویژن نئی دہلی کے زیر اہتمام بنگلور میں منعقدہ ڈرامہ فیسٹول کے لئے یہ ڈرامہ منتخب کیا گیا۔ اور یہ واحد اُردو ڈرامہ تھا جسے بنگلور میں عوام کے اصرار پر دو بار پیش کرنا پڑا۔ بمبئی میں پرتھوی راجکپور اور کرشن چندر نے ڈرامہ کی پیش کش کو خوب سراہا اور خاص طور سے قادر علی بیگ کی صلاحیتوں کو جنہوں نے مرکزی کردار ادا کیا تھا خراج تحسین پیش کیا۔ یہ ڈرامہ سلمان جاوید مرحوم نے ڈائریکٹ کیا تھا۔ اور اسے بار بار حیدرآباد میں بھی پیش کیا جاتا رہا ہے۔

فائن آرٹس اکیڈیمی کے فنکاروں میں حمایت اللہ اور محمد سلیمان، نہ صرف مزاحیہ خاکے پیش کرتے رہے ہیں بلکہ مزاحیہ ڈرامے بھی بڑی کامیابی اور اعتماد کے ساتھ اسٹیج کرتے رہے ہیں۔ حیدرآباد میں دکنی اسٹائیل کے مزاحیہ جو بھی مزاحیہ اداکار ہیں۔ ان پر حمایت اللہ کی اداکاری کسی نہ کسی انداز میں اثر انداز نظر آتی ہے۔ اکیڈیمی کے فن کار مصطفیٰ علی بیگ بھی حمایت اللہ کے ساتھ اکثر اسٹیج پر آتے رہے ہیں۔ مصطفیٰ نے مزاحیہ اداکاری کا اپنا الگ انداز بنا لیا ہے۔ جسے وہ نبھاتے جا رہے ہیں۔ مزاحیہ خاکہ 'چھوٹے نواب' کو حمایت اللہ نے ڈرامہ کی شکل دے کر بار با اسٹیج پر پیش کیا۔ اس ڈرامہ کو بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ حمایت اللہ نے اپنا لکھا ہوا ایک اور مزاحیہ ڈرامہ "انٹرویو" کے نام سے ان گنت بار پیش کیا ہے۔ جس کے اداکاروں میں، حمایت اللہ، مصطفیٰ، سلیمان، مجید مقبول، قمرالدین، سعید اشرفی، طفیل اور سعادت علی خاں قابل ذکر ہیں۔

فائن آرٹس اکیڈیمی کے ڈرامہ آرٹسٹوں میں، قادر علی بیگ کو منفرد مقام حاصل ہے۔ فائن آرٹس اکیڈیمی کے ہدایت کاروں، میں مظہر اسرار، اور سلمان جاوید مرحوم نے 'قادر علی بیگ' کی اداکاری کو جلا دی اور اب قادر علی بیگ اکیڈیمی کے ڈراموں میں کام بھی کرتے ہیں اور ہدایت کاری کا فرض بھی بحسن خوبی نبھا رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے ذاتی ادارہ نیو تھیٹر آف حیدرآباد کی بھی بنا ڈالی ہے۔ جس کے زیر اہتمام "برف کی دیوار" اور "آدھے ادھورے" دہلی میں آل انڈیا آل تھیٹر کمپٹیشن میں پیش کئے گئے۔ اور متعدد انعامات حاصل ہوئے۔ اس کے علاوہ قادر علی بیگ متعدد ڈرامے کامیابی کے ساتھ پیش کر چکے ہیں۔ حال ہی میں "سکھارام بائنڈر" حیدرآباد میں کئی بار اسٹیج ہو چکا ہے۔ ڈرامہ "محبوب" کی ہدایت کا فرض بھی وہ نبھا چکے ہیں۔ جسے رشید قریشی نے لکھا اور پرانے شہر کے ایک محل میں اوپن ایر اسٹیج پر پیش کیا گیا۔

اکیڈیمی کے زیر اہتمام سعید الحسن اور مٹھن لال یادو (جو اب فلمی صنعت سے وابستہ ہیں) نے بھی ڈرامے پیش کئے ہیں۔ سعید الحسن نے کالج کا لج کی ہدایت کاری کے بھی فرائض انجام دیئے ہیں۔ جس میں ان کے علاوہ فوزیہ سلطانہ

موتی سلطانہ، جمال ایرانی، موہن بھوشن اور ماسٹر شفیع وغیرہ نے حصہ لیا تھا۔ محمد علی شکی اور ان جیسے کئی فنکار ہیں جنہوں نے فائن آرٹس اکیڈیمی کے ڈراموں میں حصہ لیا اور اپنے کردار اس خوبی سے نبھائے کہ لوگوں کے ذہنوں پر آج بھی ان کا نقش قائم ہے۔

۱۹۵۷ء میں جشن جہد آزادی کی صد سالہ سالگرہ کے موقع پر اکیڈیمی کے شہرت یافتہ ادیب و شاعر عزیز قیسی نے 'ایک صدی' کو نظم کیا جسے نگین شیڈ ڈرامہ میں پیش کیا گیا۔ ممتاز احمد نے سُر سے اور ولی محمد و سعادت علی خاں نے رنگوں سے سنوارا۔ مجید مقبول اور قمر الدین اس کے فنکاروں میں شامل ہیں۔ فائن آرٹس کے ڈرامہ آرٹسٹوں کا، موسیقاروں نے بھی ہمیشہ ساتھ دیا۔ خاص طور سے وشنو ممتاز کی جوڑی نے اکیڈیمی کے ڈراموں کو متاثر کرنے والی بیاک گراؤنڈ میوزک سے سجایا، سنوارا۔

فائن آرٹس اکیڈیمی کے علاوہ بھی حیدرآباد میں بعض اداروں کی جانب سے اردو ڈرامے اسٹیج کئے جاتے رہے ہیں۔ لیکن یہ کوشش سنجیدہ اور مسلسل نہیں رہی۔ اکثر ایسے ڈرامے پیش ہوتے رہے ہیں جنہیں ڈرامہ سے زیادہ خاکوں کا نام دیا جاسکتا ہے۔ تاہم ہم کہہ سکتے ہیں کہ حیدرآباد میں اردو ڈرامہ کا ماضی اور حال دونوں شاندار رہے — اور مستقبل میں اچھی امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔

٭٭

تماشا نہ ہوا

فکر تونسوی

(ریڈیائی ڈرامہ)

آج کا سچ

[پروفیسر ورما کی کرسی کے پاس دودھ کا ٹوٹا ہوا پیالہ رکھا ہے۔ گڑیا الٹی پڑی ہے۔ ڈریسنگ گون کا ازاربند لٹک رہا ہے۔ پروفیسر سویا ہوا ہے۔ اس کی چھاتی پر فلاسفی کی کتاب دھری ہے۔ گھڑی کی ٹک ٹک۔ الارم بجتا ہے۔ صبح کے سات بجے کا الارم اچانک ایک غیبی آواز فضا میں ابھرتی ہے]

غیبی آواز: پروفیسر ورما، ساودھان! ساودھان!! ساودھان!!! تم ہمارے فرمان کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔ ایک مسلسل خلاف ورزی۔ ہم نے تمہیں دنیا میں اس لئے بھیجا تھا کہ تم وہاں جاکر سچ اور ہمیشہ سچ بولوگے۔ مگر تم بھول گئے یا جان بوجھ کر بھول رہے ہو۔ اس لئے ہم تمہیں متنبہ کرتے ہیں کہ ایک دن کی مہلت اور — سچ بولنا شروع کردو، ورنہ کل صبح دھرتی سے اٹھالئے جاؤگے۔ ساودھان! ساودھان!! ساودھان!!!

[پروفیسر ہڑبڑاکر بیدار ہو جاتا ہے۔ گھڑی کی ٹک ٹک۔ اس کا چہرہ پریشان ہے]

پروفیسر: (میز کو زور سے دو چار جھٹکے دے کر) اُف۔ اُف۔ یہ کیسی آواز تھی۔ کیا میری انتر آتما کی تھی یا خدا کا فرمان تھا۔ میرا مقصدِ حیات کیا تھا؟ کیا سچ بولنا؟ کیا میں واقعی مسلسل جھوٹ بولتا رہا ہوں۔ میں... میں ... مگر مجھے جھوٹ کی اس دلدل میں کس نے پھینکا؟ کیا دھرتی نے؟ کیا دھرتی جیت گئی۔ میں ہار گیا؟ نہیں — نہیں — نہیں — میں مرنا نہیں چاہتا۔ میں سچ بولنا شروع کردوں گا۔ فوراً۔ اسی دم، ابھی۔ مرنا فضول ہے، سچ بولنا اصول ہے۔ قہقہہ۔

[کال بیل بجتی ہے۔ پروفیسر اپنے قہقہے کو ایک دم روک لیتا ہے اور سیریس ہو جاتا ہے۔ کھونٹی کے پاس جاکر گاؤن اتارتا ہے پہنتے پہنتے کہتا ہے]

پروفیسر: کون صاحب ہیں۔ (کال بیل پھر بجتی ہے۔ پروفیسر گاؤن پہن کر دروازے کی طرف بڑھتا ہے۔ رک جاتا ہے اور اپنے آپ سے) پروفیسر مادھو! دنیا کے سامنے گاؤن پہن کر معزز آدمی کا بہروپ بھرنا چاہتے ہو، حقیقت پر لباس کا جھوٹ اوڑھنا چاہتے ہو۔ ساودھان۔ ساودھان — (گھنٹی پھر بجتی ہے)۔

پروفیسر: (دروازہ کھولتے ہوئے) تشریف لائیے۔ (اس کی

طرف دیکھتا ہے) کھڑے منہ کیا تک رہے ہیں
آپ۔ اگر کوئی کام ہے تو اندر آجایئے۔ اگر صرف
درشن کرنا ہے تو کر لیجئے اور لوٹ جایئے۔

ڈاکٹر: ہی۔ ہی۔ ہی۔ آپ واقعی ظریف الطبع واقع ہوئے
ہیں۔ آپ کا لڑکا سچ کہتا تھا۔

پروفیسر: میرے لڑکے نے آج تک ایک بھی سچی بات نہیں
کی۔ انڈر اسٹینڈ؟ اب کہئے۔

ڈاکٹر: یہ سچ جھوٹ تو آپ کا گھریلو معاملہ ہے۔ مگر میں
.... اوہ ... معاف کیجئے۔ میں ایٹی کیٹ تو
بھول ہی گیا۔ میرا فرض تھا، پہلے اپنا انٹروڈکشن
کراتا۔ ناچیز کو انشورنس کمپنی کا ڈاکٹر کہتے ہیں، ڈاکٹر
کوہلی۔ اب فرمایئے آپ کے مزاج شریف۔

پروفیسر: ہوں — ہوں۔ آج سے شاید دو منٹ نہیں
(گھڑی دیکھ کر) ڈھائی منٹ پہلے تک ٹھیک
تھے بعد میں خراب ہو گئے۔

ڈاکٹر: ہوں۔ موسم کی خرابی کا اثر ہوگا۔ آج کل موسم
دو دو منٹ بعد بدل جاتا ہے (اپنی ناک چھکاتا
ہے) میری اپنی ناک — مگر ٹھیریئے۔ میں آپ
کو دو گولیاں دیتا ہوں، ڈیڑھ دو منٹ میں ہی
زکام کافور۔

پروفیسر: اوہ۔ نو۔ نو۔ مجھے زکام نہیں ہے۔ بیٹھئے بیٹھئے۔
تشریف رکھئے۔ اس کرسی کا پایا ٹوٹا ہوا ہے۔
دوسری پر بیٹھئے اور برا نہ مانئے۔ ویسے زکام
آپ کو بھی نہیں ہے، جھوٹ موٹ ناک چھکا رہے
ہیں۔ مگر اس جھوٹ کے باوجود آپ فرمایئے۔

ڈاکٹر: ہی۔ ہی۔ ہی۔ پروفیسر صاحب۔ آپ کی مزاحیہ
باتوں سے تو میرے پیٹ میں بل پڑنے لگے ہیں۔
میں عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ بیمہ کروا رہے
ہیں ناں؟

پروفیسر: بیمہ۔ ارے ہاں۔ لڑکے نے کہا تھا۔ کروا لو۔ لیکن
اب سوچتا ہوں کہ .....

ڈاکٹر: (بیگ میں سے فیتہ نکالتا ہے) اجی، پروفیسر صاحب
سوچنا آپ کا نہیں بیمہ کمپنی کا کام ہے۔ آپ ذرا
سیدھے کھڑے ہونے کی زحمت گوارہ فرمائیں گے۔

پروفیسر: (سیدھے کھڑے ہو جاتا ہے) دراصل بیمے سے مجھے
موت کا تصور آتا ہے اور میں مرنا نہیں چاہتا۔

ڈاکٹر: (فیتہ کھول کر پروفیسر کو ناپنے لگ جاتا ہے) نو
نو، پروفیسر صاحب! مرنا کوئی شرافت نہیں، اور
دیانت تو — (ناپ کر۔ پانچ فٹ تین انچ)
دیانت تو بالکل نہیں ہے — بے حد آئیڈیل
قد ہے آپ کا۔ انشورنس کمپنی بڑے قد کے پالیسی
ہولڈروں کو زیادہ احترام سے دیکھتی ہے۔ ناخن؟
(ناخن دیکھتا ہے) خاصے سرخ ہیں (کاغذ پر
نوٹ کرتا ہے)۔

پروفیسر: سرخ ہیں؟ سفید کو سرخ کہے جا رہے ہو (طنزیہ
مسکراہٹ)۔

ڈاکٹر: (میز پر سے چشمہ اٹھا کر دیتا ہے) چشمہ لگا کر دیکھئے
اصلی رنگ دکھائی دے جائے گا۔

پروفیسر: (ٹھنڈی آہ بھر کر) چشمہ۔ مگر میرا معاملہ تو
چشمے سے کئی منزلیں آگے جا چکا ہے۔ ایک آنکھ
میں موتیا بند ہے، دوسری میں ہونے والا ہے۔
لکھئے، لکھئے —!

ڈاکٹر: موتیا بند آج کل بے حد عام بیماری ہے۔ کوئی ہرج نہیں میں دیکھ لوں گا۔ اور ۔۔ اور ۔ آپ کے دانت؟ ذرا منہ کھولئے۔

پروفیسر: کیا کھولوں (کھولتا ہے) دیکھ لیجئے۔ تین داڑھیں اور چار دانت نکلوا چکا ہوں۔ باقیوں نے QUE لگا رکھا ہے۔

ڈاکٹر: (ہنسنے کی کوشش کو دبا کر ایکدم اداس ہو جاتا ہے) ہوں۔ ہوں۔ میرا مطلب ہے دل کی کیا کیفیت ہے (استھٹسکوپ لگا کر سنتا ہے)۔

پروفیسر: کوئی دھڑکن سنائی دی؟

ڈاکٹر: ہاں ہاں۔ لیکن یہ بتایئے کہ مثلاً ۔۔ مثلاً ۔ کوئی چور گھر میں گھس آئے تو .....

پروفیسر: تو دھڑکن بالکل بند ہو جائے گی۔

ڈاکٹر: ہا ہا ہا... آپ خاصا مذاق کر لیتے ہیں۔ چور تو آپ کے مذاق میں چوری کرنا ہی بھول جائے گا۔ لیکن ۔۔ (ایک دم سنجیدہ ہو کر) دیکھئے یہ چوری کا معاملہ نہیں بیمہ کا معاملہ ہے۔

پروفیسر: ایک ہی بات ہے۔

ڈاکٹر: (ہنستا ہے) خدا کے لئے چپ ہو جایئے ایک منٹ اور یہ بتایئے۔ آپ کے والد صاحب؟ ... کیا آپ کے والد صاحب کا قدرتی انتقال ہوا تھا؟

پروفیسر: مرحوم پیادق کا شکار ہوئے تھے جو شاید فطری تھا۔

ڈاکٹر: پروفیسر صاحب (قریب آجاتا ہے اور آہستہ سے کہتا ہے) اگر میں یہ سب کچھ اس (بیمہ فارم لہرا کر) فارم پر لکھ دوں۔ تو کمپنی آپ کے بیمہ کی درخواست کو REJECT کر دے گی۔ لہٰذا آپ وہی کچھ لکھوایئے جو ....

پروفیسر: جو آپ کو پسند ہو۔ ہیں نا۔ یعنی آپ جھوٹ بولتے جائیں اور میں اسے سچ کہتا چلا جاؤں۔ مگر میں ایسی جھک نہیں ماروں گا۔

ڈاکٹر: تو پھر سوچ لیجئے آپ کے بیمہ سے آپ کے بچوں کا مستقبل وابستہ ہے۔

پروفیسر: جن بچوں کا مستقبل جھوٹی میڈیکل رپورٹ پر منحصر ہے۔ میں ان کا باپ کہلانا پسند نہیں کروں گا۔

ڈاکٹر: معاف کیجئے ۔۔ (کھنکار کر) آپ کی طبیعت کچھ ناساز معلوم ہوتی ہے۔ لیکن کوئی ہرج نہیں۔

پروفیسر: ہاں کوئی ہرج نہیں۔

ڈاکٹر: نہیں۔ نہیں۔ میرا مطلب ہے۔ میں کل پرسوں پھر حاضر ہو جاؤں گا۔ اتنے میں آپ کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک ہو جائے گی۔ اور آپ صحیح طریقے پر سوچ سکیں گے۔

پروفیسر: سوچنا بیمہ کمپنی کا کام ہے، میرا نہیں۔

ڈاکٹر: (دکھی ہو کر) آل رائٹ۔ آل رائٹ (منہ پھیر کر اپنا سامان سنبھالتا ہے) بے کار میں میرا قیمتی وقت ضائع گیا۔ (چلا جاتا ہے)۔

پروفیسر: (آئینہ کے سامنے اپنا چہرہ دیکھتا ہے۔ قہ قہ قہ۔ ناخن، بڑے سرخ ہیں۔ آنکھیں موتیا بند۔ کوئی ہرج نہیں ۔۔ بچوں کا مستقبل ۔۔ کوئی ہرج نہیں (اطمینان کا گہرا سانس لے کر) اُف یہ سب کتنی بوجھل چیزیں تھیں مگر دو چار سچی باتیں کہنے سے جی کتنا ہلکا پھلکا ہو گیا ہے۔ اس سمے میرا من کتنا شانت ہے۔ ایسا لگتا ہے دنیا کی ہر شئے کا کایا کلپ ہو گیا ہے۔

(چہرے پر ہاتھ پھیر کر) میں کتنا بدل گیا ہوں۔ آنکھ
نئی ہونٹ نئے، کان.....

[دوسرے ونگ میں ڈاکٹر اور پروفیسر
کا لڑکا ناتھ گفتگو میں مصروف دکھائی
دیتے ہیں]

ڈاکٹر: نیں نیں مسٹر ناتھ۔ آپ کے ڈیڈی کا دماغ.....
آئی میں.... ان کے دماغ میں کوئی... ہاتھ
کے اشارے سے دائرہ بناتا ہے) گول گول۔ صفر۔

ناتھ: ڈونٹ بی سیریس ڈاکٹر۔ مجھے دیجئے یہ فارم۔ میں
دستخط کروالوں گا۔ آپ میڈیکل رپورٹ تیار کر دیجئے
میں اتنے میں ڈیڈی کو تیار کرتا ہوں۔

[پہلے ونگ میں پروفیسر صاحب بڑے
اطمینان سے بیٹھے ہیں ۔ دروازے
کے پٹ کھلتے ہیں۔ ناتھ داخل ہوتا ہے
ہاتھ میں بیمہ فارم ہے]

ناتھ: (تھوڑی سی گھبراہٹ اور تھوڑے سے طیش کے ساتھ)
پتا جی آپ نے یہ کیا غضب کیا۔ (حیرت سے منہ
کھول کر) آپ نے سارے میڈیکل معائنہ کا بیڑا
کر دیا۔

پروفیسر: غلط۔ ڈاکٹر نے جو کچھ پوچھا میں نے صحیح صحیح بتا دیا۔

ناتھ: کس نے کہا تھا صحیح بولنے کو۔ آپ جانتے نہیں تھے
یہ بیمے کا معاملہ ہے۔ (آگے بڑھتا ہے)

پروفیسر: بیٹا! مگر یہ میری انتر آتما کا معاملہ تھا۔

ناتھ: انتر آتما تو ہمیشہ جھوٹ بولتی ہے مگر.... (ذرا نرم
ہو کر) اب میں آپ سے کیا کہوں۔ دنیا داری میں
جھوٹ بولنا ہی پڑتا ہے۔ انتر آتما دنیا دار نہیں ہوتی۔

پروفیسر: مگر میں انتر آتما سے وعدہ کر چکا ہوں بیٹا۔

ناتھ: کیا یہ وعدہ چند منٹوں کے لئے ملتوی نہیں کیا جا سکتا
تھا۔ کم از کم بیمہ تو ہو جاتا۔ سچ بولنے کے لئے تو عمر
پڑی ہے۔

پروفیسر: وعدہ آج کیا ہے سچ کل جا کر بولنا۔ اس میں کیا تک ہے؟

ناتھ: تک یہ ہے کہ کنبے کو دس ہزار روپے مل جاتے۔

پروفیسر: ہاں۔ کنبے کو دس ہزار روپے مل جاتے اور کنبے کے
ہیڈ کی ارتھی اٹھ جاتی۔ اچھے برخوردار ہو۔

ناتھ: پتا جی۔ اب چھوڑ بھی دیجئے یہ ہٹ دھرمی۔ انتر آتما
کے پردے میں آپ کو کسی نے دھوکا دیا ہے۔ لیجئے
فارم پر دستخط کر دیجئے۔ (ناتھ قلم آگے بڑھاتا ہے
ہے، ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ پروفیسر ریسیور
اٹھاتا ہے)

پروفیسر: (ٹیلی فون پر) ہیلو۔ کون ۔ راج بہاری سنگھ جی
(ناتھ سے) تمہارے باس ہیں (پھر فون کرتا ہے)۔
ارے بھائی تمہارا لڑکا ہمارے کالج میں داخل نہیں
ہو سکتا ۔ کیا فرمایا ۔ جی تمہارا لڑکا بے حد
نالائق ہے۔ سو فیصدی پھسڈی ہے۔ میں اس کی
ریکمن ڈیشن بالکل نہیں کر سکتا ۔ آہاں ناممکن۔

ناتھ: (پریشان ہو کر) ڈیڈی۔

رام بہاری سنگھ: (ادھر سے آواز آتی ہے) نان سینس۔

پروفیسر: ہاں۔ ہاں۔ نان سینس۔

رام بہاری سنگھ: لیکن پرسوں تو آپ کہہ رہے تھے کہ لڑکا بے حد
انٹیلی جنٹ ہے۔

پروفیسر: میں نے جھک ماری تھی۔

بہاری سنگھ: آل رائٹ، تو آپ کا لڑکا ناتھ بھی انشورنس ایجنٹ

میں اسے کل ہی اپنی کمپنی کی نوکری سے نکال باہر کروں گا
ہُنہ۔ (ناتھ گھبرا جاتا ہے۔ پتاجی کے گھٹنے پر ہاتھ
لگاتا ہے)۔

پروفیسر: مگر آپ پہلے اسی بیٹے کو کئی بار اپنا بیٹا کہہ چکے ہیں۔

رام بہاری: میں نے بھی جھک ماری تھی۔

پروفیسر: مگر سنئے تو — سنئے — ہلو۔ کم بخت نے
رسیور ہی بند کر دیا، کتنا گھٹیا انتقام لے رہا ہے
مجھ سے۔ انتقام نے تو اسے بدتہذیب بھی بنا دیا
ہے۔ (ناتھ سے) لو بیٹا تمہاری نوکری ختم۔

ناتھ: میری نوکری جائے بھاڑ میں۔ آپ کی انترآتما تو
شانت ہوگئی۔

پروفیسر: ارے تو کیا میں تیری نوکری کی خاطر نالائق لڑکے کو
بھرتی کر لیتا — ہیں — ؟

ناتھ: (اپنے بال جھنجھوڑتا ہے) ڈاکٹر کوہلی ٹھیک کہتا تھا
تمہارے ڈیڈی کے دماغ میں .... اب کیسے
کہوں شرم آتی ہے۔

پروفیسر: نہیں بیٹا۔ کہہ دو۔ سچ میں کاہے کی شرم۔

ناتھ: وہ کہتا تھا کیڑا ہے۔

پروفیسر: کیا — ؟

ناتھ: بس دوسرے کے کہنے پر ناراض ہوگئے نا۔ اور اپنے
سچ پر .....

پروفیسر: وہ میری انترآتما کی آواز تھی تمہاری کس کی ہے ؟

ناتھ: کامن سینس کی .... پتا جی۔ باقی دنیا بھی سچ
بولتی ہے۔ لیکن کبھی ہفتے میں ایک آدھ بار بول دیا
نان اسٹاپ سچ تو کوئی بھی نہیں بولتا۔ سچ بولنے کا تو مزہ
کھل ہوتا ہے۔ اب دیکھئے سچ بولنے سے میری نوکری
چھٹ گئی۔

پروفیسر: سچی ضمیر موقعہ نہیں دیکھتی۔

ناتھ: ہاں۔ ہاں۔ کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری میں تو
.... [ناتھ کی بیوی مالا دروازہ سے جھانکتی ہے]

مالا: وہ آگئے ہیں۔

پروفیسر: کون — ؟

مالا: مسٹر لوری اور ان کی مس رجنی کی سگائی کے لئے اسے
دیکھنے۔

پروفیسر: (ویسے ہی بیٹھے بیٹھے) بٹھاؤ انھیں ہم آتے ہیں۔

مالا: بٹھا دیا، وہ تو بیٹھے ہیں، آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

[دونوں اٹھتے ہیں]

ناتھ: لیکن .... ہاں جی .... ذرا سنئے تو (کانا پھوسی)۔

[پروفیسر اپنا کوٹ بدلتا ہے، ٹائی
ٹھیک کرتا ہے]

مالا: (ناتھ سے) پاگل! پتا جی کے بغیر سگائی کیسے ہوگی؟

ناتھ: مگر مالا۔ پتاجی کی طبیعت خراب ہے۔

پروفیسر: صرف بیمہ والا ڈاکٹر کہتا تھا۔ مگر میں بالکل چنگا بھلا ہوں
چلو مالا بیٹی — !

ناتھ: مگر آپ خود کیوں تکلیف کریں۔ ہم خود نپٹ لیں گے۔

مالا: کیوں بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔ پتاجی کے ہوتے
ہمارا بات کرنا مناسب ہے کیا۔ وہ لوگ کیا کہیں گے!

پروفیسر: یہی کہ بیٹے نے باپ کی طبیعت خراب کر دی۔ اور کیا۔

مالا: اس کا مطلب ہے کسی بات پر آپ نے پتاجی کو ناراض کر دیا۔

ناتھ: میں کچھ نہیں جانتا لیکن کہے دیتا ہوں کہ اگر پتاجی وہاں
گئے تو کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلے گا۔

مالا: میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔

ناتھ : سمجھ ہو تو کچھ آئے بھی۔

پروفیسر : خیر میں تو مہمانوں کے پاس جا رہا ہوں۔ آپ ایک دوسرے کو سمجھاتے رہیے۔

ناتھ : پتا جی! بھگوان کے لئے آپ مت جائیے.... (پیچھے بھاگتا ہے)۔

[رجنی اپنے گلے کی مالا ٹھیک کر رہی ہے۔ ایک سجی ہوئی گڑیا کی طرح سلیقے سے لگتی ہے]

مسز پوری : (دور سے رجنی کو دیکھ کر) بہت خوب! بہت ہی سُندر ہے۔

پوری : پروفیسر صاحب پر گئی ہے (دونوں آنکھیں اوپر اٹھاتے ہیں۔ پروفیسر، ناتھ اور مالا داخل ہوتے ہیں)

پروفیسر : معاف کیجئے پوری صاحب۔ آپ کو میرا انتظار کرنا پڑا۔ دراصل یہ میرا بیٹا ناتھ کچھ ایسا..... (ناتھ گھبراتا ہے)۔

پوری اور مسز : انتظار، نہیں تو —!

پوری : اپنا گھر ہے، انتظار کیسا — ؟

پروفیسر : (بیٹھتے ہوئے) معاف کیجئے یہ گھر آپ کا نہیں ہمارا ہے۔ آپ کا گھر تو تیکود اسٹریٹ پر ہے۔

ناتھ : ہا ہا ہا... پوری صاحب ہمارے پتا جی بڑے مزے کے آدمی ہیں۔ یہ کاجو (سب ہنستے ہیں) لیجئے۔ (پلیٹ بڑھاتا ہے)۔ اس بڑھاپے میں بھی کتنے شوخ ہیں —!

مسز پوری : کاش ہمارے پوری صاحب بھی ایسے شوخ ہوتے!

[مسٹر پوری اپنی بیوی کی طرف گھور کر دیکھتے ہیں]

مسٹر پوری : مالا جی۔ ذرا بیٹی رجنی کو بلائیے ناں۔ کہاں ہے؟

مالا : رجنی اندر ہے۔ اپنے ہاتھ سے آپ کے لئے چائے تیار کر رہی ہے۔

پروفیسر : ارے وہ کیا چائے بنائے گی۔ بیٹھی کوئی جاسوسی ناول پڑھ رہی ہوگی۔ مالا بیٹی تم خود جا کر چائے بنا لاؤ۔ رجنی گھٹیا چائے بنائے گی۔

مالا : نہیں پتا جی۔ مالا کوئی بچی ہے جو.... ہاں.... آخر پتا جی ہیں ناں۔ بیٹی چاہے جتنی سیانی ہو جائے باپ اسے بچی ہی سمجھتا ہے۔

پروفیسر : میں کیا جانوں تم خود ہی کہتی رہی ہو کہ اسے چائے بنانی نہیں آتی۔

مالا : وہ تو ذرا لاڈ سے کہہ دیتی ہوں۔ پوری صاحب آج آپ خود بتائیے گا چائے پی کر کیسی ہے؟

پوری : (بیوی کی طرف اشارہ کر کے) چائے کے معاملہ میں یہ میری گُرو ہے۔

مسز پوری : چیلا بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ مجھ سے زیادہ نفیس چائے بنا لیتے ہیں۔ (سبھی ہنستے ہیں)

اچھا مالا جی، رجنی کو جاسوسی ناول پڑھنے کا شوق بھی ہے۔ اور کون کون سے شوق ہیں اس کے — ؟

پروفیسر : صبح لیٹ اُٹھنے کا۔

مالا : (ہنس کر) پتا جی۔ اب آپ چپ بھی رہیے۔ میرے تو ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ (مسز پوری سے) ہاں بہن! آپ رجنی کے شوق پوچھ رہی تھیں ناں — وہ وائلن بہت نفیس بجاتی ہے۔

ناتھ : جی ہاں۔ حال ہی میں اس کے لئے ایک نیا وائلن بھی خریدا ہے، ایک ہزار روپے میں، جسے وہ مستی میں ڈوب کر بجاتی ہے۔

پروفیسر: بجاتی تھی۔ اب نہیں۔ کیونکہ بیچاری کی انگلی کٹ گئی ہے —!

مسز لوبو: انگلی کٹ گئی —! (مسٹر لوبو کی طرف دیکھتی ہے)۔

مسٹر لوبو: یعنی بالکل کٹ گئی —؟

ناتھ: نہیں ذرا سی جل گئی تھی۔ مگر دوائی سے بالکل ٹھیک ہو گئی ہے۔

مالا: اور اب تو اس نے اپنے ہاتھ سے یہ ہرن کی تصویر بھی بنا ڈالی ہے۔ (اٹھا کر تصویر دکھاتی ہے)۔

ناتھ: کشمیری ہرن ہے۔ زندہ ہرن کو سامنے بٹھا کر بنائی ہے۔

مسز لوبو: کیا مطلب —؟

پروفیسر: مطلب یہ کہ وہ کبھی کشمیر گئی ہی نہیں، جانے کی صرف خواہش رکھتی ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر کا مشورہ ہے کہ کشمیر کی ہوا کھانے سے اس کے پھیپھڑے ٹھیک ہو جائیں گے۔

ناتھ: (گھور کر) پتا جی —!

پروفیسر: باقی رہی تصویر۔ تو کل تک یہ ہمارے پڑوسی رگھونندن بابو کے گھر لٹکی ہوئی تھی۔ شاید مالا بیٹی آپ کو دکھانے کے لئے مانگ لائی ہو۔

مالا: (ہونٹ کاٹ کر) پتا جی! آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

ناتھ: پتا جی ٹھیک کہہ رہے ہیں مالا۔ لوبو صاحب، بات یہ ہے کہ پتا جی آج کل فلاسفی کی ایک نئی تھیوری آزما رہے ہیں کہ فرض کیجئے، کوئی بات جھوٹی ہے اور پھر اس جھوٹی بات کے اردگرد ایسی الجھن ڈال دو کہ وہ سچ معلوم ہونے لگے اور اس کے بعد ..... دنیا سے کہئے کہ اس گمشدہ سچائی کو تلاش کریں۔ ہے نا دلچسپ تھیوری —!

مسز لوبو: جی ہاں اتنی دلچسپ کہ میں تو بے وقوف لگ رہی ہوں۔

ناتھ: فلسفہ ہے ناجی۔ ہماری آپ کی سمجھ میں تھوڑے ہی آئے گا۔ (مالا سے) مالا، نوکر کو آواز دو ذرا چائے لے آئے۔

پروفیسر: نوکر۔ یعنی کوئی نوکر رکھ لیا ہے تم نے۔ اس گھر میں تو گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے کوئی نوکر نہیں رکھا گیا۔

ناتھ: پتا جی! اب چھوڑیئے بھی یہ فلسفہ۔ اس سے آپ کے اعصاب پر بُرا اثر پڑے گا۔ ڈاکٹر نے یہی کہا تھا۔

پروفیسر: کس ڈاکٹر نے کہا تھا۔ بیکار کی باتیں مت کرو۔ تم خود جا کر چائے لے آؤ۔ اور دیکھو، ورما صاحب کے ہاں سے ٹی سیٹ مانگ لینا۔

لوبو: ٹی سیٹ۔ ورما جی؟

ناتھ: جی ہمارے پڑوسی ورما جی ہم سے ٹی سیٹ لے گئے تھے۔ پتا جی کے دوست ہیں۔

[مالا کچھ لاتے ہوئے بیچ بیچ میں نظر آتی ہے]

پروفیسر: دوست ہوتا تو رجنی کی منگنی توڑ نہ دیتا۔

مسز لوبو: کیا منگنی ایک بار ٹوٹ بھی چکی ہے —؟

پروفیسر: ہاں۔ ورما کہتا تھا ہم ٹی بی والی لڑکی کو اپنی بہو نہیں بنا سکتے۔

ناتھ: پتا جی! یہ بھی بتا دیجئے کہ اس کا لڑکا رشوت لیتا پکڑا گیا تھا، اس لئے ہم نے منگنی توڑ دی تھی۔

پروفیسر: ارے بیٹا اس دنیا میں کس کے دامن پر دھبہ نہیں، تم دفتر سے اسٹیشنری چرا کر لاتے ہو کہ نہیں؟

ناتھ: (چیخ کر) پتا جی۔ آپ خاموش رہیں گے یا نہیں۔

پروفیسر: (گردن اکڑا کر) سچے آدمی کو کوئی خاموش نہیں کرا سکتا۔ کیوں لوبو صاحب!

لوبو: بجا فرمایا (گھڑی دیکھ کر) اوہ، پونے پانچ۔ ذرا جلدی

ڈارلنگ ہمیں تو اسٹیشن پر بھی جانا ہے ۔

مسز لوبی : تو اجازت لیجئے (دونوں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں)۔
اچھا مالا جی ۔ اس وقت نمستے ....

مالا : مگر چائے .....

مسز لوبی : وقت کم ہے ورنہ ضرور پی لیتے ۔ پھر کبھی سہی ۔

پروفیسر : (جھک کر سلام کرتا ہے) پھر نہیں آئیں گے آپ' لکھ لیجئے ۔

لوبی : نہیں نہیں ۔ ایسی بات نہیں ۔ اچھا نمستے ۔

پروفیسر : آخری نمستے ہی سمجھئے ۔

[چلے جاتے ہیں ۔ پروفیسر کتابیں دیکھنے لگتا ہے ۔ ناتھ اور مالا اِدھر اُدھر دیکھنے لگتے ہیں ۔ پھر ایک دوسرے کو' پھر ٹھنڈی آہیں ــــ]

ناتھ : (ماتھے پر دوہتڑ مار کر) اولاد سے دشمنی ۔ بیٹی کا بنا گھر بگاڑ دیا ۔ میں تو خودکشی کرلوں گا) ۔

پروفیسر : تم نہیں کروگے بیٹا' بڑے ہونہار آدمی ہو ۔

ناتھ : ہونہار نہیں بدنصیب ۔ نوکری چھوٹ گئی' بہن کا بیاہ رک گیا ۔ مہمانوں کے سامنے رسوا ہوا' صرف باپ کی انتر آتما کی آواز کے لئے ۔

پروفیسر : تو کیا چاہتے ہو' میری ارتھی اُٹھ جائے ۔

ناتھ : خیر ہماری تو اُٹھ ہی گئی ۔

پروفیسر : کتنا زہر ہے بیٹا تمہارے اندر ۔

ناتھ : کس کے اندر' میرا سینہ جل کر کباب ہو رہا ہے ۔

مالا : میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی ۔
(جانے لگتی ہے) ۔

پروفیسر : بہو ! کیا تم بھی ؟ (مالا پھر سے پھوٹ کر رونے لگتی ہے) اچھی بات ہے بچو ۔ میں سمجھ گیا ہوں ۔ کہ تمہاری جھوٹی دنیا میں میرے ایسے سچے آدمی کا نباہ نہیں ہوسکتا ۔ لہٰذا میں آج ہی اس گھر سے جا رہا ہوں ۔

ناتھ : اور مجھ میں اتنی شکتی نہیں رہی کہ آپ کو روک سکوں ۔

پروفیسر : (جانے لگتا ہے) تھینک یو ڈیئر بیٹے ۔ سنو مالا بیٹی جاتے جاتے ایک بات کہہ دوں ۔

مالا : میرے پاس بھی اتنی شکتی نہیں رہی کہ آپ کی بات سُن سکوں ۔

پروفیسر : تو میں چلا جاؤں ۔

ناتھ : سو فیصدی ۔

پروفیسر : افسوس !

ناتھ : بے کار ہے ۔

پروفیسر : تو میری ایک آخری بے کار بات ضرور سُن لو کہ میں نے تم سے چرا چرا کر صندوقچی میں کچھ روپے رکھے تھے شاید پچاس ہزار ہوں گے ۔

ناتھ : پچاس ہزار ۔

مالا : روپے اور پچاس ہزار اور آپ کے پاس ــ !

پروفیسر : ہاں سوچا تھا ۔ مرتے وقت یہ روپے تمہیں دے جاؤں گا جس سے تم اپنا اور میرے ننھے پوتے کا روشن مستقبل بنا سکو ۔ مگر اب سوچتا ہوں' جیسا کہ جا ہی رہا ہوں تو یہ روپیہ ساتھ لیتا جاؤں کوئی دھرم شالہ بنواؤں گا یا کسی آشرم کو دے کر اپنی انتر آتما کو سکھی کرلوں ۔ آخری نمستے' میرے بچو !

[دروازہ پر تیزی سے پہنچتا ہے]

ناتھ : پتا جی ۔ ٹھہریئے تو ذرا ۔ میرا مطلب ہے سُنئے ــ !

مالا : (ناتھ سے) بڑھ کر ہاتھ پکڑلو ورنہ چلے جائیں گے۔

ناتھ : پتاجی۔ آپ کو نھنے کرشن کی سوگندھ۔ مت جائیے۔ (مالا سے) تم بھی کہو نا۔

مالا : مت جائیے پتا جی، ورنہ میں ہیرا چاٹ لوں گی۔

ناتھ : میں سنکھیا کھالوں گا۔

پروفیسر : (دروازے سے لوٹ کر) مجھے جانے دو میرے بچو۔ میں سنسار میں سچ بولنے آیا تھا۔ کیا تم چاہتے ہو، میں یہاں رہوں اور سچ نہ بولوں۔

ناتھ : کس نے کہا ہے مت بولئے۔ کیوں مالا ـــ؟

مالا : میں نے تو نہیں کہا۔

پروفیسر : بوڑھے کو بے وقوف مت بناؤ میرے بچو۔ سچ بہت کڑوا ہوتا ہے۔

ناتھ : آپ کے منہ سے ٹپکتا ہوا شہد معلوم ہوتا ہے۔

پروفیسر : میری وجہ سے ناتھ کی نوکری چلی گئی۔

ناتھ : میں اس نوکری پر لات مارتا ہوں۔

پروفیسر : رجنی کا بیاہ رک گیا۔

مالا : میں رجنی کو اپنی نرم و نازک محبت کے نرم و نازک پنکھوں کے نیچے چھپا کر رکھوں گی۔

پروفیسر : تم سماج کے سامنے رسوا ہوتے رہو گے۔

ناتھ : سچ کی خاطر ہم سولی پر بھی چڑھ جائیں گے۔

پروفیسر : تو پھر ٹھیک ہے میرے بچو۔ (کرسی پر آکر بیٹھ جاتا ہے) میں اسی گھر میں رہوں گا۔ میرے لئے تھوڑا سا پانی ....

ناتھ : پانی ـــ! (مالا سے) کھڑی کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ کولڈ ڈرنک یا .....

مالا : میں دودھ لے آتی ہوں۔ (جانے لگتی ہے)۔

ناتھ : (اسے روک کر) صرف دودھ نہیں ملک شیک بنالاؤ۔ ٹھہرو۔ میں لاتا ہوں۔

مالا : میں آپ سے اچھا بنالاؤں گی۔

ناتھ : میں اچھا بناؤں گا۔

مالا : میں ..... (جاتی ہے)۔

[ناتھ چپ چاپ میز پر سے چابیاں اٹھاتا ہے۔ پروفیسر مسکراتا ہے]

[پروفیسر کا کمرہ۔ مالا دھیرے دھیرے کمرے میں آتی ہے۔ کھلی ہوئی الماری۔ ناتھ پیچھے کھڑا ہے۔ صندوقچی نکالتا ہے۔ صندوقچی پر ایک ہاتھ مالا کا ایک ہاتھ ناتھ کا بیک وقت پڑتا ہے]

ناتھ : سنو! میں چابی لے آیا ہوں، دیکھیں کھول کر۔

مالا : ہاں ـــ (ناتھ کھولتا ہے۔ دونوں دیکھتے ہیں اور چیختے ہیں)۔ یہ کیا ہے؟

ناتھ : خالی صندوقچی ....

پروفیسر : (دروازے پر مسکراتے ہوئے) خالی ہے ناں۔ آج کے دن میں نے یہ پہلا جھوٹ بولا ہے، میرے بچو ـــ!

اظہر افسر
پروڈیوسر۔ آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد

بس اسٹینڈ پر

افراد: پہلا مرد
دوسرا مرد
تیسرا مرد
ایک خاتون

منظر: سڑک کے کنارے سے لکڑی کا ایک پیلا ستون ہے جس پر گول تختی لگی ہے تختی پر BUSSTOP لکھا ہے۔
کھمبے سے ٹیک لگائے ایک نوجوان سیٹی بجا رہا ہے اور داہنی جانب دیکھ رہا ہے۔
داہنی جانب سے دوسرا نوجوان گنگناتا ہوا داخل ہوتا ہے۔

پہلا مرد: (جماہی لیتا ہے)

دوسرا مرد: آپ شاید بس کا انتظار کر رہے ہیں۔

پہلا مرد: جی ہاں۔ آپ بھی شاید بس کا انتظار کرنے والے ہیں؟

دوسرا مرد: (ہنستا ہے) جی ہاں

پہلا مرد: مجھے بس کا انتظار بڑا کھلتا ہے۔

دوسرا مرد: کھلتا ہے؟

پہلا مرد: ہاں یعنی بُرا لگتا ہے۔

دوسرا مرد: مگر کیا کیا جائے اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔

پہلا مرد: چارہ؟

دوسرا مرد: ہاں یعنی ہمیں بس نمبر کا انتظار کرنا ہے۔

پہلا مرد: بس بس کا؟

دوسرا مرد: ہاں یعنی جس طرف ہمیں جانا ہے اس طرف کی بس تو آتی نہیں۔ دوسری طرف کی بسیں آتی ہیں۔

پہلا مرد: کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

دوسرا مرد: کوئی شعر ہے؟

پہلا مرد: نہیں شعر نہیں مگر کسی نے کہا ہے، بس وہی ہے
جو دوسری طرف کے لئے آئے۔
دوسرا مرد: آپ کتنی دیر سے بس کا انتظار کر رہے ہیں۔
پہلا مرد: بڑی دیر سے۔ بہت دیر سے
دوسرا مرد: آپ کو جانا کہاں ہے؟
پہلا مرد: اب تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا
دوسرا مرد: میرے ساتھ؟
پہلا مرد: مطلب یہ کہ کہیں کی بھی بس آجائے میں اسی میں
بیٹھ جاؤں گا۔ آپ کی طرح'
دوسرا مرد: بہت اچھی بات ہے مگر بس آجائے تب نا ہے
پہلا مرد: اسی کا تو انتظار ہے۔
دوسرا مرد: (بائیں جانب دیکھ کر) شاید کوئی بس آرہی ہے
پہلا مرد: نہیں کوئی دوسری گاڑی ہے۔ کوئی ٹورسٹ
وین ہے۔ دیکھئے ادھر کی ادھر ہی مڑ گئی۔ ایک اور
مشکل ہے
دوسرا مرد: مشکل ہے۔ وہ کیا؟
پہلا مرد: بعض دفعہ کوئی بس آتی ہے تو یہاں رکتی ہی نہیں
دوسرا آدمی: (بھنویں اونچی کرکے) رکتی ہی نہیں۔
پہلا مرد: ہاں بغیر ٹھہرے آگے بڑھ جاتی ہے۔
دوسرا آدمی: اب آنے دیجئے اُسے روکیں گے۔
پہلا آدمی: کیسے
دوسرا آدمی: ریکویسٹ کریں گے، ہاتھ ہلائیں گے،
سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔
پہلا آدمی: نہ نہ خدا کے لیے ایسا نہ کیجئے۔
دوسرا آدمی: کیوں
پہلا آدمی: بھئی بس ٹھہرتی ہے تو ٹھہرنے دو منہ نہ
دو۔

دوسرا آدمی: یہاں کوئی آٹو بھی نظر نہیں آتا۔
پہلا آدمی: یہی تو مشکل ہے۔ اسی لئے تو بس کا
انتظار ہے۔
دوسرا آدمی: آرہی ہے۔
پہلا آدمی: بس آرہی ہے؟
دوسرا آدمی: نہیں ایک اور ہستی آرہی ہے۔ وہ دیکھئے۔
پہلا آدمی: ہاں۔ چلتا کیسے ہے (ایک اور آدمی دہنی
جانب سے آتا ہے)
دوسرا آدمی: ایسا معلوم ہوتا ہے ٹھنکوں سے چل رہا ہے۔
پہلا آدمی: آگے چلا گیا۔ ؟
دوسرا آدمی: پاس ہی کھڑے ہیں۔
پہلا آدمی: (تیسرے آدمی کی طرف جھک کر دیکھتا ہے)
اوہ۔ آپ کی شکل جانی پہچانی ہے' میں نے آپ کو
کہیں دیکھا ہے۔
تیسرا آدمی: جی ہاں۔ میں عام آدمیوں جیسا ہوں نا' اس لیے
آپ نے ضرور کہیں نہ کہیں دیکھا ہوگا۔
دوسرا آدمی: آپ کی پیدائش!
تیسرا آدمی: جی میں اسپتال میں پیدا ہوا۔
پہلا آدمی: نہیں نہیں یہ آپ سے پوچھ رہے ہیں کہ آپ حیدرآباد
کے ہیں یا باہر کے۔
تیسرا آدمی: جی میں حیدرآباد کا نہیں ہوں۔
دوسرا آدمی: ہوں یہ حیدرآباد کے نہیں ہیں۔ میں بھی تو کہوں۔
پہلا آدمی: پھر آپ کہاں کے ہیں صاحب۔ باہر کے!
تیسرا آدمی: جی میں سکندرآباد کا ہوں۔ میں سکندرآباد کے اسپتال میں پیدا ہوا تھا
دوسرا آدمی: تاریخ بھی یاد ہوگی آپ کو
تیسرا آدمی: جی ہاں یکم اپریل۔
پہلا آدمی: اچھا۔۔۔۔ ایک دن کی دیر ہوگئی۔

تیسرا آدمی: آپ کس دن پیدا ہوئے ؟

پہلا آدمی: کیسی باتیں پوچھ رہے ہیں آپ، میں بھلا کیسے بتا سکتا ہوں۔

تیسرا آدمی: کیوں

پہلا آدمی: میں تو بہت چھوٹا تھا، مجھے ہوش ہی کہاں تھا۔

دوسرا آدمی: ہاں ہاں صحیح ہے

تیسرا آدمی: آپ کی پیدائش !

دوسرا آدمی: میں بھی بہت چھوٹا تھا مگر والدہ کہتی ہیں جس دن وہ اسپتال گئیں اس کے ...

تیسرا آدمی: اس کے ؟

دوسرا آدمی: اس کے دوسرے دن پیدا ہوا میں۔

پہلا آدمی: خوب، اور آپ کی والدہ اسپتال کس دن گئیں۔

دوسرا آدمی: جی ایک دن پہلے

تیسرا آدمی: خوب۔ کیا عمر ہو گی آپ کی۔

دوسرا آدمی: کچھ زیادہ نہیں ہے۔

تیسرا آدمی: آپ کی عمر !

دوسرا آدمی: ان کی عمر بھی کچھ زیادہ نہیں ہے۔

پہلا آدمی: ہاں زیادہ نہیں ہے۔

تیسرا آدمی: بہت کم ہے۔

پہلا آدمی: کس کلاس میں بیٹھے ہوئے تھے آپ۔ ویسے یہ سوال تو نہیں کرنا چاہیئے مگر ...

دوسرا آدمی: اس وقت گزاری کے لیے۔

پہلا آدمی: اس وقت گزاری کے لیے کیا بُرا ہے ویسے میرا خیال ہے آپ بھی بس کا ہی انتظار کر رہے ہیں

تیسرا آدمی: جی ہاں بس کا ہی انتظار کر رہا ہوں اور ایک اور۔

پہلا آدمی: کسی اور کا بھی ؟ تیسرا آدمی: جی ہاں

دوسرا آدمی: کس کا !

پہلا آدمی: بھئی اتنی بھی باتیں نہیں پوچھنی چاہئیں، وہ کسی کا بھی انتظار کریں، ہمیں کیا۔

تیسرا آدمی: نہیں نہیں کوئی بھی بات نہیں۔ میں

دوسرا آدمی: جی ؟

تیسرا آدمی: آپ خود دیکھ لیں گے جب وہ آئے گی۔

پہلا آدمی: آئے گی ؟

دوسرا آدمی: آئے گی ؟

تیسرا آدمی: جی ہاں جب وہ آئے گی آپ دیکھ لیجئے گا۔ اسے میرے ساتھ جانا ہے۔

پہلا آدمی: جی ہاں جی ہاں ضرور جانا ہوگا۔

دوسرا آدمی: آپ بڑے خوش قسمت ہیں جناب،

تیسرا آدمی: کیوں

دوسرا آدمی: نہیں یعنی ویسے ہی۔ میرا مطلب ہے محبوبہ کے ساتھ سفر کرنا خوش قسمتی ہی تو ہے۔

پہلا آدمی: (بلند آواز سے شعر پڑھتا ہے)

گزاری ہیں خوشی کی چند گھڑیاں
انھیں کی یاد میری زندگی ہے ہے — ہا۔

تیسرا آدمی: معاف فرمائیے۔ وہ محبوبہ نہیں ہے۔

دوسرا آدمی: (پہلے آدمی سے) محبوبہ نہیں ہے جناب بیوی ہے۔

پہلا آدمی: اچھا اچھا۔

تیسرا آدمی: جی آپ دونوں حضرات کو غلط فہمی ہو رہی ہے وہ جس کا انتظار ہے، بیوی نہیں ہے۔

دوسرا آدمی: اچھا کوئی عزیز ہے۔

تیسرا آدمی: جی ہاں میری بدقسمتی نوکرانی ہے، ابھی آتی ہی ہوگی

پہلا آدمی: اوہ۔

تیسرا آدمی: آپ پوچھ رہے تھے نا کہ میں کب پیدا ہوا؟

پہلا آدمی: جی ہاں

تیسرا آدمی: دیکھئے تیسری جنگ عظیم چل رہی تھی۔

دوسرا آدمی: تیسری جنگ عظیم! دو عظیم جنگوں کے بارے میں تو ہم سن چکے ہیں۔

پہلا آدمی: جی ہاں ۱۹۱۴ء کی پہلی جنگ عظیم۔

دوسرا آدمی: ۱۹۳۲ء کی دوسری جنگ عظیم

تیسرا آدمی: یہ تیسری جنگ عظیم میرے والدین کے درمیان جاری تھی، انہی دنوں میں پیدا ہوا۔

دوسرا آدمی: اوہ۔

تیسرا آدمی: اور اگلے ماہ نومبر میں میری سالگرہ ہے ۲۷ر نومبر کو آپ دونوں حضرات تشریف لائیے۔

پہلا آدمی: نومبر میں آپ کی سالگرہ ہے۔

تیسرا آدمی: ہاں ۲۷ر نومبر کو ضرور تشریف لائیے۔

دوسرا آدمی: تو نومبر میں آپ پیدا ہوئے تھے۔

تیسرا آدمی: نہیں پیدا تو میں فروری میں ہوا تھا مگر سالگرہ ہمیشہ نومبر میں مناتا ہوں۔

پہلا آدمی: بہت اچھی عادت ہے۔

تیسرا آدمی: میرا ایک دوست بہت پریشان ہے۔

دوسرا آدمی: کیوں؟

تیسرا آدمی: بات تو بہت چھوٹی سی ہے وہ اپنی بیوی کو بہت چاہتا ہے، ایک دن لڑائی کے دوران اس کی بیوی نے اس سے کہہ دیا کہ اگر تم مجھ سے پھر کبھی لڑو گے تو میں بیوہ ہو جاؤں گی۔

پہلا آدمی: تو آپ کے دوست نے اس دن سے لڑنا چھوڑ دیا۔

تیسرا آدمی: ہاں لڑنا تو چھوڑ دیا مگر وہ آج کل دن رات یہی سوچا رہتا ہے کہ اگر اس کی بیوی بیوہ ہو گئی تو کیا ہوگا وہ کیا کرے گا۔

دوسرا آدمی: ہاں بھئی یہ تو تشویش کی بات ضرور ہے،

پہلا آدمی: آپ شاید اس وقت اسی کے پاس جا رہے ہیں۔

تیسرا آدمی: جی ہاں آپ نے ٹھیک پہچانا، میں اسی کے پاس جا رہا ہوں۔

پہلا آدمی: دوست کے پاس یا بیوی کے پاس۔

تیسرا آدمی: جی دوست کے پاس۔

دوسرا آدمی: میرے دوست بہت عمدہ ہیں۔

پہلا آدمی: اچھا ——؟

دوسرا آدمی: جی ہاں۔ جب کبھی میں پریشان ہوتا ہوں وہ میری پریشانی اور بدحالی نہیں دیکھ سکتے۔

تیسرا آدمی: کیا کرتے ہیں وہ۔

دوسرا آدمی: جب بھی مجھ سے بات کرتے ہیں تو آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔

تیسرا آدمی: صاحب دوست پر ایک قصہ مجھے یاد آیا۔

پہلا آدمی: قصہ ہے تو ضرور سنائیے (جیب سے سگریٹ کا ڈبا نکالتا ہے) لیجیے سگریٹ۔

تیسرا آدمی: شکریہ۔ قصہ کیا صاحب واقعہ ہے:

پہلا آدمی: آپ؟

دوسرا آدمی: شکریہ (جیب سے ماچس نکال کر دونوں کے سگریٹ سلگاتا پھر اپنا سگریٹ سلگاتا ہے) واقعہ ہے تو پھر ضرور سنائیے۔

تیسرا آدمی: (کش لے کر) ایک آدمی جب اپنے گھر سے دو دن تک غائب رہا تو اس کی بیوی نے اپنے شوہر کے پانچ دوستوں کو تار بھیجا کہ کیا میرے شوہر نے منگل، چہار شنبہ یہ دو دن آپ کے ساتھ گزارے ہیں۔؟

پہلا آدمی : تو پھر کیا ہوا (کش لیتا ہے)
تیسرا آدمی : پانچوں دوستوں کے پاس سے جواب آیا کہ
آپ فکر مت کیجیے محترمہ آپ کے شوہر نے یہ دو
دن ہمارے ساتھ گزارے ہیں۔
دوسرا آدمی : واہ واہ واہ، دوست ہوں تو ایسے ہوں۔
پہلا آدمی : دوستوں کا جب بھی ذکر آتا ہے میں
بے حد اداس ہو جاتا ہوں۔
دوسرا آدمی : کیوں آپ کا کوئی دوست نہیں ہے۔
پہلا آدمی : دوست تو ہیں۔
تیسرا آدمی : پھر!
پہلا آدمی : میرا ایک بڑا عزیز دوست تھا اور وہ بیچارہ
ٹرین کے نیچے آ گیا۔
دوسرا آدمی : ارے رے رے۔
پہلا آدمی : ہاں اس وقت وہ میرا سب سے قیمتی کوٹ
پہنے تھا، مجھے وہ اپنا کوٹ بہت یاد آتا ہے۔
تیسرا آدمی : ضرور یاد آتا ہوگا صاحب، ہا ہا۔
دوسرا آدمی : میرا ایک دوست ہے۔
تیسرا آدمی : جی
دوسرا آدمی : آپ جب پہلی مرتبہ اس سے ملیں گے تو
اسے پسند نہیں کریں گے۔
پہلا آدمی : جی
دوسرا آدمی : جب آپ اس سے دوسری مرتبہ ملیں گے
تب بھی آپ اسے پسند نہیں کریں گے۔
پہلا آدمی : اچھا
دوسرا آدمی : جب تیسری مرتبہ آپ اس سے ملیں گے تو
تیسرا آدمی : تو
دوسرا آدمی : آپ اس سے نفرت کرنے لگیں گے۔

تیسرا آدمی : میرے ساتھ بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا
دوسرا آدمی : اچھا آپ کے ساتھ بھی ایک ایسا ہی واقعہ
پیش آیا ہے؟
پہلا آدمی : سب کچھ ہو رہا ہے مگر بس نہیں آ رہی ہے۔
دوسرا آدمی : یہ کون صاحب آ رہے ہیں۔
تیسرا آدمی : کوئی خاتون آ رہی ہے۔
پہلا آدمی : شاید آپ کی بوڑھی نوکرانی ہے۔
تیسرا آدمی : جی نہیں یہ ہماری نوکرانی نہیں ہے۔
پہلا آدمی : شاید آپ کی محبوبہ ہے۔
تیسرا آدمی : جی نہیں کوئی اور شریف خاتون ہے۔
خاتون : (دہنی جانب سے آتی ہوئی) آپ یہاں بس کے لیے کھڑے
ہیں۔
پہلا آدمی : جی ہاں
خاتون : آپ کو بھی بس کا انتظار ہے۔
دوسرا آدمی : جی ہاں، بہت دیر سے بس نہیں آئی ہے
خاتون : آپ سب لوگ بس کے لئے کھڑے ہیں۔
تیسرا آدمی : جی ہاں
خاتون : بس ادھر نہیں آئے گی۔
پہلا آدمی : نہیں آئے گی۔ وہ کیوں؟
خاتون : بس اسٹینڈ یہاں سے شفٹ ہو چکا ہے، آپ
لوگ ادھر جائیے، ادھر
(ایک طرف خاتون چلنے لگتی ہے۔ سب اس کے
پیچھے ہو جاتے ہیں)

(پردہ گرتا ہے)

●
●

احمد جمال پاشاہ

نوکر کا چکر

کردار

پروانہ ________

بیگم ________

بہری بُوا ________

چپراسی ________

چپراسی ________

انٹرویو میں آنے والے ۲ نوکر اور ۲ نوکرانیاں

(پہلا ایکٹ)

پہلا سین

(تیز قدموں کی چاپ کے ساتھ زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز)

پروانہ: (پکارتے ہوئے) بہری بُوا، بہری بُوا۔ ارے بہری بوا دروازہ کھولو — بہری بُوا دروازہ کھولو — ارے کیا میں قبرستان میں آواز دے رہا ہوں کہ میری کوئی بھی نہیں سنتا۔ بہری بُوا، بہری بُوا، بہری بوا دروازہ کھولو — بہری بُوا —

(ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھلنے کی آواز)

ارے بیگم، اوہ معاف کیجئے گا آپ کو آنا پڑا۔ میں کہتا ہوں اور وہ بہری بُوا کہاں مر گئی —

بیگم: (ہنستے ہوئے) بہری بُوا تو بہری بُوا ہے اس نے سنا ہی کہاں جو دروازہ کھولنے آتی —"

پروانہ: اوفوہ، بھئی اس بہری بُوا نے تو ہمارا جینا دوبھر کیا ہے۔ لاؤڈ اسپیکر لگا کر بھی اس سے بات کی جائے تب بھی اس کے کان پر جوں نہیں رینگتی —"

بیگم: اس کے سر پہ لاکھ چیخو چلاؤ مگر کیا مجال جو یہ کچھ سن بھی لے —"

پروانہ: ارے یہ ہمارے دادا جان مرحوم کے زمانے کی بڑھیا ہے۔ والد مرحوم کو تو اس نے گودوں کھلایا تھا گودوں۔ پچھلی چوتھائی صدی سے اس کے کفن دفن کا خطرہ ہمارے سر پہ منڈلا رہا ہے اور یہ حالت ہے کہ ۲۴ گھنٹے کی خدمت کی رفتار سے کام کرتی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ ہے کس مرض کی دوا — ؟

بیگم: کسی مرض کی دوا نہ ہو مگر ہمارے بزرگوں کی آخری نشانی بھی تو ہے —"

پروانہ: نشانی کو لے کر کیا چاٹنا ہے۔ وہ دن گئے جب ہم پیر کا

تھے۔ اب ہم صرف نوکر ہی نہیں بلکہ افسر ہیں افسر! سمجھیں ——!"

بیگم: "یہ تو ٹھیک ہے مگر نوکر ملتا کہاں ہے؟"

پروانہ: (ہنستے ہوئے) نوکر نہیں ملتا — ارے بیگم ساری دُنیا نوکری کی تلاش میں ہے۔ ان میں سے دو نوکر اپنے لئے حاصل کر لینا تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے (چٹکی بجاتے ہوئے) بائیں ہاتھ کا —"

بیگم: بھلا دو نوکروں کا کیا ہوگا ——؟"

پروانہ: ارے بھئی بات صاف ہے۔ ایک نوکر کھانا پکائے گا اور دوسرا اوپر کا کام کرے گا۔ اور جب ملازم گھرداری سنبھال لیں گے تو تم میرے ساتھ شہر کے اعلیٰ حلقوں میں سوشیل ہو سکو گی —— دیکھو نا! ہر پارٹی میں حکام اپنی میم صاحب کے ساتھ جلوہ افروز ہوتے ہیں اور میں اکیلا ہوتا ہوں پھر یہ بھی تو کوفت ہوتی —— میں مرغے اڑاؤں، دعوتیں کھاؤں اور تم چولہے میں جلتی پھنکتی رہو"

بیگم: اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ ہمیں قاعدے کے نوکر مل جائیں اور میں باورچی خانے سے زیادہ آپ پر وقت صرف کر سکوں۔

پروانہ: ٹھیک ہے۔ نوکروں کا میں ابھی انتظام کئے دیتا ہوں مگر تم پہلے اس منحوس بڑھیا کو چلتا کردو۔ فوراً سے پیشتر ابھی گیٹ آؤٹ کر دو —"

بیگم: مگر کہیں یہ نہ ہو کہ آدھی چھوڑ ساری کو دھاوے اور آدھی رہے نہ ساری پاوے۔

پروانہ: (ہنستے ہوئے) نو، نو، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا تم اطمینان رکھو اور اسے چلتا کر دو ——؟

دوسرا سین

بیگم: (زور سے چلا کر) بہری بوا، بہری بوا —— ارے سنتی ہو، بہری بوا، ہم تم کو نوکری سے الگ کرتے ہیں؟

بہری بوا: برتن مانجھنے اور کھنکھنانے کی آواز انہیں کی ہے۔ سنت تو ہیں۔ کان نہیں ہیں تو کیا اکل بھی نہیں ہے سب سمجھت ہیں۔ بہرے گانے پر بتاوت ہیں۔"

بیگم: (ہنس کر) ارے تمہارے گانے پر ہم سر نہیں دھن رہے ہیں (چلا کر) اپنا حساب کرلو حساب!! حساب (زور سے چلا کر) اب جاؤ یہاں سے، جاؤ! ہم نے تم کو الگ کیا —"

بہری بوا: ارے کا ہے ہم اس وقت نہیں گا سکتے۔ گائیں کہ برتن مانجیں —"

بیگم: (غصے میں چلاتے ہوئے) گانے کو نہیں نکل جانے کو کہہ رہے ہیں۔ جانے کو! جاؤ۔ دفعان ہو —"

بہری بوا: ارے کا ہے آنکھیں دکھاوت ہو۔ اچھا لو گائے دیوت ہیں —— (گاتی ہے)

میرا لال دوپٹہ مل مل کا
ہوا میں اُڑتا جائے
میرا لال دوپٹہ مل مل کا
ہوجی! ہوجی!
میرا لال دوپٹہ مل مل کا

بیگم: (غصے میں بڑبڑاتے ہوئے) مُردار سے ہم تو کہہ رہے ہیں کہ جاؤ اور اس کو گانے کی سوجھ رہی ہے —— (چلا کر) جاؤ —— نکل جاؤ —؟

بہری بوا: ارے ہاتھ سے کیا اشارے کرت ہو کہ باہر جائے گائی۔ سب کو تماشا دکھائی۔ لو اور سنو، سب کا کہیں کہ بڑھیا سٹھیائے گئی —— برتن مانجھی کہ گانا سنائی —؟

بیگم: (پوری طاقت سے چلا کر) یہاں سے جاؤ! جاؤ، حساب لے لو — جاؤ

بہری بُوا: اچھا خفا نہ ہو۔ عادت ہیں۔ باہر جا کر کھائیں گے
مگر زور سے کہنا پڑے گا کہ تم سُن لیو۔ یہ اتنا جا کہ
کہاں ہے۔ ارے مگر ہاتھ پکڑ کر یہ دکھی کینی ہو ہے
بیگم : (ڈانٹ دار آواز میں) ہم .... نے تمہیں نکال دیا
نکال دیا۔ نوکری سے یہ لو اپنی تنخواہ اب جاؤ —"
بہری بُوا: ارے غصہ بھی ہورت ہیں اور کھانے پہ انعام بھی
دیوت ہیں اور کھانے کے لئے جانے بھی نہیں دیوت ہیں۔
بیگم : (غصہ میں چلّا چلّا کر) انعام نہیں حساب! حساب ہے
تمہارا حساب ہے، تنخواہ ہے نکال دیا۔ تمہیں نہیں
رکھیں گے۔ نہیں جاؤ۔ جاؤ —"
بہری بُوا: (روتے ہوئے) جائی، حساب کر دیہن، کہاں جائی
اسّی سال بعد اس گھر سے کہاں جائی۔ آخری وقت
میں نکالت ہیں۔ عجب ہے۔ عجب۔ قبر میں جائی
اب کون روٹی دے ای —"

(بھوں بھوں روتے ہوئے جانے کی آواز)

بہری بوا: کہا سُنا معاف کرو بیگم صاحب۔ اب نہ مُلاکات ہوئی
جائیت ہے۔
بیگم : (آہستہ سے غمزدہ آواز میں) جاؤ بہری بُوا، جاؤ،
خدا حافظ — خُدا کسی کو بُرا وقت نہ دکھائے ہماری
مجبوریاں ہیں، ہم اتنے بُرے نہیں۔ ہم سے جو ہو سکا
تمہارے ساتھ سلوک کرتے رہیں گے مگر رکھ نہیں سکتے
افسوس۔ رکھ نہیں سکتے —"

(آہستہ آہستہ آواز فیڈ آؤٹ ہوتی ہے)

(تیسرا سین)

(دروازے پہ دستک)

پروانہ: کون — ؟"
آواز : ہم ہیں حضور دفتر کے چپراسی —"
پروانہ: آؤ آؤ تم دونوں موقع سے آگئے —"

چپراسی: جو حکم سرکار —"
پروانہ: اچھا یہ دفتر کی فائلیں ہیں۔ ٹھیک ہے، ہم ابھی دستخط
کئے دیتے ہیں۔ مگر دیکھو چپراسی، ایک آدھ دن میں
ہمارے نئے نوکر آجائیں گے! ہم نے بہری بُوا کو
نکال دیا۔ اس سے کام نہیں ہوتا تھا — خیر خیر جب
تک تم لوگ ہمارے گھر کا کام کاج دیکھو —"
پہلا چپراسی: صاحب ہم دفتر کے ملازم ہیں نہ کہ گھر کے۔ اس لئے
ہم آپ کے گھر کا کام کاج نہیں کر سکتے —"
دوسرا: صاحب دفتر کا جو کام ہو ہم حاضر ہیں، مگر گھر کا
کام نہیں کر سکتے۔
پروانہ: (غصہ میں) کیا مطلب ؟"
چپراسی: (تیز آواز میں) صاحب آنکھیں مت دکھائیے اگر آپ
نے پھر ہم سے گھر کے کام کے لئے کہا تو ہم آپ کا گھیراؤ
شروع کر دیں گے اور سب چپراسی لوگ دفتر میں ہڑتال
کر دیں گے —"
دوسرا چپراسی: صاحب! آپ جانتے نہیں کہ جب سے ہماری یونین
بن گئی ہے تب سے ہم سے کوئی بیگار نہیں لے سکتا۔
آپ تو آپ، اس معاملے میں بڑے صاحب تک نہیں
بول سکتے —"
پروانہ: (نرم لہجے میں) اچھا اچھا بھئی (ہنستے ہوئے) تم تو
لوگ سمجھتے نہیں، بس بُرا مان گئے۔ نہ گھیراؤ کی ضرورت
ہے اور نہ ہڑتال کی۔ ہمیں ضرورت ہے دو نوکروں
کی — اچھا ہمیں دو نوکر لا کر دو —
پہلا چپراسی: (تعجب سے، زور دیتے ہوئے) نوکر! —"
دوسرا چپراسی: (زور دے کر) نوکر ! "
پروانہ: ہاں ہاں! نوکر! نوکر! "
چپراسی: صاحب آپ تو نوکر اس طرح منگا رہے ہیں جیسے
سامنے والی دُکان سے سگریٹ منگوا رہے ہوں!"

دوسرا امیدوار: ارے صاحب، بھلا اس مہنگائی میں بر مکان، نوکری اور نوکر بھی کہیں ملتے ہیں ___ ڈھونڈنے سے بھگوان مل سکتا ہے مگر نوکر نہیں مل سکتا۔

پروانہ: (آہستہ سے) اچھا بیگم ہم خود ہی ڈھونڈ لیں گے۔ اب تم لوگ جا سکتے ہو۔

(جانے اور دروازہ بند کرنے کی چاپ)

(چوتھا سین)

پروانہ: بیگم! ہم نے واقعی بڑی غلطی کی جو بہری بوا کو نکال دیا آخر کچھ نہ کچھ تو ہاتھ بٹا ہی دیتی تھی۔ واللہ دیکھا نہیں جاتا۔ یہ چھوٹے بڑے برتنوں کا ڈھیر۔ چولھے پر ہانڈی الگ جل رہی ہے اور تم مسالہ جو پیس رہی ہو تو مرچوں کی دھانس سے تمہاری آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ اپنی عقل اور تمہاری جوانی پر ترس آ رہا ہے۔ لاؤ برتن میں مانجھ دوں

(برتن مانجھنے کی آوازیں)

بیگم: (آہستہ سے) رہنے دیجئے میں مانجھ لوں گی۔"

پروانہ: ارے ایسے رہنے دیں۔ آخر تم بھی انسان ہو، کوئی مشین تو ہو نہیں۔ آخر کیا کیا کرو گی؟"

بیگم: (بھرائی ہوئی آواز میں) نہیں کچھ نہ کیجئے، خدا کے لئے نوکر تلاش کیجئے۔ ورنہ ___"

پروانہ: ہاں۔ ہاں بولو، ورنہ ___ ورنہ کیا؟"

بیگم: (رو رو کر) ورنہ پھر بہری بوا ہی کو بلا دیجئے ___"

پروانہ: چپراسیوں کے جانے کے بعد میں نے بہری بوا کو بہت ڈھونڈا (ٹھنڈی سانس بھر کر) شاید کسی نے اسے فوراً ہی نوکر رکھ لیا تبھی وہ اب ہمارے ہاتھ نہیں لگ رہی ہے۔"

بیگم: پھر ___! پھر اب کیا ہوگا ___؟"

پروانہ: ہوگا تو ضرور کچھ نہ کچھ ورنہ کام کیسے چلے گا۔ بس آج ہی اخبار "ضرورت ملازم" کے کالم میں اشتہار نکلواؤں گا۔ آخر کوئی تو پھنسے گا؟ کیا خیال ہے؟"

بیگم: پھر یہی کیجئے نا ___

پروانہ: جاتا ہوں۔ اشتہار نوکر کے لئے دے دوں تاکہ کسی طرح یہ پرابلم حل ہو جائے۔۔

(جانے کی آواز)

(پانچواں سین)

پروانہ: (خوشی سے ہنستے ہوئے چلا کر) بیگم، ارے بیگم صاحبہ دیکھئے آپ کے بھاگیہ سے اخبار میں اشتہار دیتے ہی نوکروں اور نوکرانیوں کی کئی درخواستیں آگئیں۔ میں سب کو فوراً انٹرویو کے لئے کال کئے لیتا ہوں۔

بیگم: (ہنستے ہوئے) اور پھر ہم ان میں سے دو اچھے نوکر چن لیں گے۔

- - - - - -

پروانہ: (انٹرویو لیتے ہوئے) آیئے۔ آیئے، اچھا تو آپ نوکری چاہتے ہیں؟

پہلا امیدوار: یس۔ مگر آپ روپے کتنے تک دے سکتے ہیں؟

پروانہ: مناسب روپے دے دیں گے۔"

پہلا امیدوار: (زوردار آواز میں) اب تک تو دو سو روپے مہینے، کھانے ناشتے، کپڑے، دھلائی اور بہت ہی معقول انعام و اکرام سے کم پر نوکری کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

پروانہ: (ٹھنڈی سانس بھر کر گمبھیر آواز میں) اچھا!

پہلا امیدوار: (زور دے کر) جناب، آپ آخر کس قسم کا کھانا پسند کرتے ہیں؟

پروانہ: قسم سے آپ کا کیا مطلب ہے؟

پہلا امیدوار: (زور دے کر) ہندوستانی، ایرانی، تورانی، افغانی، انگلستانی، جاپانی غرض جس قسم کا بھی آپ پسند فرمائیں۔"

پروانہ : (ہکلاتے ہوئے) ہم .... ہم ... تو ہندوستانی کھانا کھانے کے عادی ہیں۔

پہلا امیدوار : (لقمہ دیتے ہوئے) ہندوستانی میں تو یوپی، ایم پی، پنجاب، مہاراشٹرا، آندھرا، تلنگانہ، میسور، بہار، بنگال، آسام، ناگالینڈ اور کشمیر وغیرہ سبھی کھانے آجاتے ہیں۔ صاف صاف بتائیے۔

پروانہ : زیادہ سے زیادہ یوپی اور کم سے کم دہلی والا کھانا ہم کھاسکتے ہیں۔

پہلا امیدوار : ٹھیک ہے۔ تو کیا میں آپ کا باورچی خانہ دیکھ سکتا ہوں ___؟

پروانہ : شوق سے۔ آئیے۔ دیکھنے میں کیا حرج ہے

(چلنے کی آواز)

پہلا امیدوار : (سخت آواز میں) اچھا تو یہ ہے آپ کا گھر۔ یہ تو بہت ہی چھوٹا ہے ___ اچھا اور یہ رہا باورچی خانہ مگر اس میں نہ دھواں نکلنے کی چمنی ہے (لقمہ دے کر) نہ ڈھلوان نالیاں ہیں کہ اشارے میں سب صاف ہوجائے اور دم نہ گھٹے۔ یہ تو بھئی صحت کے لئے بہت نقصان دہ ہے۔ نہ اس میں پائپ۔ واش بیسن، برتن دھونے کی مشین۔ گرینڈر مشین۔ کٹنگ مشین۔ آئس کریم مشین کافی مشین۔ لسی مشین۔ پریشر کوکر۔ گیس چولہا۔ فین اکزاسٹ فین۔ کوکنگ ریوالونگ اینڈ رولنگ ایزی چیئر اور کوکر ڈائننگ ٹیبل وغیرہ ہے۔ کچھ بھی تو نہیں ہے نتیجتاً ___ سافٹ کوک اوون اور پینٹری تک نہیں ہے۔ نہ کہیں ٹوسٹر، ہیٹر اور الکٹرک کیٹل ہی نظر آرہی ہے۔ باورچی خانے کا نہ کہیں کپاونڈ ہے نہ گارڈن۔ نہ کوک کوارٹر نہ اوپر کے کام کے بیرے، یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ نا صاحب میں یہاں کام نہیں کرسکتا۔ اگر آپ مجھے پانچسو روپیہ ماہوار بھی دیں تب بھی میں آپ کے یہاں کام نہیں کرسکتا۔ اوہ میرا اچھا وقت خراب ہوا۔

پروانہ : ارے صاحب۔ اوکوک صاحب بیٹھئے تو سہی (چلتے ہوئے بڑبڑاتا ہے) یہ تو بڑا جلا سالا ہے لئے رائٹ اباؤٹ ٹرن ہوکر کوئیک مارچ کرتے نکل گئے ___ چلئے بلا ٹلی۔ خس کم جہاں پاک"

(قدموں کی چاپ)

پروانہ : آیئے! آیئے! آہستہ سے بڑبڑاتا ہے۔ دیکھنے میں یہ صاحب بھی ہلاکو اور چنگیز کی اولاد سے کم نہیں معلوم ہوتے۔ سگریٹ کے کیسے آڑے ترچھے کش لے رہے ہیں۔ شاید ان صاحب بہادر کو معلوم نہیں کہ ہمیں مالک نہیں، نوکر کی ضرورت ہے۔

دوسرا امیدوار : کرسی کھینچ کر اس پر دھم سے بیٹھنے کی آواز، بہت ہی باوقار آواز میں) آپ کو غالباً کوک کی ضرورت ہے"

پروانہ : جی ہاں!"

دوسرا امیدوار : آپ کے یہاں بھلا چھوٹی بڑی کے حاضریاں ہوتی ہیں؟

پروانہ : چار ___"

دوسرا امیدوار : (زور دے کر حیرت سے) صرف چار ___"

پروانہ : جی ہاں۔ دو بڑی اور دو چھوٹی یعنی صبح شام ناشتہ دوپہر اور رات کو کھانا ___"

دوسرا امیدوار : آپ کے گھر میں کل کتنے آدمی ہیں؟ روزانہ آنے جانے والوں اور مہمانوں کی تعداد کا اوسط کیا ہے؟ اسپیشل ورائٹی کیا کیا بنواتے ہیں؟ دورے پر کوک ساتھ جاتا ہے یا نہیں؟ آپ کتنی تنخواہ، مہنگائی بھتہ سفری الاؤنس، بونس اور چھٹیاں دیتے ہیں؟ بڑے لاٹ صاحب کے یہاں جب میں کام کرتا تھا

تو ہفتہ میں کل تین حاضریاں تیار کرنا ہوتی تھیں جن کے لئے ہم کو ایلیوان انگلنڈ سے ملتے تھے۔ آپ کے یہاں کتنے آدمیوں سے کام لینا ہوگا۔ عام طور پر مہمانوں کے ٹپ کا معیار اور اندازاً مجموعی رقم کتنی ہوتی ہے۔

پروانہ: (بیزارگی کے لہجہ میں) ٹھیک ہے۔ ہم اپنے فیصلے سے آپ کو خط کے ذریعہ مطلع کر دیں گے۔

ویٹر امیدوار: تھینکس! اچھا تو پھر شیک ہینڈ ..... گڈ بائی۔

پروانہ: (بڑبڑاتا ہے) یہ پہلے تیسرا امیدوار ہاٹ ٹھے صاحب سے بھی زیادہ شاندار۔ پرسنالٹی ان کی ہے۔ یہ نوکری کے لئے آرہے ہیں یا ہمیں نوکر رکھنے ــــ آجکل تو جدھر دیکھئے۔ بس اُلٹی گنگا بہہ رہی ہے۔ اب تو یہ سر پہ ہی آگئے۔ اخبار میں اشتہار کیا دیا مصیبت میں پھنس گیا۔ اسے بھی نوکر کی ضرورت ہے مگر ہمیں کسی راجہ نواب کی نہیں ــــ) آیئے۔ آیئے تشریف رکھئے!

تیسرا امیدوار: تشریف تو رکھوں گا ہی اور اگر آپ کے ٹرمس پسند آگئے تو تین ماہ کا اپوائنٹمنٹ بھی لینا منظور کر لوں گا۔

پروانہ: صرف تین ماہ کیوں؟

تیسرا امیدوار: اس لئے کہ فار ایسٹ۔ آفیشل کُک سپروائزرس ریفریشر کورس کے لئے امریکہ اور روس دو سال کے واسطے جانا ہے اس سے پہلے انگلینڈ اور جرمنی کا کورس مکمل کر چکا ہوں۔ ٹیڈرینہ ہوٹل کی ملازمت کی وجہ سے دنیا کے باون ملکوں کے کھانوں کا مینو مجھے زبانی یاد ہے۔ پانچسو طریقوں سے تو صرف چاء بنا سکتا ہوں، ہزاروں کھانے مجھے پکانے آتے ہیں۔

پروانہ: (جلے بھنے طنزیہ مگر باوقار لہجہ میں) آپ مونگ لتی بنانا جانتے ہیں۔

تیسرا امیدوار: (گڑبڑا کر) کیا! کیا یہ اسپتالی ہے؟

پروانہ: (زور دیکر) نہیں خالص بہاری چیز ہے۔

تیسرا امیدوار: (آہستہ سے) مُغل ڈِش؟

پروانہ: (پُر اعتماد لہجہ میں) نہیں جناب! خالص سوری کوارٹر پلیٹ ہے!

تیسرا امیدوار: (گھبراتے ہوئے) اوہ معاف کیجئے گا سوری ..... سو... و ..... سوری.. اور ... اور یہ کوارٹر پلیٹ کیا معنی؟

پروانہ: لائٹ ریفریشمنٹ میں ڈِش کہاں' کوارٹر پلیٹ اور پیریج چلتی ہے۔

تیسرا امیدوار: ہاں آپ نے ٹھیک فرمایا مگر سوری ... یا .. ساری؟

پروانہ: (زور دے کر) ساری! ساری اس کے لئے جو جانتا نہ ہو اور سوری اس لئے کہ شاہانِ سُور اس کے شائق تھے شیر شاہ سوری کے شاہی دسترخوان کی خاص چیز تھی۔

تیسرا امیدوار: (مری ہوئی آواز میں) اس کی کیا پرپریشن ہوتی ہے؟ میرا مطلب ہے کیسے بنائی جاتی ہے۔؟

پروانہ: (اکڑی ہوئی آواز میں) اب مونگ لتی بھی آپ کو بنانا سکھاؤں تو باورچی رکھنے سے کیا فائدہ؟ (زور دے کر) خود ہی کیوں نہ سب کچھ کر لوں؟ اچھا تو یہ بتایئے کہ آپ فرائڈ بھٹا ٹما بنانا جانتے ہیں؟

تیسرا امیدوار: بھٹا ٹما ــــ!

پروانہ: (چلا کر) جی ہاں۔ بھٹا ٹما۔ بھٹا ٹما

تیسرا امیدوار: (آہستہ سے) مگر میں نے تو صاحب اس کا کبھی نام بھی نہیں سُنا بھٹا ٹما کر بھاٹا۔

پروانہ: (تعجب کے لہجہ میں چلا کر) ارے آپ بھٹا ٹما تک بنانا نہیں جانتے تو پھر نوکری کی کیا ضرورت ہے۔ (طنزیہ انداز میں) جایئے تین مہینے آرام کیجئے۔ آرام ــــ دنیا کا دورہ شروع کر دیجئے۔ بھٹا ٹما بھی اسی دنیا کے [illegible] کے استعمال کی چیز ہے! اس بار اپنا دورہ

بعض صاحب خود ہی پکا لیجئے گا تو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ چھڑانا
اور چھڑانا میں کیا فرق ہوتا ہے۔ جائیے۔

تیسرا امیدوار: (آہستہ سے) اچھا، آداب عرض —!

پروانہ: (جھڑک کر) آداب عرض —!"

(پروانہ بڑبڑاتے ہوئے بڑی مشکل سے اس سید
ہاتھی سے جان بچائی ورنہ گھر تک پک جاتا۔ یہ دیکھئے جھومتے
چلے آ رہے ہیں بالکل فلمی انداز میں میک اپ کئے، کمر
لچکاتے پان کھاتے آ رہے ہیں۔ مٹک رہے ہیں۔
مٹک! مجھے باورچی کی ضرورت ہے نہ کہ بنڈ اسٹار کی۔)

چوتھا امیدوار: (خالص لکھنوی لہجہ میں) تسلیمات عرض کرتا ہے غلام!

پروانہ: تسلیمات! آپ کیا کیا جانتے ہیں؟ میرا مطلب کام سے ہے"

چوتھا امیدوار: بندہ پرور! ہے ہے! قربان جاؤں، حضور یہاں
اندر کا کام لیں خواہ باہر کا یا اِدھر اُدھر کا۔ بس
خدا معاف ایک کام لے لیجئے۔

پروانہ: یہ اندر باہر اور اِدھر اُدھر کیا ہوتا ہے۔

چوتھا امیدوار: حضور چاہے کھانا پکوا لیجئے یا محل کے دوسرے کام
لے لیجئے، جھاڑو، برتن، مسالہ وغیرہ یا پھر خادم سے
بازار کا سودا سلف ہی منگوا لیجئے۔

پروانہ: کیوں؟

چوتھا امیدوار: سرکار! بات صفا یہ ہے کہ بندہ بہت ہی اصولی آدمی ہے
اور ہر طرح کے کام میں پھر کوئی اصول وصول نہیں رہ جاتا۔"

پروانہ: (ہنستے ہوئے) مگر مجبوری یہ ہے کہ ہم خود بڑے بے
اصولے ہیں۔ جب جو کام پڑتا ہے ملازم سے فوراً لے
لیتے ہیں ہم ٹائم ٹیبل بنا کر زندگی گزارنے کے عادی نہیں"

چوتھا امیدوار: حضور! واری جاؤں آپ ٹھہرے بڑے آدمی۔ آپ تو
میز پر بھی گزارہ کر سکتے ہیں مگر ہم غریب تو ٹاٹ اور
چٹائی پہ زندگی گزارنے کے عادی ہیں اگر ہمارے اصول
نہ رہیں گے تو پھر ہم کہاں رہیں گے۔ پھر کون ہمیں ٹکے کا پوچھے گا

پروانہ: اچھا اب آپ جا سکتے ہیں۔

چوتھا امیدوار: تو حضور کے صدقے جاؤں، اپنے فیصلے سے سرکار نے
ناچیز کو مطلع نہیں فرمایا؟

پروانہ: ہم آپ کو اپنے فیصلے سے، خط سے مطلع کر دیں گے۔

چوتھا امیدوار: ہم حضور کے پروانۂ تقرری کے مشتاق رہیں گے
.... اچھا تسلیمات!

پروانہ: تسلیمات!

(بڑبڑا کر) ادھر اور یہ کون صاحبہ اتنے ٹھسّے
ٹھسّے سے چلی آ رہی ہیں ہاتھ میں گھڑی باندھے اونچی
ایڑی کا سینڈل پہنے کھٹ کھٹ چلی آ رہی ہیں۔ صورت
صورت سے تو ماما سے زیادہ ملکائن لگ رہی ہیں۔

پانچواں امیدوار: میں آ سکتی ہوں؟

پروانہ: آئیے! آئیے!"

پانچواں امیدوار: آپ زیادہ سے زیادہ کتنی تنخواہ دے سکتے ہیں؟ کتنا
کم سے کم کام لے سکتے ہیں، روزانہ کتنا وقت دینا ہوگا۔
میں وقت کی بہت پابند ہوں۔ اگر آپ کو کھانا پکوانا
ہے تو دونوں وقت کا ایک گھنٹے میں تیار کر کے چلی
جایا کروں گی۔ اگر کھانا اور ناشتہ دونوں ضروری ہیں
تو ڈیڑھ گھنٹے رک جاؤں گی۔ مگر پچیس روپے گھنٹہ
کے حساب سے چارج کروں گی"

پروانہ: (طنزیہ لہجہ میں) ۲۵ روپے گھنٹہ یہ مہینے کے حساب سے؟

پانچواں امیدوار: (ہنستے ہوئے) جی نہیں! ابھی اتنا اندھیر نہیں۔ بس
واجبی واجبی ۲۵ روپے گھنٹہ ماہانہ کافی ہوگا"
مگر صاف بات یہ ہے کہ جھاڑو نہیں دوں گی، برتن نہیں دھوؤں
گی۔ مسالہ نہیں پیسوں گی۔ بازار سے سودا نہیں لاؤں گی
آٹا پیسنے نہیں جاؤں گی۔ مالکن اور گھر والوں کی باتیں

پا جھڑکیاں نہیں سُنوں گی۔ بس کام سے کام۔ روزانہ
ٹھیک صبح چار بجے آ جایا کروں گی اور ساڑھے پانچ بجے
واپس چلی جایا کروں گی۔ اگر کھانا پکاؤں گی تو کھانا
گھر لے جاؤں گی اگر ناشتہ بناؤں گی تو ناشتہ لیا
کروں گی۔ پکانے کے دوران چائے بنا بنا کر پیا کروں گی
دوسرے جب آؤں تو کھانے کا سب سامان اور برتن
وغیرہ تیار ملیں اور چولہا جلا ہوا ہو ــــ"

پروانہ: (پریشانی کے لہجے میں) مگر ہم لوگ تو صبح سات آٹھ بجے
تک سو کر ہی اٹھتے ہیں۔ دوسرے باقی وقت تم کیا کرو گی؟

پانچویں امیدوار: تو کیا ہوا۔ جب آپ لوگ سو کر اٹھا کریں گے تو کھانا ناشتہ
سب تیار ملا کرے گا۔ چاہیں ناشتہ کریں یا کھانا
کھائیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے لئے
چائے بڑی کیتلی میں بنا لیا کروں تاکہ آپ لوگوں کو اٹھتے
ہی بیڈ ٹی مل جایا کرے ......
آپ پوچھتے ہیں باقی وقت؟ تو وقت ہی کہاں ہے۔
ہمارے پاس صبح چھ بجے ایک جگہ اوپر کے کام پر
جاتی ہوں۔ ساڑھے چھ بجے دوسری جگہ ناشتہ بناتی
ہوں۔ ۷ بجے تیسری جگہ کھانا بناتی ہوں، ۸ بجے چوتھی
جگہ کھانا اور ناشتہ بنانے جاتی ہوں۔ دس کے ساڑھے
نو بجے پانچویں جگہ کھانا ناشتہ اور اوپر کے کام کے
لئے جاتی ہوں۔ ساڑھے گیارہ بجے جن کے یہاں ہم
لیٹ رہتے ہیں 'ان کا کھانا' اوپر کا کام، سودا سلف
لاتی ہوں پھر ڈیڑھ بجے دوپہر سے اپنا گھر بار دیکھتی
اور آرام کرتی ہوں اور چراغ جلے بستر پر چلی جاتی ہوں۔

پروانہ: مگر کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ ہمارے یہاں دن میں آ کر
کام کر دیا کریں، میرا مطلب ہے صبح سات آٹھ بجے سے

پانچویں امیدوار: (افسوس کے لہجے میں) بابو صاحب معاف کیجئے گا ہمارے
پاس بالکل ٹیم نہیں ہے۔ اچھا تو پھر اجازت دیجئے آداب!

پروانہ: آداب۔ (قدموں کی چاپ) بڑبڑاتا ہے۔ ٹیم نہیں ہے۔
(منہ بنا کر) ہمارے پاس ٹیم نہیں ہے۔ نوکرانیاں لگ گئی
ہیں ان کے دماغ ساتویں پر ہیں اور یہ کون بزرگ
آ رہے ہیں ــــ یہ تو دیکھنے سے باورچی سے زیادہ
مصاحب معلوم ہو رہے ہیں ــــ"

چھٹا امیدوار: آداب عرض کرتا ہوں ـ"

پروانہ: آداب! کہئے آپ کیا جانتے ہیں؟"

چھٹا امیدوار: حضور کھانا پکانے سے بہتر فن کھانا پکوانے اور کھانا
کھلانے کا جانتا ہوں۔ اگر نیند نہ آ رہی ہو تو قصے کہانیاں
سُنا سکتا ہوں۔ اگر دل بے چین ہو تو شعر سُنا کر دل
کو قابو میں لا سکتا ہوں۔"

پروانہ: بس بس سمجھ گیا کہ آپ کیا جانتے ہیں۔ مگر مجبوری یہی ہے
میں بھی یہی دو فن ہیں جن میں طاق ہوں اس لئے آپ
جا سکتے ہیں۔" ...

(قدموں کی چاپ)

پروانہ: بڑبڑاتا ہے۔ خوب تو یہ کھانا کھلانے کے فن
میں ماہر تھے اور یہ جو دونوں آ رہے ہیں یہ تو کھانا کھانے
کے فن میں ماہر معلوم ہو رہے ہیں۔ بڑے بڑے ماہرین
سے سابقہ پڑ رہا ہے خدا ہی خیر کرے۔ آئیے! آئیے!

ساتواں امیدوار: بندگی۔"

آٹھواں امیدوار: تسلیمات!

پروانہ: آداب! تو آپ دونوں نوکری کرنے آئے ہیں؟

ساتواں امیدوار: جی ہاں! نوکری کیا سر چھپانے کا آسرا چاہتے ہیں۔"

آٹھواں امیدوار: حضور جو دے دیں گے وہ ہم لے لیں گے جو کھلا دیں گے
وہ ہم کھا لیں گے۔ جو حکم دیں گے وہ بجا لائیں گے۔"

پروانہ: (ہنستے ہوئے) تو یہ بات ہے! دراصل ہم ایسے ہی

انہیں ملازم کی تلاش میں تھے۔ بس مجبور نوکر تو ہم نے
تم دونوں کو رکھ لیا مگر یہ تو بتاؤ کہ تم دونوں بھلا تنخواہ
کیا لوگے؟
(دونوں امیدوار یک زبان ہو کر) جو حضور اپنے اوپر
سے نچھاور کر دیں گے ہم اسی سے نہال ہو جائیں گے ہمیں
تو سر چھپانے اور عزت سے دو روٹی کھانے کی خواہش ہے
پروانہ: (مذاق کے لہجہ میں) ٹھیک ہے! تم دونوں کو ایک ایک
روپیہ مہینہ اور کھانا ملے گا۔ (زور دے کر) بولو۔
منظور ہے؟
دونوں: ـــــ منظور ہے! منظور ہے!
پروانہ: (ہنستے ہوئے) تم دونوں کا کام دیکھ کر ہم تمہاری
معقول تنخواہ مقرر کر دیں گے اور باورچی خانے کے برابر
جو خالی کمرہ ہے اس میں تم لوگ ٹھاٹ سے رہو اور
گھر کا کام کاج فوراً سنبھال لو۔

(چھٹا سین)

پروانہ: بیگم! کیا ہمارے اچھے دن پھر آ گئے میرا مطلب ان
دونوں ہمارے نئے نوکروں سے ہے۔ یہ جب سے آئے
ہیں انھوں نے گھر کا سارا انتظام کتنی اچھی طرح سے سنبھال
لیا ہے۔
بیگم: جب سے ہمارے نئے نوکر آئے ہیں ہم لوگوں کو کتنی
مزے مزے کی چیزیں بنا کر کھلا رہے ہیں۔ اور ہر کام
اتنے سلیقے سے کرتے ہیں کہ طبیعت پھڑک اٹھتی ہے
پروانہ: اور ان کی طبیعت میں صفائی اور سگھڑپن کتنا ہے۔
پورے گھر کو انھوں نے آئینہ بنا دیا ہے۔ بکس سجا کر
قاعدے سے رکھ دیئے ہیں الماریوں کا سامان ٹھیک
کر دیا ہے۔ فرنیچر کتنی اچھی طرح سجایا ہے گملے تو بالکل
ہی نئے ڈھنگ سے رکھے ہیں انھوں نے تو پورا گھر۔
ڈرائنگ روم بنا دیا ہے۔
بیگم: جی ہاں! کھانے پکانے اور گھر کے کام کاج سے ذرا
فرصت انہیں ملی اور گھر کے کونے کونے کا جائزہ
لے کر ہر چیز فوراً ٹھیک ٹھاک کرنے لگے۔ دیکھئے نا!
کچھ ہی دن میں انھوں نے ہمارے گھر کو جنت کا
نمونہ بنا دیا ہے۔

(ساتواں سین)

(بہت تیز موسیقی کے ساتھ ـــــ)
بیگم: اٹھئے پروانہ صاحب! اٹھئے ـــ!
پروانہ: (جماہی لیتے ہوئے) کیا ہے؟"
بیگم: دیکھئے یہ سب دروازے کیسے پاٹوں پاٹ کھلے ہوئے
ہیں۔ کیا آپ بند کرنا بھول گئے تھے؟"
پروانہ: (پلنگ سے اٹھنے اور چلنے کی آواز) ارے بیگم مجھے
سنبھالو۔ یہ تو گھر کا ہر دروازہ کھڑکی اور پھاٹک تک
کھلا ہوا ہے۔ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟
بیگم: مجھے تو دال میں کچھ کالا نظر آرہا ہے! اتفاقاً تو ایک
آدھ دروازہ یا کھڑکی کھلی رہ سکتی تھی۔ ارے
کھڑکی (زور دے کر) کھڑکی اور پھاٹک تو الگ رہے
یہ الماریاں اور بکس کیسے کھلے پڑے ہیں۔؟
(دونوں کے ہانپتے ہوئے جلدی جلدی چلنے
کی آواز ـــ)
پروانہ: ارے یہ تو سیف بھی کھلی پڑی ہے اور میری جیب کی
طرح بالکل خالی نظر آرہی ہے۔"
بیگم: ہٹئے بھی۔ آپ کو تو سولی پر بھی مذاق ہی سوجھتا ہے
یہاں تو جان پر بنی ہوئی ہے۔ آخر یہ سب کچھ ہوا!

کیسے کہیں گھر کا کوئی قیمتی مال اسباب نظر نہیں آرہا ہے؟
پروانہ: اور نوکروں کا کمرہ بھی تو دیکھو بالکل خالی پڑا ہے۔
بیگم: نوکر دونوں کہاں گیا۔؟"
پروانہ: غالباً ہوا خوری کے لئے گئے ہوں گے۔"
بیگم: اور ہمارا سب سامان لئے ٹہل رہے ہوں گے۔"
پروانہ: کیا مطلب؟ مگر وہ تو دیکھنے میں بڑے سیدھے
معلوم ہوئے تھے۔؟
بیگم: جی ہاں! انہی کی سیدھائی سے گھر کتنا ٹیڑھا
نظر آرہا ہے؟
پروانہ: تو کیا وہ نوکر نہیں چور تھے؟
بیگم: اور نہیں تو شاہ تھے جھاڑو پھیرے کہیں گئے۔"
پروانہ: اچھا یہ بات ہے تو ابھی میں پولیس میں رپورٹ
لکھواتا اور اُن کو پکڑنے نکلتا ہوں۔"

آٹھواں سین

پروانہ: (بہت اُداس لہجے میں) بیگم ہر طرف تلاش کیا مگر
دونوں نوکر ایسے رفو چکر ہوئے کہ پھر ہاتھ نہ لگے۔"
بیگم: بس وہ دن ہے اور آج کا دن۔ ہم لوگ بجائے صرف
نوکر کے ایماندار نوکر ڈھونڈتے رہتے ہیں اور خود
اپنے نوکر بنے رہتے ہیں۔
پروانہ: (ٹھنڈی سانس لے کر) جی ہاں بیگم صاحبہ! کام کے
وقت اپنے نوکر اور خالی اوقات میں (ہنس کر) اپنے
مالک معلوم ہوتے ہیں مالک۔
بیگم: مگر اب تو ہمیں یقین نہیں کہ کبھی نوکر بھی مل سکے۔
پروانہ: (ہنستے ہوئے) بیگم صاحبہ! مگر مجھے یقین ہے کہ اگر کبھی بھی ہماری
قسمت نے یاوری کی تو بالکل ایسے ہی ہمیں نوکر مل جائیگا
جیسے کسی کے نام اچانک لاٹری نکل آئے۔
(ابھی اور موسیقی کی تیز لہریں آہستہ آہستہ
فیڈ آؤٹ ہو جاتی ہے)

—★—

غلام جیلانی

خواب

کردار :- ڈاکٹر۔ بیگم۔ شوہر۔ دو مریض

عبدل (ڈاکٹر کا ملازم)

[سیٹ : ڈاکٹر کا پرائیویٹ کلینک ۔ ترتیب ایسی ہی جیسی عام طور پر ڈاکٹروں کے مطب کی ہوتی ہے ۔ عقب میں ایک لکڑی کے فریم کا پارٹیشن (PARTITION) ۔

پردہ اٹھنے کے چند سکنڈ بعد ڈاکٹر اور ایک مریض پارٹیشن کے پیچھے سے نمودار ہوتے ہیں]

ڈاکٹر : (کرسی پر بیٹھتے ہوئے) آپ کو یہ تکلیف کتنے دن سے ہے ؟

مریض : (دائیں طرف کرسی پر بیٹھ کر) کوئی پندرہ دن سے ۔

ڈاکٹر : ٹھیک ہے ۔ میں آپ کو یہ ٹیب لیٹس (TABLETS) لکھے دیتا ہوں (لکھتا ہے) روز صبح ایک اور شام ایک ۔

مریض : (خوش ہوکر) بہت اچھا ڈاکٹر صاحب . . . . کتنے دن تک استعمال کروں یہ گولیاں ؟

ڈاکٹر : ایک ہفتے تک ۔

مریض : ایک ہفتے تک — ؟ ضرور . . . . ضرور ڈاکٹر . . . . . میں تو سمجھا تھا . . . . . ڈاکٹر صاحب لوگوں نے تو مجھے پریشان کر دیا تھا . . . . . .

ڈاکٹر : اس دوران میں آپ ڈاکٹر لال سے مل لیجیے ۔

مریض : (پریشان ہوکر) ڈاکٹر لال ؟ . . . . مگر . . . .

ڈاکٹر : میں ان کے نام چٹھی لکھے دیتا ہوں . . . وہ بڑے اچھے سرجن ہیں . . . . .

مریض : سرجن ؟

ڈاکٹر : ہاں ۔ آپ کا آپریشن ضروری ہے . . . . اس کے بغیر آپ کو آرام نہیں ہو سکتا ۔

مریض : آپریشن !

ڈاکٹر : گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے . . . . آج کل تو آپریشن معمولی بات ہو گئے ہیں ۔

مریض : جی ہاں . . . . جی ہاں . . . . وہ تو ہے . . . . مگر بات یہ ہے . . . . ڈاکٹر ۔ میں ذرا ڈرتا ہوں ۔ آپریشن کے نام

کانپ جاتا ہوں .... کیا کوئی طریقہ ایسا نہیں .... ؟

ڈاکٹر : نہیں۔ آپریشن ضروری ہے .... آپ یہ چٹھی لے جائیے (لکھنے لگتا ہے)۔

مریض : ڈاکٹر صاحب .... یہ بتلائیے .... میرا مطلب ہے آپریشن کروا بھی ڈالا تو .... تو میرے بچنے کے امکانات کتنے ہیں ؟

ڈاکٹر : سو فی صد۔

مریض : سو فی صد ؟

ڈاکٹر : ہاں۔

مریض : وہ کس طرح ؟

ڈاکٹر : وہ اس طرح کہ .... اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ اس طرح کے ہر دس آپریشن میں سے صرف نو فیل ہوتے ہیں ..... ڈاکٹر فلاں کے نو مریض پہلے ہی مر چکے ہیں... آپ دسویں ہوں گے .... سمجھے ؟

مریض : (رک رک کر) سمجھا .... (اُٹھ کر جانے لگتا ہے) بہت اچھی طرح سمجھ گیا ..... (تیز تیز باہر نکل جاتا ہے)

ڈاکٹر : اجی جناب سنئے تو سہی ! ..... عبدل — !

عبدل : (داخل ہو کر) جی صاحب !

ڈاکٹر : ارے وہ صاحب .... جو ابھی ابھی گئے ہیں .... کیا وہ چلے گئے — ؟

عبدل : جی صاحب !

ڈاکٹر : جی صاحب کا بچہ۔ ان کو روکا کیوں نہیں ؟

عبدل : کیا ہوا صاحب .... کیا فیس دیئے بغیر چلے گئے ؟ .... مگر .... مگر وہ تو باہر نکل کر ایسی تیزی سے دوڑے کہ ..... جیسے کسی بھوت کو دیکھ کر آئے ہوں .....

ڈاکٹر : چپ۔ بے وقوف .... جا دوسرے مریض کو بھیج۔

عبدل : جی صاحب .... (جلدی سے) جی ڈاکٹر صاحب .... (باہر جاتا ہے)۔

مریض ۲ : (آتے ہوئے) آداب عرض ہے ڈاکٹر صاحب !

ڈاکٹر : آداب عرض ہے۔ کہئے۔ اب آپ کا کیا حال ہے ؟ بخار اُتر گیا — ؟

مریض ۲ : (کرسی پر بیٹھ کر) جی نہیں ڈاکٹر صاحب .... بخار برابر چل رہا ہے .... سر کا درد .... سینے میں جلن ... ہاتھوں میں اینٹھن، گردوں میں درد، اور جگر میں .....

ڈاکٹر : اچھا، اچھا .... لائیے نسخہ دیجئے۔ (مریض سے نسخہ لے کر کچھ لکھنے لگتا ہے) .... تعجب ہے۔ آپ کو اب تک آرام کیوں نہیں ہوا ؟

مریض ۲ : تو آپ کو یقین ہے، مجھے آرام ہو جائے گا !

ڈاکٹر : جی ہاں۔ کیوں نہیں۔

مریض ۲ : اوہ شکریہ ڈاکٹر صاحب .... میں تو مایوس ہو چلا تھا .... طرح طرح کے وہم میں مبتلا ہو گیا تھا .... آپ کو یقین ہے یہ دوا جو میں استعمال کر رہا ہوں...

ڈاکٹر : جی ہاں۔ بالکل ٹھیک ہے۔

مریض ۲ : اوہ .... معاف کیجئے، میرا مطلب تھا .... اس مرض میں آپ کو خاص تجربہ معلوم ہوتا ہے .....

ڈاکٹر : تجربہ کی بھی ایک ہی رہی .... اجی جناب، میں خود اس مرض میں برسوں مبتلا رہا ہوں ..... اچھا۔ اب تشریف لے جائیے ؛ اور یہ دوا شروع کر دیجئے۔

مریض ۲ : (جاتے ہوئے) ڈاکٹر صاحب۔ معاف کیجئے۔ ایک بات...

ڈاکٹر : (جلدی سے) کہئے۔

مریض ۲ : (رک رک کر) کیا آپ کو پورا یقین ہے، میں اچھا ہو جاؤں گا !

میرا مطلب ہے، کہیں میرے مرض کی تشخیص ..... یعنی
.... یعنی مطلب یہ کہ میں نے سُنا ہے کہ بعض اوقات
ٹائیفائیڈ کے علاج کے لئے ڈاکٹر نے نمونیا کی دوائیں
لکھ دیں .....

ڈاکٹر: (غصہ سے) جی ؟ ـ آپ اطمینان رکھئے۔ جب میں
کسی مریض کا علاج ٹائیفائیڈ کے لئے کرتا ہوں تو اس
کا انتقال ٹائیفائیڈ ہی سے ہوتا ہے۔

مریض ۲: جی ـ ؟

ڈاکٹر: جی ..... (مریض ۲ تیزی سے چل دیتا ہے)...
عبدل ـ ؟ .... دوسرا مریض .... آج کل کے مریض
بھی نئی وضع کے ہیں، بال کی کھال نکالنا چاہتے ہیں۔

عبدل: (دروازے میں نمودار ہوتا ہے) جی .... وہ سب مریض
ختم ہو چکے صاب۔

ڈاکٹر: ختم ہو چکے ؟ ..... (رک کر) اوہ۔ ختم ہو چکے۔
تو اب کوئی نہیں ہے ؟

عبدل: جی ..... (رک رک کر) .... وہ ہیں تو سہی ...
ایک صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ .... مگر وہ آنا
نہیں چاہتے۔

ڈاکٹر: آنا نہیں چاہتے ؟

عبدل: جی ہاں۔ بار بار اٹھ کر چلے جانا چاہتے ہیں۔ مگر وہ
بیگم صاحبہ انھیں جانے نہیں دیتیں۔

ڈاکٹر: ہوں .... اچھا ... ٹھیرو میں خود جا کر دیکھتا ہوں ....
(اٹھتا ہے)۔

بیگم: (باہر سے) چلو اب بس بھی کرو۔ بہت ہو چکا .... ایسا
تھا تو گھر سے کیوں نکلے تھے ؟

شوہر: (باہر سے) میں کب آ رہا تھا ؟ .... وہ تو تم نے مجبور
کر دیا .....

بیگم: اچھا اچھا۔ اب چپ چاپ اندر چلو۔ اور دیکھو
اندر جا کر کوئی ایسی ویسی بات مت کر دینا ....

[بیگم اور شوہر اندر داخل ہوتے ہیں]

ڈاکٹر: (بیٹھ کر) آئیے .... تشریف رکھئے۔

بیگم: آداب عرض ہے ڈاکٹر صاحب ..... (شوہر
خاموشی سے آداب کرتا ہے۔ دونوں ڈاکٹر کی میز کے
دائیں اور بائیں جانب کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں)۔

ڈاکٹر: فرمائیے ـ !

بیگم: ڈاکٹر صاحب .... انھیں ایک عجیب مرض ہو گیا ہے
رات کو سوتے سوتے اک دم چلّانے لگتے ہیں ـ مجھے
بچاؤ، کوئی مجھے بچاؤ ... نہیں ہو سکتا ..... یہ
ہرگز نہیں ہو سکتا .... خدا کے لئے مجھے بچاؤ ! اور
نہ جانے کیا کیا بکنے .... میرا مطلب ہے چیخنے لگتے ہیں
اور چند مہینے سے تو یہ عالم ہو گیا ہے کہ ہفتے میں دو
دو دفعہ یہ دورہ انھیں پڑ جاتا ہے۔ بعض وقت ایسا
بھی ہوتا ہے کہ سوتے سوتے پلنگ پر سے اُٹھ کر بھاگ
لگتے ہیں۔ پوچھو تو کچھ نہیں بتاتے (آواز بھرّائی جاتی
ہے) .... کہتے ہیں مجھے ایک وحشت ناک خواب
دکھائی دیتا ہے .... خدا کے لئے ڈاکٹر صاحب !
ان کا یہ روگ دور کر دیجئے ..... یہ روز روز گھلے
جا رہے ہیں۔ آدھے بھی نہیں رہے اب تو .....
(رونے لگتی ہے)۔

ڈاکٹر: ارے .... آپ تو رونے لگیں۔

بیگم: اور کیا کروں ڈاکٹر صاحب۔ مرشد کا پڑھا ہوا پانی
بھی پلایا۔ شاہ صاحب کے گنڈے بھی باندھے اور

سوتے وقت آیۃ الکرسی دم کرتی ہوں ... مگر
ڈاکٹر صاحب .... (رونے لگتی ہے)۔

ڈاکٹر: آپ گھبرائیں نہیں .... یہ کوئی بیماری نہیں، معمولی بات ہے ....

بیگم: (خوش ہوکر) دیکھا — میں نہ کہتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب مہینوں سے میں ان کی جان کھا رہی تھی، علاج کراؤ۔ کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھلاؤ .... مگر یہ اللہ کے بندے آتے ہی نہیں تھے یہاں۔ آج بڑی مشکل سے کھینچ لائی ہوں —!

شوہر: (رک رک کر) ڈاکٹر صاحب .... یہ بات نہیں ... بات کچھ اور ہے ....

بیگم: (بات کاٹ کر) اچھا اچھا، اب زیادہ باتیں نہ بناؤ اور ہاں ڈاکٹر صاحب ایک بات اور ہے۔ جب سے انھیں یہ مرض ہوا ہے یہ گھر میں رہنے سے بھی گھبرانے لگے ہیں۔

ڈاکٹر: آپ فکر نہ کیجئے۔ یہ کوئی بات نہیں .... (شوہر سے) میرے خیال میں آپ کا ہاضمہ خراب ہوگیا ہے۔ آپ ذرا ادھر لیٹ جائیے۔ (پارٹیشن کی طرف اشارہ کرتا ہے)۔

شوہر: نہیں ڈاکٹر صاحب .... اس کی ضرورت نہیں، میرا معدہ بہت طاقتور ہے۔

بیگم: (غصے سے) جاتے کیوں نہیں؟ جب ڈاکٹر صاحب کہہ رہے ہیں تو ....

شوہر: (ڈاکٹر سے) معاف فرمائیے ڈاکٹر صاحب۔ اس بیماری کا تعلق معدے سے نہیں ہے۔

ڈاکٹر: آپ کو یہ شکایت کتنے عرصے سے ہے؟

بیگم: ڈاکٹر صاحب .... یہی کوئی ....

ڈاکٹر: (پلٹ کر) آپ ذرا خاموش رہیں۔

شوہر: بس یہی کوئی سال بھر سے —

ڈاکٹر: آپ کی شادی کو کتنے برس ہوئے؟

شوہر: کوئی دس برس ....

ڈاکٹر: شادی سے پہلے تو کبھی یہ شکایت نہیں ہوئی آپ کو!

شوہر: جی نہیں۔ بالکل نہیں .... اور ہو بھی کیسے سکتی تھی؟

بیگم: کیا کہا —؟

شوہر: (جلدی سے) کچھ نہیں .... بات یہ ہے .... میرا مطلب تھا .... اس زمانے میں میری صحت بہت اچھی تھی نا!

ڈاکٹر: تو کیا روز آپ کو ڈراؤنے خواب دکھائی دیتے ہیں؟

شوہر: خواب دکھائی دیتے نہیں، دیتا ہے ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر: کیا مطلب؟

شوہر: یہی کہ .... مجھے ہمیشہ ایک ہی بھیانک خواب دکھائی دیتا ہے۔

ڈاکٹر: (حیرت سے) ہر روز وہی خواب دکھائی دیتا ہے؟

شوہر: جی۔ وہی ایک خواب۔ اور اگر چند دن یہی حالت رہی تو ڈاکٹر، میں پاگل ہو جاؤں گا۔

بیگم: اے، ہے .... کیسی باتیں کرتے ہو ....

ڈاکٹر: آپ ذرا چپ رہئے۔ (شوہر سے) آخر یہ خواب کس قسم کا ہوتا ہے۔ کیا ڈراونی شکل دکھائی دیتی ہے؟

شوہر: جی نہیں۔ شکل تو ڈراونی نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر: پھر کیا ہوتا ہے؟

شوہر : (رک رک کر) جی کچھ نہیں۔ کچھ نہیں ڈاکٹر صاحب... بس سے کچھ نہیں ہوگا۔

بیگم : (بگڑ کر) پھر وہی بات! میں پوچھتی ہوں جب حکیم ڈاکٹر سے بھی اپنا حال چھپاؤ گے تو علاج کیسے ہوگا!... بتاتے کیوں نہیں سیدھی طرح؟

ڈاکٹر : اوہو... آپ ذرا خاموش رہیں... (رک کر) ہاں صاحب یہ تو بتائیے آخر کیا دکھائی دیتا ہے؟

شوہر : کیا بتاؤں ڈاکٹر صاحب... سمجھ میں نہیں آتا کیسے بیان کروں۔ (ہمت سے)... ایسا دکھائی دیتا ہے... بس یہ دیکھتا ہوں جیسے... جیسے میری... (گھبرا کر کھڑا ہو جاتا ہے)... مجھے بچاؤ... خدا کے لئے مجھے بچاؤ ڈاکٹر صاحب... میں پاگل ہو جاؤں گا (ہاتھوں سے سر کو تھام لیتا ہے)۔

بیگم : (پریشان ہو کر) ہائے اللہ... اب کیا ہوگا۔ انھیں تو دن میں بھی دورے پڑنے لگے۔

ڈاکٹر : (اٹھ کر شوہر کو کرسی پر بٹھاتا ہے) دیکھئے دیکھئے گھبرائیے نہیں... میں آپ کے پاس ہوں۔ آپ اطمینان سے اپنا حال بیان کیجئے... میں یقین دلاتا ہوں آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے... (ڈاکٹر خود کرسی پر بیٹھ جاتا ہے) ہاں تو آپ دیکھتے ہیں جیسے آپ کی....

شوہر : کچھ نہیں۔ اب رہنے دیجئے ڈاکٹر صاحب۔ میں نہیں بتا سکتا...

بیگم : (غصہ سے) کیا تماشہ بنا رکھا ہے۔ بچوں کی طرح مچل رہے ہو۔ کچھ پھوٹو بھی منہ سے۔

ڈاکٹر : (بیگم سے) آپ انھیں پریشان مت کیجئے۔ اطمینان سے کہنے دیجئے... ہاں تو آپ کیا دیکھتے ہیں؟

شوہر : (بے بسی میں بیوی کی طرف دیکھتا ہے) اچھا... آج مجھے کہنا ہی پڑے گا۔ ڈاکٹر صاحب... بس یہ دیکھتا ہوں جیسے.... جیسے میری... ش... ش... شادی ہو رہی ہے۔

ڈاکٹر : شادی ہو رہی ہے؟

شوہر : شادی ہو رہی ہے۔

ڈاکٹر : روز یہی خواب دیکھتے ہیں؟

شوہر : روز یہی خواب دیکھتا ہوں۔

بیگم : اچھا۔ تو یہی ہے وہ بھیانک خواب جس نے تمہیں پریشان کر رکھا ہے۔ اور مجھ سے کہتے ہوئے ڈر لگتا تھا جیسے میں کوئی....

ڈاکٹر : (غصہ سے) آپ ذرا چپ رہیں... مجھے ان سے باتیں کرنے دیجئے، ورنہ میں کچھ نہ کر سکوں گا..... ہاں جناب (لہجہ بدل کر) اگر خواب میں آپ کی شادی ہوتی ہے تو اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟

بیگم : کوئی چڑیل پھنسا رہی ہوگی۔ جیسی مردوں کے لیے فرشتے ہوگی کوئی بھتنی، چھلاوا، ڈائن۔

ڈاکٹر : (بگڑ کر بیوی کی طرف دیکھتا ہے۔ پھر شوہر سے) تو وہ عورت کیا واقعی ڈراونی صورت کی ہے؟

شوہر : جی نہیں ڈاکٹر صاحب... صورت تو اچھی... (رک جاتا ہے)۔

ڈاکٹر : بھئی خوب (ہنستا ہے) ہمیں تو ایسے خواب روز نظر آیا کریں۔ اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے... روز دولہا بنتے ہو بھائی..... (ہنستا ہے)۔

شوہر : لیکن مصیبت یہیں ختم نہیں ہو جاتی....

ڈاکٹر : پھر—؟

شوہر: میں دیکھتا ہوں، میری شادی روزانہ اسی عورت سے ہوجاتی ہے۔

ڈاکٹر: روزانہ اسی عورت سے ہوجاتی ہے؟

شوہر: جی ہاں۔ روزانہ اسی سے۔

ڈاکٹر: مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا، جب وہ عورت خوبصورت ہے تو آپ چیخنے کیوں لگتے ہیں؟

شوہر: کیا بتاؤں ڈاکٹر صاحب .... میرے خیال میں اس قصے کو یہیں ختم کردیجئے۔

بیگم: پھر وہی شروع کردیا تم نے۔

ڈاکٹر: اچھا یہ بتائیے۔ آپ اس عورت کو جانتے ہیں؟

شوہر: (نیچی نظریں کئے ہوئے) خوب جانتا ہوں ڈاکٹر صاحب بہت اچھی طرح سے۔

بیگم: اچھا یہ بات ہے۔ جبھی گھر سے بیزار ہوگئے ہو۔ اب میں سمجھی ....

ڈاکٹر: دیکھئے .... میں نے آپ کو کتنی مرتبہ کہا مگر آپ خاموش نہیں رہتیں .... ذرا چپ رہئے .....

(رک کر) ہاں تو آپ بتا سکتے ہیں وہ کون ہے، کہاں رہتی ہے؟

شوہر: یہ میں نہیں بتا سکتا ... معاف فرمائیے ڈاکٹر۔ میں مجبور ہوں۔

بیگم: یہ نہیں بتائیں گے ڈاکٹر صاحب۔ مجھ سے سنئے اس کلموہی کا نام — (شوہر سے) کیوں جی، اپنا گھر تو تمہیں کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے، اور صغریٰ کے ہاں گھنٹوں باتیں ملانے سے بھی جی نہیں بھرتا ... بڑی خوبصورت ہے وہ۔ دفتر میں ملازم ہے .... اچھا تو ہے، اسی کو کرلو۔ نوکری کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔

ڈاکٹر: (بگڑ کر) دیکھئے۔ آپ نے چند ہی منٹوں میں مجھے پریشان کردیا۔ آخر آپ ان کو بولنے کیوں نہیں دیتیں ... ہاں صاحب، تو آپ اس خواب والی عورت سے کبھی ملے بھی ہیں؟

شوہر: جی ہاں۔

ڈاکٹر: خوب۔ تو پھر بتاتے کیوں نہیں وہ کون ہے؟

شوہر: (ہمت سے کام لے کر) جی .... ڈاکٹر صاحب۔ (اٹھ کر دروازے کے پاس جاتا ہے) وہ ... میری .... میری بیوی ہے۔ (باہر نکل جاتا ہے)۔

[ڈاکٹر اور بیگم دونوں ایک دوسرے کو تکتے ہیں۔ بیگم تیزی سے باہر جانے لگتی ہے — پردہ گرجاتا ہے]

وجاہت علی سندیلوی

منشی جی اور شہر کی سیر

(آج سے قریب ۳۰ سال پہلے ریڈیو ڈراموں کے لیے شوکت تھانوی مرحوم نے ایک بھلکڑ منشی جی کا کردار تخلیق کیا تھا۔ یہ ڈرامہ اس فرائض پر لکھا گیا ہے کہ منشی جی اگر آج ہوتے تو حضرت گنج لکھنؤ کے نئے مناظر دیکھ کر ان کے کیا تاثرات ہوتے)

منشی جی: گنگناتے ہیں وحشت میں ..... وحشت میں ...
ہر ایک نقشہ الٹا نظر آتا ہے۔ لڑکا نظر آتی ہے ـــــ لڑکی نظر آتا ہے

بیوی: ایک تو کل رات کو ایسا جھگڑا مچایا کہ توبہ بھلی اور اب جاگے ہو تو ہیے، تو بستر پہ پڑے پڑے نہیں معلوم کیا واہی تباہی الاپ رہے ہو۔ محلے والے سنیں گے تو کیا کہیں گے؟

منشی جی: محلے والے جاہل ہیں، ناشدنی ہیں، تو کیا میں اپنی زبان کاٹ کر پھینک دوں۔ وہی مثل ہے۔ کیا مثل ہے بھلا سی ـــــ بھینس نے بیائی میں میرا مطلب یہ ہے کہ... لا حول ولا قوۃ، ایسی کاٹنے والی نظروں سے گھور رہی ہو مجھ کو کہ زبان تک آئی ہوئی بات واپس لوٹ جاتی ہے پیٹ میں۔

بیوی: (ہنستے ہوئے) یہ بھی ایک ہی رہی کہ میں تمہیں کاٹنے والی نظروں سے گھور رہی ہوں اور اس وجہ سے حافظہ خراب ہو جاتا ہے تمہارا۔

منشی جی: اور نہیں تو کیا! میں نے حکیم بعث اللہ کے کہنے سے بادام کھائے۔ اتنے کھائے کہ دانت گھس کر رہ گئے ہیں، لیکن تمہیں دیکھ کر نہیں معلوم کیا ہو جاتا ہے میرے حافظے کو کہ بس گولر کا پھول بن جاتا ہے۔

بیوی: اور کل رات کب گھور رہی تھی میں تم کو، جب تم اپنے گھر کا دروازہ بھول کر فولاد خاں کے گھر میں گھس گئے تھے اور زنانہ ہوتا تو خدا نخواستہ مرہم پٹی اور تھانے پولس تک کی نوبت آ جاتی۔

منشی جی: اجی ہٹاؤ بھی ان گڑے مردوں کو۔ رات گئی بات گئی! بس یہی تو ایک عیب ہے تم میں کہ تم کبھی کسی بات کو بھولتی ہی نہیں ـــــ قسم ہے تمہارے سر کی کہ میں اس گھر میں تمہیں کو پکارتا ہوا گھسا تھا لیکن اب اس میں بھلا میرا کیا قصور کہ وہاں تمہارے بجائے نکل پڑے میاں فولاد اور ان کی لٹھ بلناطاد۔

بیوی: توبہ ہے اللہ! قصور تو میرا تھا کہ میں نے تم سے پہلے ہی جا کر نہیں رکھا تھا کہ جس گھر میں گھسنے والے ہو اس میں اپنا چولہا چکی لے کر وہاں تمہارے استقبال کو تم سے پیشتر پہنچ جاتی۔

منشی جی: کیا قینچی سی زبان چلتی ہے تمہاری بھی۔ بیاہتا سے

اپنی گلی کی سیر کا حال بتانے بیٹھا تھا اور تم نے دخل
در معقولات کر کے چھیڑ دیا قصہ اس نا شدنی فولاد
کا اور اس کی نا خلف اولاد کا اور پھر خانماں برباد کیا
بیوی: بچے ہیں کچھ نہیں بولوں گی۔ آپ سنائیے اپنے سیر
سپاٹے کا قصہ
منشی جی: کل شام کو تم باورچی خانے میں تھیں۔ بتی ادھر بیٹھا
میں ہیروں کی کتاب کے پاس تھا۔ میری شامت
آئے تو میں نے دروازہ کھول کر گلی میں جھانکا تو دیکھا کہ
میرے پرانے دوست چھکڑ داس جھومتے چلے آ رہے
ہیں۔ صاحب سلامت ہوئی تو کہنے لگے چلو شہر گھوم آئیں۔
میں نے کہا ذرا ٹوپی شیروانی پہن آؤں۔ کہنے لگے ٹوپی تو
انگریزوں کے ساتھ ہندوستان سے چلی گئی۔ اتنا
کالا آدمی صرف اس لیے پہنتے ہیں تاکہ بچوں کو بتایا جا سکے
کہ ٹوپی کس چڑیا کو کہتے تھے۔ اور اس بنیان اور بش
شرٹ کے زمانے میں شیروانی جیسی فضول خرچی
قابل دست اندازی پولیس ہو جانا چاہیے۔ میں ان
کی باتوں میں آ گیا اور ویسے ہی بعجلت خود چل کھڑا ہوا۔
بیوی: ہائے اگر خدا نخواستہ مجھ سے کہہ دیتے کہ باہر جا رہے ہو تو کیا میں
ہاتھ پکڑ لیتی تمہارا۔
منشی جی: ارے نیک بخت! جب مجھے خود نہیں معلوم تھا کہ
کہاں جا رہا ہوں تو تمہیں کیا بتاتا؟ اپنا سر! اور
وہ بھی بغیر ٹوپی کے ـــــ بیچ میں ٹوک دیا اور میں بھول
گیا کہ کیا کہہ رہا تھا ابھی۔ عجیب مصیبت ہے۔ حکیم
جی تو کہتے تھے کہ بادام کھانے سے حافظہ تیز ہو جاتا ہے
بیوی: (ہنستے ہوئے) تیز ہو گیا تبھی تو اس تیزی سے بھاگ نکلا!
چھکڑ داس کے ساتھ شہر گھومنے جا رہے تھے۔
منشی جی: ہاں خوب یاد دلایا۔ وہ چھکڑ داس کے بجائے چقندر
پرشاد نکلا۔ سڑک پر جا رہے تھے اور ادھر تلاش کیا تو اس
تام کی کھلی سواری نظر نہ پڑی۔
رکشے، موٹر، ٹرک، لاری، پھٹپھٹیا کی بس ایک ریلا
دھماچوکڑی سی لگی ہوئی تھی۔ کسی سرپھرے نے بیچ
سڑک پر ایک میدان سی اٹھا دی تھی۔ آدمی سواریاں
ایک طرف بھاگی جا رہی تھیں اور دوسری طرف بھی ایک
دوسرے کی صورت سے بیزار تھا۔ ایک جگہ سڑک
پار کرنے لگے تو نہیں معلوم چقندر پرشاد کہاں کھیت
رہ گئے۔ ہم ان کے انتظار میں بیچ سڑک پر کھڑے ہو
کر ذرا سامنے کی لال پیلی اور ہری بتیوں کا تماشا
دیکھنے لگے تو ہمارے پیچھے بے شمار موٹریں بسیں وغیرہ
بہت ادب سے کھڑی ہو کر ہارن بجانے لگیں۔ ہمیں
کچھ ایسا لگا جیسے ہماری بارات میں شہنائیاں بج
رہی ہوں۔
بیوی: بڑھاپے منہ بہاسے۔ لوگ دیکھیں تماشے۔
منشی جی: کیا! کیا بک دیا تم نے بیچ میں؟ لو پھر بھول گیا
کہ کیا کہہ رہا تھا میں۔ جب میری بات ذرا ٹھیک تال
سے آگے بڑھتی ہے تو تم فوراً کوئی اڑنگا دیتی ہو
اس میں۔
بیوی - ہاں ہاں کہو! شہنائیاں بج رہی تھیں تمہاری
بارات میں! اور تم دولہا بنے بیچ سڑک پر کھڑے
تھے۔
منشی جی: شہنائیاں! بارات! ہاں تو پھر قاضی صاحب
ارے توبہ ایک کانسٹیبل نے آ کر ہمیں سڑک کی
دوسری طرف لے جا کر سلاخوں کے ایک جنگلے
میں ڈھکیل دیا۔ واللہ تھوڑی دیر کے لیے تو میں یہ
سمجھا کہ مجھے زندگی کسی کٹہرے میں بند کیا جا رہا
ہے لیکن جو نظر دوڑائی تو دیکھا کہ دو سڑک
پہ ہر طرف لیتے جنگلے بنے ہوئے ہیں اور لوگ ان

یہاں چل پھر رہے ہیں۔ بات سمجھ میں آگئی کہ سڑکوں
کے کنارے نہ ہی تو کیا ہے لیکن یہ تماشا بھی جانور
سے نہیں ہی لہٰذا فی الحال آدمیوں ہی سے کام چلایا
جا رہا ہے۔

بیوی: ماشاء اللہ بات سمجھ میں آگئی خوب!

منشی جی: آگے بڑھا تو ایک ڈبے میں سنیما جیسی تصویریں
ناچ گا رہی تھیں اور سامنے لوگ تماشا دیکھ رہے تھے
تھے۔ پوچھنے پر پتہ چلا کر اب یہ چھوٹے سے سنیما گھر گھر
ہوتے ہیں۔ اپنے شخص کو بھی ایک ایسا ہی ڈبا خرید دیجیے
پھر وہ روز روز سنیما دیکھنے کے لیے پیسے نہیں مانگے گا۔

بیوی: بھلا کیوں نہیں کہتے کہ خود سنیما دیکھنے کا شوق چرایا ہے۔

منشی جی: اب سنو بھی تو! اس سنیما دیکھنے سے فائدہ بھی بہت
ہوتا ہے۔ میں آگے بڑھا تو دیکھا کہ دو لڑکے ایک دوسرے
سے برسوں فرفر انگریزی میں بات چیت کر رہے ہیں۔ ایک
کچھ کہتا تو دوسرا جھٹ سے بڑا نپا تلا جواب دیتا۔ کافی دیر
تک یہ گفتگو چلتی رہی تو مجھے اچنبھا ہوا۔ ایک راہ گیر نے
بتایا کہ یہ لونڈے فلمی فلمی۔ کیا کہتے ہیں سے کو انگریزی
میں ڈائیلاگ بول رہے ہیں۔

بیوی: توبہ ہمارا شبن کیسی ایسی زبان بولے۔

منشی جی: ادھر ان لونڈوں کی اماں یا دھر کان لگاؤ ابھی اپنی سیر
کی سب سے خاص بات تو میں نے بتائی ہی نہیں۔

بیوی: رہنے بھی دو چھوڑو اب یہاں کون بیٹھا ہے جو تمہارا الاپ
سن کر تماشے میں سیٹ لکھا دے گا۔ گھوڑا!

منشی جی: دیکھا، کیا اپنا سر! جس طرح ہمارے لڑکوں نے
ٹوپی کو فٹبال بنا کر ٹھوکر مار دی اسی طرح ہماری لڑکیوں
نے بھی دوپٹے کو پتنگ بنا کر ہوا میں اڑا دیا۔ دونوں
اب جینز اور پتلون پہنتے اور ایک ہی طرح کے کندھوں
تک بال رکھتے ہیں۔ واللہ جب ان سے پہلے کے جوڑے
میرے پاس سے گزرے تو میں یہ بھی نہیں پہچان پایا کہ
ان میں کون نورِ چشم ہے اور کون نورِ چشمی۔

بیوی: تو ہمیں اس سے کیا؟ جب زمانہ بدل رہا ہے تو ہمارے
لڑکے اور لڑکیاں بھی بدلیں گے کل جگ ہے نا!

منشی جی: بھئی بدلیں شوق سے لیکن ہمارے جیسے بڈھوں کو پریشان
تو نہ کریں۔ گھر سے واپس آنے کے لیے میں نے ایک بش شرٹ
اور پتلون پہنے لڑکے سے پوچھا 'میاں صاحب زادے
شتر خانے جانے کا کون راستہ ہے' تو وہ قہقہہ لگا کر بولا
"میں صاحبزادہ نہیں صاحبزادی ہوں! اپنی عینک کا نمبر
ٹھیک کراؤ" اور پھر جب میں نے اسی کی ہم لباس
ایک دوسری لڑکی سے بیٹی کہہ کر پوچھا تو وہ آپے سے باہر
ہو کر مجھ پر خوخیا دوڑی "بڈھے مذاق سوجھا ہے مجھے میں
بیٹی نہیں بیٹا ہوں"

بیوی: تمہیں تم آج دھوکا نظر آتی ہے۔ لڑکی نظر آتا ہے الو بیٹے
تمہیں!

منشی جی: پھر کاٹ دی بات میری۔ تمہاری ہی بات تو بس —
— ہاں خوب یاد آگیا پھر میں آگے اور ایک ہجوم
سمٹ کر اس میں گھسنے لگا۔ اس کے دروازے پر وہ دھکا
مکی تھی جیسے کسی لنگر خانے کا کھانا بٹ رہا ہو۔ تماشا دیکھنے
میں بھی ہو پہنچا تو کسی نے مجھے پیچھے سے دھکا دیا اور قبل
اس کے کہ میں سنبھلوں میں نے خود کو اپنے آپ کو بس کے اندر
پایا۔ میں نے اترنا چاہا تو چند اور گھسنے والوں نے نہ صرف
میرا راستہ روک لیا بلکہ مجھے بس کی اور گہرائی میں دھکیل
دیا اور بس چل پڑی۔

بیوی: یہ ایسی زبردستی؟

منشی جی: اسے زبردستی کہا ہی کیا دیکھا۔ میں اپنے آگے اور
پیچھے کے بوجھ کے درمیان پسا جا رہا تھا۔ ذرا سا بھی پہلو بدلا
تو آگے پیچھے دائیں بائیں سے کئی کہنیاں میری پیٹھ
اور سینے پر آ لگیں — میں چیخا کر میں سفر نہیں کرنا چاہتا
تو کسی منچلے نے مجھے چیکر سمجھ کے ہی میں بیٹھنے کا ٹکٹ

ملنگے لگا۔ میں نے کہا یہی بات تو یہ ہے کہ میں بیٹھا نہیں بلکہ کھڑا ہوں اور ایسا اس لیے کہ میں اپنی مرضی سے آپ کا لیکچر سننے نہیں آیا ہوں۔ آس پاس کے لوگوں نے میری تائید میں قہقہے لگائے۔ لاجواب ہو کر مقرر نے نے سیٹی بجا کر پولیس بلوا دی اور مجھے اٹھا دیا۔ میں نے آنکھیں کھول کر جو دیکھا تو اپنے آپ کو اپنے محلے کے چوراہے پر کھڑا پایا۔

بیچ کے (...) جان بچی لاکھوں پائے۔ اور آپ سیدھے ... کے گھر میں گھس گئے!

●●



غلام یزدانی



ایک مختصر ریڈیو ڈرامہ

(بادل کی گرج صرف ایک دو مرتبہ سنائی دیتی ہے
بارش کا تاثر دینے کی ضرورت نہیں)

ایک آدمی: (زور سے آواز دے کر) ... میں نے کہا قبلہ!

دوسرا آدمی: (دور سے) جی!

پہلا: تکلف مت فرمائیے!

دوسرا: جی!

پہلا: جی ہاں! بارش ہو رہی ہے۔ آپ بھیگ رہے ہیں۔ یہاں آجائیے میری چھتری میں...

دوسرا: (آتے ہوئے) اوہ... شکریہ... شکریہ...

پہلا: .... دیکھئے اب بھی آپ تکلف کریں گے تو بھیگ جائیں گے...

دوسرا: جی تکلف!

پہلا: جی ہاں! آپ اتنے الگ کیوں چل رہے ہیں۔ اچھی طرح چھتری کے اندر آجائیے میرے قریب!

دوسرا: اوہ! شکریہ... گھر سے نکلا تھا تو موسم بالکل صاف تھا۔ بادل کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اور اب ایکدم بارش شروع ہوگئی۔

پہلا: ارے صاحب! ابھی برسات ختم کہاں ہوئی ہے۔ یہ تو جیسے بیٹھو دو منگٹے رہیں۔ ابھی دھوپ نکلی اور دیکھتے ہی دیکھتے بارش شروع ہوجاتی ہے۔

دوسرا: آپ نے بڑی عقلمندی کی جو چھتری لے کر باہر نکلے۔

پہلا: (ہنس کر) جناب میں تو کبھی بغیر چھتری کے باہر نکلتا ہی نہیں۔ کسی موسم میں بھی نہیں۔ چاہے گرمی ہو یا برسات ہو یا جاڑا۔

دوسرا: اچھا! جاڑوں میں بھی آپ چھتری ساتھ رکھتے ہیں؟

پہلا: جی ہاں: دسمبر، جنوری کے کڑاکوں میں بھی چھتری ہمیشہ میرے ساتھ رہتی ہے۔

دوسرا: جی!

پہلا: ایک تو حادثے سے بچاؤ ہوتا ہے دوسرے ٹھٹھیر بھی اس میں کم لگتی ہے۔

دوسرا: یہ تو آپ نے خوب بات کہی۔ چھتری کے اس فائدے پر تو شاید کسی نے غور ہی نہیں کیا آج تک!

پہلا: ارے صاحب! چھتری صرف دھوپ اور بارش ہی سے آپ کا بچاؤ نہیں کرتی۔ اس کے فائدے اگر میں گنوانا شروع کر دوں تو آپ حیران رہ جائیں گے۔

دوسرا: اچھا!

پہلا: جی! لوگ سمجھتے ہیں چھتری برسات میں صرف بارش سے بچاؤ کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ لیکن سوچئے، آپ کہیں میدان میں چلے جا رہے ہیں اور اکدم اولے پڑنے شروع ہو جائیں تو آپ کا کیا حشر ہوگا۔ خاص طور پر مجھ جیسے تالو چٹ آدمی کا جو بالکل ہی فارغ البال ہے۔

دوسرا: (ہنس کر) جی! .... جی ہاں .... جی ہاں

پہلا: تو چھتری بارش ہی نہیں اولوں سے بھی آپ کی حفاظت کرتی ہے۔ پھر اب دیکھئے! ہم اور آپ چلے جا رہے ہیں۔ سڑک پر جابجا گڑھے ہیں جن میں پانی ٹھہرا ہوا ہے۔

دوسرا: جی ہاں! شہر کی سڑکوں کا حال تو آپ کو معلوم ہے۔

پہلا: اب فرض کیجئے سامنے سے ایک موٹر کار فراٹے بھرتی ہوئی آتی ہے۔ آپ جانتے ہیں جتنی تیز بارش ہوتی ہے سڑک پر اتنی ہی تیز موٹریں دوڑا کرتی ہیں۔

دوسرا: جی ہاں! بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔

پہلا: اب کوئی تیز گاڑی آپ کے برابر سے اس کیچڑ میں سے گزرے تو آپ کی کیا گت بنے گی؟

دوسرا: کچھ نہ پوچھئے!

پہلا: لیکن اگر آپ کے پاس چھتری ہے تو پھر کسی بات کی فکر نہیں۔ بس چھتری کو ذرا یوں نیچے کر دیجئے۔ ایسے۔
(چھتری کو نیچے کی طرف جھکا کر)
کیچڑ کی ایک چھینٹ تو آپ پر گر جائے۔

دوسرا: واہ صاحب! کیا بات بتائی ہے آپ نے۔

پہلا: آپ بھی دل میں کہتے ہوں گے۔ عجیب آدمی سے پالا پڑا ہے۔ لیکن اب میں چھتری کا ایک اور فائدہ آپ کو بتاتا ہوں۔

دوسرا: جی ہاں! بتائیے! آپ کی گفتگو بڑی دلچسپ ہوتی جا رہی ہے۔

پہلا: (زیر لب ہنسی) ..... آپ چھتری لگائے اطمینان سے سڑک پر چلے جا رہے ہیں ..... اور ... دور سے آپ نے دیکھا کہ آپ کا کوئی دوست یا ..... یا قرض خواہ جس سے آپ بچنا چاہتے ہیں سامنے سے چلا آ رہا ہے۔ تو ایسی صورت میں آپ کیا کریں گے؟

دوسرا: یہ تو ذرا .... مشکل سوال ہے؟

پہلا: جی نہیں! بالکل آسان۔ چھتری کو ذرا یوں ترچھا کیجئے
(چھتری کو ترچھا کرتا ہے)
اور کترا کر اس کی برابر سے نکل گئے۔ اسے خبر تک نہ ہوگی۔

دوسرا: (زور سے ہنس کر) خوب صاحب! خوب! چھتری کا یہ استعمال بڑا دلچسپ ہے۔

پہلا: جی! ..... اور سنئے ... فرض کر لیجئے کہ آپ کوئی بڑے نام نہاد قسم کے یعنی کہ خود ساختہ قسم کے لیڈر ہیں۔ جو اپنے آپ کو قوم کا رہنما سمجھتے ہیں ——
(ایکدم) معاف کیجئے آپ کوئی لیڈر ویڈر تو نہیں

پیں نا؟

دوسرا: نہیں بھائی نہیں! میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔

پہلا: خیر تو ایک بڑے جلسے میں آپ بھاشن دینے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور تھوڑی دیر میں آپ پہ انڈوں، ٹماٹروں اور جوتے چپلوں کی بارش شروع ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں آپ کیا کریں گے بتائیے۔

دوسرا: شرافت کے ساتھ اسٹیج سے نیچے اُتر آئیں گے۔

پہلا: جی نہیں! لیڈر کی یہ شان نہیں۔ اگر اس کے پاس چھتری ہے تو وہ فوراً اپنی چھتری کھول لے گا اور اسی رفتار سے اپنی تقریر جاری رکھے گا۔

دوسرا: (ہنستا ہے)

پہلا: ایک فائدہ ہو تو بتاؤں آپ کو چھتری کا۔ جب چاہو اسے لپیٹ لو چھتری سے چھڑی بن گئی۔ کوئی کتا بلی یا دوسرا جانور آپ کو پریشان نہیں کر سکتا۔ ہاتھ میں چھتری لے کر چلنے میں جو شان ہے اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ آپ کی شخصیت میں بزرگی کی ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے دیکھنے والوں پر رعب پڑتا ہے۔ آپ نے مسٹر چیمبرلین کا نام تو سنا ہوگا۔

دوسرا: جی ہاں! وہی جو انگلستان کے....

پہلا: وزیر اعظم تھے۔ آپ جانتے ہیں وہ اتنے مشہور کیوں ہیں۔ اپنی چھتری کی وجہ سے وہ ہر وقت اپنے ہاتھ میں چھتری رکھا کرتے تھے۔

دوسرا: جی ہاں....

پہلا: چین، جاپان اور ایشیا کے بہت سارے ملکوں میں تو چھتری ملک کے فیشن میں داخل ہے۔ وہاں کی عورتیں رنگ برنگ کی پھولدار نازک نازک چھتریاں لگاتے۔ بازاروں میں اس طرح پھرا کرتی ہیں جیسے باغ میں تتریاں اُڑ رہی ہوں۔

دوسرا: خوب!

پہلا: جی ہاں! اور دنیا کے بعض ملک تو ایک قدم اور آگے نکل گئے ہیں۔ وہاں اس طرح کے ہیٹ پہنے جاتے ہیں جن سے ایک ہی وقت میں ٹوپی اور چھتری دونوں کا کام لیا جاتا ہے۔

دوسرا: واہ! یہ تو اچھی بات بتائی آپ نے۔

پہلا: جی ہاں! اور کہاں تک سناؤں آپ کو چھتری کے فائدے۔ اگر چھتری نہ ہوتی تو ہماری جیب تو خالی نہ ہوتی۔ ملک میں جا بجا سیلاب کے وقت جب لوگ پانی میں گھیر جاتے ہیں تو ہوائی چھتریوں ہی کی مدد سے انھیں کھانے پینے کا سامان پہنچایا جاتا ہے۔

دوسرا: آپ بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔

پہلا: جی شکریہ! لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اس طرح چل رہے ہیں جیسے یہ چھتری بھی میرے ہاتھ میں نہیں کسی حسین جاپانی دوشیزہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس کے قریب آنے سے آپ جھجک رہے ہیں۔

دوسرا: جی... ؟

پہلا: ارے صاحب! میرے قریب رہیئے نا! آپ بھیگے جا رہے ہیں۔

دوسرا: شکریہ! شکریہ! آپ بڑے مزے کی باتیں کرتے ہیں۔ چھتری کے استعمال اور اس کے فائدے کے بارے میں تو آپ کی معلومات کا ٹھکانہ ہی نہیں۔ سگریٹ پیئں گے آپ؟

پہلا: نہیں بھائی شکریہ! میں سگریٹ نہیں پیتا لیکن

آپ سگریٹ سلگانے سے پہلے یہ کیجئے کہ میری بائیں
طرف آجائیے۔ سامنے سے موٹر آرہی ہے۔ میں
چھتری ادھر کرلوں گا تاکہ ہم دونوں کیچڑ سے محفوظ
رہیں۔ (موٹر کے زور سے گزرنے کی آواز)

پہلا: دیکھا آپ نے چھتری کس طرح شیلڈ کا کام کرتی ہے۔

دوسرا: آپ بھی کمال کرتے ہیں۔

پہلا: افسوس اس بات کا ہے کہ جس آدمی نے چھتری جیسی
کام کی چیز ایجاد کی۔ ہم اس کا نام تک نہیں جانتے
دیکھنے میں یہ معمولی سی چیز نظر آتی ہے۔ مگر اس کا درجہ
دنیا کی کسی بڑی سے بڑی ایجاد سے کم نہیں۔

دوسرا: آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔

پہلا: یہ لیجئے صاحب! چوراہا آگیا۔ آپ کو کدھر جانا ہے

دوسرا: جی! بس مجھے یہیں مارکٹ تک جانا ہے۔ میں چلتا ہوں۔
بہت بہت شکریہ۔

پہلا: شکریہ کس بات کا؟

دوسرا: آپ نے بارش سے بچایا اور پھر چھتری کے بارے
میں ایسی مزے دار اور کام کی باتیں بتائیں۔

پہلا: میں نے آپ کو چند ہی باتیں بتائی ہیں۔ ان کے علاوہ
بھی چھتری کے اور کئی فائدے ہیں۔ جو آپ کو بعد میں
معلوم ہوں گے۔

دوسرا: یقیناً! یقیناً۔ میں آج پہلا کام یہ کروں گا کہ ایک
چھتری خریدوں گا۔

پہلا: ضرور خرید لیجئے ... یہ آپ کو آئندہ ہر بلا سے
محفوظ رکھے گی۔ اور اگر آپ چاہیں تو اس کے ذریعے
سے آپ کو بھی تھوڑا بہت خدمتِ خلق کا موقع ملے
گا۔

دوسرا: جی ہاں! اچھا شکریہ! خدا حافظ۔

پہلا: خدا حافظ! (ساز)

دکاندار: بابوجی! آپ تو جانتے ہیں آج کل ہر چیز کے دام
چڑھے ہوئے ہیں۔ پھر اس کا کپڑا بھی تو دیکھئے!
اس کوالٹی کی چھتری آپ کو بازار میں ساٹھ روپے
سے کم میں نہیں ملے گی۔

دوسرا: خیر اب چالیس لگا لیں!

دکاندار: اچھا! پینتالیس دیدیجئے۔ اس سے کم نہیں ہو سکے
کہئے باندھ دوں۔

دوسرا: اچھا باندھ دو۔ نہیں یوں ہی دے دو۔

دکاندار: یہ لیجئے بابوجی!

دوسرا: ..... میں ..... (گھبراہٹ اور پریشانی کے
ساتھ) میرا پرس .....
میرا پرس کہاں گیا .....

دکاندار: کیا ہوا بابوجی!؟

دوسرا: میرا پرس ..... میرا پرس جاتا رہا .....
کس نے میرا پرس .....
اوہ! چھتری .....

دکاندار: چھتری!

دوسرا: وہ چھتری والا ..... بدمعاش .....
میرا پرس لے اڑا ..... میں لٹ گیا .....
کہتا تھا چھتری کے اور کئی فائدے ہیں جو آپ کو
بعد میں معلوم ہوں گے ..... کمینہ کہیں کا .....
(آخری الفاظ ..... بجلی کی
زور دار کڑک میں ضم ہو جائیں۔
بجلی کی گرج دیر تک سنائی
دیتی رہے)



بھارت چند کھنہ

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

(بیک گراؤنڈ میں — پیالیوں کی کھنکھناہٹ۔ ملی جلی گفتگو۔ ہنسی اور قہقہے۔ ہلکی ہلکی موسیقی)

[ایک جلسہ کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ کرسیاں میزیں سجائی ہوئی ہیں۔ لوگ آ رہے ہیں]

ایک آواز: "آئیے! ادھر تشریف لائیے! نارائن سوامی صاحب آداب عرض۔ اس میز پہ ایک جگہ خالی ہے۔"

نارائن سوامی: شکریہ دوستو۔ ہلو ایرانی۔ کرمانی۔ اشوک۔ مجید آپ سب تو موجود ہیں

ایرانی: "جی ہاں ہم سب موجود ہیں۔ جہاں ستیش صاحب کے اعزاز میں کوئی تقریب ہو وہاں خاکسار ایرانی کی موجودگی ضروری ہے۔ کیوں اشوک؟"

اشوک: ہم کو ستیش پر ناز ہے۔ کیوں کرمانی صاحب آپ کا کیا خیال ہے؟"

کرمانی: بجا ارشاد فرمایا اشوک صاحب۔ ہم سب ٹیم کے کھلاڑی ہیں اور اپنے ایک ساتھی ستیش کے کارناموں پر ہمیں خوشی ہونی ہی چاہیئے۔ میرا خیال ہے کہ امجد مجھ سے اتفاق فرمائیں گے۔

امجد: کیوں نہیں! کیوں نہیں!! امجد صاحب مزید اتفاق فرماتے ہیں اور خیال ظاہر فرمانے کی جسارت کرتے ہیں کہ ان کے اعلیٰ کھیل کے علاوہ ستیش صاحب کی حلیمی اور انکساری، ان کی خاموشی اور خاکساری ایسے جوہر ہیں جو دل میں گھر کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

ایرانی: "نارائن سوامی صاحب آپ ذرا دیر سے پہنچے اس لئے ذرا جلدی جلدی چائے نوش فرما لیجئے کیونکہ کلب کے صدر صاحب تقریر کرنے کے لئے تیار نظر آ رہے ہیں۔

نارائن سوامی: آپ کے مشورے کا شکریہ۔ ذرا وہ رس گلے اور کری پفس ادھر سرکانا بھائی اشوک۔ شکریہ شکریہ واہ کیا خوب رس گلے ہیں۔ اور یہ کری پفس بھی خوب خستہ ہیں۔ کیوں امجد صاحب؟"

امجد: جی بڑے ہی خستہ ہیں۔ آپ ہاتھ بڑھائیے اور تیز تیز اسکور کیجئے۔

نارائن سوامی: یقیناً اسکور کروں گا اور نہایت تیزی سے کیونکہ یہی تو میرا میدان ہے اور میدان بھی ایسا کہ جہاں

میرے جیسے کھلاڑی کا فوراً ہی خارج ہوجانا محال ہے۔ ارے یہ سینڈوچ بھی بہت لذیذ ہیں
لو بھئی ایرانی ایک اور تو لو۔"

ایرانی؛ "شکریہ۔ اسکور کرنے کے لئے مجھے بھی ٹیبل کا میدان ہی زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے ورنہ کرکٹ کے میدان میں تو میری قسمت میں صفر ہی صفر لکھے ہیں۔

کرمانی؛ یار ایرانی۔ ذرا اور مشق کی ضرورت ہے، پھر تم بھی اسکور کرنے لگو گے۔ دل چھوٹا نہ کرو۔

ایرانی؛ "یار دل تو چھوٹا نہیں کرتا مگر اسکور بڑے چھوٹے ہو رہے ہیں۔ پچھلے تین کھیلوں سے مسلسل صفر سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ نہ معلوم میری تقدیر کب جاگے گی۔

امجد؛ جاگ اٹھے گی پیارے بالکل اسی طرح جس طرح اس وقت نارائن سوامی صاحب کی بھوک جاگ اٹھی ہے (قہقہے) یہ کرکٹ بھی ایک کڑی آزمائش کا کھیل ہے۔

اشوک؛ لو بھئی صدر صاحب تقریر کے لئے کھڑے ہو رہے ہیں۔ اب خاموشی سے سنیئے۔"

نارائن سوامی؛ میں خاموشی سے کھاتا جاتا ہوں، بالکل آواز نہیں کروں گا مگر کان سننے کے لئے کھلے رکھوں گا۔

کرمانی؛ یہ محض اس لئے کہ کان کھانے کے لئے استعمال نہیں کئے جا سکتے۔ بھائی نارائن سوامی تم واقعی اس کھانے کے میدان کے نہایت اعلیٰ پایہ کے کھلاڑی ہو گئے جاؤ اسکور میرے دوست ابھی میز پہ بہت کچھ باقی ہے۔

اشوک؛ "لو بھئی اب سنو صاحب صدر کی تقریر۔"

(میز پہ مسلسل ہاتھ مارنے کی آوازیں۔ جس کے بعد ہنسی اور گفتگو بند ہو جائے)

صدر صاحب؛ حاضرین! آج شام ہم یہاں اس لئے جمع ہوئے ہیں کہ ہمارے نہایت ہر دلعزیز اور پرانے رکن کلب سری ستیش چندر کو ان کے حیرت انگیز کھیل پہ مبارکباد دیں جو انھوں نے پچھلے ہفتہ شہر کی سب سے اعلیٰ ٹیم کے خلاف ٹورنمنٹ کے فائنل میں کھیلا تھا۔ اس کھیل کا حال تو آپ سب حضرات اخباروں میں پڑھ چکے ہوں گے۔ آپ میں سے بہتوں نے یہ کھیل دیکھا بھی ہوگا مگر جنھوں نے یہ کھیل نہیں دیکھا وہ زندگی میں یقیناً کچھ کھو بیٹھے ہیں۔ کھیل کے اہم واقعات یہ ہیں کہ مخالف ٹیم نے صرف (۱۰۰) دوڑیں بنائی تھیں اور ستیش صاحب نے اپنی نہایت نپی تلی بولنگ سے (۵) کھلاڑی صرف (۲۰) دوڑیں دے کر خارج کئے تھے۔ یہ بولنگ کا ایک شاندار کارنامہ تھا۔ مگر کھیل کا سب سے درخشاں دور ابھی آنا باقی تھا۔!

"جب ہماری ٹیم کھیلنے لگی تو ستیش صاحب پہلی وکٹ گرنے پر کھیلنے گئے اور اس سے پہلے کہ کھلاڑی پہچان سکیں، دوسری طرف سے کھٹا کھٹ (۸) وکٹ آناً فاناً گر گئے۔ اسکور بورڈ بتلا رہا تھا کہ ہماری ٹیم کے آٹھ کھلاڑی آؤٹ ہو چکے تھے اور اسکور صرف بیس (۲۰)۔ غرض دو کھلاڑی ابھی باقی تھے اور (۸۱) دوڑیں (اسکور برابر کرنے کے لئے) بنانی تھیں۔ کچھ اس طرح کے خطرناک ماحول سے ستیش صاحب دوچار تھے۔ صورت حال مخدوش تھی۔ اب ستیش صاحب نے احتیاط کو بالائے طاق رکھ دیا اور دونوں طرف سے کھیلنے کی کوشش میں منہمک ہو گئے اور بولرز کے خلاف ایسا دھاوا بول دیا کہ سوائے چوکوں کے

آخری اوور کے ہر گیند پر چوکے اور چھکے لگنے لگے ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہی بولر جو کچھ دیر پہلے شیر بن گئے تھے محض طفل مکتب ہیں۔ غرض پون گھنٹہ میں ستیش صاحب نے ایک سو تیس (۱۳۰) دوڑیں بنالیں۔ اس دوران میں ان کا ساتھی صرف (۷) دوڑیں بنا سکا تھا۔ صرف (۴۵) منٹ میں کایا پلٹ ہوگئی، کھیل کا نقشہ بدل گیا اور ہماری ٹیم دو وکٹ سے مقابلہ جیت گئی۔

(تالیاں)

کرکٹ کے کھیل میں بڑے بڑے اسکور ہوئے ہیں اور بہت سے کھلاڑیوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں مگر کلب کرکٹ میں ستیش صاحب کا یہ درخشاں کارنامہ آسانی سے نہیں بھلایا جا سکے گا۔

(تالیاں)

ان کا کھیل ایک خوبصورت کرشمہ تھا جس کی یاد گلاب کے پھولوں کی تازگی اور شگفتگی کی یاد دلاتی ہے۔ ان کا فٹ ورک کسی ماہر رقاصہ کے پیروں کی طرح تھا۔ کہ اسمیں بجلیاں بھری ہوئی تھیں۔ ان کے فلک شگاف چھکے انکے برق رفتار چوکے، ان کی ہٹیں جو شعلہ بن کر اٹھیں اور طوفان کی طرح اڑتی چلی گئیں.....

(تالیاں)

ان کا یہ کارنامہ اور بھی زیادہ قابل قدر اس لئے بھی ہے کہ ستیش صاحب نوجوانی اور جوانی کے مدارج طے کر چکے ہیں اور پختہ سالی کی منزل پر پہنچ چکے ہیں اور ملازمت کی مصروفیات کی وجہ سے مشق نہیں کر پاتے اس لئے ان کا کارنامہ نہ صرف ان کی جرأت اور حوصلہ اور ان کے عمدہ تکنیک کا ثبوت ہے بلکہ ان کی جسمانی تندرستی کا بھی پورا پورا شاہد ہے....

(تالیاں)

اس ٹورنمنٹ میں ایسا شاندار اور بے پناہ کھیل کھیلنے کی خوشی میں مجھے اس بات کا فخر ہے کہ کلب کے صدر ہونے کی حیثیت سے یہ طلائی تمغہ جو خاص اس موقعہ کے لئے تیار کرایا گیا ہے انکو پیش کرنے کی عزت حاصل کر رہا ہوں۔

(تالیاں)

"ستیش صاحب تشریف لائے...."

(ستیش آتے ہیں)

ستیش: بہت بہت شکریہ صدر صاحب "

(تالیاں)

حاضرین کی آوازیں۔ ستیش صاحب کچھ فرمائیں!
"ستیش صاحب بھی تقریر کریں!! ہاں!! ہاں!!
ستیش صاحب۔!!!

صدر صاحب: آیئے ستیش صاحب۔ ایسے کھیل کے بعد آپ کو بولنا ہی ہوگا۔

ستیش: جی...... اس کی کیا ضرورت تھی.... مگر

(نعرے۔ ہاں ستیش صاحب۔ ستیش صاحب

تالیاں)

ستیش، محترم صدر صاحب۔ ٹیم کے ساتھیو اور حاضرین!
آج میری جو حوصلہ افزائی کی گئی ہے میں اس لئے بیحد مشکور ہوں۔ مجھے بے حد خوشی اس بات کی ہے کہ ٹورنمنٹ کے نہایت کڑے مقابلے میں ہماری ٹیم نے کامیابی حاصل ہوئی اور اس کامیابی کے لئے ٹیم کے سب کھلاڑی قابل مبارکباد ہیں.....

(تالیاں)

"اس کامیابی میں تھوڑا بہت ہاتھ میں نے بھی بٹایا"
یہ میری خوش قسمتی ہے۔ کرکٹ کو بعض مرتبہ اتفاقات
کا کھیل کہا جاتا ہے۔ اور یہ محض اتفاق ہی تو تھا کہ جب
ٹیم کے سب نوجوان اور اچھے کھلاڑی آوٹ ہوگئے
وہاں میرے جیسا معمولی کھلاڑی ٹِک گیا۔ اور اس کے
بعد جو کچھ ہوا وہ ایک فلوک تھا، ایک طویل و بسیط
و عجیب و غریب فلوک.....

(صدائیں۔ نہیں نہیں۔ وہ فلوک نہیں تھا...
یہ آپ کی انکساری ہے)

.... بہرحال ایک چیز جو میں کہنے کی جسارت کرنا
چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ کرکٹ بچوں کا کھیل نہیں
— میرا مطلب یہ نہیں کہ اسے صرف بوڑھے ہی
کھیلیں۔ (قہقہے)

..... بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ کوئی آسان کھیل نہیں
بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ یہ بڑا مشکل کھیل ہے اور اچھا
کھیلنے کے لئے اس کی دھن میں کھو جانے کی ضرورت
ہے۔ اس لئے اُن نوجوانوں سے جن کو اس کھیل کا شوق
ہے۔ میں درخواست کروں گا کہ مسلسل مشق کریں۔ اس
کے گُر اچھے کھلاڑیوں سے سیکھیں اور دوسرے شوق
اور مصروفیات کو علٰحدہ رکھتے ہوئے پوری پوری
کوشش اس کو سیکھنے کی کریں ..... اور پھر یہ
بھی یاد رہے کہ کسی بھی کھیل کے کھیلنے کے لئے سو فیصد
تندرستی لازمی ہے اس لئے کھانے پینے میں اعتدال
برتنا چاہیئے اور اپنی عادات پر قابو رکھنا چاہیئے
صاف ستھری زندگی بسر کرنے سے تندرستی حاصل ہوتی
ہے اور تندرستی ہزار نعمتوں کی حامل ہے.....

(تالیاں)

میں شکریہ ادا کرنے کھڑا ہوا تھا اور نہ معلوم کیا کیا
کہہ گیا۔ اب میں صاحب صدر کا شکریہ پھر ادا کرتا
ہوں کہ انھوں نے اس ناچیز کی حوصلہ افزائی کی،
یہ تمغہ جو مجھے اس موقعہ پر عطا فرمایا گیا ہے۔ اُسے دیکھ
کر مجھے یقین ہے کہ مجھ سے میری بیوی بچے بہت خوش ہونگے
میں ان کی طرف سے بھی آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں
اور اپنی تقریر کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ
کرکٹ زندہ باد
تالیاں — مسلسل تالیاں

—..............

[ستیش موٹر میں گھر پہنچتا ہے۔ گیٹ کھول کر موٹر
اندر لے جاتا ہے۔ گیٹ بند کرتا اور دروازہ
کھٹکھٹاتا ہے]

ستیش: "ارے بھئی دروازہ کھولو۔ میں ہوں [زیرِ لب]
اور بہت تھکا ماندہ، جسم کچھ اکڑ سا گیا ہے، اب ذرا
گرم پانی سے نہاؤں تب ہی چین آئے گا"....
زور سے "ارے بھئی دروازہ کھولو.... دھپ
دھپ۔ دھپ
(کواڑ کھلنے کی آواز)

مسز ستیش: کیوں دروازہ توڑ رہے ہیں۔ دیر سے آئے ہیں،
اس لئے دھاکہ بنا رہے ہیں کیا؟"

ستیش: بیوی۔ میں آج بہت تھک گیا ہوں۔ انگ انگ
دکھ رہا ہے — جانتی ہو آج .... ؟

بیوی: "جانتی ہوں — خوب جانتی ہوں کہ آج آپ
صبح نو بجے ہی گھر سے نکل گئے تھے اور جب آوارہ
گردی سے فرصت ملی تو گھر یاد آیا — دھوبی کا
کتا بھی کبھی کبھار گھر پہنچ ہی جاتا ہے!

ستیش : "یہ تم کیا کہہ رہی ہو — میں تو ....

بیوی : ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں کہ دن چڑھے ہونے والی آوارہ گردی بالآخر جب تاروں کی چھاؤں تلے ختم ہوئی تو صاحب بہادر کو گھر کی سوجھی ؟"

ستیش : میں نے سوچا تھا کہ . . . "

بیوی : بلّی کے خواب میں چھیچھڑے ہی چھیچھڑے — آخر کیا سوچا تھا ، آپ نے ؟ یہی کہ جب آپ دن بھر جھک مار کر ، ہنس کھیل کر ، غل غپاڑہ مچا کر ہی ہی ہو ہو کر کے گھر پدھاریں گے تو میں پھولوں کا ہار لے کر کسی لیڈر کی گلپوشی کرنے کے انداز میں آپ کے سامنے نہایت ادب سے حاضر ہو کر آپ کے بار سیوکار کرنے کے لئے سر جھکانے کی منتظر نظر آؤں گی ۔

کیا خوب سوچا تھا آپ نے !!!

ستیش : اب میں کیا کہوں ...... ؟

بیوی : آپ کہہ ہی کیا سکتے ہیں ؟ آپ کہیں گھر میں رہے ہیں تو کچھ کہہ سکیں ۔ ہفتہ میں چھ دن دفتر کا بہانہ اور ساتویں دن کرکٹ کی بیماری لگ جاتی ہے ۔ گھر بار جائے ، چولہے میں آپ کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی ! جب رات ہونے پر گھر آئیں تو کس حالت میں ؟ کبھی صاحب بہادر کا انگوٹھا زخمی ہے تو کبھی پیر موچ کھا گیا ہے ، کبھی کمر میں درد ہے تو کبھی پنڈلیاں سوج گئی ہیں اور پھر یہ خادمہ آپ کی مرہم پٹی کرے ۔ ایمبرو کیشن ملے ، گرم پانی کی تھیلی سے سینک دے تاکہ حضور کو نیند آجائے ۔

ستیش : بیوی آج تم بلا وجہ لال پیلی ہو رہی ہو ۔ میرا خیال تھا کہ آج تم خوش ہو گی یہ سن کر کہ ......

بیوی : میں کچھ سننا نہیں چاہتی ۔ گھر میں دیوانوں کی طرح پڑی رہنے والی ، کوئی باہر کے کارنامے خدا را نہ سنائیے ۔ برداشت نہ ہوگا مجھ سے ۔ میرے سینے میں ایک طوفان اٹھ رہا ہے !

ستیش : بیوی ! آج تو تم بھک سے اڑ جانے والا مادہ بنی بیٹھی ہو ؟ خیر تو ہے — اور اگر اجازت ہو تو میں بیٹھ جاؤں ، تھک گیا ہوں ۔"

بیوی : پدھاریئے مہاراج ۔ آپ بہت تھکے ہوئے ہیں اس لئے کہ صبح سے شام تک کھیل کی تفریح میں مشغول تھے — اور میں تو شاید کسی مہارانی کی طرح چھپرکھٹ کے منڈوے تلے گاؤ تکئے لگائے بیٹھی تھی ۔ !"

ستیش : بیوی پرماتما کے لئے اپنے غصہ کے سیلاب کو ذرا روکو — اس بے پناہ حملے کو ذرا تھامو ۔ آخر کچھ بتلاؤ تو سہی کہ ہوا کیا ہے ؟

بیوی : بس چڑھ گیا غصہ ، آگیا تاؤ ! سچ ہے کہ سچی بات کڑوی ہی لگتی ہے میری شکایت یہی ہے کہ آپ گھر میں ٹکیں تو پتہ لگے کہ کیا ہوا ہے اور اس گھر میں کیا ہوتا ہے ..... "

ستیش : آخر کیا ہوتا ہے اس گھر میں ؟ یہ بھی ایک عام انسان کا گھر ہے اور میرے خیال میں ، میں ایک عام قسم کا شریف سا انسان ہوں .....

بیوی : بہت خوب ! ذرا منہ کھولنے کا موقعہ ملا تو شروع اپنی تعریف ۔ بڑے شریف انسان ہیں ! بڑے عام قسم کے انسان جو خاص قسم کھا چکے ہیں کہ گھر بار کے فرائض سے بالکل بے بہرہ رہیں گے ۔ بس تنخواہ لاکر جھولی میں ڈالی اور ہو گئے سب فرض پورے ۔ گھر کا خرچ کس طرح چل رہا ہے اس کی آپ کو سدھ بدھ ہے نہ پرواہ !

ستیش : چلو ، کم از کم ایک بات تو ثابت ہو گئی کہ میں ساری

تنخواہ مہینے کی پہلی تاریخ کو لا کر آپ کے قدموں میں رکھ دیتا ہوں اور .....

بیوی: ...... اور میرے لئے کانٹوں کی سیج بچھ جاتی ہے! آپ کی ساری تنخواہ اپنی یکسانیت قائم رکھتی ہے مگر قیمتوں کا بڑھاؤ چڑھاؤ — گرانی کی فراوانی — ان سے نمٹنے کے لئے میں — صرف میں ہی رہ جاتی ہوں۔ کہیں نوکر سے ٹک ٹک۔ کبھی سبزی والے سے جھک جھک۔ کبھی بنئے سے تکرار تو کبھی دودھ والے سے تو تو میں میں .... صبح سے شام ان ہی جھمیلوں میں ہو جاتی ہے۔ سر پتھر سا بن جاتا ہے آنکھوں تلے اندھیرا چھانے لگتا ہے.....

ستیش: .... اسی لئے تو میں کبھی کبھی آپ سے کہتا ہوں کہ کم بولا کرو اور جب بولنے کی ضرورت محسوس ہو تو آہستہ بولا کرو ..... آپ تو بعض مرتبہ اس طرح بولتی ہیں جس طرح کوئی امیدوار الیکشن میں ووٹ حاصل کرنے کے لئے اپنی پوشیدہ خوبیوں کا ڈنکا گلا پھاڑ پھاڑ کر بجا رہا ہو۔ یا پھر کوئی پھیری والا "چنا جور گرم" کی گرمائی کو محض اپنی آواز کے زور سے ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہو....."

بیوی: (آواز بتدریج اونچی کرتے ہوئے) ہو گیا شروع درس اب تھوڑی دیر میں آپ ارسطو اور سقراط کا بھی ذکر فرمائیں گے۔ گاندھی جی کے اصولوں کا حوالہ دیں گے اور پنچ شیل کا تذکرہ کریں گے حالانکہ بحث اس بات کی ہو رہی تھی کہ آپ نے گھر کو ہوٹل سمجھ رکھا ہے۔ صبح ہوئی کہ جوتا پہن کر گھر سے نکل گئے اور جب لوگوں نے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لئے تو پھر گھر کا رخ کیا۔ آخر میں آپ سے پوچھتی ہوں کہ کیا یہی شریف آدمیوں کے ڈھنگ ہیں۔ ممتاز بانو کے شوہر کو دیکھو اپنی بیوی بچوں پر جان چھڑکتے ہیں وقت پر دفتر جاتے ہیں اور کام کر کے سیدھا گھر آتے ہیں۔ پھر مسٹر نائیڈو ہیں کہ ہر وقت کام میں ہاتھ بٹانے کے لئے گھر میں موجود۔ کرتار سنگھ صاحب اوتار کرشن، مسٹر داتار سب کے سب دفتر کا کام بھی کرتے ہیں اور گھر بار کے کام بھی۔ کیا آپ ہی کو انوکھی نوکری ملی ہے کہ مرغ کے بانگ دیتے ہی گھر سے نکل جاؤ اور آؤ اس وقت جب چراغ خاموش ہو جائیں......

ستیش: "بیوی اب پرماتما کے لئے اس بحث کو ختم....

بیوی: .... ختم کر دوں بحث کو؟ — یعنی آپ کو اپنی ذمہ داریوں کے متعلق کچھ نہ کہوں؟ آپ کو کچھ معلوم بھی ہے؟ جانتے ہیں آپ چھوٹی بچی کو نزلہ ہے — اس سے بڑی کا گلا خراب ہے، اس سے بڑی نے بلیڈ سے انگلی کاٹ لی ہے۔ اس سے بڑا پڑھائی میں بالکل توجہ نہیں دیتا اور اس سے بڑا اپنی سب کتابیں کھو بیٹھا ہے — اور اس سے بڑی یعنی سب چھوٹے بڑوں سے بڑی — اب بڑی ہو گئی ہے! آپ کو اپنی رنگ رلیوں سے فرصت کہاں کہ کچھ معلوم ہو۔ خود میرا حال دیکھو! قبض دائمی ہو گیا ہے کوئی دوائی اثر نہیں کرتی، ہاتھ پاؤں بیٹھے بیٹھے سن ہو جاتے ہیں۔ دماغ میں چکر آنے لگتا ہے، کمر میں درد رہتا ہے.......

(اس دوران چھوٹے چھوٹوں میں سے دو یکلخت کمرے میں داخل ہوتے ہیں)

چھوٹی: ممی ممی! مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

چھوٹا: ہاں ممی مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے، بیٹا چلو اٹھو کھانا کھائیں
ستیش: بیٹا ذرا ٹھہرو، ابھی کھانا کھاتے ہیں۔ پہلے مجھے پیٹ بھر کر
ممی کی گالیاں کھا لینے دو......

بیوی: چلو جاؤ اپنے کمرے میں جاکر پڑھو۔
چھوٹی: لیکن ممی بھوک، مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔
چھوٹا: ہاں۔ہاں۔ ممی۔ بھوک۔ بھوک۔ بھوک۔
بیوی: نہیں ابھی نہیں— چلو اپنے کمرے میں.......

(وقفہ)

... نہ معلوم ان بچوں کے پیٹ
میں کونسے جن سما گئے ہیں کہ انکا پیٹ کبھی نہیں بھرتا۔ جب دیکھو
بھوک، بھوک کرتے ہیں۔

ستیش: ٹھیک ہی تو کہتے ہیں، بیوی! بھوک ہی تو اس ساری کشمکش حیات کا راز ہے۔ اس بھوک کو مٹانے کے لئے میرے ابا کام کرتے تھے اور ان کے والد بھی اسی مرض کا شکار تھے۔ میں بھی اسی علت میں مبتلا ہوں۔ اس بھوک کو مٹانے کے لئے ہی تو کام کرتا ہوں، اوپر والوں کے احکام اور نیچے والوں کی شکایتوں کے درمیان پس چکا ہوں.........

بیوی: چلو صاحب مُڑ تُڑ کر پھر اپنے اپنا ہی نقارہ پیٹنا شروع کیا کہ آپ روزی کماتے ہیں۔ جی ہاں۔ مان لیا تسلیم کیا کہ آپ روزی کماتے ہیں مگر اس میں کونسی بڑی بات ہے مگر آپ ملازمت کر رہے ہیں تو کونسا بڑا تیر مار رہے ہیں، سب ہی گھروں کے مرد کام کرتے ہیں..... سب ہی روزی کماتے ہیں۔ جنگلوں میں رہنے والے جنگلی مرد بھی روزی کی تلاش اور اپنی عورت اور بچوں کی حفاظت کے لئے جان دھڑ کی بازی لگا دیتے تھے۔ پتھر اور دھات کے زمانے کے مردوں کا بھی یہی شیوہ تھا۔ موجودہ زمانے کے شوہر بھی اسی فریضہ کے پابند ہیں غرض کہ جب سے آدم کی ملاقات حوّا سے ہوئی.....

ستیش: ... نہ معلوم بیوی کونسی منحوس گھڑی تھی وہ!

بیوی: (جوش سے) وہ گھڑی تو ہرگز منحوس نہ تھی جب آدم اور حوّا کی ملاقات ہوئی تھی مگر یقیناً وہ گھڑی میرے لئے منحوس ثابت ہوئی ہے جب آپ کے پلے پڑ گئی تھی— ہائے ری قسمت! شوہر ملا تو ایسا بیدرد ظالم اور سفاک کہ ستم ڈھائے مگر اُف تک نہ کرنے دے!! آخر محلہ میں اور بھی تو عورتیں ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے راج کرتی ہیں۔ درُوپدی کا خاوند مفتل داس خود چینی کے برتن صاف کرتا ہے۔ ترلوچن داس بانا رے دو وقت سبزی لاتا ہے۔ منظور حسین بیوی اور بچوں کے ریشمی کپڑے خود لکس سے دھوتے اور استری کرتے ہیں تاکہ وہ دھوبی کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں۔ دادا چند جی، ڈرائنگ روم میں جھاڑو اور جھاڑوں کو پانی دیتے ہیں۔ سیٹھ صاحب اپنے بچوں اور کتوں کو نہلاتے ہیں۔ شانتا رام اپنے مکان کی سفیدی خود کرتے ہیں اور ایک آپ ہیں کہ کرکٹ کے چھکوں میں خود فراموش ہو چکے ہیں۔ بارہا مجھے جتا چکے کہ دفتر میں بڑے اہم بھاری اور ذمہ دارانہ فرائض انجام دیتے ہیں! آخر جلدی جانے اور دیر سے آنے کے لئے کوئی بہانہ بھی تو چاہیئے ورنہ مجھے معلوم ہے کہ دفتر میں کیا بھاڑ جھونکتے ہیں آپ! بس یہی نا کہ اپنے بڑوں کے سامنے کچھ جی حضور جی حضور کیا، تحت والوں کو ذرا ڈرایا دھمکایا، ساتھیوں کے ساتھ کچھ اناپ شناپ بکا، کچھ چھوٹے موٹے دستخط کئے اور ہو گیا کام!......

ستیش: پرماتما کے لئے زبان کو لگام دو بیوی! میرے کام کے متعلق جو نظریہ تم نے قائم کر رکھا ہے، اس کو

بھنک بھی اگر فینانس کے محکمے کے کسی عہدہ دار کے کان
میں پڑ گئی تو پھر میری جگہ تخفیف اور میں ملازمت سے
علیحدہ کردیا جاؤں گا ۔۔۔ بیوی مجھ پر احسان کرو
اپنے بچوں ہی کی خاطر ایسے خیالات کا ڈھنڈورہ مت پیٹو
بس اب چپ ہو جاؤ ۔۔۔۔۔

بیوی : چپ ہو جاؤ ! چپ ہو جاؤ !! چپ ہو جاؤ !!!
آخر میں کب تک چپ سادھے بیٹھی رہوں ۔ صبح
سے شام تک میں آپ کے ساتھ ماری ماری تو نہیں
پھرتی ۔۔۔ آپ کی حد تک تو چپ ہی رہتی ہوں
اگر میں چپ رہنے والی نہ ہوتی تو میرا اس گھر
میں گزارا ہی کیسے ہوتا ؟ آپ اگر اور مردوں کی طرح
میرا ہاتھ بٹانے والے ہوتے تو شکایت ہی کیا تھی ۔
جب تنگ آجاتی ہوں تو مجبور ہو کر زبان ہلاتی ہوں ۔
کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے بولنے کا شوق ہے جو بن
بلائے اور بلا وجہ بولتی چلی جاؤں ۔ پرماتما ! تو ہی
انصاف کر کہ اس گھر میں کون بولتا ہے اور کون
بے زبان ہے ۔ کون سارا دن گھر سے اُڑا آتا ہے اور
کون چپکے چپکے روتا ہے ؟

ستیش : بیوی ، پرماتما کے لئے ، میں ہاتھ جوڑتا ہوں ۔۔۔۔۔

بیوی : اچھی بات ہے ۔ میں خاموش ہو جاتی ہوں ۔ اب دلی
زبان سے بھی اپنے دکھ درد کا ذکر آپ سے نہیں کروں گی
خاموش ہو جاؤں گی ۔ بالکل خاموش اور خاموش بھی ایسی
کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جاؤں گی ۔ افیون تو
بازار میں ملتی ہی ہے کل ہی کھا کر اس روز روز
کے جھگڑے کو مٹا دوں گی ۔ میں رہوں گی نہ میری آواز
بس خاموشی ۔ خاموشی کی موت ! "

ستیش : یہ خاموشی کی موت بھلا کیا ہو گی ؟

بیوی : اب میرے پیچھے نہ پڑو ۔ میں دیوانی بننے لگی ہوں ۔۔۔
خاموشی کی موت ۔۔۔ موت کی خاموشی ۔ میری موت !!

ستیش : ساری خاموشیاں ، ساری موتیں اِدھر لائیے ۔۔۔
ان کو میرے حوالہ کر دیجئے کہ میں ان سے نمٹ لوں گا
میری وجہ سے اُلجھنیں ، تکلیفیں ، دیوانہ پن ، خاموشی
موت تو ان سب ہی کو میرے ہی حوالے کیجئے ۔
اس کمبخت ایک آدمی کو جینے کا حق ہی نہیں جو دوسروں
کے اتنے آزار کا باعث ہو !! مرجا بیٹا ستیش مرجا !
البتہ مرنا بعد میں پہلے ایک نیند تو لے لے !
(خوابیدہ سی گنگناہٹ ستیش کی)
مر بھی گئے تو دیں گے دُعائیں
مر بھی گئے تو دیں گے دُعائیں

* * *

(ستیش بے خبر سو رہا ہے اور لمبے لمبے سانس اور کبھی
کبھی کراہتا بھی ہے ۔ بیوی پاس کے پلنگ پر لیٹی سسکیاں
لے رہی ہے اور روہانسی آواز میں)

بیوی : " نہ جانے وہ کیا کہنا چاہتے تھے ؟ ۔۔۔۔ نہ معلوم
کیا بتلانے کی کوشش کر رہے تھے ۔۔۔۔ میں نے
ان کو بولنے کا موقعہ ہی نہیں دیا ۔ یہ میں نے اچھا نہیں
کیا ۔ نہ معلوم اِن گھر کے جھمیلوں میں شام تک مجھے کیا
ہو جاتا ہے کہ سب کا اور سارے دن کا غصہ انھیں پر
اتارنے کی کوشش کرتی ہوں ۔۔۔ اب دیکھنا ۔۔۔
کس طرح پڑ گئے ہیں ۔۔۔ کھانا تک نہیں کھایا ۔۔۔۔

ستیش : (سوتے ہوئے بڑبڑاتا ہے) بات ۔۔۔ نکل ۔۔۔
تو ۔۔۔ ہر ایک ۔۔۔ ہر ایک ۔۔۔ بات ۔۔۔ یہ
رونا ۔۔۔ آیا ۔

بیوی: یقیناً میں نے آج ان کا دل بہت دُکھایا۔ نہ معلوم میرے سر پر کیا بھوت سوار ہوگیا تھا — پر ماتما! — نہ معلوم مجھے یہ کیا ہو جاتا ہے (ستیش کے پاؤں دباتی ہے — کچھ ٹھہرے ٹھہرے لمبے سانس اور پھر ستیش کی آواز — خوابیدہ اور پھر صاف)

ستیش: ارے بیوی تم — اتنی رات گئے — پاؤں دبا رہی ہو پگلی کہیں کی (بیوی کی سسکیاں) ایسا بھی کیا ہوا۔ ارے تم نے تو آنکھیں بھر لی ہیں۔ پگلی کہیں کی۔ میں مرنے تو نہیں چلا تھا تمہارے ہوتے میں مر بھی تو نہیں سکتا۔ جانتی ہو میں کیا چاہتا ہوں۔

بیوی: میری سمجھ پر تو پتھر پڑ گئے ہیں۔

ستیش: تمہارے ہوتے ہوئے موت کے فرشتے بھی میرے نزدیک نہیں بھٹک سکتے۔

بیوی: اب چھوڑ بیٹھے بھی یہ موت کا تذکرہ۔ شام سے یہ ہم پہ سوار ہوگیا ہے۔

ستیش: ٹھیک کہتی ہو تم۔ مگر شرط یہ ہے کہ تم اپنے آنسو پونچھ ڈالو، جب مرنا ہی نہیں تو رونا کیسا۔

بیوی: اچھا بابا! لیکن ایک بات تو رہ گئی۔

ستیش: وہ کیا؟

بیوی: اجی وہی بات جسے کہنے کی کوشش آپ تمام عمر کرتے رہے اور جو کہی نہیں جا سکی۔

ستیش: ارے وہ! — وہ تو — ارے وہ بھی کوئی بات نہیں — بالکل بیکار سی بات!

بیوی: "دیکھئے جی میں بہت دُکھی ہوں اور نہ ستائیے۔"

ستیش: "دیکھو جی۔ ضد نہیں کیا کرتے۔"

بیوی: "بتائیے نا؟"

ستیش: بتا تو دیا کہ وہ کوئی بتلانے کی بات نہیں تھی،

بیوی: "تو نہیں بتائیں گے آپ؟"

ستیش: "ضرور بتاؤں گا — اگر تم پوچھو گی تو بتلانا ہی پڑے گا — مگر فی الحال یہ بتلائے دیتا ہوں کہ اِس وقت اُس بات کا وقت نکل چکا ہے اور گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ بس یہ سمجھ لو کہ وہ بھی موت، مرنے اور خاموشی کے ساتھ ختم ہوگئی۔

بیوی: "تو بدلہ لے رہے ہیں آپ؟"

ستیش: "بدلہ اور تم سے؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ وہ بات دراصل کرکٹ ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک معرکہ کا کھیل ہوا — مگر اور ہاں یہ ساڑی تم نے کیسی پہن رکھی ہے؟ — اس میں تو جگہ جگہ سوراخ پیدا ہوگئے ہیں!"

بیوی: "یہ تو میرے لباس کے VENTILATORS ہیں کہ جسم کو ہوا لگتی رہے"

ستیش: "واہ۔ واہ کیا بات کہی بیوی تم نے مگر نہیں، تم نے یہ حالت کیا بنا رکھی ہے اپنی؟ اور وہ بھی میرے ہوتے میرے جیتے جاگتے!"

بیوی: "مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیجئے — میری فکر نہ کیجئے۔ یہ تو محض اتفاق ہے کہ گھر کے دھندوں میں پڑ کر مجھے کپڑے بدلنے کی فرصت نہیں ملی ورنہ میرے پاس تو بے شمار ساڑیاں ہیں۔

ستیش: نہیں نہیں۔ یہ تو تمہارے کہنے کی بات ہے قصور میرا ہے جو ایک عرصے سے تمہیں بازار نہیں لے گیا۔ اچھا کل چلا چلیں گے۔ اور پھر تمہارے چہرے پر یہ داغ سے کیسے پیدا ہوگئے ہیں؟

بیوی: میرے چہرے پر داغ! کیسے داغ! میرے چہرے پر

کر ان کے کرتب دکھایا کرتا تھا۔

شدہا : کوئی بھی ہو۔ اس کا خاتمہ کر دینا چاہیئے۔

(جھنڈے سے) جم ! مگر وبا تم اس کام کو بخوبی انجام دے سکتے ہو۔

جراثیم : یقیناً .... لیکن .... اُف میرے خدا میں سائنس کی مدد کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا اور سائنس ...

آدمی .... اُف۔

گھوڑا : اللہ کی پناہ۔ اُدھر دیکھو وہ آیا ہے۔

کتا : (جان پہچان کے انداز میں) بھَوں۔ بھَوں۔

مکھیاں : بھاگو مفلس۔

شدہا : خدا بھلا خیر کرے۔

مکھیاں : پر وہ ہے کون ؟

(ایک فرشتہ داخل ہوتا ہے اس کے پورے وجود پر ایک ملکوتی شان ہے۔)

فرشتہ : (مربیانہ انداز میں ہاتھ اوپر اٹھا کر) دوستو تم نے مجھے نہیں پہچانا ـــ

شیر : معاف فرمائیے ہم نے غلطی سے آپ کو آدمی سمجھ لیا تھا۔ کیونکہ اس میں آپ کی بھی تھوڑی سی جھلک تھی۔

فرشتہ : میں آپ کے لئے ایک خوشخبری لایا ہوں

کتا : (رنج و ملال سے) ... کہ آپ کو میرے آقا کا کہیں نشان نہ ملا۔

فرشتہ : اب تک تو نہیں ـــ

(تمام جانور اطمینان کا سانس لیتے ہیں)

مکھیاں : اے مہربان فرشتے۔ ہم آدمی کے بغیر اب بہت بہتر حالت میں ہیں۔

فرشتہ : ہو سکتا ہے ـــ لیکن میں اس کے کرۂ ارض سے مٹ جانے پر افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آج اس کے بغیر

اتنی بڑی دنیا ویران ہے۔ مساجد، مندر، گرجے اور دیگر تمام عبادت گاہیں سنسان ہیں۔ خدا کا نام لینے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ اس کے ہاتھوں کے آرٹ کے خوبصورت نمونے میں نے پوری زمین کا جائزہ لیا۔ زمین کے خزانوں کو اس نے اپنے آرام و آسائش کے لئے کس طرح خوبی کے ساتھ استعمال کیا۔ اس نے شعر و ادب، فلسفے، طب، اور سائنس میں کتنی ترقی کی۔ سائنس میں تو اتنی ترقی کر لی تھی کہ سمندر، ہوا، فضا اور خلاء پر اس کی حکومت تھی ـــ آخر میں اس کے لئے ایک ہی راستہ تھا ـــ نیکی کا راستہ چلے یا فنا ہو جائے۔

جراثیم : لیکن اس نے "فنا" کا راستہ اختیار کیا۔

فرشتہ : افسوس میں نے اس کے مجرمانہ اعمال کی نشانیاں بھی دیکھیں۔ میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے .....

بہرحال آپ سب اطمینان رکھیں۔ اگر کہیں ایک ہوگا بھی تو میں اس کو اپنے ساتھ لے کر چلا جاؤں گا۔

(اپنے سر کو پورے رنج و ملال کے ساتھ جھکا کر) آہ ـــ کرۂ ارض سے آدمی کا وجود ختم ہو گیا۔

دینے مٹانے کا ایک مجرّب نسخہ مجھے بھی یاد ہے۔

ستیش: اچھا۔ تو بتاؤ! تم نے اُسے ابھی تک استعمال کیوں نہیں کیا۔؟

بیوی: اس لئے کہ یہ شہتوت کی چھال سے ذرا مختلف ہے اور میں اسے حاصل نہیں کر سکی۔

ستیش: تو مجھے بتلایا ہوتا۔ میں اسے فراہم کرتا۔ سات سمندر پار کر کے لاتا — وہ ہے کیا؟

بیوی: میکس فیکٹر کی ایک کریم ہے۔ دستور صاحب کی بیوی کو تو آپ نے دیکھا ہی ہوگا۔ وہ استعمال کرتی ہیں۔

ستیش: دستور صاحب کی بیوی کو دیکھا تو ہے مگر یاد نہیں پڑتا اس وقت تو مجھے صرف تم ہی نظر آ رہی ہو۔

بیوی: اور وہ کریم — کیا اس کے لئے مجھے یہ کہنا پڑیگا کہ

"کریما بہ بخشائے برحال ما"

ستیش: کریم تو کل ہی آ جائیگی لیکن تم اب میرے پیر چھوڑ دو آج کی بحث سے اب میرے سر میں درد ہونے لگا ہے۔

بیوی: شروع ہو گیا سر درد؟

ستیش: "جی ہاں شدت سے — اور بیوی؟

بیوی: جی؟

(سڑک پر چلنے والوں کے قدموں کی آوازیں آتی ہیں)

ستیش: رات کے بارہ بج رہے ہیں۔ دوسرا شو سینما کا دیکھ کر لوگ گھر واپس لوٹ رہے ہیں۔ سنتی ہو؟

بیوی: جی!

ستیش: اور آپ نے جی یہ بھی خیال فرمایا ہے کہ ابھی تک بجلی روشن ہے۔

بیوی: جی!

ستیش: جی ہاں — کیا خرچ کم ہو گیا ہے جو آپ نے اس طرح فضول خرچی پہ کمر کس لی ہے۔

بیوی: جی"

ستیش: چلئے، اُٹھئے — اور فوراً بجلی بند کیجئے۔"

بیوی: جی!

[ستیش بجلی کا سوئچ آف کر دیتا ہے]

ستیش: جی۔ اور سر دبایئے

ایک راہرو کا بڑی سُریلی آواز سے گانا —

"جب گلے سے مل گئے سارا گِلہ جاتا رہا۔"

(پردہ) ■■

خواجہ عبدالغفور

اُمیدوار

کردار

مالک کمپنی : ہر پرشاد

سکریٹری : بلی رام

امیدوار ملازمت : رلیش کھنہ ۔ ہنس مکھ سنگھ ۔ جان ڈی موزا
مس رکمنی ۔ حامد مرزا ۔ مس مادھوی

ایک سجا سجایا آفس روم ہرشاد میز پہ ہاتھ رکھے کرسی پر بیٹھے ہیں۔ بلی رام سکریٹری کھڑے ہیں۔

پیش کنندہ : لیجئے آج ہم سیٹھ ہر پرشاد کا تعارف کراتے ہیں۔ انھیں آج کل اپنے کاروبار سے زیادہ دیس سیوا کا شوق چرایا ہے۔ دن رات یہ اسی دُھن میں ہیں کہ دیش ترقی کی راہ پر گامزن رہے اور بھارت واسی خوشحال رہیں روٹی کپڑا تو سستے داموں ملے اور ہر شہری کو رہنے کے لئے ٹھکانا نصیب ہو۔ چنانچہ اسی جذبہ کے تحت کہ وزیر اعظم کے بیس نکاتی پروگرام کو بڑھاوا ملے اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ نوکری اور روزگار میسّر ہو۔ انھوں نے اپنے تحت کئی جائدادیں نکالی ہیں جن کو پُر کرنے کے لئے انھوں نے اشتہار دیا تھا۔ اب ان سے سنئے :

سیٹھ ہرپرشاد : کیوں بلی رام جی! آج کتنے اُمیدوار انٹرویو کے لئے حاضر ہیں ؟

بلی رام : جی ویسے تو ۲۳۲ درخواست گزار تھے۔ ہم نے بہت کچھ کانٹ چھانٹ کرکے ۲۰۰ کو طلب کیا تھا۔ لگتا ہے کہ بہت سوں کو ہمارے خط نہیں ملے۔ ۱۰ نے رپورٹ کیا تھا آج کچھ اُمیدواروں کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ (فہرست پر نظر ڈال کر) تو لیجئے سب سے پہلے رشی کھنہ کو بلاتا ہوں :

[بلی رام اس امیدوار کو پیش کرتے ہیں۔ سیٹھ ہر پرشاد اُن کو اپنی سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرکے مسکرا کر ان کی طرف دیکھتے ہیں اور پوچھتے ہیں]

ہرپرشاد: تو آپ ہیں رمیش کھنہ۔ کس کالج سے کون سا امتحان پاس کیا ہے؟

رمیش کھنہ: (اپنی سیٹ پر کچھ کلبلاتے ہیں۔ سیدھے ہو کر بیٹھتے ہیں۔ ٹائی کی گرہ کو درست کرتے ہیں کچھ بے چین نظر آتے ہیں۔ گلا صاف کرتے ہیں اور جواب دیتے ہیں) سر! میں نے آنند کالج سے بی اے کیا ہے۔ فرسٹ کلاس میں اور بڑی امید لے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔

ہرپرشاد: (کاغذات پر نظر ڈال کر) جی وہ تو میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ نے کالج کی تعلیم کا پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ پورے نو سال کالج میں پڑھے ہیں اور بی اے کا امتحان پاس کرنے کے لئے ۶ سال لگائے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کیس پر بہت توجہ دی ہوگی۔ مگر یہ کیا آپ نے تو تعلیم کے سوا کسی اور میدان میں قدم ہی نہیں رکھا۔

رمیش کھنہ: (امیدوار پھر بے چین دکھائی دیتا ہے۔ کرسی میں آگے پیچھے ہوتا ہے، پسینہ صاف کرتا ہے، کھنکار کر کہتا ہے) جی مجھے پڑھائی سے فرصت ہی نہیں ہوتی تھی۔

ہرپرشاد: بے شک بے شک۔ آپ نے جب چھ سال تک بی اے کے لئے لگاتار محنت کی ہوگی تو آپ کو کسی اور شغل کا خیال ہی نہ آیا ہوگا۔ یہیں بھی تو وہی، محنت و مشقت سے کام کرنے والے عہدیدار کی ضرورت ہے۔ کوئی اور سرٹیفکیٹ ہے آپ کے پاس؟

اُمیدوار: جی ہاں مجھے محنت و مشقت کی بہت عادت ہے۔ میں نے جہاں نوکری کی تھی وہاں پر تغلب و تصرف کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا اور میں نے ۶ مہینے قید با مشقت کی سزا بھگتی ہے اس لئے کڑی سے کڑی محنت کا سخت عادی ہوں۔ (قہقہے)

ہرپرشاد: اچھا تو یہ بات ہے۔ پھر آپ اپنی پہلی نوکری پر واپس نہیں گئے؟

امیدوار: جی گیا تو تھا اور میں نے اپنے باس کو بہت کہا بھی کہ صاحب مجھے جو کچھ چاہیے تھا، موٹر سیکل، فریج، ٹی وی، صوفہ سیٹ وغیرہ میں یہ سب حاصل کر چکا ہوں، میری ضروریات پوری ہو چکی ہیں اب میں ایمانداری سے کام کر سکوں گا ورنہ اب جو نیا امیدوار آپ کے پاس ملازم ہوگا وہ پہلے پہل تو اسی فکر میں لگا رہے گا کہ یہ ساری ضروریات آپ کی کمپنی سے واجبی یا ناواجبی طور پر حاصل کرے اور آپ اس طرح نقصان میں رہیں گے۔ بہتر تو یہ ہے کہ آپ مجھ ہی کو اپنی ملازمت میں رکھیں تاکہ مزید نقصان سے بچے رہیں۔ (قہقہے)

ہرپرشاد: کھنہ صاحب! آپ جا سکتے ہیں۔

اُمیدوار: جی میں بڑی امیدیں لے کر آیا تھا اور آپ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اب میں ایمانداری سے کام کروں گا اس لئے کہ میں اپنی ضروریات تمام حاصل کر چکا ہوں (قہقہے)

بلی رام: چلئے کھنہ صاحب! باہر چلئے۔

[باہر سے مس رکمنی کو لے آتا ہے جو آتے ہی کسی پنجرے سے چھوٹی بلبل [illegible] کرتی ہے، ساڑی کا پلو دانستہ طور پر گر جاتا ہے، حلیہ معقول ہے، سمجھ دار اور ہوشیار لگتی ہے]

ہرپرشاد: مس رکمنی۔ آپ نے تو ایم اے کیا ہے وہ بھی فرسٹ کلاس [illegible]!

رکمنی: جی میں نے ہر نام کالج سے کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میں آپ کی ہر قسم کی سیوا بہت اچھی طرح سے کروں گی۔

ہرپرشاد: جی کیوں نہیں ضرور ہمیں ایسے عہدیدار کی ضرورت ہے جو سمجھ دار ہو جس کی انگریزی اچھی ہو اور لائق بھی ہو۔

رکمنی: جی صاحب میں آپ کے معیار پر ضرور پوری اتروں گی۔ اس لئے کہ میں نے بہت سارے پزل، کراس ورڈ اور معمے حل کر کے رقمی انعام جیتے ہیں۔

ہرپرشاد: (کچھ منہ بنا کر اور بلی رام کی طرف دیکھ کر) ہمیں ایسے افسر کی ضرورت ہے جو اوقات دفتر میں اور آفس میں اپنی ذہانت اور عقلمندی سے کام لے۔

رکمنی: (سادگی سے) میں یہی تو عرض کر رہی ہوں کہ یہ معمے اور کراس ورڈ پزل میں نے دفتر میں حل کئے اور انعام حاصل کئے ہیں۔

ہرپرشاد: آپ اگر دفتر میں اس طرح وقت ضائع کرتی ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کوئی ذمہ دار کام انجام نہیں دے سکیں گی۔

رکمنی: ایسی بات تو نہیں۔ میں جس آفس میں کام کرتی تھی وہاں پر میں ہی تو ذمہ دار کہلاتی تھی اور ساری ذمہ داری مجھ ہی کو سونپی جاتی تھی۔

ہرپرشاد: دفتر میں کس کام پہ مامور تھیں اور کس بات کی انچارج تھیں۔

رکمنی: جی میں ذمہ دار تو کسی خاص سکشن کی نہ تھی لیکن جہاں کہیں گڑبڑ ہوتی اور کام خراب ہوتے تو مجھ ہی پر ساری ذمہ داری ڈالی جاتی تھی۔

ہرپرشاد: (بلرام سے مخاطب ہوکر، کڑوے منہ سے) دوسرے امیدوار کو حاضر کیجئے۔

[بلرام جان ڈی سوزا کو حاضر کرتے ہیں اور کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہیں]

ہرپرشاد: MR. D'SOUZA HAVE A CHAIR.

ڈی سوزا: (کرسی پکڑ کر گھگیاتے ہوئے) جی میں نے کرسی لے لی ہے سر، اب میں بیٹھ جاؤں۔

ہرپرشاد: ہاں تشریف رکھئے۔ آپ کے سارے سرٹیفکیٹ اچھے ہیں مگر یہ دو تین عدالتوں کے فیصلے کیا پیش کئے ہیں آپ نے؟

ڈی سوزا: جی HONESTY, GOOD CONDUCT اور INTEGRITY یعنی یہ سب دیانتداری اور ایمانداری کے ثبوت کے DOCUMENTS ہیں سر۔

ہرپرشاد: وہ کیسے۔ یہ تو آپ کے ان مقدموں کے فیصلے ہیں جو آپ کی کمپنی نے آپ پر کمپنی کے روپے کو خرد برد کرنے اور غلط سلط حساب جوڑ کر اپنے جیب بھرنے کی علت میں عدالت میں دائر کئے گئے تھے۔

یہی تو میں "SUBMIT" کررہا ہوں کہ وہ سارے مقدمے غلط ثابت ہوئے اور عدالتوں نے مجھے صرف وارننگ کے ساتھ بری کردیا ہے۔ کوئی ثبوت ہی نہ ملا ان کو سر

ہرپرشاد: خوب خوب۔ یہ بھی بڑے اچھے OCUMENTS. ہیں۔ آپ کی ایمانداری کے (کچھ اور کاغذات اُلٹ پلٹ کرتے ہوئے) آپ کے ایک باس نے سرٹیفکیٹ میں لکھا ہے کہ آپ اول فول اور گالیاں بہت بکنے کے عادی ہیں، کیا یہ سچ ہے؟

ڈی سوزا: بالکل جھوٹ سر، ہمارے آفس میں سب کام کرنے والے اُلّو کے پٹھے تھے۔ سالا لوگ کوئی کام سیدھا نہیں کرتا گدھے۔ حرام ...۔ (کچھ اور گالیاں منہ منہ میں بڑبڑاتے ہیں ــــ ہرپرشاد روک دیتے ہیں اور بلی رام ان کو باہر کا راستہ دکھاتے ہیں۔

[حامد مرزا پیش ہوتے ہیں۔ بڑے سجیلے نوجوان ہیں کپڑوں کا بہت خیال ہے۔ بار بار سر پہ ہاتھ پھیر کر دیکھتے ہیں کہ بال درست ہیں اور مسکرا کر ہری پرشاد کی طرف دیکھتے ہیں جیسے چیلنج دے رہے ہوں کہ پوچھئے کیا پوچھتے ہیں آپ]

ہرپرشاد: مرزا صاحب! آپ تو بڑی اچھی نوکری پر فائز تھے پھر آپ نے کیوں چھوڑ دیا؟

مرزا: جی میں چاہتا ہوں کہ سروس کی تمام باتیں بہترین ہوں تنخواہ اچھی ملے، بونس خوب ملے۔ تنخواہ کے ساتھ چھٹیاں ملتی رہیں دکھ بیماری میں کمپنی سارے اخراجات کا بوجھ اُٹھائے۔ پراویڈنٹ فنڈ بھی دل کھول کر دے

ہرپرشاد: غالباً یہ ساری چیزیں آپ کو اپنی پہلی نوکری میں ملتی تھیں

مرزا: جی ہاں ملتی تو تھیں۔

ہرپرشاد: تو پھر آپ نے نوکری کیوں چھوڑ دی۔

مرزا: میں نے کہاں چھوڑی۔ اسی فیاضی کی وجہ سے اس کمپنی کا دیوالیہ ہوگیا۔

ہرپرشاد: اوہ یہ بات ہے اس کے بعد والی نوکری بھی تو

اچھی بھلی تھی وہ آپ نے خود چھوڑ دی یا علٰحدہ کر دیئے گئے۔

مرزا : جی میں نے خود ہی چھوڑ دی۔ کیونکہ وہاں ترقی کا جو ایک ہی موقع تھا وہ مسدود ہو گیا۔

ہر پرشاد : چھ مہینے ہی میں آپ ترقی سے مایوس ہو گئے؟

مرزا : جی بات یہ تھی کہ میں امید لگائے بیٹھا تھا کہ باس کی نظر عنایت ہو جائے تو میں اس کی لڑکی سے بیاہ بیاہ کر کے ترقی کی ساری منزلیں یکلخت طے کر لوں۔

ہر پرشاد : پھر کیا ہوا۔ آپ مایوس کیوں ہو گئے۔؟

مرزا : میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس لڑکی کی شادی اور سے سے ہو گئی۔ میں نے سوچا اب کیا رکھا ہے میرے لئے

ہر پرشاد : بلی رام — ان کو باہر جانے کی اجازت ہے۔

[بلی رام ایک اور امیدوار لڑکی مادھوری کو لے آتے ہیں یہ بھی چنچل اور بجلی ہے۔ اپنے میک اپ کو بار بار سدھارتی ہے۔ شوخ نگاہوں سے ہر پرشاد کو دیکھتی ہے۔ وہ بھی کچھ شرما جاتے ہیں، پھر پوچھتے ہیں]

ہر پرشاد : آپ کے ایک سرٹیفکیٹ میں لکھا ہے کہ آپ اوقات دفتر میں کبھی اپنی میز پر کام کرتی ہوئی نہیں پائی گئیں۔

مادھوری : جی اس میں میرا کیا قصور ہے۔ وہ جو ہمارے سکشن افسر تھے وہ ہمیشہ دبے پاؤں چپ چاپ ہال میں آتے اور ہمیں موقع ہی نہ ملتا کہ ان کی آہٹ پر سنبھل کر کام میں مصروف دکھائی دیں۔

ہر پرشاد : اچھا تو یہ بات تھی۔ یہ بتلایئے کہ آپ نے وہاں کتنے دن کام کیا ہے۔

مادھوری : جی ویسے تو نوکری چار برس کی لیکن کام صرف چھ مہینے کیا۔ کیونکہ صاف طور پر بتا دیا گیا تھا کہ کام نہیں کرو گی تو نوکری سے علٰحدہ کر دیا جائے گا۔

ہر پرشاد : آپ کے آفس میں کتنے آدمی کام کرتے تھے۔

مادھوری : جی صرف دس فیصد باقی سب کام چور تھے۔

ہر پرشاد : آپ کو مرہٹی تو آتی ہوگی۔؟

مادھوری : جی ہاں۔ شدھ بدھ۔

ہر پرشاد : اچھا تو بتایئے " ملا مراٹھی ایتے " کا انگریزی کا ترجمہ کیا ہوگا۔

مادھوری : (کھل کھلا کر ہنستی ہے) یہ تو بہت سہل ہے صاحب انگریزی میں کہیں گے۔ " آئی کانٹ نو مراٹھی "

ہر پرشاد : اچھا یہ تو بتایئے آپ کی قابلیت کیا ہے۔ اور آپ کیا کام کرنا چاہیں گی۔

مادھوری : سر، میری خواہش ہے کہ آپکی فرم میں اچھی سے اچھی جگہ ملے اور زیادہ سے زیادہ تنخواہ۔

ہر پرشاد : تنخواہ تو آپ کی قابلیت اور کارکردگی کے لحاظ سے ملے گی۔

مادھوری : اگر یہاں تنخواہ میری قابلیت اور کارگزاری کے لحاظ سے ملنے والی ہے تو میں کہیں اور نوکری ڈھونڈ لوں گی اس لئے کہ ایسے تو مجھے آپ بہت کم دیں گے۔

قہقہہ

ہر پرشاد : تو آپ جا سکتی ہیں۔

بلی رام : صاحب! ایک اور امیدوار آئے ہیں، بگڑے ہوئے نوجوان، فلمی ہیرو لگتے ہیں، سچ مچ مضحکہ خیز ہے کہئے تو حاضر کروں۔

ہر پرشاد : ہاں ہاں لے آیئے ان کو بھی دیکھیں

[بکھرے ہوئے بڑے بڑے بال، بہت ہی شوخ اور بھڑکدار قمیض، سینہ کھلا۔ سیدھے ہاتھ میں سنہری چین بائیں ہاتھ میں کڑا، بہت ہی اونچی ایڑی کا جوتا، نئی تراش کا پتلون، کھٹ کھٹ کرتے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔ فلمی انداز میں نمستے کرتے ہیں۔ کرسی پر تمکنت کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں]

ہر پرشاد : برخوردار، آپ کا نام؟

امیدوار: میرا نام راجو

ہر پرشاد: آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟

امیدوار: ہم اس دیش کے باسی ہیں جس دیش میں گنگا بہتی ہے۔

ہر پرشاد: آپ نے کچھ پڑھا لکھا بھی ہے؟

راجو: سی اے ٹی کیاٹ، کیاٹ معنی بلی، آر اے ٹی ریاٹ

ریاٹ معنی چوہا۔

ہر پرشاد: اب تک کہیں نوکری کی ہے؟

راجو: آوارہ ہوں یا گردش میں ہوں آسمان کا تارا ہوں' آوارہ ہوں۔

ہر پرشاد: کہاں رہتے ہو، گھر کہاں ہے۔

راجو: چین و عرب ہمارا' ہندوستاں ہمارا

رہنے کو گھر نہیں ہے سارا جہاں ہمارا

ہر پرشاد: راجو صاحب: آپ یہاں کس غرض سے آئے ہیں؟

راجو: ترے کوچے میں ارمانوں کی دنیا لے کے آیا ہوں۔

ہر پرشاد: راجو صاحب! آپ نے اس فلمی تجربے کے سوا اور کچھ

بھی سیکھا ہے۔

راجو: سب کچھ سیکھا ہم نے نہ سیکھی ہوشیاری

ہر پرشاد: آپ کچھ سنکی اور احمق لگتے ہیں

راجو: جو بھی ہوں خدا کی قسم لاجواب ہوں

ہر پرشاد: آپ براہ مہربانی تشریف لے جا سکتے ہیں۔

راجو: جائیں تو جائیں کہاں۔

مقصود علی خاں
ایم اے (عثمانیہ)

(دکنی زبان میں)

ٹوک جھونک

چاندخان:۔ اجی کدھر گئے جی ــــ اجی وہ بچو کی ماں ــــ دیکھو میں تمھارے لئے کیا لایوں ــــ ؟

بیگم:۔ کائیکو چیخ چیخ کو گلا پھاڑ رئیں جی ــــ آریوں نا (قریب آکر) کیا تو بی لائیں بولو ــــ !؟

چاندخان:۔ اجی کیا نئیں لایوں پوچھو۔ خزانے کی کنجی لایوں ــــ خزانے کی کنجی!ــــ بلکہ خزانہ ہیچ لائیوں ــــ ؟!

بیگم:ــــ اب بتائیں نئیں ــــ بکتیچ جاتیں۔

چاندخان:ــــ کیا بکتیچ جاتیں ــــ کیا بکتیچ جاتیں۔

بیگم:۔ (چیخ کر) بتاتیں یا بکتیچ جاتیں بولی ــــ ؟!!!

چاندخان:۔ ارے ارے ــــ تو چیخ رئیں کائیکو۔ کیا تمیز دیڑا سمجھتئیں کیا تو بی ــــ یہ دیکھئیں کیا ہے ــــ ؟!

بیگم:۔ اجی یہ کیسا ہے جی ــــ یہ تو کتاب ہے نا ــــ

چاندخان:۔ اجی ہیچ تو ہے خزانے کی کنجی ــــ مگر تم ذرا بیٹھ کو اطمینان سے پوچھے تو بتاؤں گا ــــ ایسا کھڑا کھڑا برکرے تو کیا ہو۔

بیگم ــــ اوں (بیٹھتے ہوئے) بولو۔

چاندخان:۔ دیکھو تم ہمیشہ بولتے تھے نا ــــ آمدنی کم ہے خرچ زیادہ ہے۔ بول کو بولتیں تھے نئیں ــــ

بیگم ــــ بولتی تھی ــــ

چاندخان ــــ ہمیشہ آٹے کی حساب لے کو بیٹھتے تھے، اب پریشانی دور ہوگئی۔ خرچہ کم ہوگیا سمجھو ــــ

بیگم ــــ آئی وہ کیسا جی ــــ !؟

چاندخان:ــــ سنو بتاتوں ــــ مثال کے طور پر تم یہ بتاؤ گھر میں کپڑے دھونے کا، منہ ہاتھ دھونے کا، سب ملاکو صابن کتے کا ہوتیں گا۔

بیگم ــــ ہیچ ہوتا ہونگا ــــ دو تین روپیے کا۔

چاندخان ــــ ہاں ہوتا نا اب آٹھ آنے میں کام بن جائیگا اپنا۔

بیگم ــــ اچھا ! وہ کیسا جی ــــ ؟

چاندخان:ــــ وہ ایسا کہ اس کتاب میں صابن بنانے کی ترکیب لکھی ہوئی ہے۔ (کتاب میں ڈھونڈھتے ہوئے) کدھر گئی کی ہیچ تھی نا۔

بیگم ــــ چلو رہنے دو ــــ تمھاری ترکیب ورکیب۔ بڑے صابن بنانے کو نکلئیں ــــ سولہ سو کے ہزار کرکو دکھتیں ــــ میرے کو سب معلوم ہے کتے اینوں صابن بناتیں ــــ پھیکو تمہاری کتاب چولہے میں۔ میرے کو تمارے سے ضروری بات کرنا ہے ــــ

چاندخان (کتاب کے اوراق الٹتے ہوئے) اجی ــــ کرنا ضروری بات ہے ؛ ایسی کیا جلدی ہے ــــ کیا میں بھاگ جارؤں ــــ یا مر جاؤں ــــ ارے واہ لپ اسٹک بنانے کا بھی ترکیب درج ہے ــــ لکھتا ہے گیو آدھا صاف کیا ہوا اِنڈی کا تیل ڈیڑھ چھٹانک ــــ دونوں کو ملائیے ــــ اور خوشبو ملاکر خوبصورت ٹین کے غلافوں میں بھر لیجئے۔ لپ اسٹک تیار ــــ ارے خوب ــــ اسمیں پوڈر بنانے کی بھی ترکیب لکھی ہوئی ہے، لکھتا

گلابی چاکوں کو پیس کر باریک کپڑے سے چھان لو اور خوشبو ملا کر ڈبوں میں بھر لیجئے۔ ہاں دیکھتی تمہارے کام کی چیز ان میں نئیں، کیا کام کی کتاب لائیوں ــــــــ

بیگم۔ آئی۔ ہو۔ بڑتی وقت ذرا بھی شرم نئیں آتی۔ یہ عمر میں پوڈر لپ سٹک لگاتیوں میں۔

چاندخان۔ کیوں کیا ہوا۔؟ ابی پرانے مکان کوتیچ داغ دوزی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اچھا! خیر چھوڑو۔ کیا ضروری بات بول رئیے تھے بولو۔

بیگم۔ دیکھو! میں بول رئی تھی بچی دیکھتے دیکھتے جوان ہوگئی۔ اس کا تمارے کو خیال بیچ نئیں ــــ

چاندخان۔ کیوں جوان ہوگئی ــ کون جوان ہوگئی۔ کیا بول رئیں جی تم ــــــــ

بیگم۔ ابی جوان نئیں ــ جوان، جوان ــ اپنی بیٹو کیچ بات بول رئی تھی ــ دیکھتے دیکھتے بڑی ہوگئی اس کا تمارے کو کچھ خیال بیچ نئیں۔

چاندخان۔ کیسا خیال ــ! میں نئیں سمجھا۔؟

بیگم۔ تھو! ــ تم سے بی ایک مصیبتیچ ہے۔ اول تو سنتیچ نئیں اور سنے تو سمجھتیچ نئیں۔

چاندخان۔ ہو تو سرے سر کائیکو مار رئیں۔ برابر بول رئیں ــ آج پورے پندرہ برس سے میرا بھیجہ کھا رئیں۔ کاں سے کوئی بات سمجھ میں آئے گی۔ اتنے برسوں سے بک بک کر کو میرے کاناں بکا ڈالیں ــ کیا خاک سننے آئینگا۔

بیگم ــ نئیں تو نئیں با ــ انگار لگ جاؤ۔ میچ کچھ تو بھی کرلیونگی ــ تم سے بات کرنا کیا ہے ایک مصیبتیچ ہے۔ ایک بات کرے تو دس ٹیڑے باتاں نکال کو رکھتیں۔ (اٹھ کر جانے لگتی ہے)۔

چاندخان ــ ارے ارے سنو جی ــ ابی بیٹو کی ماں۔ ارے ایسا ناک پہ غصہ رکھے تو کیسا ہونگا۔ آؤ آؤ بیٹھو ــ ایک بات بولا تھا۔

ٹل گئی ــ ایسا چڑے تو کیسا ہوئینگا۔ اب تم سے نئیں تو کس سے دل کی بولو تو ــ کیا بول رہے تھے ــ ذرا ادب سے بولو ــ سننے آتے سر ہیگا۔ اور سمجا کو بولو، سمجھ میں آتے سر ہیگا ــ اور تھوڑی دیر غصہ کو ادھر اٹھا رکھ دو ــ ٹھرا نکھ نا تو ــ غصہ تمارے کو بہت ہے۔

بیگم:۔ ابی میں بول رئی تھی۔ بچی کی شادی وادی کا انتظام کر رہے نئیں ــــ

چاندخان ــ وادی!؟ دادی کا انتظام کیا کروں میں۔ آنوپاشاہ کتے آرام سے ہیں۔ پچیس روپیے صرف خاص سے وظیفہ آتا ہے اور کیا ہونا ــ

بیگم ــ اِئی کیا تو بی ہوگیا جی ــ؟ یہ آدمی تو ایک بولے تو ایک سن رئیں ــ تمارا بھیرا پن دن پو دن بڑھتیچ جارہا ہے ــ ذرا فرسٹ لانسر کے دواخانے کو جا کو دکھا کو تو بھی آؤ ــ

چاندخان:۔ تیس برس ہوئے نئیں گیا ــ اب جاتوں ــ وہ بھی انگریزی دواخانے کو کون جائینگا۔ واں تو بات کرنے کی بھی چیر نئیں پھاڑتیں۔

بیگم ــ اچھا اچھا ہوئینگا ــ میں بول رہی تھی، بچی کی شادی کا کچھ انتظام ہوگیا تو اچھا ہے۔ اسکی میرے کو بڑی فکر ہے۔

چاندخان:۔ تم کو تیچ فکر ہے ــ میرے کو نئیں ہے۔ تم بچی کی اماں ہیں ــ میں بچی کا باوا نئیں ہوں ــ کیسے باتاں کرتیں دل دکھانے کے۔ فکر میرے کو بھی ہے۔ مگر کیا کرنا بولو ــ اول تو آج کل کے زمانے میں اچھے شریف بچے بیچ نئیں ملتے اور اس پہ پڑھا لکھا ــ نوکری چاکری کا تو قحط ہو کو رہ گیا ــ اس واسطے لوگوں کے دماغاں ساتویں آسمان پو ہوگئیں ــ سو سوا سو روپئے کماتیں تو پانچ پانچ ہزار گھوڑے جوڑے کے منگتیں۔ ہمارے پاس پیسہ ویسہ تو ہے ہی نئیں۔ اور دوسری بات تم غصہ نئیں کرے تو بولتوں ــــ بولوں ــــ

بیگم ــ اَئی ــ کیا جی ــ میں کاں کرتیوں غصہ ــ

چاندخان ــ آتاں بکرتیں نئیں تو میں کائیکو بولتا تھا ــ؟

تے نا غصہ ـــــ

بیگم ـ ابھی نہیں کرتی بولی نا جی

چاند خاں ـ ارے باپ رے ـ ارے ابی غصے میں آگئیں نا۔

بیگم ـ اب بولتیں نہیں ـ

چاند خاں ـ بول رہا ہوں ـ بول رہا ہوں۔ دوسری بات
ـ تمہارے کو ناک پو غصہ ہے ـ لوگاں پیغامات لیکے آتے
ہ کو لڑکو نکالتیں ـ دیکھو ـ دینے والے کو تو تمہارے پاس
ہیں، اخلاق مروت بی نہیں رہی تو بچی بیٹھی کی بیٹھی رہ جائیگی۔
ے رنڈوں ـ یا تم غصہ چھوڑ دو یا بچی کی شادی کا خیال کرو ـ

بیگم ـ کیوں جی میں کس کس کو لڑ کو نکالیوں ـ ؟

چاند خاں ـ دیکھیں بچڑیا نا پارہ ـ اس واسطے میں بولنے کو ڈرا تھا
احب کے بیٹے کا پیام آیا تھا۔ اس کو تم لڑکو خراب کرے۔ لوگاں بولتے
ہے اماں کو بڑی وقت اتا غصہ ہے تو بیٹی کو کتے غصہ ہونگا جی ـ
ے بیچاروں کو کیا معلوم بچی باپ پہ گئی سو۔

بیگم ـ کیوں جی تم جب دیکھو جب میرے کو غصہ اور بدمزاجی
نہ دیتے رہتیں۔ تمہارے کو ڈرا کو دھمکا کو رکھتیوں بولتیں۔ اگر میں
ابھی بُری تھی تو کائیکو کرکو لائے تھے جی منجھے ـ کیا میرے اماں باوا پاؤں
ے آئے تھے۔

چاند خاں ـ میرے کو کیا معلوم تھا جی۔ دبلی، پتلی، شرمیلی بچی
بی جاکو یوں کو توال بن جائیگی سو۔ نہیں تو میرے کو کیا پیغاموں کی کمی
ـ بیچے لوگاں اب بھی بیٹیاں دینے کو تیار بیٹھیں۔

بیگم ـ ای ہو ـ! بڑے خوبیوں کے آدمی ہے نا اِنو ـــــ
بیچ لوگاں ان کو بیٹیاں دینے کو تیار بیٹھیں ـ

چاند خاں ـ کیوں میرے کو کیا ہوا جی ـ تعلق دار کا بیٹا ہوں۔

بیگم ـ ابی باوا تعلق دار تھے تو تم اپن کیا بولو ـ

چاند خاں ـ بولنا کیا ہے سو ـ شیر کا بچہ شیر ـ ؟!

بیگم ـ ای اچھی عقل آئی ہے جی ـ تھو ہے اجاڑ عقل پو ـ بھرے
پڑتیں ـ کہیں تعلق دار کے بیٹے ہوئے تو تعلق دار ہو جاتیں کیا تو بھی ـ

چاند خاں ـ دیکھو عقل تمہارے کو نہیں ہے۔ تو دنیا کو دیوانہ
سمجھتیں۔ ابی کیا شاعر، شاعری کرکو شاعر ہوتا ہے ـ مزاج شاعرانہ ہونا
بڑی بات ہے۔ ویسی تعلق داری کرے تو تعلق دار ہوتیں ـ نہیں تو نہیں ہوتیں؟
باتاں میرے تعلقداروں کے ہے نہیں جی۔ دیکھو بات میں کیسی کرتوں ـ
کیسا اٹھتوں ـ کیسا بیٹھتوں ـ تم سے ایک گھر میں دب کو رہا تو کیا ہوا۔
باہر نکل کو دیکھو کیسا رعب سے رہتا ہوں۔

بیگم ـ اچھا اچھا ہونگا ـ تم سے کون بات کرینگا۔ دماغ چاٹ کو
رکھ دیتیں ـ پھر بولو نا جی بچی کا کیا کرتیں سو ـ ! ؟

چاند خاں ـ بچی کا کیا کرتیں بولے تو کیا بولوں ـ ایک پیغام ڈھونڈھا
تھا۔ اچھا خاصا تھا مشریف تھا۔ خاندانی تھا ـ محمد شریف کی
بات بول رہا ہوں ـ چراغ تو چراغ پٹرومکس لے کو ڈھونڈے تو ایسا بچہ
نہیں ملتا جی ـ پڑھا لکھا تھا ـ نوکر چاکر تھا ـ مگر تم کو پسند آتا ـ!
تم کو پسند ہی نہیں آیا۔

بیگم ـ آئی کیسے باتاں کرتے جی ـ ناز نازوں سے پلی سوا پنی
پھول کے ویسے بچی کو اٹھا کو معمولی جنگلات کے چوکیدار کو کیا دیتی تھی؟

چاند خاں ـ پھر وہیچ دیوانے باتاں ـ! ابی میں بولتوں نہیں۔
تمہارے کو سمجھ نہیں ہے۔ الزام میرے پو ڈالتیں۔ ابی آجکل کے زمانے
میں چھوٹی تنخواہ کو کون دیکھتا ـ اوپر کی آمدنی کو دیکھتیں ـ کیا جنگلات
کے چوکیدار کو کم آمدنی ہوتی ـ! ؟

بیگم ـ پیسا سب کچھ ہے کیا ـ نہیں تو بھی بہت کالا تھا بابا

چاند خاں ـ کیا ـ سالا ـ کس کا سالا تھا جی ـ ؟!

بیگم ـ ابی سالا نہیں ـ کالا ـ تمہارے محمد شریف کی بات
بول رئیوں، بہت کالا تھا ـ!ـ!

چاند خاں ـ کرے بیوقوفی کی بات ـ ابی مردوں کے رنگ کو کون دیکھتیو

بول سُنّں کیا ہم کو دے تھے — آخر زندگی کٹی نہیں کٹی ہوتو — خیر تم سے بات کرنا مصیبت ہے — اصل بات کو دھر جاتی کی — دس تیئے ہاں ہاں کئے ہو جاتئیں — یہ ٹوک جھونک تو عمر بھر کی ہے۔ یہی بات ہے بچی بچی اونچ ہو گیا تو اچھا ہے — ذمہ داری اُتر جاتی — میں بی کوشش کرتوں۔ تم بی ذرا آنے جانے والے لوگوں کو بولتے رہو — مگر لڑکا کیسا ہونا پہلے بول دیو مجھ تھوڑا تو، بعد میں تم دس عیباں نکالتیں۔ اس کو دینے سے تو باولی میں ڈھکلتی تو اچھا۔ اُنے کالا تھا۔ اُنے اکا تھا ڈھکا تھا بولتیں تم — خیر — تو میرے کو پہلے سچ بول دیئے تو میں لڑکے کو خیال میں رکھتوں۔

بیگم — اب لڑکا کیسا ہونا — بولے تو کیا بولوں — شریف ہونا کماتا دھماتا ہونا — پڑھا لکھا ہونا۔

چاندخاں — کیسا ہونا —

بیگم — (ذرا زور سے) اجی پڑھا لکھا ہونا، شریف ہونا، کماتا دھماتا ہونا بولی —

چاندخاں — کیا ہونا بولے — ؟

بیگم — بہرے تئیں ہونا بولی — اُجاڑ ہو جاؤ — زندگی چیختے چیختے گزری۔

چاندخاں — کیا بولے چیختے گزر گئی — اجی وہ تو گزر گئی — اگر میری جگہ کوئی برابر سننے والا ہوتا تو تمہاری کٹوری کسلی سن سن کے پھانسی ڈال لیکو

بیگم — تم کائیکو پھانسی ڈال لیکو مر جاتیں — میں کہاں تو جا کو باولی میں گر کو مر جاتیوں۔

چاندخاں — کیا بولے — ؟ باؤلی (بولی) میں گر کو مرتے — واہ واہ، پندرہ برس کی محبت کا اچھا بدلہ دے رئیں — تم کو ایسے مرنے کے رستے معلوم ہے کو نئیں — میں بی جا کو ریل کے پٹریاں کے نیچے سو جاتوں۔

سمیع الحق (ڈاکٹر)
صدر شعبہ اردو رانچی کالج - رانچی ۸

خسرو - فرہاد

افراد: شاپور - خسرو - ملکہ ارمن - شیریں - فرہاد - انتظار حسین، نیاز الدین اور دوسرے بوڑھے مہمان

پہلا سین

خسرو: شاپور میاں! تم تو دنیا بھر کی سیر کر چکے کیا تم نے سچ مچ ایسی کوئی لڑکی دیکھی ہے جس کو دیکھ کر آدمی کے ہوش و حواس جاتے رہیں -؟

شاپور: خسرو صاحب ہوش و حواس کا جاتے رہنا تو ایک نفسیاتی مسئلہ ہے - جس کے لیے ڈاکٹر فرائڈ کی دوکان کھلی ہوئی ہے۔ البتہ ایسی لڑکیاں تمام ملتی ہیں جو لوگوں کے بٹوے کو صاف کر دیں - پھر اس کے نتیجہ میں کسی کے ہوش و حواس جاتے رہ سکتے ہیں اور کسی کے ٹھکانے بھی لگ سکتے ہیں یہ تو اپنا اپنا ظرف ہے پیارے -

خسرو: تمہارے کہنے کا مطلب تو یہی ہوا کہ جہاں تک ہو سکے لڑکیوں کے سائے سے بچنا چاہیے تاکہ جیب و گریباں صاف ہونے سے بچتے رہیں۔

شاپور: مگر یار لڑکیوں کی بدولت کبھی جیب کی حالت سدھر بھی جاتی ہے -

خسرو: تمہاری باتیں بہت الجھی ہوئی ہیں - خیر بتاؤ کہ لڑکی کی بدولت کیسے جیب کی حالت درست ہو سکتی ہے -

شاپور: تم تو خسرو بالکل بھولے ناتھ معلوم ہوتے ہو - کیا تم کو یہ نہیں معلوم کہ ایک نہ ایک دن کوئی نہ کوئی لڑکی تمہارے پلے بندھ ہی جائے گی پھر شیریں کو پانے کے لیے قسمت آزمائی کیوں نہیں کرتے - شیریں سے اگر تمہاری شادی ہو جائے تو سمجھو

کہ ملکہ ارمن کی پائی پائی جوڑی ہوئی دولت تمہارے حصّہ میں آجائے گی۔

خسرو: لیکن کیا ملکہ ارمن کا شیریں سے میری شادی کرنے پر راضی ہو سکتی ہے ؟ یہ میں تمہیں بتا دوں کہ شیریں میری کلاس فیلو رہ چکی ہے اور کئی بار میرے گھر آ چکی ہے۔

شاپور: تمہارے گھر آ چکی ہے یہ تو جھوٹ ہے۔ تم ثابت نہیں کر سکتے اور اگر شیریں سے تمہاری دوستی ہو بھی تو ملکہ ارمن پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ وہ خود کو سچ مچ ملکہ سمجھتی ہے اور اپنی بیٹی کی شادی کسی شہنشاہ سے ہی کرنی چاہتی ہے۔

خسرو: ایسے زمانہ میں جبکہ ہمارے شہنشاہ تاش کے پتوں میں سمٹ آئے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اسے دامادی کے لیے شہنشاہ کہاں سے آئیگا !

شاپور: تم اگر شیریں کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہیں ایک ناٹک کرنا ہوگا۔

خسرو: وہ کیا ؟

شاپور: تم نے مغل بادشاہوں کی تصویریں دیکھی ہیں ؟ اب اپنی شکل صورت اور ڈیل ڈول کے مطابق کسی بادشاہ کو چن لو اور اسی کا بھیس بدل لو۔ داہنے ہاتھ میں ایک کمان لے لو سینے پر ترکش لٹکا لو۔ میان میں ایک چمکیلی تلوار رکھ کے اسے کمر کے پٹکے سے اس طرح باندھو کہ وہ تمہارے پاؤں کے پاس جھولے اور ایک چھوٹا سا ڈھال پیٹھ پر باندھ لو۔ اس کے بعد شفالی میاں سے دو روپیہ دے کر ایک خچر دو گھڑی کے لیے لے لو۔ ایک چمڑے کا نیا چابک بائیں ہاتھ میں لے کر ٹپ ٹپ خچر پر چڑھ کر ملکہ ارمن کے باغ میں پہنچ جاؤ۔

خسرو: تم میرا حلیہ اس قسم کا کیوں بنانا چاہتے ہو ؟

شاپور: میرے دوست تم بڑے ناسمجھ ہو۔ اس حالت میں جیسے ہی ملکہ ارمن تم کو دیکھے گی تو تم کو شہزادہ سمجھ بیٹھے گی تمہیں اس کو سمجھانا یہی ہے کہ تم شہزادہ ہو اور پھر تمہاری دلی مراد پوری ہو جائے گی۔

خسرو: بھلا بتاؤ تو اب اس سوٹ ٹائی کو اتار کر میں کھوسٹ قسم کے دقیانوسی لباس کیسے پہن سکتا ہوں ؟

شاپور: ہر کام کے لیے مشق ضروری ہے۔ تم دو چار روز برابر ایک بادشاہ کا لباس بنا کر یونیورسٹی کے میدان میں ٹہلو۔ کبھی کبھی خچر لے کر سڑک پر نکل جاؤ۔ بس تھوڑی سی ریہرسل کے بعد تم بالکل شاہزادہ کی طرح چلنے پھرنے کے عادی ہو جاؤ گے۔

خسرو: ٹھیک ٹھیک بتاؤ اس میں کوئی دھوکہ تو نہیں ہے۔

شاپور: مجھ پر بھروسہ کرو میں تمہارے گاڑھے وقتوں میں کام آنے والا ہوں۔

خسرو: لیکن دشواریاں بہت ہیں۔

شاپور: کیسی دشواریوں کی باتیں کر رہے ہو ؟

خسرو: یہ مغلوں کا لباس اور یہ پرانے زمانے کے اوزار و ہتھیار کہاں ملیں گے ؟

شاپور: یہ تو بہت آسان ہے سرکار بابو کو جانتے ہونا اس کے پاس میک اپ کے سارے سامان ہیں۔ تم اس سے مل لو وہ

وہ تمہاری ساری مشکل آسان کر دے گا۔

خسرو: سرکار بابو تو ٹھیک آپ کے بہت دام لے گا۔ بہت خرچ بیٹھ جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ دو سو سے کم نہیں لے گا۔

شاپور: عشق کی راہ میں خرچ تو لازمی ہے پیارے!

خسرو: اس کا دوسرا رخ بھی تو ہے کہیں کامیابی نہیں ہوئی تو سارے کئے دھرے پر پانی پھر جائے گا۔

شاپور: مائی ڈیئر فرینڈ my dear friend۔ جب تک تم نسخہ کو آزما کر نہیں دیکھو گے کیسے کہہ سکتے ہو کہ فائدہ ہوگا یا نہیں۔ اب تم سوچتے رہو، اجازت دو میں چلتا ہوں۔

خسرو: جاتے جاتے یہ تو بتاتے جاؤ کہ کچھ رقم سے مدد بھی کرو گے؟

شاپور: اپنا حال تو تم جانتے ہی ہو۔ ہاں مگر تمہارے لئے کچھ چندہ کرا دوں گا۔ اتنا وعدہ کر سکتا ہوں۔ اچھا رخصت۔ ٹاٹا ٹاٹا۔

دوسرا سین

(ٹپ ٹپ گھوڑے کے چلنے کی آواز)

خسرو: واہ کیا ہرا بھرا باغ ہے۔ امیرے خچر تو نہیں چر۔ اف اس کمان کو ڈھوتے ڈھوتے میرے ہاتھ بھر گئے، سینہ پر لدا ہوا یہ ترکش لے اس کے تیروں کی نوک میری تھوڑی میں چبھ رہی ہے۔ یہ تلوار بھی عجیب طرح سے لٹک رہی ہے۔ [illegible] نے تو میرے جسم کو بالکل کس دیا ہے۔

(دروازہ کھلنے کی آواز)

ملکہ ارمن: اے یہ کون مسخرہ ہے جو پیڑ پہ اتنا بنا ٹھنا بندھا ہوا ہے کیا؟ لگتا ہے یہ تو میری ساری کیاریوں کا ستیاناس کر رہا ہے کیا اجاڑ دیا ہے؟ (چلا کر) اے میاں بہروپئے! یہ تمہارے ناٹک کا سین نہیں ہے۔ یہ میرا باغ ہے ملکہ ارمن کا باغ۔ اپنے گدھے کو لے کر یہاں سے جلدی سے بھاگ جاؤ۔

خسرو: حضور ملکہ محترمہ! ماہدولت شہنشاہ خسرو پرویز شاہانہ سلام عرض کرتے ہیں۔ ماہدولت بہرام چوبین سے شکست کھا کر آپ کے ملک سے ہو کر مدد کی تلاش میں اپنے تازی گھوڑے پر سوار ہو کر چلے ہیں۔

ملکہ ارمن: کیا کہا؟ یہ تو افیونیوں کی باتیں کر رہا ہے۔ ابے یہ بہرام چوبین کون ہے؟ شکست کیا ہے۔ مدد کیسی۔ کیا تم پاگل خانے سے آ رہے ہو!

خسرو: ملکہ حضور! کیا آپ دیکھتی نہیں کہ میں جنگ کے سامانوں سے لدا ہوا ہوں۔ کیا میں اپنے انداز سے شہنشاہ خسرو پرویز نہیں لگ رہا ہوں؟ کیا آپ میری چالیس گز کی پگڑی اور اس پر شاہی طرہ سے کچھ بھی نہیں سمجھتیں؟ میرے جسم پر پڑی ہوئی زرہ سے کیا آپ کو نہیں لگ رہا ہے کہ میں ایک ہاری ہوئی فوج کا رہنما ہوں؟

ملکہ ارمن: جنگ کے سامان یہ ناٹک کے کھلونے؟ خسرو پرویز کا نام تو تاریخ کی کتابوں میں ہے۔ تو چالیس گز کی پگڑی باندھ کر کہاں سے آ گیا؟ میں پوچھتی ہوں تیری عقل ٹھکانے پہ ہے؟ .... ـــ ـــ ـــ

فوجوں کے سامان بم اور ہوائی جہاز ہوتے ہیں برخوردار!

خسرو : اب تو آپ ایٹمی لڑائی کی باتیں کرنے لگیں۔ ملکہ صاحبہ بات یہ ہے کہ میں الیکشن میں بہرام چوبین سے ہار گیا ہوں۔

ملکہ ارمن : اس وقت الیکشن؟ کیا ملک کی وزارت نے استعفادے دیا؟

خسرو : وہ ذرا گرام پنچایت کا الیکشن تھا۔

ملکہ ارمن : وہ میں نے مان لیا مگر میرا سوال یہ ہے کہ میرے باغ میں گدھا لیکر تم کیوں گھس پڑے؟

خسرو : اس وقت میں حضور سے یعنی ملکہ ارمن سے مدد کی درخواست لے کر آیا ہوں۔ اگر آپ اپنی مہربانی سے جی ہاں میری اس ناکامی اور پریشانی کا خیال کرکے مجھے اپنی فرزندی میں قبول کرلیں تو میں آئندہ بڑے معرکے کو سر کر سکتا ہوں مثلاً میں میونسپلٹی کا الیکشن تو جیت ہی سکتا ہوں۔

ملکہ ارمن : کیا واہی تباہی باتیں ہیں۔ ارے تیری اپنی ماں مر گئی کہ تجھے میری فرزندی کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ بھلا سنئے گرام پنچایت والے گاؤں کا چھوکرا شہر کی میونسپلٹی کے الیکشن میں کیسے کھڑا ہو سکتا ہے۔

خسرو : ملکہ صاحبہ آپ نے میری پوری بات ہی نہیں سمجھی۔ پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ گاؤں میں میرے رئیس ماں باپ کا عالی شان مکان ہے جس سے پرانے زمانے کی زمین داری کی شان ٹپکتی ہے۔ لیکن آج کل میں آپ کے ہی دکھن دروازے والے مکان کے اس کمرے میں جو کبھی باورچی خانہ تھا رہتا ہوں . . . .

ملکہ ارمن : ٹھیک ہے۔ میں سب سمجھ گئی۔ اگر تمہیں ٹکٹ ملنے میں دشواری ہو تو مجھ سے ملو گے۔ ہاں مگر شرط یہ ہے کہ تم نے اگلے سارے کرائے ادا کر دیئے ہوں۔

(شیریں آجاتی ہے)

شیریں : اچھا آپ ہیں! یعنی وہی میاں صاحب نا جو چار برسوں تک فیل کرنے کے بعد میرے ہم سبق ہو گئے تھے۔ کیا نام ہے جناب کا!

سسرو، کسرو کچھ ایسا ہی نام ہے نا۔

خسرو : فدوی کو خسرو کہتے ہیں۔ آپ تو مجھے پہچانتی ہی ہیں۔

ملکہ ارمن : شیریں تم ان کو پہچانتی ہو؟ تو تم بھلے وقت آ گئی۔ تم ہی انھیں نکال باہر کرو۔ میں ذرا اپنا کام کر لوں (جاتی ہے)

شیریں : آپ اس شاہانہ سج دھج کے ساتھ کہاں کی سیر کو چلے ہیں؟

خسرو : تم سے ملنے میری شہزادی۔ نہیں میرے دل کی ملکہ۔

جی چاہتا ہے تمہارے ہاتھ چوم لوں

شیریں : اچھا تو آج آپ بیہودگی کے موڈ میں ہیں؟ میں آپ جیسوں کی خیریت چپلوں سے دریافت کرتی ہوں۔ تم میرے گھر پر آئے ہوئے ہو ورنہ پیر کی عزت ہاتھوں میں لے کر دکھا دیتی۔

خسرو : دیکھو مجھے زیادہ نہ ٹھکراؤ۔ میں اس وقت ملکہ صاحبہ کے پاس درخواست لے کر آیا ہوں کہ وہ مجھے اپنی فرزندی میں قبول کر لیں۔

شیریں : ہش . . . . . یہ منہ اور مسور کی دال؟ میں نے سمجھا تھا کہ لڑکوں نے تمہارے ساتھ ریگنگ Ragging کی ہے تم کو

گدھے پر سوار کرکے ہنکا دیا گیا اور تم میرے باغ میں پھسل آئے۔ اماں کی نظر پڑی تو باتیں بنانے لگے۔

خسرو: مجھے نیچی نظروں سے دیکھنا بھی تمہاری عجیب ادا ہے۔ میں نے صرف تمہارے لیے ہی یہ شاہی بھیس بدلا ہے جس پر مجھے پورے دو سو خرچ آئے ہیں۔

شیریں: آخر اس کی کیا ضرورت آپڑی تھی؟ اور اگر ایسی کوئی ضرورت تھی ہی تو خرچ کا ڈھونس جانے سے فائدہ؟

خسرو: (ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے) جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے۔

شیریں: تو گویا آپ شاعری بھی فرماتے ہیں؟

خسرو: محترمہ! عشق اور شاعری میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

شیریں: تم بھی فرہاد کی طرح عشق وشق کی باتیں کرتے ہو؟ تم دونوں کو سبق پڑھانا ہی پڑے گا۔

خسرو: دیکھیے شہزادی صاحبہ فرہاد تو گورکن ہے اور میں خاندانی رئیس زادہ۔ کوئی کہتا ہو کہ میرا فریدوں لوہار سے شجرہ ملتا ہے تو غلط ہے۔ ہزاروں پشت کی ریاست سینہ بہ سینہ مجھ تک پہنچی ہے۔ تم مجھے اس کے ساتھ جوڑنے کی کوشش مت کرو۔

(فرہاد داخل ہوتا ہے)

فرہاد: شیریں کیا کر رہی ہو؟ پکچر دیکھنے چلتی ہو؟

شیریں: تم میں حاتم کی روح پیدا ہو گئی ہے کیا؟ مجھے پکچر لے چلوگے؟

فرہاد: ہاں بشرطیکہ دو ٹکٹ کے پیسے دے دو۔

(شیریں! شیریں ملکہ ارمن کی آواز آتی ہے)

شیریں: اماں آرہی ہوں۔ اماں سے مل آؤں پھر تم دونوں سے الگ الگ باتیں کروں گی۔

(شیریں چلی جاتی ہے۔ خسرو اور فرہاد رہ جاتے ہیں)

خسرو: آپ کون ہیں جناب!

فرہاد: میرا نام فرہاد ہے۔ باپ دادا قبر کھودتے تھے۔ میں عاشقی کے جال میں پھنس گیا ہوں۔

خسرو: میں خسرو ہوں۔ بی اے کا نتیجہ نکلنے والا ہے پھر ایم اے کروں گا پھر تاریخ میں ریسرچ کروں گا۔

فرہاد: میں تو بی اے، ایم اے کو خیرباد کہہ چکا۔ میں تو اسی وقت پڑھ سکتا تھا کہ فری شپ ملی ہوتی

خسرو: آپ اتنے غریب تھے تو عاشقی کے چکر میں کیوں پھنسے؟

فرہاد: مرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا۔

پھر اس میں میرا نقصان کیا ہے۔ شیریں فرسٹ ڈویژن سے بی اے پاس کر چکی ہے وہ کچھ نہیں تو استانی ہو سکتی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ میں غم عشق سے غم روزگار کو جوڑ چکا ہوں۔ ہاں تمہیں اس چکر میں نہیں پھنسنا چاہیے کیوں کہ تمہارا ایک لمبا پروگرام ہے جسے تمہیں آہستہ آہستہ پورا کرنا ہے۔

خسرو: تم ٹھیک کہتے ہو مگر دیکھو ملکہ ارمن نے اگر مجھے اپنی فرزندی میں قبول کر لیا تو میں اپنے بیدو گراموں میں آگ لگا دوں گا اور خالص نیت سے ملکہ ارمن کی خدمت یعنی ان کی جائیداد کی دیکھ بھال میں لگ جاؤں گا۔

(شیریں آتی ہے)

شیریں: تم لوگ یہاں؟ ذرا شہسوار صاحب آپ ذرا ادھر تشریف لائیے۔ فرہاد تم سے بھی بات کروں گی۔ ادھر ہی رہو۔ خسرو صاحب اماں سے میری تفصیلی باتیں ہوگئیں۔ خسرو: کیا باتیں ہوئیں؟

شیریں: یہ کہ تم سے میری شادی ہو جائے گی مگر ایک شرط ہے۔ خسرو: کیا ہے؟

شیریں: تم اپنے ساتھ ایک بھی براتی نہیں لاؤگے۔ صرف باجوں کا ایک سٹ لیتے آؤ گے۔

خسرو: جیسی تم لوگوں کی مرضی ہوگی مجھے منظور ہے۔

شیریں: اسی ۲۸ تاریخ کو ۵ بجے شام میں باجوں کا ایک سیٹ لے کر تم آجاؤ۔ اچھا رخصت مجھے کو بھی لیتے جائیے۔

(خسرو چلا جاتا ہے)

شیریں: اجی میاں فرہاد درخت کے پتے گن رہے ہو یا کچھ دیکھنے میں مشغول ہو؟

فرہاد: جلتی ہو!

شیریں: دیکھو دو ٹکٹ کے دام دس روپئے ہوتے ہیں۔ اماں نے روپے دینے سے انکار کر دیا۔ بات یہ ہے کہ ابھی وہ زیادہ سے زیادہ میری شادی میں خرچ کرنا چاہتی ہیں۔

فرہاد: تمہاری شادی ہو رہی ہے؟ واہ! مبارک یار! مگر کون ہے وہ خوش قسمت؟

شیریں: تمہارے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔

فرہاد: سچ

شیریں: دیکھو ایک شرط ہے۔ تم جانتے ہو کہ ہم لوگ کتنے اونچے گھرانے کے لوگ ہیں اس لیے تم اپنے ساتھ براتی نہیں لا سکتے البتہ باجوں کا ایک سیٹ لیتے آنا شرط منظور ہو تو ۲۸ تاریخ کو ۵ بجے شام کو چلے آؤ۔

فرہاد: مجھے منظور ہے بالکل منظور

شیریں: ہاں تو باجا ضرور لاؤ گے۔ اچھا ٹاٹا۔

تیسرا سین

ملکہ ارمن: (چیختے ہوئے) اب تک تم اخبار نہیں لائے لعل بانی میاں!

آواز: وہ تو کب کا آپ کی میز پر رکھ دیا۔ دیکھئے ۸ تاریخ لکھا ہوا ہے نا۔

ملکہ ارمن: اچھا تو جلدی سے میرا چشمہ دو۔ (کاغذ الٹنے کی آواز) واہ! بہت خوب میری بیٹی نے کمال کر دیا۔ خوب گیارھویں پوزیشن ہے۔ شیریں کہاں ہو۔ آؤ دیکھو کتنی مبارک خبر ہے تم آئی اے۔ ایس ہوگئیں۔

شیریں: ہاں مجھے ذرا تعجب نہیں۔ مجھے یقین تھا کہ میری پوزیشن ایک سے دس کے اندر ہوگی۔

ملکہ ارمن: ہاں گیارھویں پوزیشن ہے۔ جتنی شاندار کامیابی ہے مگر دیکھتی کیا ہو اب فوراً تمہارے مرحوم باپ کے آفس اور شہر کے دوست مبارکباد دینے آئیں گے۔

شیریں: میں نے انتظام کر دیا ہے۔ گولاٹی ہوٹل والوں کو فون کر کے کہہ دیا ہے کہ پچاس آدمیوں کے عصرانہ کا نظم کر دیں۔

ملکہ ارمن: اور یہ جو تمہارے دادا کی سگی اور دور کا گھرانہ ہے جو ہمیشہ تم میں عیب نکالتے رہے ہیں ان کے کلیجے پر بھی مونگ دلنا ضروری ہے۔ جلنے والے اب اپنی آگ میں جلیں۔

شیریں: اس کا بھی انتظام میں نے کر دیا ہے۔ ٹھیک پانچ بجے دو سیٹ باجے والے آ جائیں گے۔ باجوں کی آوازیں ان لوگوں کے کلیجوں کو کھولانے کے لئے کافی ہے۔

ایک آواز: بھائی صاحبہ ہیں؟ بچی کی کامیابی پر مبارکباد قبول کیجئے۔ میں انتظار حسین آیا ہوں۔

ملکہ ارمن: بھائی انتظار آیئے۔ آیئے۔ آپ کی عمر دراز ہو ابھی میں شیریں سے کہہ رہی تھی بیٹی تمہارے انتظار چچا سب سے پہلے تمہیں مبارکباد دینے آئیں گے۔ مگر یہ تکلف کیا؟

انتظار حسین: میں آپ کے ساتھ تکلف کر ہی نہیں سکتا۔ یہ تو بچی کا حق ہے۔ لو بیٹی یہ تمہارا انعام ہے۔

بہت سی آوازیں: آداب عرض ہے۔ مبارکباد۔ یہ انعام لے لو بیٹی۔ انعام تمہارا ہے۔ مبارکبادی کا حق تو بھائی کو ہے۔ انھوں نے بھائی صاحب کے نہیں رہتے ہوئے بھی تمہاری خوب پرورش کی۔

ملکہ ارمن: ایں بھائی نیاز الدین صاحب! آپ نے اس عمر میں تکلیف کی۔

نیاز الدین: بھائی عزیز مجھے ایسے عزیز تھے کہ میں انھیں چھوٹا بھائی سمجھتا تھا اور اس وقت ان کی اکلوتی لڑکی کی جو کامیابی ہوئی تو سچ پوچھئے کہ اگر میری بیٹی شکریہ بھی پاس کرتی تو مجھے ایسی خوشی نہیں ہوتی۔۔۔۔ مگر دیکھئے کہ

ملکہ ارمن: ہاں۔ ہاں۔ کیا فرما رہے ہیں آپ؟

نیاز الدین: میں آ رہا تھا تو دیکھا کہ دو دولہے میاں دو الگ الگ گلیوں سے آ رہے ہیں دونوں کے پیچھے پیچھے باجے والوں کا سیٹ چلا آ رہا ہے۔

ملکہ ارمن: جی ہاں اس خوشی میں آپ لوگوں کی دل بستگی کے لیے باجے والوں کو بلا لیا گیا ہے۔

نیاز الدین: مگر یہ دو دولہے میاں۔

ملکہ ارمن: دولہے میاں کیا کہا دولہے میاں؟

نیاز الدین: جی ہاں دولہے میاں۔ بالکل سچ مچ کے دولہے میاں۔ ان براتیوں کو نہیں دیکھا۔

ملکہ ارمن: یہ کیا ماجرا ہے؟

(خسرو اور فرہاد دونوں دو طرف سے بیک وقت داخل ہوتے ہیں)

نیاز الدین: وہ لیجئے دیکھئے دونوں ایک پچھم سے اور ایک پورب سے داخل ہو ہی گئے۔

ملکہ ارمن: وہ کون ہے؟ ارے یہ تو اس دن والا بہروپیا ہے۔ میاں صاحب زادے کیا میونسپلٹی کے الیکشن میں نکلے ہو؟

شیریں : چچا جان بات یہ ہے کہ یہ ہیں جناب خسرو جن کے بارے میں میرے ہم سبق تھے اور یہ ہیں جناب فرہاد میرے آئی اے ایس کے ساتھی ہیں۔ یہ دونوں بھی مبارکباد دینے آئے ہیں۔ مگر ندا بات یہ ہے کہ یہ لوگ کلچرل پروگرام .....

ایک آواز : ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ ایسے موقع پر کلچرل پروگرام ہونا ہی چاہیئے۔ نوجوانو! خوش رہو۔ تم دونوں بڑے ہونہار ہو۔ ہم بڈھے بھی تم لوگوں کے کلچرل پروگرام دیکھیں گے

ملکہ ادمن : بھائی صاحبو! شام ہو رہی ہے۔ آپ لوگ ذرا عصرانہ میں شرکت فرمائیں پھر ان نوجوانوں کا پروگرام دیکھیں گے۔ شیریں چچاؤں کے ساتھ ناشتے کے کمرے میں آجاؤ۔

شیریں : بس ہم لوگ اٹھ ہی گئے چلئے چچا جان آپ سبھی آجائیں۔

(سب ناشتے کے کمرہ میں چلے جاتے ہیں۔ فرہاد اور خسرو رہ جاتے ہیں)

فرہاد : ہائے کیا دھوکہ ہوا۔ خسرو میاں تم بھی میری طرح پھنسے ؟

خسرو : یار فرہاد غصہ پی جاؤ۔ میں بھی پی گیا اور اب اپنے ساتھ شیریں کی حسرت اور اپنے لیے درس عبرت لے کر بھاگ چلو۔

فرہاد : میں سب غصہ پی جا سکتا ہوں مگر ان بڈھوں کی یہ بات کیسے برداشت کر سکتا ہوں، دیکھو کہ ان کے نہ منہ میں دانت ہیں اور نہ پیٹ میں آنت اور کہتے ہیں کہ وہ ہمارا کلچرل پروگرام دیکھیں گے۔

خسرو : دیکھو ہمارے شیریں نے جو دھوکہ دے کر ہم لوگوں کی یہ ہیئت بنا دی اسی سے ان بڈھوں نے سمجھا کہ ہم ناچنے گانے والے ہیں۔

فرہاد : ساری عزت خاک میں مل گئی ہائے ہائے۔

خسرو : اب ماتم سے کیا ہوگا چلو ہم دونوں جلدی سے بھاگیں اور اپنی اصلی صورت اختیار کریں۔

~~~~~~~~
~~~~~~~~

پرویز یداللہ مہدی

ڈاکٹر بیدِل کا دل

کردار :- سیکرٹری ۔ مس روزی بانڈ اسٹون ۔ شریمتی تارامتی ۔ شری نورنگی لال
مس نازک لوکھنڈ والا ۔ بے خبر ۔ چپراسی ۔ بھی اور دیگر آوازیں ۔
مقام :- شہر کی کوئی بھی معروف ترین فٹ پاتھ ۔
وقت :- بھیڑ بھاڑ والی شام ۔

مجمع باز :- دل بدلوا لو ، پرانے کی جگہ نیا لگوا لو ــ شہر کے ہر خاص و عام کو اطلاع دی جاتی ہے کہ دیش کے مانے ہوئے ہارٹ اسپیشلسٹ (HEART SPECIALIST) یعنی ماہرِ امراضِ قلب ڈاکٹر بیدل ، دل تنگ نگری جو دس سال تک امریکہ کے سب سے بڑے دل ادلا بدلی دواخانے یعنی (HEART THARISPLANTATION HOSPITAL) میں دل بدلتے رہے ہیں ۔ اور ابھی پچھلے ہی دنوں اہلِ دلی کے دلوں میں ردو بدل کر کے دلوں کی دنیا میں ایک تہلکہ مچا چکے ہیں ۔ خوش قسمتی سے آپ کے شہر آئے ہوئے ہیں ۔ صاحبان ! اس سنہری موقعہ سے فائدہ اٹھائیے ۔ ڈاکٹر موصوف مناسب اجرت پر نہایت ہی چابکدستی سے آپ کی پسند کے مطابق دل بدلتے ہیں ۔ یاد رکھئے ، ڈاکٹر صاحب کا قیام آپ کے شہر میں صرف چند دنوں کے لئے ہے اس لئے مایوسی سے بچئے اور جلد از جلد ڈاکٹر بے دل کے دل ادلا بدلی کلینک واقع دل ربا مینشن ، دل مارگی دل سکھ نگر تشریف لائیے اور اپنے اپنے دلوں کے جھگڑے مٹائیے ۔ پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی ۔

ایک آواز : ہاں ! سُنا تو یہ ڈاکٹر بے دل صاحب وہی تو نہیں ، جنھوں نے کچھ عرصہ پہلے ایک انسان کے ناکارہ دل کی جگہ کسی بندر کا دل ڈال دیا تھا ۔ اور پھر دل بدلتے ہی وہ آدمی خُر خُر کرتا ہوا اس درخت سے اس درخت ، اس ڈال سے اس ڈال چھلانگیں مارتا ہوا کسی بندر ہی کی طرح جنگلوں کی طرف نکل گیا تھا ۔

پہلی آواز : جی ہاں ! قبلہ ان ہی ڈاکٹر بے دل صاحب کی مہربانی سے وہ شخص آج نارمل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ایک آواز : تو پھر ہمیں نہیں بدلانا ہے میاں دل ول۔ اگر کہیں ہمارے دل کی جگہ ڈاکٹر صاحب نے کسی کتے یا بلی کا دل ڈال دیا تو پھر ساری زندگی میاؤں میاؤں کرتے یا بھونکتے ہی گزر جائے گی۔

پہلی آواز : (ہنستے ہوئے) معاف کیجئے گا حضرت قبلہ ! آپ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ یہ نہ بھولئے کہ یہ اکیسویں صدی ہے اکیسویں۔ کل تک ایک انسان کے لئے کسی انسان کا دل ملنا مشکل تھا مگر اب زمانہ ترقی کر چکا ہے۔ بھلے ہی جیتے جی کسی کا دل کسی سے نہ ملتا ہو مگر مرنے کے بعد آپ چاہیں تو کسی دشمن کا دل کسی اور دشمن کے سینے میں ڈال سکتے ہیں۔

ایک آواز : اچھا — !!!

پہلی آواز : جی ہاں، اسی لئے تو کہتا ہوں کہ اس موقعہ سے فائدہ اُٹھائیے۔ اگر آپ اپنے دل کے ہاتھوں پریشان ہیں تو فوراً سے پیشتر اور پیشتر سے فوراً ڈاکٹر موصوف سے ملئے۔ اگر دل مردہ ہو چکا ہے، توانائی کھو چکا ہے یا بوڑھا ہو چکا ہے تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ کے اس مردہ اور ناتواں دل کی جگہ ڈاکٹر موصوف نہایت ہی چابکدستی سے ایک چاق و چوبند یعنی ACTIVE دل ڈال دیں گے۔ دیر نہ کیجئے فوراً ڈاکٹر بے دل سے ملئے۔

---

(۲)

[مقام :- ڈاکٹر بے دل کی دل ادلا بدلی ڈسپنسری

[کچھ لوگ ڈاکٹر بے دل صاحب بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں کہ ان کا سکرٹری داخل ہوتا ہے]

کچھ آوازیں : ڈاکٹر صاحب آگئے، ڈاکٹر صاحب آگئے۔

سکرٹری : خواتین و حضرات، پلیز پلیز دھیرج رکھئے، پہلے میری بات سنئے۔ میں ڈاکٹر نہیں ہوں بلکہ ڈاکٹر بے دل کا سکرٹری ہوں۔ آپ لوگ اپنی اپنی نشستوں پر تشریف رکھئے۔ ڈاکٹر صاحب اب آتے ہی ہوں گے۔ تب تک آپ یہ فارم فل اَپ کیجئے۔ چپراسی، یہ فارمس لو اور ان سب میں تقسیم کر دو اور دیکھو، فارم بھر بھر کر ایک ایک مریض کو نمبر وار چھوڑنا۔ میں اپنے کمرے میں چلتا ہوں۔

چپراسی : جو حکم صاحب۔

[سکرٹری کمرے میں داخل ہوتا ہے جو ملاقات والے کمرے سے کافی چھوٹا ہے مگر خاص فرنیچر وغیرہ سے سجا ہوا ہے]

[کچھ لمحوں بعد مسکراتی ہوئی مس روزی بانڈ اسٹون داخل ہوتی ہے]

مس روزی : کیا ہم اندر آنے کو سکتا ؟

سکرٹری : ایک دم آنے کو سکتا، ہم کبھی سے تمہاری راہ تکتا۔

مس روزی : OH YOU NAUGHTY۔ یہ لو ہمارا فارم۔ ہم نے ذرا HURRY میں FILL UP کیا ہے۔ PLEASE CHECK IT۔ برابر ہے کہ نئیں۔

سکرٹری : لائیے ادھر لائیے۔ اور آپ اس صوفے پر تشریف رکھئے MOTHER۔

مس روزی : (جھلا کر) WHAT۔

سکرٹری : (گھبرا کر) کیوں، کیا کچھ غلطی ہو گیا MOTHER۔

مس روزی : پھر MOTHER بولا۔ کیا ہم اتنا OLD ہے کہ

تم کو مدد ڈالا۔

سکرٹری : OH I AM SORRY FATHER ۔ نہیں نہیں
مد نہیں بلکہ میڈم I AM VERY SORRY MADAM
ہمارا زبان تھا پھسل گیا۔ چونکہ کلچر ہے نا مد۔ میرا
مطلب ہے میڈم ہم یہ بھول گیا تھا کہ یہ 21st
CENTURY ہے۔ اس زمانے میں تو ماں بھی
اپنے بیٹے کو اپنا چھوٹا بھائی بول کر INTRODUCE
کراتا ہے۔ خیر میڈم! آپ کا نام —!

مس روزی : مس روزی ہارڈ اسٹون (MISS ROSY
HARD STONE) ۔

سکرٹری : (ذرا ڈر کر) [illegible] کہ آپ ابھی تک مس ہی ہیں مد میرا
مطلب ہے میڈم — ؟

مس روزی : YES YOUNG MAN یہی تو SERIOUS
PROBLEM ہے۔ جس کا واسطے ہم تمہارے ڈاکٹر
بے دل کا پاس آیا۔

سکرٹری : بہت اچھا کیا میڈم آپ نے۔ اب آپ کا SERIOUS
PROBLEM ڈاکٹر چٹکی بجاتے حل کر دیں گے۔
(فارم دیکھتے ہوئے) میڈم آپ نے اس کالم میں اپنی
AGE نہیں لکھی — ؟

مس روزی : بات یہ ہے YOUNG MAN کہ ہم اپنا AGE
کے بارے میں تھا DOUBTFUL ہے۔ ادھر
ہم تم سے CONFIDENTIAL بات کر سکتا ؟

سکرٹری : OFF COURSE بڑے شوق سے میڈم۔ آپ
کا راز ، راز رہے گا۔

مس روزی : بات یہ ہے کہ ہمارا دو YOUNG MAN
AGE ہے۔

سکرٹری : دو دو AGE — ؟

مس روزی : YES ایک تو ہمارا REAL AGE ہے اور
دوسرا OFFICIAL AGE ۔

سکرٹری : بہت خوب! مگر میڈم ادھر آپ کو اصل AGE
لکھنا پڑے گا۔ BECOUSE AFTERALL IT
IS MATTER OF HEART ۔ دل کا
معاملہ ہے۔

مس روزی : (مری ہوئی آواز میں) اچھا تو لکھو 60 YEARS ۔

سکرٹری : (لکھتا ہے) اب یہ بتائیے کہ آپ کا REAL
TROUBLE کیا ہے ؟

مس روزی : TROUBLE یہ ہے کہ YOUNG MAN کہ
ہم ہر روز رات کو DREAM میں پھولوں کا سیج
دیکھتا ہے!

سکرٹری : (حیرت سے) پھولوں کا سیج ۔ WONDERFUL
MADAM ۔ یہ ایک اور پھولوں کا سیج ۔

مس روزی : (خفا ہو کر) ہم جانتا تھا تم ایسے ہی ہمارا مذاق مارے گا

سکرٹری : نہیں میڈم بالکل نہیں۔ آپ سے مذاق نہیں کر رہا۔
بلکہ سچ کہہ رہا ہوں۔ اب آپ کے دن پھر گئے ہیں۔

مس روزی : آپ نے اب تک بہت کچھ مس کیا ہے
لیکن اب نہیں کریں گی۔ میں آپ کا پرابلم اچھی طرح سمجھ
گیا ہوں۔ عمر بیت چکی ہے لیکن احساس ابھی تک
ہے۔ کمبخت دل جو بوڑھا ہو گیا ہے اصل فساد کی جڑ
ہے لیکن آپ گھبرائیں نہیں میڈم۔ بس یوں سمجھئے کہ
آپ کا یہ پرابلم SOLVE ہو گیا۔ یہ چارٹ
دیکھئے اس میں ایک "C" GRADE دل کے
بارے میں DETAILS درج ہیں۔ یہ ایک تیس سالہ
عورت کا دل ہے جس کے تین بچے تھے MARRIED
اس کا HUSBAND ہر روز رات کو دارو پی کر

آتا تھا۔ اسی لئے اس بے چاری نے تنگ آکر
خودکشی یعنی SUICIDE کرلیا۔ اس دل پہ
کل خرچ آئے گا دو ہزار روپے۔

مس رونی: (گھبراکر) مگر YOUNG MAN اس نے تو
SUICIDE کیا ہے۔

سکرٹری: ہاں میڈم اسی لئے اس دل کا بھاؤ ہے صرف
دو ہزار روپے۔ خیر اگر یہ دل آپ کو پسند نہیں
تو جانے دیجئے۔ یہ دیکھئے دوسرا ہارٹ۔ یہ ایک
B'GRADE دل ہے پچیس سالہ DIVORCED
عورت کا دل۔ اس پر کل خرچ آئے گا چار ہزار روپے۔

مس رونی: YOUNG MAN کیا تمہارے پاس کوئی
UNMARRIED دل نہیں ہے—؟

سکرٹری: WHY NOT MADAM. ہمارے پاس ہر
ٹائپ کے دل ہیں۔ MARRIED, UNMARRIED.
LOVING, UNLOVING — دیکھئے
یہ چارٹ۔ یہ ایک A, GRADE دل ہے۔
ایک سترہ سال کی یعنی SWEET SEVENTEEN
کنواری لڑکی کا دل، کنوارے خوابوں میں ڈوبا ہوا
دل۔ اس پر کل خرچ آئے گا دس ہزار روپے۔

مس رونی: تم خرچ کا پرواہ مت کرو MAN ہم کو تو یہ
SWEET SEVENTEEN والا دل منگتا۔

سکرٹری: — THEN YOU ARE VERY LUCKY
میڈم ساٹھ برس کی عمر میں سترہ برس کا دل WHAT
A SURPRISE بس دل بدلنے کی دیر ہے۔
آپ کی دنیا بھی بدل جائے گی I MEAN WHOLE
WORLD. پھر آپ یہ گاتی ہوئی کلینک سے
باہر نکلیں گی۔ ابھی تو میں جوان ہوں، ابھی تو میں جوان

ہوں—!

مس رونی: OH YOU NAUGHTY BOY. ہاں! OH ہم
ایک بات پوچھنے کو سکتا۔

سکرٹری: خوشی سے پوچھئے میڈم۔

مس رونی: — WHAT DO YOU MEAN BY BEDIL

سکرٹری: بے دل کا مطلب ہے میڈم WITHOUT HEART

مس رونی: HEART SPECIALIST, WITHOUT HEART.
WHAT A SURPRISE.

سکرٹری: YES MADAM. یہی تو کمال ہے۔ آپ ایسا
کیجئے۔ یہ ٹوکن لیجئے اور لیفن والے کمرے میں تشریف
رکھئے۔ ڈاکٹر صاحب کے آتے ہی آپ کو بلوا لیا
جائے گا۔

مس رونی: بائی۔ بائی۔

[میڈم کے جاتے ہی ادھر دروازہ کھلتا ہے
اور ایک ساتھ ایک عورت اور ایک مرد اندر
داخل ہوتے ہیں]

سکرٹری: (گڑبڑاکر) ارے ارے! آپ دونوں ایک ساتھ۔
سب سے پہلے تو کماری جی آپ—!

عورت: (مسکراکر) وہ دن ہوا ہوئے۔ جناب جب میں
کماری کہلاتی تھی۔ اب تو میں شریمتی ہوں شریمتی۔
کماری کہلانے کا حق تو کنواری لڑکی کو ہوتا ہے—
کماری اور کنواری۔

سکرٹری: خیر کنواری نہ سہی بیاہتا ہی۔ میرا مطلب ہے کماری
نہ سہی شریمتی ہی سہی۔ آپ ادھر تشریف رکھئے اور
مسٹر آپ باہر جاکر ویٹ (WAIT) کیجئے۔
میں صرف ایک ہی مریض AT A TIME.
سے نپٹ سکتا ہوں۔

عصمت : شریمان ایک ہی مریض سے نپٹئے ۔ یہ میرے
پتی دیو مسٹر نورنگی لال اور میں ہوں ان کی اردھانگنی
تارامتی ۔

سکرٹری : تشریف رکھئے مسٹر نارنگی لال جی ۔

تارامتی : نارنگی نہیں نورنگی، نورنگی لال ۔

سکرٹری : اوہ — I AM SORRY ۔ ہاں تو شریمتی تارامتی
جی! شکایت کسے ہے ؟

تارامتی : میرے پتی کو ہے اور صرف شکایت نہیں بلکہ شکایتیں
ہیں ۔ ویسے اصل مریض تو یہ ہیں مگر سزا میں
بھگت رہی ہوں ۔

سکرٹری : میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا مدھومتی جی ۔

تارامتی : مدھومتی نہیں مسٹر تارامتی ۔

سکرٹری : سوری تارامتی جی ۔ آپ اپنی پریشانی بتائیے ۔

تارامتی : میرے پتی دیو کچھ زیادہ ہی دل پھینک واقع ہوئے ہیں
ہماری شادی کو ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہی ہوئے ہیں مگر
ان کی دل پھینک طبیعت کا یہ عالم ہے کہ ہر روز کسی نہ
کسی لڑکی کو چھیڑ آتے ہیں اور پھر . . . .

سکرٹری : کیوں مسٹر چورنگی لال —!

نورنگی لال : (غصہ سے) چورنگی نہیں — نورنگی لال ۔

سکرٹری : معافی چاہتا ہوں ۔ ہاں تو مسٹر نورنگی لال جی ۔ یہ کیا
نازیبا حرکات ہیں ۔ اتنی اچھی سندر سوشیل ACTIVE
بلکہ ATTRACTIVE پتنی کے ہوتے ہوئے آپ
اپنا دل کسی ربڑ کے گیند کی طرح گلیوں کوچوں میں
اچھالتے پھرتے ہیں ۔

نورنگی لال : (جھلا کر) کیا میں پوچھ سکتا ہوں جناب کہ آپ میری
پتنی کی سندرتا کا اتنا گن گان کیوں کر رہے ہیں !

سکرٹری : اس لئے کہ جناب آپ کی عقل پر پڑا ہوا پردہ اٹھے

اور آپ گھر کا بھجن چھوڑ کر پرائی لڑکیوں کے پیچھے بھجا
سمجھا کرنا چھوڑ دیں ۔

نورنگی لال : آپ کون ہوتے ہیں مجھے روکنے والے، کیا آپ شہر
بھر کی لڑکیوں کے ٹھیکیدار ہیں ؟ آخر آپ . . .

سکرٹری : زیادہ گرما گرم نہیں مسٹر TECHNICOLOUR RED .

نورنگی لال : !! TECHNICOLOUR RED

سکرٹری : جی ہاں ۔ آپ کے نام کا انگریزی ترجمہ ہے، بہرحال
میڈم آپ آگے کہئے ۔

تارامتی : کہنا یہ ہے مسٹر کہ میرے پتی دیو ویسے تو نظر تابعوں سے
بھلے اور ذمہ دار شہری ہیں مگر ان کے سینے میں جو دل
ہے وہی کمبخت سارے فساد کی جڑ ہے جو انھیں ایسی
اوچھی حرکات پر اکساتا ہے ۔ اس لئے میں چاہتی ہوں
کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری ۔

سکرٹری : بہت خوب تارامتی جی —!

تارامتی : (حیرت سے) جی —!

سکرٹری : میرا مطلب ہے تارامتی جی میں آپ کے پتی دیو مسٹر
سارنگی لال میرا مطلب ہے نورنگی لال کا کیس سمجھ گیا
ہوں ۔ آپ چاہتی ہیں کہ آپ کے پتی دیو کے سینے
میں سے یہ دل پھینک دل نکال کر ایسا دل ڈال دیا
جائے جو کسی فرماں بردار کھمبے کی طرح اپنی جگہ کھڑا رہے
کیوں —؟

تارامتی : بالکل ! اگر ایسا ہوا تو میں آپ کو منہ مانگی دولت
دوں گی —!

سکرٹری : شکریہ میڈم ۔ اس سلسلہ میں فی الوقت ہمارے پاس
کئی دل ہیں ۔ مگر ایک دل ایسا ہے جو آپ کی خواہش
کے عین مطابق ہے ۔ یہ دیکھئے چارٹ ۔ اس پر
دل کی ساری تفصیلات درج ہیں ۔ یہ ایک لیڈر

دل ہے جو گرلز کالج میں دس سال تک لکچر
جھاڑتا رہا مگر کیا مجال ہے جو اس کا دل کبھی کسی
لڑکی پہ پھسلا ہو ۔

تارا متی : THANK YOU VERY MUCH مسٹر میرے
خیال میں اس سے بہتر دل ان کے لئے کوئی نہیں ۔

سکرٹری : تو میڈم یہ چارٹ لیجئے اور آپ دونوں وہاں اس
کمرے میں تشریف لے جائیے ۔ ڈاکٹر صاحب کے
آتے ہی آپ کو بلوالیا جائے گا ۔

[دونوں دوسرے کمرے کی طرف جاتے ہیں]

سکرٹری : چپراسی ' اگلے مریض کو بھیجو ۔

[دروازہ کھلتا ہے اور ایک نوجوان مگر کچھ
گمبھیر سی لڑکی جھجکتی ہوئی داخل ہوتی ہے]

سکرٹری : آئیے تشریف لائیے دیوی جی ۔ ادھر براجئے اور اپنا
فارم مجھے دیجئے ۔ (فارم دیکھتے ہوئے) ہوں '
تو آپ مس نازک لوکھنڈوالا ہیں ۔ بی اے فائینل
کی اسٹوڈنٹ ہیں ۔ عمر اکیس سال ۔ مس نازک یہ
آپ کی اصل عمر ہے نا ــــ !

[جواب میں مس نازک کی گمبھیر خاموشی]

میں پوچھتا ہوں ' یہ آپ کی اصل عمر ہے نا مس نازک ۔
(پھر جھلا کر) مس لوکھنڈوالا کیا آپ گونگی ہیں یا بہری
ہیں ؟ آخر آپ کچھ کہتی کیوں نہیں ــــ ؟

مس نازک : (دھیمی آواز میں) جی بات یہ ہے کہ مجھے کسی سے
بات کرتے ہوئے شرم آتی ہے ۔

سکرٹری : شرم آتی ہے ــــ ! یہ تو بہت اچھی بات ہے ۔ اس
بےشرمی کے دور میں جبکہ شرم ہر آشرم کو چھوڑ کر
دو چکر ہو گئی ہے ۔ آپ کا شرمانا بہت اچھی بات
ہے ۔ دراصل شرم ہی تو ناری کا اصل زیور ہے ۔
مگر محترمہ آپ اگر مجھ سے بھی یوں ہی شرماتی رہیں گی تو
آپ کا PROBLEM کیسے سلجھے گا ۔

مس نازک : آپ ٹھیک کہتے ہیں ۔ اس زمانے میں جبکہ شرم
اس کے پیچھے لگی ہے ۔ اپنے اسی شرمیلے پن کی وجہ سے
میں آج تک کسی سے کھل مل نہیں سکی ۔ جب بھی میں
کسی سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرتی ہوں میرا
دل بُری طرح دھڑکنے لگتا ہے اور میں نروس
ہو جاتی ہوں ۔

سکرٹری : مس نازک ' آپ کا کیس میری سمجھ میں آچکا ہے ۔
آپ اپنے اس دل کے ہاتھوں پریشان ہیں اور
اس شرمیلے دل کی جگہ کوئی نہایت ہی شوخ و شریر
دل چاہتی ہوں ۔ چُلبلا اور چنچل دل ۔

مس نازک : جی ......

سکرٹری : بس تو پھر آپ کا کام بن گیا سمجھئے ۔ ہمارے ہاں
ایسے دلوں کی کمی نہیں ۔ چلبلے دل ' چھبیلے دل ' رنگیلے
دل ' کٹیلے دل ' ہٹیلے دل ' بھڑکیلے دل ' سجیلے دل
غرض کہ ہر قسم کے دلوں کا وافر اسٹاک موجود ہے ۔
یہ چارٹ لیجئے اس میں ایسے ہی دلوں پر روشنی ڈالی
گئی ہے ۔ اس میں سے کوئی ایک دل CHOICE
کر لیجئے اور آپ جاکر اس بغل والے کمرے میں
تشریف رکھئے ۔ ڈاکٹر صاحب کے آتے ہی آپ کو
بلوالیا جائے گا ۔

[مس نازک لوکھنڈوالا کے جاتے ہی
ایک دبلا پتلا نوجوان داخل ہوتا ہے ۔
دبلے پتلے سے بھی ادھیال ڈھال سے ماڈرن
مدعیہ نظر آتا ہے ۔ سر اور چہرہ بالوں کے جنگل
میں بری طرح ڈھکا ہوا ۔ البتہ آنکھیں اُلّو

کی طرح چیختی ہوتی ہیں]

سکریٹری : (نوجوان کو دیکھتے ہی بے ساختہ کرسی سے اٹھ کر پیچھے چھپ جاتا ہے) چپراسی۔ چپ۔ چپ چپراسی۔

چپراسی : (اندر داخل ہوتے ہوئے) حکم صاحب جی ۔ ارے آپ وہاں کرسی کے پیچھے ۔۔۔ !!! (دوڑ کر نزدیک پہنچتا ہے) ۔ کیا ہوا صاحب جی !

سکریٹری : (بال بردار نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرگوشیانہ انداز میں) ابے یہ بن مانس کہاں سے اندر آ گیا نکال باہر اسے۔

چپراسی : جی ہی ہی (ہنستے ہوئے) یہ بن مانس نہیں صاحب جی " مانس " ہے یعنی کہ آدمی آپ کی طرح ۔۔۔!

سکریٹری : (دوبارہ کرسی پر بیٹھ کر بڑبڑاتے ہوئے) آدمی ہے میری طرح .... ابے یہ تو ڈاروِن کا جدِ امجد معلوم ہوتا ہے ۔۔۔ !

نوجوان : آپ نے مجھ سے کچھ کہا ۔۔۔ ؟

سکریٹری : جی ہاں ۔۔۔ جی نہیں ۔۔۔ میرا مطلب ہے تشریف۔

نوجوان : (بیٹھتے ہوئے) آپ غالباً میرے حلیے سے ڈر گئے۔

سکریٹری : (گڑبڑا کر) جی ہاں .... جی نہیں .... میرا مطلب ہے .....

نوجوان : (پُر درد لہجے میں) میرے حلیے پہ مت جائیے جناب میں بہت ستایا ہوا ہوں۔

سکریٹری : آپ کے اس حلیے کے باوجود بھی لوگ آپ کو لیتی کر ستاتے ہیں .....

نوجوان : لوگ نہیں جناب لکائیاں ۔

سکریٹری : (حیرت سے) لکائیاں ۔۔۔ ؟

نوجوان : جی ہاں لکائیاں ۔۔۔ نہیں سمجھے ، یہ میری اپنی اختراع ہے جناب ۔ لوگ کی تانیث لکائیاں۔

سکریٹری ۔ بہت خوب ۔۔۔ اے لکائیوں کے ستائے جھٹ پٹ اپنا پرابلم بتا ۔۔۔ ؟

نوجوان : پرابلم ۔۔۔ وہی لکائیاں ۔۔۔!

سکریٹری : یعنی ۔۔۔ ی ۔۔ کا ۔۔ ی ۔۔۔!!!

نوجوان : بینے کے معنے سینے میں صرف ایک اکلوتا دل' اور لکائیاں اتنی ڈھیر ساری پیاری پیاری کُرمری کراری ....

سکریٹری : (حیرت سے) کرمری کراری ..... معلوم ہوتا ہے آپ کو بسکٹ بہت مرغوب ہیں ۔ رانگ نمبر پلیز ۔ آپ غلط جگہ آ گئے ہیں کسی بسکٹ کمپنی کا دروازہ کھٹکھٹائیے ۔۔۔ !

نوجوان : (حیرت سے) بسکٹ کمپنی ۔۔۔ ؟ لاحول ولاقوۃ آپ بھی عجیب کوڑ آدمی ہیں ۔ میری مراد بسکٹ نہیں بلکہ بسکٹ کی طرح نمکین ، کراری کرمری لکائیاں لینے لڑکیاں ہیں ....

سکریٹری : اوہ ! یہ بات ہے .... !

نوجوان : جی ہاں ' ایک دل اور حُسن والے ہزار کس پہ اس واحد کو واروں ، کس پہ کروں نثار ۔ بڑی امیدیں لے کر آپ کے پاس آیا ہوں ۔ آپ کی نظرِ کرم کا محتاج ہوں (سینہ ٹھوک کر) اس سینۂ ناہنجار میں ایک ساختہ کئی دل فٹ کر دیجئے تا کہ جھگڑا ہی مٹ جائے کہ دل کس کو دوں ، اس کو دوں کہ اس کو دوں۔

سکریٹری : میں سمجھ گیا .... بالکل سمجھ گیا ۔ گھبرائیے مت ۔ تھوڑی ہی دیر بعد جب آپ یہاں سے بامراد و شادماں باہر نکلیں گے تو ربڑ کے گیندوں کی طرح دلوں کو اچھالتے ہوئے نکلیں گے .....

نوجوان : (حیرت سے) ایک ساختہ کئی دل اچھالتے ہوئے مگر .... مگر کیسے .... !

سکریٹری : (چارٹ بڑھاتے ہوئے) مگر کو چھوڑیئے پانی میں۔
آپ یہ چارٹ ملاحظہ فرمائیے جوانی میں۔ غور سے
دیکھئے اس چارٹ میں "دل پھینکا" دلوں کا مفصل
حال درج ہے۔ تھوک کے بھاؤ خریدیئے بلکہ
ایک ساتھ کئی دلوں کا سودا طے کرنے پر ایک آدھ
دل مفت یعنی فری لیتے جائیے۔

نوجوان : یہ بات ہے تو پھر دیر مت کیجئے۔ فوراً دل اور بدلی
آپریشن شروع کر دیجئے۔
[نوجوان ٹیبل پر لیٹنے کی کوشش کرتا ہے]

سکریٹری : (اسے روکتے ہوئے) یہاں نہیں بندہ پرور آپریشن
تو آپریشن تھیٹر میں ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب کے آنے
کے بعد ہوگا۔ آپ وہاں اس کمرے میں جاکر اپنی باری
کا انتظار فرمائیے ۔ شکریہ۔

نوجوان : شکریہ نوازش کرم۔ مہربانی۔ (پھر گانے لگتا ہے)
دل دے کے دیکھو، دل دے کے دیکھو
دل دے کے دیکھو جی .....
[نوجوان کے بغل والے کمرے میں پہنچتے ہی
کمرے میں سے دو چار بے چین آوازیں ابھرتی ہیں]

کچھ آوازیں : کیا ڈاکٹر صاحب نہیں آئے ابھی تک ......

سکریٹری : بس ابھی آتے ہی ہوں گے۔ چپراسی ! تم ذرا دوڑ کر
دیکھو تو ڈاکٹر صاحب ابھی تک کیوں نہیں آئے ؟

چپراسی : جو حکم صاحب جی۔
[ادھر چپراسی دوڑتا ہے ادھر ایک شاعر نما
دوڑتے ہوئے بے دھڑک داخل ہوتے ہیں]

شاعر نما : دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے
بے دل صاحب، بے دل صاحب مجھے بچا لیجئے۔
میرا دل، میرا دل، میرا دل۔

سکریٹری : ہوش میں آئیے جناب ہوش میں آئیے۔ آخر کیا
ہوا آپ کے دل کو ؟

شاعر نما : میرا دل درد سے خالی ہے مجھے درد چاہئے، مجھے
درد بھرا حساس دل چاہئے۔ ایسا دل جو میرے
شعروں میں درد ہی درد بھر دے۔

سکریٹری : سب سے پہلے تو آپ تشریف رکھئے اور اپنا نام بتلایئے

شاعر نما : بے خبر۔ بے دل صاحب بے خبر بندے کو بے خبر کہتے ہیں۔

سکریٹری : بہت خوب ! اب یہ بتائیے بے خبر صاحب کہ آپ کو
یہ بھی خبر ہے کہ آپ کو شکایت کیا ہے ؟

بے خبر : شکایت ! ہائے نہ پوچھئے ہر آن ایک تازہ شکایت
ہے جناب۔ دس سال سے شاعری کر رہا ہوں مگر
وائے ری بدنصیبی آج تک ایک شعر بھی ایسا نہیں
کہہ سکا جو لوگوں کے دلوں کو چھو لے۔ جیسا کہ آپ جانتے
ہیں: وہی شعر لوگوں کے دلوں کو چھو لیتے ہیں جو دل
سے نکلے ہوں۔ اور اپنا دل افسوس۔ اس سلسلے
میں بالکل ہی کندۂ ناتراش ہے اسی لئے لوگ
کہتے ہیں کہ میں دس سال سے شاعری نہیں کر رہا ہوں
بلکہ جھک مار رہا ہوں جھک۔

سکریٹری : بے شک بے شک .....

بے خبر : کیا فرمایا بے دل صاحب ؟

سکریٹری : جی کچھ نہیں، ویسے بندہ ڈاکٹر بے دل نہیں بلکہ ان کا
سکریٹری ہے۔۔ خاکسار کو بے جگر کہتے ہیں بے خبر صاحب
ویسے میں نے آپ کا کیس سمجھ لیا ہے۔ ذرا آپ
اپنی شاعری کا ایک آدھ نمونہ تو سنا دیجئے۔

بے خبر : سنئے، عرض کیا ہے کہ جب تک نہیں میرا طالع سے سازگار
اے عجب نہیں کہ سر پہ بیٹھا بندہ گزرتا ہے۔

سکریٹری: واقعی آپ اچھی جھک مارتے ہیں۔

بے خبر: آداب عرض! آداب عرض! جھک نوازی ہے آپکی بندہ پرور۔ ویسے ڈاکٹر بیدل صاحب۔ اور ان کے کارناموں کا شہرہ سن کر چچا غالب کی روح بھی ان کا قائل ہو جانا پڑا۔

سکریٹری: (حیرت سے) چچا غالب کی دوربینی۔۔۔ میں کچھ سمجھا نہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے چچا غالب کا کیا تعلق۔

بے خبر: یہ پوچھئے کہ چچا غالب کا تعلق کس سے نہیں، برسوں پہلے دل اور بیدلی کے موضوع پر مستند انداز میں فرما گئے ہیں کہ ؎

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اٹھیں گے
لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور

سکریٹری: بہت خوب۔۔۔۔ شعر اچھا فٹ کیا ہے آپ نے ویسے خوش نصیبی کے سلسلہ میں آپ خود کو کم تر مت سمجھئے۔ میرے حساب سے تو آپ چچا غالب سے بھی دو چار جوتے آگے ہی ہیں۔

بے خبر: (سر تسلیم خم کرتے ہوئے) شکریہ، ذرہ نوازی۔ ابھی تو آپ نے صرف نمونے کا شعر سنا ہے۔ ذرا دیوان چھپ جانے دیجئے، پھر دیکھئے کیسے کیسے اُستادوں کی چھٹی کرتا ہوں۔

سکریٹری: میرے خیال سے بے خبر صاحب ذرا سی غلط فہمی ہوگئی۔ میرا اشارہ آپ کی شاعری کی طرف نہیں بلکہ خوش نصیبی کی طرف تھا۔ شاعری کے بارے میں فیصلہ تو خیر آنے والا وقت کرے گا۔ البتہ خوش نصیبی کے معاملہ میں اگلے وقتوں کے تمام اُستاد مل کر بھی آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر چچا غالب آج کے دور میں پیدا ہوتے تو پھر ڈاکٹر بیدل کی بدولت وہ بھی آپ کی طرح خوش نصیبوں میں شمار کئے جاتے اور انھیں ایسے شعر کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی کہ ؎

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا
دل بھی یارب کئی دیئے ہوتے

[اسی لمحہ دوسرے کمرے میں سے ڈاکٹر صاحب کے منتظر لوگ نکل آتے ہیں]

تارا متی: ڈاکٹر صاحب کا کچھ اتا پتا بھی ہے کہ نہیں؟ آج وہ آئیں گے یا نہیں، آخر ماجرا کیا ہے ۔۔۔؟

چپراسی: (اسی لمحہ ہانپتا کانپتا داخل ہوتا ہے) صاحب جی صاحب جی غضب ہو گیا۔۔۔۔۔!

سکریٹری: (گھبرا کر) کیا ہوا چپراسی ۔۔۔؟

چپراسی: صاحب جی اپنے بے دل صاحب کا ہارٹ فیل ہو گیا۔

سکریٹری: کیا کہا ۔۔۔ بے دل صاحب کا۔۔۔۔ ہارٹ۔۔۔ فیل

چپراسی: جی ہاں ۔۔۔!

سکریٹری: مگر۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔ کیسے ۔۔۔؟

چپراسی: وہ ہوا یہ جی کہ آج بیگم صاحبہ نے بکرے کا دل منگوایا تھا۔ جسے چمن طشت میں رکھ کر دھونے کی غرض سے جا رہا تھا۔ اور ڈاکٹر صاحب یہاں آنے کے لئے نکل رہے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کی نظر اس دل پر پڑی۔ بس جی نظر پڑنے کی دیر تھی نظر پڑتے ہی ڈاکٹر صاحب چکرا کر گرے اور گرتے ہی ختم ۔۔۔!

مس روزی: (غصہ سے) مسٹر تم تو بولا تھا کہ ڈاکٹر بے دل کے سینے میں ہارٹ نہیں ہے۔ پھر اس کا ہارٹ فیل کیسے ہوا؟

سکریٹری: میڈم ہم ٹھیک بولا تھا۔ مسٹر بے دل کے

سینے میں ان کا اپنا ہارٹ نہیں تھا بلکہ بکرے
کا دل تھا۔

سب ایک ساتھ: (چیختے ہوئے) بکرے کا دل ـــ!!!

سکرٹری: جی ہاں بکرے کا دل، اسی لئے تو ایک بکرے کا
دل دیکھ کر دوسرے بکرے کا ہارٹ فیل ہو گیا۔
ہائے بے دل صاحب۔ اب میرا کیا ہوگا؟

تارامتی: (چلاکر) اب میرے پتی دیو کے دل پھینک دل
کا کیا ہوگا ـــ؟

مس روزی: اور ہمارا SWEET SEVENTEEN والا دل۔

مس نازک: اور میرا چلبلا دل ـــ؟

بے خبر: ہائے میرا اور ہمارا دل، عکاس دل، دلدار دل؟

سکرٹری: ہائے میرا دل، ہائے میرا دل ـــ؟

شفیقہ فرحت

... کہ چلا میں

کمرہ : جیسا کچھ کہ پگڑی اور کرائے کے مراحل کے بعد نصیب ہو سکے۔

بیگم : خاتون جیسی کہ میاں نوکری کے بجائے سادہ لباس (میں گھر کی نگرانی کرنے لگیں اور خواتین بدصورت کر تماشائی ٹکٹ کے پیسوں کا مطالبہ کریں۔ ہاں ماڈل ضرور کچھ پرانا ہو۔ مگر اتنا بھی نہیں کہ ڈاکٹر کی آمد پر "ہائے اللہ" کہہ کر گھر تلک نکلنے کی ناکام سی کوشش کریں۔

پروفیسر : جیسا کہ کسی یونیورسٹی کے پروفیسر کو ہونا چاہیے۔ یعنی پروفیسر زیادہ اور انسان کم۔۔۔ اور چونکہ آپ پروفیسروں کی اسے گریڈ سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا دھان پان ہونا لازمی ہے۔

ڈاکٹر : جیسا مظلوم اور بے ضرر صفت کا ڈاکٹر ہو سکتا ہے۔

زمانہ : جب بھی یہ ڈراما آپ کے ہاتھ لگ جائے۔

(کال بل زور سے بجتی ہے اور پھر جواب کا انتظار کیے بغیر مسلسل بجائی جاتی ہے احتیاطاً دروازہ بھی پیٹا جاتا ہے۔

بیگم : (اندر سے) ارے ہے۔ یہ کون نقارچی آگیا (گھنٹی) گھنٹی بجا رہا ہے یا نفیری (گھنٹی) آ رہی ہوں۔ آ رہی ہوں۔ (ہانپتی کانپتی آکر دروازہ کھولتی ہیں۔ بکھرے ہوئے بال اور کپڑوں کی بے ترتیبی بتا رہی ہے کہ کسی کام میں مصروف تھیں۔ پروفیسر برسوں کے بیمار کی طرح مرے مرے قدم اٹھاتے داخل ہوتے ہیں۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں اور پسینہ بہہ رہا ہے)

بیگم : (شوہر میاں کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے بے ترتیب بالوں کو ہاتھ سے ٹھیک کرتے ہوئے) ایک دن ذرا جلدی آگئے تو کیا پھر یوں شادیانے بجوانے کی کیا ضرورت تھی (پروفیسر درد بھری آواز میں "اف" کر کے دل کو تھام لیتے ہیں اور لڑکھڑاتے ہوئے دیوان کی طرف بڑھتے ہیں۔ بیگم "ہائے اللہ" کہہ کے لپک کر انہیں سنبھال لیتی ہیں)

بیگم : الٰہی خیر۔ یہ کیا ہوگیا۔

(پروفیسر ایک اوہ ہائے کے ساتھ دھم سے دیوان پر گر جاتے ہیں۔ بیگم انہیں ٹھیک سے لٹاتی ہیں۔ اور گھبرا گھبرا کے کبھی ماتھے پہ ہاتھ رکھتی ہیں کبھی دل پہ) کیا جی ہو رہا ہے۔ کیا ہوگیا دشمنوں کو۔

پروفیسر : (ڈوبی ہوئی آواز میں) اف بیگم۔ دشمن تو سب خیریت سے ہوں گے.... مگر.... میں....اف......

بیگم : (ہوسے پسینہ پونچھتی ہیں) اے ہے۔ آپ تو پسینہ پسینہ ہو رہے ہیں.... ذرا سا پانی پی لیجیے۔

پروفیسر : نہیں بیگم.... ڈاکٹر۔

بیگم : کیا زیادہ خراب ہو رہی ہے طبیعت۔ کسے بھیجوں گھر میں تو کوئی ہے نہیں۔ (پریشان ہو کر اٹھنے کی کوشش کرتی ہیں پروفیسر کراہ کر ہاتھ پکڑ کے بٹھا لیتے ہیں)

بیگم : اے ہے آپ کے ہاتھ تو برف ہو رہے ہیں۔

پروفیسر : (لرزتی آواز میں) دل ڈوب رہا ہے۔

بیگم : ہائے اللہ

پروفیسر : شہامت

بیگم : وہ تو ابھی آیا نہیں کالج سے۔

پروفیسر : تو کرامت　　بیگم : اجی کہہ تو رہی ہوں کوئی نہیں ہے۔

پروفیسر : اُف

بیگم : میں چلی جاؤں۔

پروفیسر : نہیں۔ نہیں۔ تم یہیں بیٹھی رہو۔

بیگم : اچھا میں شرما جی کے یہاں سے فون کر دیتی ہوں۔

پروفیسر : اگر اتنی دیر میں مجھے کچھ....

بیگم : (جلدی سے منہ پہ ہاتھ رکھ دیتی ہیں) خدا نہ کرے۔ تم تو میرے ہوش اُڑا دے رہے ہو۔

پروفیسر : ہائے۔ اکیلا چھوڑ کے مت جاؤ۔

بیگم : (تیز لہجے میں) اسی لیے تو سال بھر سے چیخ رہی ہوں کہ فون لگوا لو۔ فون لگوا لو۔ مگر تمہیں تو گھر بھر کے آرام کے بجائے یہ فکر ستا رہی تھی کہ سارا محلہ جو فون کے بہانے تمہارے گھر ڈٹا رہے گا تو تمہارا اسکول خلوت ہو جائے گا اور پڑھائی لکھائی کا موڈ ختم ہو جائے گا۔

پروفیسر : (نقاہت۔ درد اور بے بسی سے) بیگم

بیگم : (لہجہ ایک دم بدل کر) اب اس وقت کام دے گا فون۔ اچھا خیر۔ میں دو منٹ میں آتی ہوں۔ تم آنکھیں بند کیے پڑے رہو۔

پروفیسر : ہاں۔ بیگم۔ آنکھیں بند کرنے ہی کا وقت آ گیا ہے۔

بیگم : اے تمہارے منہ میں خاک۔ بس میں یہ گئی اور یہ آئی۔

(بیگم جاتی ہیں۔ پروفیسر اس درمیان بے چینی سے کروٹ پر کروٹ بدلتے ہیں۔ کبھی نبض پر ہاتھ ہے کبھی دل پر۔ ساتھ ساتھ نقاہت بھرے انداز میں کراہتے بھی جاتے ہیں۔ تین چار منٹ بعد بیگم تیز تیز چلتی ہوئی آتی ہیں اور پروفیسر کے سرہانے رک جاتی ہیں)

بیگم : ڈاکٹر صاحب آ رہے ہیں۔

پروفیسر : کیا روانہ ہو گئے۔

بیگم : ابھی کہاں ——— مریض دیکھ رہے ہیں۔ کہا ہے دس منٹ میں آتا ہوں۔

پروفیسر : دس منٹ ——— ! یہاں پل پل بھاری ہو رہا ہے۔

یک نفس بیش نہیں فرصت ہستی غافل

بیگم : آپ تو خواہ مخواہ .... میرے کہنے سے ذرا سا گلوکوس پی لیجئے۔

پروفیسر : گلوکوس ——— اب تو آب حیات بھی بے اثر ہو گا۔

بیگم : میری خاطر سہی۔

پروفیسر : خیر .. لاؤ۔

(بیگم ایک ہاتھ میں گلوکوس کا ڈبہ اور دوسرے میں پانی سے بھرا شیشے کا گلاس لے آتی ہیں۔ دونوں چیزیں تپائی پر رکھ کر تپائی مونڈھیاں کے قریب گھسیٹ لیتی ہیں)

بیگم : (چمچ سے گلوکوس ڈالتے ہوئے) چار چمچ ٹھیک رہے گا۔

پروفیسر : چمچوں سے کبھی کوئی امید بر آئی ہے۔ (بیگم سہارا دے کر اٹھاتی ہیں اور تھوڑا سا گلوکوس پلا دیتی ہیں لیٹ کر) کچھ آرام ہوا۔

پروفیسر : آرام تو بس اب ملنے ہی والا ہے۔

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

بیگم : پھر وہی بکواس

پروفیسر : اچھا ایک شعر اور سنو

بیگم : مجھے نہیں سننا تمہارے یہ روتے بسورتے شعر

پروفیسر : استاد کا ہے۔

بیگم : اب خدا کے لئے یہ استادی شاگردی کا سلسلہ بند کیجئے .... دیکھئے طبیعت کچھ بہتر ہو رہی ہے۔

پروفیسر : ہاں صاحب ۔ بجھنے سے پہلے چراغ .....

بیگم : (منہ پر ہاتھ رکھ دیتی ہے) اب یہ منحوس باتیں ختم کیجئے۔

پروفیسر : بیگم، ہونی کو کون روک سکتا ہے۔

بیگم : پھر وہی دل جلانے کی باتیں۔

(تھوڑی دیر کے لیے دونوں خاموش ہو جاتے ہیں۔ پروفیسر کی نظریں گھڑی پر اور بیگم کی دروازے پر ہیں)

پروفیسر : ڈاکٹر ابھی تک نہیں آیا۔

بیگم : (جھلا کر) اونہہ مریض دیکھنے آرہا ہے یا اپنے دکھڑے کو ــــــ تھوڑا سا گلوکوس اور پی لیجیے۔

پروفیسر : آخر اس بیمارئ دل میں کچھ نہ دعا نے کام کیا

بیگم : آپ خواہ مخواہ کیوں گھبرا رہے ہیں۔

پروفیسر : "ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا"

بیگم : ہائے اللہ (آنسو نکل آتے ہیں)

پروفیسر : (رقت بھرے لہجے میں) بیگم..... صفیہ..... صفو... نہ رو۔ اب رونا تو عمر بھر کا ہے۔

(وقفہ جس میں پہلے بیگم ایک دو سسکیاں بھرتی ہیں پھر آنسو پونچھ کر سنبھل جاتی ہیں)

پروفیسر : ہائے بیگم۔ بچے چھوٹے چھوٹے ہیں۔ ان کا کیا ہوگا۔

بیگم : (بے ساختگی سے) میں جو ہوں (پھر ایک دم اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ دانتوں میں زبان داب کر کلوں میں چھلے ہوئے تھپڑ مار کے توبہ توبہ کرتی ہیں)

اے نوج۔ خدا ان کے سروں پر تم کو قائم رکھے۔ ایسی بدفال منہ سے مت نکالو۔ میں ابھی صدقہ کیے دیتی ہوں۔ ولکٹ کی جیبیں ٹٹول کے پرس نکالتی ہیں۔ پرس کھول کے کچھ نوٹ نکال کر) میرے روپئے اندر ہیں۔ تمہارے ہی سہی (پروفیسر پر سے روپیا اتار کر تکیے کے نیچے رکھ دیتی ہیں۔ بے چینی سے دروازے تک جا کر جھانکتی ہیں۔ پھر بے چینی سے ٹہلنے لگتی ہیں)

پروفیسر : اف۔ یہ ڈاکٹر۔

بیگم : بڑی دوستی کا دم بھرتے تھے نا تم

پروفیسر : دوست تو ہے۔ مگر ڈاکٹر بھی تو ہے۔ آگیا ہوگا کوئی اور مریض۔

بیگم : ہاں۔ مگر جب میں نے کہہ دیا تھا کہ حالت..... میرا مطلب ہے کہہ دیا تھا کہ ذرا جلدی آئیے.....

پروفیسر : تو یہی وقت ٹال مٹول کے لیے رہ گیا ہے۔

"مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی"

بیگم : اللہ یہ باتیں نہ کیجیے۔ میں ہاتھ جوڑتی ہوں

پروفیسر : کیا کروں۔ تم کو دیکھتا ہوں تو کلیجہ خون ہوا جاتا ہے۔ ویسے پیسے کی طرف سے تو کوئی فکر نہیں۔ پنشن ــــــ پالیسی۔

بیگم : (پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے) کوئی پیسہ آپ کی جان سے بڑھ کر ہے۔

پروفیسر : اسی لیے مجھے غم ہے تو یہی بات کہ اب گھر کی ساری ذمہ داری تم پر آپڑے گی۔

بیگم : (دوبارہ سنبھل کر) اے ہے۔ ایسے کہہ رہے ہو جیسے بیچارے دن رات گھر کے کام کاج ہی میں تو جٹے رہتے تھے۔ میں کہتی ہوں تم نے آج تک گھر کا کوئی کام کیا بھی ہے۔ تمہیں تو یہ تک نہیں معلوم کہ شکر مہنگی ہے کہ نمک۔ شہلا کون سے اسکول میں پڑھتی ہے۔ اور کرامت کون سے میں۔

پروفیسر : ہائے بیگم۔

بیگم : (اپنی غلطی کا احساس کر کے) ہائے میں قربان..... پھر فون کرتی ہوں ڈاکٹر صاحب کو.... لو وہ آگئے... آئیے ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر : کہو پروفیسر اب کیا ہو گیا ـــــ صبح تک تو تم اچھے بھلے تھے۔

پروفیسر : (کمزور آواز میں) بس اپنا تو چل چلاؤ ہے۔

ڈاکٹر : کیا آپ پر وحی نازل ہونے لگی ہے یا کسی اخبار کے بھوشن وانی سیکشن کے انچارج ہو گئے ہو۔

پروفیسر : تم مذاق سمجھ رہے ہو۔ لیجئے صاحب

کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری

بیگم : ڈاکٹر صاحب، ادائیں تو یہ دکھا رہے ہیں بڑی دیر سے

ڈاکٹر : اور آپ کی جان پر بن رہی ہوگی خیر ابھی ہم ان کی ساری اداؤں کا جواب دئے دیتے ہیں۔ (پروفیسر سے) سیدھے لیٹے ہو (اسٹیتھسکوپ سے دیکھتے ہوئے) کروٹ۔ اِدھر۔ اُدھر۔ سانس لو ـــــ روکو ـــــ ہوں ـــــ ٹھیک

پروفیسر : ڈاکٹر میرا دل۔

ڈاکٹر : حضور آپ کا دل تو بالکل اپنے ٹھکانے پر ہے بلکہ ۱/۲ ۱ بار فی منٹ کی رفتار سے چل بھی رہا ہے۔

پروفیسر : نہیں ڈاکٹر۔ ذرا اچھے سے دیکھو۔ دوسرا اسٹیتھسکوپ لگاؤ۔ کوئی [illegible] مگر بھیا روسی اور چینی نہ لو۔ وہ تو مرے ہوئے کو بھی لفٹ رائٹ کا حکم دے دے گا۔

ڈاکٹر : اچھا! تو کیا آپ ہمیں اب ڈاکٹری بھی سکھائیں گے۔

پروفیسر : ڈاکٹر تو ہم بھی ہیں۔

ڈاکٹر : صرف کتابوں کے۔

پروفیسر : تو کیا ہم خود اپنے دل کے کمپاؤنڈر بھی نہیں بن سکتے؟

ڈاکٹر : کمپاؤنڈر تو کیا چوکیدار بھی نہیں۔

پروفیسر : اچھا۔ کچھ تو کہتا ہی ہوگا میرا دل۔

ڈاکٹر : کہتا ہے۔ بفضل خداوند کریم خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت نیک مطلوب ہے۔ دیگر احوال یہ کہ...

پروفیسر : ہائے کیا ظلم ہے کہ ہمارا دل گھنٹہ بھر سے تڑپے جا رہا ہے ـــــ اور تڑپ تڑپ کے عنقریب بے دم ہو جائے گا۔ اور کوئی سمجھتا ہی نہیں۔

ڈاکٹر: میاں اگر اتنا ہی severe chest pain ہوتا تو اب تک تمہیں پانچ چھ دفعہ مرجانا چاہیے تھا۔

پروفیسر: اللہ تمہارا یہ ارمان بھی جلد ہی پورا کردے گا۔

اب اٹھا چاہتی ہے نعش فانی دیکھتے جاؤ

ڈاکٹر: آخر یہ کیا وہم پال رکھا ہے تم نے۔

بیگم: بھائی صاحب۔ کوئی ایک وہم ہو تو بتائیں۔ یہ وہموں کا اچھا خاصہ (zoo) ہیں۔ جس وہم کو دیکھیے دماغ میں چوکڑیاں بھرتا پھرتا ہے۔ بارش کیرالا میں ہو، زکام آپ کو ہو جائے گا۔ شملہ میں برف گرے نمونیہ کا اثر آپ کو ہو سکے میں کوئی بخار ہو دوائیں آپ استعمال کرتے ہیں۔

(پروفیسر اس عرصے میں کراہتے اور پہلو بدلتے رہتے ہیں)

ڈاکٹر: اور بھابی دنیا کا کوئی مرض ایسا نہیں ہے جس میں وقتاً فوقتاً اپنے آپ کو مبتلا نہ محسوس کرتے ہوں۔

بیگم: کھانے پینے میں بھی یہی عالم ہے۔ کیلے سے قبض ہوتا ہے۔ سنگترے سے کھانسی تو آم سے گرمی۔ چاول سے خشکی پیدا ہوتی ہے تو [illegible] سے چربی۔ گن گن کے دانے کھاتے ہیں اور تول تول کے نوالے۔ میرا تو بھائی صاحب سارا دن ترازو باٹ ہاتھ میں لیے لیے ہی گذر جاتا ہے۔

(ڈاکٹر کا قہقہہ)

ڈاکٹر: ارے اس کا ترازو باٹ تو مسکرانے اور بات کرنے میں بھی چلتا ہے بھابی —

بیگم: اور کیا۔

ڈاکٹر: تول تول کے بات کرتا ہے۔ ناپ ناپ کے مسکراتا ہے۔

بیگم: مگر گھبراتے بڑی بے تکلفی سے ہیں۔ اور وہ بھی دل کھول کے... شہر میں کوئی ایکسیڈنٹ ہو، محلے میں چوری، راتوں کی نیند ان کی حرام ہوتی ہے۔

ڈاکٹر: اور دل کا چین تو اس کی قسمت میں لکھا ہی نہیں۔

پروفیسر: ارے کیوں تم معاذ مجھ جاں بلب کے پیچھے پڑے ہو۔

بس کوئی دم کا مہمان ہوں

ڈاکٹر: اسی دم کو غنیمت جان کے برائی کر رہے ہیں۔ مرنے کے بعد تو تعریف کرنی ہی پڑے گی۔

پروفیسر: "تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں"

ڈاکٹر: کمال کرتے ہو یار۔ ایک اچھا خاصہ عقل مند۔ ڈگری یافتہ۔ شہرت یافتہ ڈاکٹر کہہ رہا ہے کہ آپ بھلے چنگے ہیں اور آپ مانتے ہی نہیں۔

پروفیسر: کیسے مان لوں۔ بے چارے مشکل داس تو مر گئے۔

بیگم: کون منگل داس۔ کیلئے والے۔

پروفیسر: کیلے والا نہیں۔ ڈاکٹر منگل داس اپادھیائے۔

ڈاکٹر: اچھا ــــ وہ پروفیسر۔ مگر ان کو تو مرے کئی سال ہو گئے۔

پروفیسر: ہاں ۹۹ میں مرے تھے۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ ہارٹ اٹیک تو ہوا تھا انھیں۔

ڈاکٹر: اچھا تو۔

پروفیسر: اور جناب رئیس المظفر خاں بھی ہارٹ اٹیک سے مرے۔

ڈاکٹر: دنیا میں ہارٹ اٹیک کے سیکڑوں کیس ہوتے رہتے ہیں۔ اس سے آپ کی صحت پہ کیا اثر پڑتا ہے۔

پروفیسر: ارے تو میرے پاس بھی تو دل ہے۔

بیگم: توبہ توبہ۔ تو کیا ہر دل والے کو عنقریب ہارٹ اٹیک ہو جائے گا۔

پروفیسر: تم سمجھتی تو ہو نہیں۔

ڈاکٹر: یہ خالص طبی مسئلہ ہے جسے آپ نے قطعی غیر طبی بنا دیا ہے۔ اس خاکسار کے پلے بھی کچھ نہیں پڑا۔

پروفیسر: یہ طبی نہیں ادبی نکتہ ہے۔

ڈاکٹر: یعنی

پروفیسر: یعنی یہ کہ پروفیسر منگل داس اپادھیائے نے غالب کے کلام کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔

ڈاکٹر: تو کیا اسی صدمے کی تاب ان کا دلِ ناتواں نہیں لا سکا۔ ویسے اس کا صدمہ تو در اصل غالب کو ہونا چاہیے تھا۔

پروفیسر: تم سمجھنے کی کوشش تو کرو۔

ڈاکٹر: کہو۔

پروفیسر: اور رئیس المظفر خاں نے کلام غالب میں کھیل کود یعنی [illegible] مثلاً "بازیچۂ اطفال ہے دنیا میرے آگے" کے فلسفے پر ایک چھ سو صفحے کا مختصر مضمون قلم بند کیا تھا۔ مضمون کی آخری سطر کے ساتھ ان کا بھی ران آؤٹ ہو گیا۔

ڈاکٹر: بندۂ خدا غالب اور قطبِ مفسرین و مفکرین و شارحین غالب سے آپ کا کیا قلبی تعلق ہے۔

پروفیسر: (رنجیدہ لہجے میں) حضور اسی خاکسار نے بھی تو "غالب اور اثار" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے۔

بیگم: مگر وہ تو غالب صدی میں شائع بھی ہو چکی اور جانے کہاں کہاں کی اکاڈمیوں سے انعام بھی مل چکا۔

ڈاکٹر: اور آپ ابھی تک اسی سلامتی روحانی کے ساتھ زندہ و سلامت ہیں۔

پروفیسر: غالب صدی تو میں جھیل گیا۔ مگر اب "اقبال صدی" جو آگئی اور کلام اقبال کے فیض و برکت سے سنا ہے کہ ہارٹ کے علاوہ بلڈ پریشر بھی کا ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر: ہو گا ہو گا

پروفیسر: ارے تو ابھی کل ہی تو میں نے اقبال یا ایک ہلال مرغ "پر مضمون شروع کیا ہے۔ اے میرا دل... ارے آپ نے سمجھ رکھا ہے کیا وہ غالب کو جھیل گیا تو اقبال سے بھی بچ جائے گا۔ نہیں ابھی نہیں۔ واقعہ حقیقت ہے اور جانِ عزیز اب تو ہارٹ اٹیک سے بچ نہیں سکتا۔ ہائے میرا دل۔ دیکھنا۔ ڈاکٹر۔ بیگم ــــ

"دل کو میرے تھامو کہ چلا میں"

محمد خالد عابدی

غالب
فلم انڈسٹری میں

افرادِ تمثیل

تانسین —— فلمی موسیقار
مرزا غالب —— فلمی گیت کار
بھولا —— چپراسی
ڈیمو —— فلم کمپنی کا پروڈیوسر و ڈائرکٹر
جرنلسٹ —— ایک فلمی جریدہ کا نمائندہ
نقلی —— فلمی گیت کار

(جب پردہ اٹھتا ہے تو ایک صاف ستھرا کمرہ دکھائی دیتا ہے۔ فرش پر ایک موٹا گدا بچھا ہے اور اس پر سفید چادر بچھی ہے۔ دیوار کے ایک جانب سرسوتی دیوی کی مورتی رکھی ہے۔ سامنے دیوار پر گلوکاران سہگل، محمد رفیع، طلعت محمود، مکیش، منا ڈے، لتا منگیشکر اور ثریا کی تصاویر آویزاں ہیں۔ قریب ہی ایک چھوٹی سی ٹیبل پر ٹیلی فون رکھا ہے، اسی سے ملحقہ ایک آرام کرسی اور صوفہ بھی رکھا ہے۔ تانسین، سفید کرتا، سفید دھوتی اور پیلے فریم کا چشمہ لگائے ہوئے بیٹھے ہیں اور ہارمونیم پر انگلیاں پھیرتے ہوئے باآواز بلند کوئی پکا راگ الاپ رہے ہیں کہ بھولا آتا ہے)

بھولا: میں نے کہا شاپ، اے تانسین شاپ ..... "
(تانسین کی آواز اور تیز ہو جاتی ہے)
"مد بھری ....." (بلند آواز میں) اوئے شاب گانا وانا شٹ اپ۔
تانسین: (چونک کر) ایں! کیا بات ہے ....؟
بھولا: ہوا یہ کہ کوئی مرزا اسداللہ خاں آئے ہیں، آپ سے ملنے کو
تانسین: (سوچنے کے انداز میں) کون اسداللہ خاں؟

بھولا: ارے وہی لمبی ٹوپی والے، ترکی کا شیروانی پہنے ہوئے ہیں۔ جن کی آنکھوں سے شراب ٹپکتا ہے۔ ہاں شاپ۔
تانسین: (فرطِ مسرت کے ساتھ اٹھتے ہوئے) اوہ، تو غالب صاحب آئے ہیں۔
بھولا: ہاں ہاں شاپ وہی، ٹیکسی سے اتر کر کھڑے ہیں۔

کہتے ہیں۔ جب تک آپ ان کا استقبال کرنے نہیں
آئیں گے وہ اندر تشریف نہیں لائیں گے۔

تانسین: یہ بات ہے تو پہلے سے کیوں نہیں کہا چلو چلو......"
(دروازے کی جانب مڑتے ہی ہیں کہ غالب نظر آتے
ہیں) آہا ہا.... آئیے آئیے غالب صاحب تشریف
لائیے میں تو آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔

غالب: (کمرے میں داخل ہوتے ہوتے) شکریہ... شکریہ...

تانسین: خدا جانتا ہے کہ مہابلی کے بعد آپ ہی ہیں کہ جس کی
پیشوائی کرتے ہوئے مجھے دلی مسرت ہو رہی ہے۔

غالب: خلوص ہے آپ کا، محبت ہے۔

تانسین: (مسند کی جانب اشارہ کرتے ہوئے) تشریف رکھئے
(غالب مسند سے ٹیک کر بیٹھ جاتے ہیں)۔ ہاں تو غالب
صاحب ایسا ہے کہ میں نے انگریزی ہیمار موسیقار بیتھوون کے
بہترین سمفونی کمپوزر رومیو کو بتا دیا ہے کہ آپ سا اچھا گیت کار
ملنا بہت مشکل ہے اس لئے مہربانی فرما کر آپ بھی ایسے
سیکسی (sexy) گیت لکھئے کہ جو سنے پھڑک اٹھے۔
(گھبراتے ہوئے) ہاں تو سچویشن یہ ہے کہ ہیرو ہیروئن سے
بچھڑنے کے بعد ندی کے کنارے کھڑا ہے اور چاہتا ہے
کہ دریا میں کود کر اپنی جان دے دے کہ ٹھیک اسی
وقت ندی، دریا میں تیرتی ہوئی کشتی میں بیٹھا ہوا مانجھی
گانے لگتا ہے۔ گیت کے بول کچھ یوں ہونا چاہئیں کہ
"دو دلوں کو یہ ظالم دنیا ملنے ہی نہیں دیتی......"
سمجھے نا آپ۔

غالب: (جیب سے سگار نکال کر سلگاتے ہوئے) جی
سمجھ تو گیا، مگر ایسا ہے تانسین جی جب تک حلق
تر نہیں ہوگا گیت کیسے طلوع ہوگا۔ مشہور ہے کہ جب
شراب اندر جاتی ہے تو ذہانت باہر آتی ہے۔ تو آپ کچھ
سمجھے۔

تانسین: (تکیہ میں سر ہلاتے ہوئے) ہاں ہاں سمجھ گیا (پکارتے
ہیں) بھولا...... او بھولا......"

بھولا: (کمرے میں داخل ہوتے ہوئے) جی شاب۔

تانسین: بھولا، یہ اپنے شاعر صاحب کے لیے کہیں سے تھوڑی سی
مل سکتی ہے۔

بھولا: (اداسے لہراتے ہوئے) ارے تھوڑی سی کیا میں تو پیپا
بیرل لا سکتا ہوں۔

غالب: (ہنستے ہوئے) واہ بھئی واہ بہت دلچسپ آدمی ہے

تانسین: (بنیان کی جیب میں ہاتھ ڈال کر نکالتے ہوئے) تو یہ
لو پیسے اور جلدی لے آؤ۔

بھولا: (چٹکی بجا کر) ابھی لایا شاب۔
(بھولا جاتا ہے)

تانسین: ہاں تو غالب صاحب، جب تک آپ دھن سن لیجئے۔

غالب: ضرور..... ضرور، ہوں سنائیے۔

تانسین: (ہارمونیم پر انگلیاں پھیرتے ہوئے) ڈاں.... ڈاں
.....ڈاڈڈڈاں......ڈاڈڈڈاں۔ ڈاں۔

غالب: (چہرہ پر استعجاب کے آثار نمودار ہوتے ہیں) ایں ایں
یہ یہ.... یہ کیا ہے، یہ کیا دھن ہوئی

تانسین: (پیشانی پر شکنیں لاتے ہوئے) ایں، ہوئی کیوں
نہیں۔ اجی جناب اسی کو تو دھن کہتے ہیں۔ (دوبارہ بجاتے
ہیں) ہاں، ڈاں، ڈاں ڈاڈڈڈاں..... ڈاں، ڈاں،
ڈاڈڈڈاں...."

غالب: (جھنجھلا کر سگار کو پھینکتے ہوئے) اماں لاحول ولا قوۃ۔
یہ کیا ڈاڈڈڈاں لگا رکھی ہے۔ یہ ڈاڈڈڈاں کیا بلا ہے۔
میں فن عروض جانتا ہوں، صرف و نحو سے واقف ہوں،
فن شعر و شاعری جانتا ہوں، بحر، ردیف، قافیہ کی بات
کیجئے نہ کہ یہ ڈاڈڈاں، ڈاں ڈا ڈڈاں۔

تانسین: (جھنجھلا کر) آپ سے بھی حد ہے غالب صاحب
آج دھن پہلے بنتی ہے اور گانا بعد میں لکھا جاتا ہے (غالب
کو متوجہ کر کے) ہاں ذرا پھر غور سے سنئے تو بھول ڈاڈڈاں

..... ڈاں ڈاں ...... ڈاڈڈڈاں ... ڈاڈڈڈاں
اب سمجھے آپ۔

غالب : بھئی میری سمجھ میں تو آپ کی یہ دھن کچھ عجیب ہے!

تانسین : اچھا چھوڑیئے اس دھن کو، دوسری دھن سنئے (آہستہ آہستہ گنگنانے کے بعد) واہ کیا خوب دھن ہے (الاپتے ہیں) لارلالا ..... لالالالا ..... لارلالا۔ اب اس دھن پر گیت لکھیئے۔ بھئی واہ کیا دھن ہاتھ لگی ہے۔

غالب : (منہ بنا کر آہستہ سے) گویا مجذوب کی بڑ۔

تانسین : (ہارمونیم پر انگلیاں پھیرتے ہوئے) لل لالالا .....
لل لالالا ..... لل لالالا ....."

غالب : (جھنجلا کر) ارسطو عقل مند کچھ عروض میں سے بھی تو کچھ ڈاڈڈاں لارلالاں لالا نکالو۔

رومیو : (اچانک تیزی سے کمرے میں داخل ہو کر) ویل، ابھی تم کیا عروس (عروس) عروس کرتا۔ ابھی کوئی عروس میں جانا نہیں مانگتا۔ اے میوزک ماسٹر ابھی تک تم گیت بنایا نہ کاسٹنگ فکس ہوا، کبھی کو ہوگا (غالب کی طرف دیکھ کر) اور یہ کون ہے؟

(تانسین اور غالب احتراماً کھڑے ہو جاتے ہیں)

تانسین : (غالب کا تعارف کراتے ہوئے) یہ ..... یہ یہ غالب ہیں۔

رومیو : (فرط مسرت سے) اوہ، یو آر غالب (Oh you are Ghalib)

غالب : (آداب بجا لاتے ہوئے) جی نہیں اسد اللہ خاں غالب۔

رومیو : (مصافحہ کرتے ہوئے) ویل آئی ایم ویری ویری گلیڈ ٹو میٹ یو

تانسین : (رومیو کا تعارف کراتے ہوئے) غالب صاحب آپ سے ملئے آپ ڈائرکٹر صاحب ہیں۔

غالب : (متعجب ہو کر) کیا یہاں ڈاکہ زنی کا کام کرتے ہیں؟

رومیو : (جھنجلا کر) اوہ، نو۔ ڈائرکٹر، ہدایت کار۔

غالب : اچھا اچھا ..... "

(تانسین اور غالب واپس گدے پر بیٹھ جاتے ہیں)

ڈائرکٹر بھی کیا کسی کو کھینچ کر بٹھایا جاتا ہے؟

تانسین : (ہارمونیم کو سرکاتے ہوئے) یار غالب، تم کیسے غالب ہو ڈاڈڈڈاں، لالا نہیں سمجھتے۔ ابھی کوئی دوسرا گیت کار ہوتا تو بکچر کمپلیٹ کر دیتا۔

غالب : میاں میں جاننا چاہتا ہوں تمہاری ڈاڈڈڈاں اور لالاں لالا سے۔

تانسین : (ایک دم خوش فہمی میں مبتلا ہو کر) ہاں ہاں یہی دھن ہے۔ واقعی اب تم سمجھ گئے لکھو لکھو جلدی سے۔ دیکھو یہ مکھڑا بن گیا، ہو ہو ہو ڈاڈڈڈاں ..... ہاہا ہو ہو ڈاڈڈ ڈاں ..... (مسلسل الاپتے ہیں)

رومیو : (جھنجلاتے ہوئے) ویل تان سین تم تو ہم کو بولتا تھا غالب بہت اچھا گیت کار ہے یہ تو ڈاڈڈڈاں ہی نہیں سمجھ رہا ہے ہم خاموں بھائی کو گیت ریہرسل دکھانا مانگتا تھا (پیشانی پر ہتھیلی مارتے ہوئے) اوہ، اب ہم اس کو کیا بولے گا (تانسین کی طرف غصے سے آنکھیں نکال کر) خاموں بھائی ہمارا ہمارا فائنانسر ہے۔

(غالب پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر ٹہل رہے ہیں)

تانسین : (غالب کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سمجھاتے ہوئے) ارے غالب بھائی ذرا دماغ پر زور دو۔ چلو اچھا تیسری دھن سنو (بیٹھ کر ہارمونیم پر انگلیاں پھیرتے ہوئے سناتے ہیں) ڈم ڈم ٹک ٹک۔ ڈھم ڈھم

غالب : (قدرے غصے سے) حیف! خدا تم کو عقل دے کچھ غزل کی بات کرو (جیب سے سگار نکال کر سلگاتے ہوئے) بھئی ہم سے یہ پابندیاں نہیں ہو سکیں گی۔ تم مجھ سے دیوان لکھوا لو مگر یہ ڈم ڈم ٹک ٹک نہیں اور قطعی نہیں۔

تانسین : پلیز ذرا کوشش کیجئے۔

رومیو : ویل تانسین تم ایسا کرو آج مسٹر غالب کو اور سوچنے کا ٹائم دو (غالب سے) ویل غالب تم کیا ہمارا بھاشا اور سیلون نہیں سمجھتا۔ واٹ ایز دی نیکسٹ سانگس (next songs) آگے ہیں۔ تم ثنائی کرو۔ اچھے گیت لکھ سکتے ہو کچھ سوچ کر چھٹی ہو جاتی ہے ہر سے بولتی

آئیڈیا (Bright Idea) پیدا کرو
تم پہلے فلمی گیتوں کے مکھڑے چرانا شروع کردو۔
غالب: (ہکلاتے ہوئے) اماں میاں ... میں اور ... اور شاعری میں چوری .....
(ڈائرکٹر جھنجھلا کر غصے کی حالت میں کمرے سے باہر چلا جاتا ہے)
بھولا: (نشے کے عالم میں جھومتا ہوا شراب کی بوتل لیے داخل ہوتا ہے) لو شاب یہ آپ کا ٹانک اور اور شاب باہر کوئی اکھبار والا شاب آیا ہے۔
تان سین: (دروازے کی جانب دیکھ کر) ضرور کوئی فلم جرنلسٹ ہوگا۔ آنے دو۔

(بھولا چلا جاتا ہے)

غالب: (رازدارانہ انداز میں) میاں تانسین یہ فلم جرنلسٹ کون ہوتے ہیں؟
تانسین: (سمجھاتے ہوئے) جس طرح قبر میں منکر نکیر مردوں سے انٹرویو لیتے ہیں بس اسی طرح یہاں فلمی دنیا میں بھی انٹرویو کی بیماری ہے۔ تو غالب صاحب شاید وہ جرنلسٹ آپ کا انٹرویو لینے آیا ہے۔ نئے جتنے ہیرو، ہیروئین، فلم ڈائرکٹر اور گیت کار وغیرہ ہیں تانئے سب لوگ اپنی پبلسٹی کے لیے اندھا دھند روپیہ پیسہ خرچ کرتے ہیں اور اپنے انٹرویو اور مضامین چھپواتے ہیں اور اس پبلسٹی سے ان کی شہرت چاروں طرف پھیل جاتی ہے اور اس شہرت سے مزید کنٹریکٹ ملتے ہیں۔
غالب: (خوشامدانہ لہجے میں) تو میاں تانسین میرا بھی ایک مضمون چھپوا دو، میری بھی پبلسٹی کرا دو۔
تانسین: مگر ایک بات یاد رکھو، "انٹرویو" میں جتنا جھوٹ بول سکو بولنا اور دانائی و حکمت میں سقراط و بقراط کو بھی پس پشت ڈال دینا۔ سمجھے۔
غالب: (اثبات میں سر ہلا کر) ٹھیک ہے۔ جب اس فلم میں سب نکلے ہیں تو پھر میں کہاں ...؟
جرنلسٹ: (کمرے میں داخل ہوتے ہوئے) اے آئی کہاں سر آداب بجا لاتا ہوں قبلہ۔
غالب: (فرطِ مسرت سے) تشریف لایئے۔ خوش آمدید، خوش آمدید (شعر پڑھتے ہیں)

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

جرنلسٹ: (غالب کے اشارے سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے) حضرت اگر اجازت ہو تو آپ کے بارے میں چند سوالات کر سکتا ہوں۔
غالب: جی ہاں، جی ہاں، ضرور، ضرور۔
جرنلسٹ: کیا آپ ہی مرزا اسد اللہ خاں غالب ہیں؟
غالب: (شعر پڑھتے ہیں)

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا ؟

جرنلسٹ: (ڈائری میں کچھ نوٹ کرتے ہوئے) کیا آپ کے خاندان میں بھی کوئی فلمی شاعر یعنی گیت کار گزرا ہے؟
غالب: نہیں میاں (شعر پڑھتے ہیں)

سو پشت سے ہے پیشہ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

جرنلسٹ: میر کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟
غالب: ارے میاں میر کی کیا بات پوچھتے ہو (شعر پڑھتے ہیں)

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں!

جرنلسٹ: کہتے ہیں کہ عارف کی موت کا آپ پر بہت برا اثر پڑا تھا۔
غالب: (سرد آہ بھر کر شعر پڑھتے ہیں)

زخم دل تو نے دکھایا ہے کہ جی جانے ہے
ایسے ہنستے کو رلایا ہے کہ جی جانے ہے

جرنلسٹ: غالب صاحب ایک آخری سوال کہ آپ کی آئندہ آنے والی نظمیں ..."

غالب: (تانسین کی جانب دیکھ کر) میری آنے والی نظمیں جیسے غزل، مرثیہ، قصیدہ، مثنوی، رباعی، مقطع، سلام، مخمس اور سہرا وغیرہ۔ ان میں سے کچھ نظمیں بلیک اینڈ وائٹ میں بھی ہیں۔

جرنلسٹ: غالب صاحب بہت بہت شکریہ کہ آپ نے اپنا قیمتی وقت دیا۔ ایک زحمت اور دیجئے آپ کی تصویر چاہیئے۔

غالب: کیا ضرورت رشتہ کے ساتھ چھاپنا ہے۔

(سبھی قہقہہ لگاتے ہیں)

جرنلسٹ: نہیں نہیں یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ آپ کے انٹرویو کے ساتھ اگر آپ کی تصویر بھی چھپ جائے گی تو دو آتشہ کا مزہ آ جائے گا۔

غالب: (تالی ٹھیک کرتے ہوئے) تو پھر ہم تیار ہیں۔

(جرنلسٹ اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور ساتھ لاتے ہوئے کیمرہ کو غالب کی جانب فکس کرتے ہوئے)

جرنلسٹ: ہاں تو غالب صاحب ذرا آپ یہاں بیٹھ جائیے میں آپ کا کلوز اپ لے رہا ہوں۔

(غالب تصویر کھنچوانے کا موڈ بنا رہے ہیں کبھی اپنی ٹوپی ٹھیک کرتے ہیں کبھی اس پہلو تو کبھی اس پہلو)

(ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے) ہاں ہاں بس، ہاں ہیں ریڈی (get ready) ایک دم بجلی چمکتی ہے ہو گیا ٹھیک ہے غالب صاحب۔

(جرنلسٹ اپنا سامان سنبھالتا ہوا کمرے سے باہر جاتا ہے)

رومیو: (فرط مسرت سے کمرے میں داخل ہوتا ہے) ویل مینگ ماسٹر وی آر (we are going someone) دیکھو ہم کتنا اچھا گیت کار ڈھونڈھ کر لایا ہے۔ ویل اب ہمارا پکچر شور (sure) ہٹ ہوگا (تانسین کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے) ویل کا کیا اس کے پاس بہ دو شاعیروں کے دیئے ہوئے سرٹیفکیٹس (certificates) بھی ہیں (فرط مسرت سے تانسین کی کمر میں ہاتھ ڈال کر ناچنے لگتا ہے) ویل تانسین ہم کتنا لکی ہیں (lucky man) ہے۔ آہا ہم بہت خوش ہے بہت ہیپی (happy) ہے۔

غالب: (تانسین کو ایک طرف کھینچ کر) میاں تانسین کیا انہیں اکثر ایسے ہی دورے پڑتے ہیں؟

تانسین: (انگلی ہونٹوں پہ رکھ کر چپ کا اشارہ کرتے ہوئے) یہ تو بہت خوش ہیں (ڈائرکٹر کی طرف رخ کر کے) مگر ڈائرکٹر صاحب اس گیت کار کا کچھ اتا پتا تو بتلایئے۔

رومیو: ویل تانسین اس کا نام ہے حضرت ذوق، ذوق... یس (yes)

(غالب ذوق کا نام سنتے ہی غصے سے تلملا اٹھتے ہیں۔ ذوق نہایت استقلال سے اپنی مونچھوں پہ تاؤ دیتے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے ہیں)

ویل تانسین یہی ہے ہمارا نیا گیت کار (ڈائرکٹر ذوق کی کمر میں ہاتھ ڈال کر جھوم رہا ہے)

غالب: (غصے میں) میاں تانسین میں چلتا ہوں۔ (جانے لگتے ہیں)

رومیو: ویل غالب تم کدھر جاتا ہے۔ تم لوگ کیا فٹ گیت لکھتا...؟

غالب: (ذوق کی طرف سے پشت کرتے ہوئے تانسین سے مخاطب ہیں) میاں تانسین میرا یہاں اب قطعی نہیں ٹھہرا جائے گا میری اماں کی ادبی چشمک ہے۔ میں چلتا ہوں۔

(غالب آہستہ آہستہ کمرے سے باہر جا رہے ہیں)

ذوق: (مونچھوں کو بل دیتے ہوئے ترنم سے شعر پڑھتے ہیں)

جن کو دعویٰ ہو سخن کا یہ سنا دو ان کو
دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخنور نغمہ

رومیو: (غالب کو جاتا دیکھ کر) ویل غالب ٹھہرو۔ تم کمبائنڈ گیت لکھنا۔

غالب: (تیزی سے کمرے سے نکلتے ہوئے) اماں مجھے معاف رکھئے میں باز آیا آپ کے کمبائنڈ گیت سے (طنزاً شعر پڑھتے ہیں):

بتا ہے ڈائرکٹر کا مجھ پہ بھڑکے ہے اتراتا
کہ سخن پوچھ کہ مدعا کیا ہے!

(غالب چلے جاتے ہیں)

رومیو: (غالب کے پیچھے دوڑتے ہوئے) مسٹر غالب۔
..... پلیز سنو تو..... غالب صاحب
..... غالب بھائی......"

(پردہ گرتا ہے)

مصنف
نیل گرانٹ

مترجم
برق آشیانوی

خاتمہ بالشر

منظر[1]

جنگل میں گھاس کا کھلا میدان ہے

اطراف میں کچھ اونچے سایہ دار درخت ہیں۔ ایک مکمل سکون اور امن کا ماحول ہے[1]

درمیانی حصے میں ملکۂ دشت و بیاباں شیرنی صاحبہ جلوہ افروز ہیں۔ ان کے پہلو میں ان کے خدائے مجازی شوہرِ نامدار شیر صاحب[2] تشریف فرما ہیں۔ اتنے میں ایک اژدہا اور اس کے پیچھے ایک گھوڑا بھی آتا ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میٹنگ ہے[3]۔

شیر: (گھوڑے اور اژدہے سے مخاطب ہو کر) کہو کیا خبر لائے ہو؟

گھوڑا: کوئی نشان تک باقی نہیں رہا۔

اژدہا: اور اس جانب سے بھی یہی خبر ہے۔

گھوڑا: (شیر سے) اور آپ نے بھی کچھ ....؟

شیر: مکمل صفایا ہو چکا ہے۔

---

[1] ہم سمجھ رہے تھے کہ جنگل میں بھی شہر کے سے ہنگامے، مشینوں کی گھڑگھڑاہٹ، سڑکوں پر جلسوں اور جلوسوں کا شور، فائرنگ، ہڑتالیں وغیرہ ہوں گی۔ لیکن مصنف نے ہماری غلط فہمی کو دور کر دیا ہے۔ مترجم

[2] ہم نے شیر صاحب کو شہنشاہِ دشت و بیاباں اس لئے نہیں لکھا کہ جس ملک کے یہ شیر شیرنی ہیں وہاں شیرنی صاحبہ اگر ازروئے روایات بھی و دستوری تخت حکومت پر جلوہ افروز ہو جاتی ہیں تو جو شیر صاحب ان کی شادی کا ہوتا ہے وہ مملکت کے بادشاہ نہیں ہوتے البتہ ملکۂ عالیہ کے شوہر ہونے کا اعزاز و افتخار حاصل ہوتا ہے — مترجم

[3] اب ہماری سمجھ میں بات آگئی کیونکہ میٹنگ اور خصوصاً سرکاری سطح پر شاذ لوک سبھا کی میٹنگ ایسی ہوتی ہے جس میں انواع و اقسام کے انسان شریک ہوتے ہیں۔ ہوتے تو یہ سب آدمی ہیں لیکن صفات کے لحاظ سے کوئی اژدہا ہوتا ہے کوئی گھوڑا وغیرہ جب یہ لوگ مل کر میٹنگ کر سکتے ہیں تو جنگل کی میٹنگ میں اژدہے اور گھوڑے کا شریک ہونا کوئی "خلاف وضع فطری" عمل نہیں معلوم ہوتا (مترجم)

(ایک بندر درختوں کی ڈالیوں پر لٹکتا جھولتا ، اچھلتا ہوا میدان کے عین وسط میں کود تا ہے)

بندر : ہترسے ، ہترسے ۔ ہپ ہپ ہترسے

ملکۂ بیاباں شیرنی صاحبہ : سلام ظہر ، میاں بندر ؎

بندر : سلام ۔ سلام ملکۂ بیاباں

گھوڑا : ہاں تو آپ کیا خبر لائے ہیں جناب بندر صاحب

بندر : مکمل طور سے مٹا دیا گیا ہے یوں سمجھو کہ روئے زمین کو صاف کر دیا گیا ہے ۔ اب ہم کو کس قدر خوش نصیب ہوں گے

اژدہا : افریقہ کا کیا حال ہے ؟

بندر : وہاں بھی بالکل خیریت ہے

شیر : افریقہ کی اطلاعات تمہیں کیسے ملیں ؟

بندر : کلنگ نے مجھے اطلاع دی جو جنوب سے آرہا تھا اور اس کی توثیق بلبلِ ہزار داستان نے کی ہے ۔

اژدہا : گویا ایک آدھ کا نشان بھی باقی نہیں رہا ۔ کیا سیاہ فام نسل کا بھی خاتمہ ہو چکا ہے ۔ وہ تو بالکل معصوم تھی ۔

بندر : ہر ایک کا ــــ نسلِ انسانی میں سے ایک فرد بھی باقی نہیں رہا ــــ اوہ کس قدر عظیم کامیابی ہے

(درختوں پر اچھلنے کودنے لگتا ہے)

گھوڑا : سنا ہے کہ ایشیا میں بھی مکمل سکوت ہے ۔ یروشلم بغداد ، پیکنگ ، ٹوکیو ..... ہر جگہ صحرائے اعظم کا سا سکوت پایا جاتا ہے ۔

اژدہا : چین کو آخر چھٹی آ ہی گیا اور .....

ملکۂ عالیہ : سمندر کا کیا حال ہے ۔ کہیں سمندر پر تو اس کا کوئی نقصان نہیں رہ گیا ؟

گھوڑا : اور ان فضا میں بھی ــــ ؟

بندر : خوشی سے ہوا ہوا ہے تو پہلے ہی اس کا خاتمہ ہو چکا تھا ۔ کہاں ــــ ؟ اوپر نیچے ، ادھر ادھر ہر جگہ سے اس کا خاتمہ ہو چکا ہے ۔ مکمل طور پر وہ تباہ ہو گیا ہے ۔ سکوت ۔ خاموشی ، تمام عالم ساکت و صامت ہے ۔

ملکۂ بیاباں شیرنی صاحبہ : تشریف رکھئے ، حضرات ۔

(سوائے بندر کے سب بیٹھ جاتے ہیں ، بندر اچھلتا کودتا رہتا ہے)

گھوڑا : (دانت پیس کر ٹھیک ٹھیک ۔ بالکل ٹھیک ۔ اس طرح ایک المناک داستان کا خاتمہ ہو چکا ہے ۔

اژدہا : وہ تو کیا اس کی روح تک باقی نہیں رہی ۔

شیر : یوں کہنا چاہیئے کہ دنیا " آدمی " کے بغیر ایک نہایت ہی پُرسکون اور خوشگوار جگہ بن گئی ہے ۔

ملکۂ بیاباں : ہاں ! اب زندگی آرام سے گذرے گی ۔ ہر ایک کو اپنا مقام ملے گا جس کا اس کو علم نہ تھا ۔

گھوڑا : حالانکہ ہر مخلوق نے اپنا مقام حاصل کرنے کی کوشش کی تھی ۔

اژدہا : بے وقوف مخلوق ۔ آدمی ۔ ایک بالکل بے وقوف مخلوق اچھا ہوا کہ مٹ گیا ۔

ملکۂ بیاباں : (گھوڑے سے) میرے خیال میں تم اس کو قریب سے جانتے ہو ۔

گھوڑا : جی ہاں ہماری نسل نے صدیوں اس کی غلامی کی ہے مگر بادلِ ناخواستہ ہمیں وہ بالکل پسند نہیں تھا ۔

اژدہا : لعنتی ــــ ناقابلِ اعتبار ، ظالم ، ناشکر گزار ۔ بالکل بے حیا ۔

گھوڑا : ہم تو اس کے تباہ کن انجام سے برسوں پہلے آگاہ ہو چکے تھے ۔

اژدہا : بلکہ دیگر تمام مخلوقات اس سے واقف تھیں ۔ سوائے

؎ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ طنزیہ طور پر اور انسانی آداب و لحاظ سے مکمل طور پر بغاوت کا گمان ہوتا ہے ۔ ملکۂ بیاباں ایک ادنیٰ بندر کو سلام کرتی ہیں ورنہ فرقِ مراتب کے لحاظ سے بندر کو چاہیئے کہ ملکہ بیاباں کی خدمت میں کورنش بجا لائے ــــ مترجم

خود اس کے ــــ

بندر : (اچھلتے کودتے ہوئے) اس کے متعلق کئی تلخ حقیقتیں ہیں ــــ

مکڑی بائی : اچھا تو ـ تم اس سے پہلے سے واقف ہو ـ

بندر : غلط ــــ بالکل غلط ـ وہ تو ڈاروِن کی سراسر بدمعاشی ہے ـ اس نے ایک ناشدنی کہانی گھڑ لی ـ اس سے ہمارا کوئی واسطہ ہی نہیں ـ اگر یہ سچ ہوتا کہ میں نسلِ انسانی کی ایک کڑی ہوں تو .... (غصے سے کچھ کہہ نہیں سکتا)

شیر : فوراً اپنی دم کاٹ لیتا ـ

بندر : سیدھی اور صاف حقیقت ہے ـ وہ ایک غلط فہمی کا شکار تھا ـ

مکڑی بائی : میں آج تک نہیں سمجھ سکی کہ اس نے ایسا کیوں کیا ـ

اژدہا : میں کہتا ہوں کہ یہ اس کی بے وقوفی تھی ـ

مکڑی بائی : (اپنے سر تاج سے) میرے سرتاج ہم ایک دوسرے کا خون نہیں کرتے ـ

اس اژدہے کو لیجئے ــــ اس کی نسل بھی آپس میں میل ملاپ سے رہتی ہے البتہ بندر آپس میں لڑتے ہیں ـ مگر وہ بھی زیادہ تر زبانی تکرار ہوتی ہے ـ

شیر : آدمی ــــ آدمی سے نفرت کرتا تھا اور خود کو "انسان" کہتا تھا ـ "انسان" ـ

گھوڑا : اور وہ "انسان" اب دنیا سے مٹ گیا ہے ـ میرے سر سے سینگ کی طرح ــــ

شیر : تم نے غلط کہا بھائی، گدھے کے سر سے سینگ کہو ـ

گھوڑا : زیادہ فرق نہیں پڑتا ـ سینگ کے معاملے میں گدھا اور گھوڑا ایک ہیں ـ

بندر : بہتر ہے ـ بہت بہت بہتر ہے ـ

مکڑی بائی : وہ اتنا بھی نہیں سمجھتا تھا کہ اپنے ایک بھائی کا قتل خود اپنا قتل ہے ـ

اژدہا : اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ وہ بالکل بے وقوف تھا

شیر : دنیا میں اس کے لئے کئی نعمتیں تھیں ـ سیدھی طرح وہ ان نعمتوں سے استفادہ کر سکتا تھا ـ

بندر : اخروٹ، انار، کیلے، انگور، انجیر، کھجور، سیب، کیا میسر نہیں تھا اس کو ـ

(اچھلتا ہے، کودتا ہے)

لیکن وہ کبھی مطمئن نہیں رہا ـ اس لئے کہ ... جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ وہ "بندر" نہیں تھا ـ

شیر : اب مجھ ہی کو لیجئے ـ جب بھوک لگتی ہے تو شکار کر کے کھا لیتا ہوں ـ کسی دوسرے شیر کے شکار کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا ـ

اژدہا : بھائیو ــــ وہ حاسد تھا ـ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ خود اپنی نسل برادری کے ساتھ حسد کرتا تھا ـ اسی لئے تو وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گیا ـ

(زور دار پھنکار مارتا ہے)

مکڑی بائی : شکر ہے کہ سب کے سب تباہ ہو گئے ـ سیاہ، سفید، سرخ ..."

گھوڑا : (متفق ہو کر) سرخ آدمی کو تو انھوں نے بہت پہلے مٹا دیا تھا ـ بڑا خطرناک معاملہ تھا وہ بھی ــــ حقیقت تو یہ ہے کہ آج جس کا انجام ہوا ہے ـ اس کا سلسلہ تھا

مکڑی بائی : میرے خیال میں سفید فام نسلِ انسانی کی سب سے زیادہ خطرناک نسل تھی ـ

سب کے سب : (بیک آواز) بالکل صحیح ـ

اژدہا : انھوں نے سیاہ فام نسل کو غلام بنا رکھا تھا ـ اور زرد نسل کے آدمیوں کے ساتھ بھی انتہائی "بہیمانہ" سلوک کیا ـ

ریچھ صاحب: ریک آوازمیں) تم نے "بہیمانہ" کا لفظ غلط استعمال کیا۔

شیر: یہ تو سراسر نا انصافی اور شرافت تھی کہ اس نے اپنی بدترین عادتوں کو ہم لوگوں سے منسوب کر رکھا تھا حالانکہ ہم جانوروں کی شریفانہ عادات میں سے ایک بھی اس میں نہ تھی۔ کم از کم اس کو جانور بننا آجاتا۔

اژدہا: بالکل صحیح ہے۔ میں آپ حضرات سے معذرت خواہ ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ "اس" کے لئے خود اسکی یعنی "انسانی" حرکات کی اصطلاح استعمال ہونی چاہیئے .... ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ وہ اپنا انسان بے دردانہ جنگ و جدال کی وجہ سے خود ہی اپنے آخری انجام کو پہونچ گئے ـــ اور صفحۂ عالم سے حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔

گھوڑا: کم از کم وہ سفاک اور چالاک نسل کے لوگ ہی آپس میں بل قتل کر رہتے ...

... لیکن یہ بھی ان سے ممکن نہ ہو سکا۔

اژدہا: ان سے یہ ممکن ہی نہ تھا۔ اس کے نزدیک زندگی کا نام ہی جنگ تھا۔ سب نے ایک دوسرے پہ تلوار اٹھائی اور اور آخر اپنے ہاتھوں اپنی نسل کا خاتمہ کر لیا۔

گھوڑا: اور سنو ـ ایک آدمی خود کو جرمن کہتا تھا۔ ایک خود کو فرانسیسی، ایک انگریز، ایک آئرش

اژدہا: اجی ہٹاؤ، وہ تو صرف لیبل تھے۔

گھوڑا: بس اسی تفریق کی بنا پر وہ ایک دوسرے پہ دانت اور ہتھوڑے چلاتے رہے (قہقہہ) ہم لوگ یہ اچھی طرح جانتے ہیں۔

اژدہا: شکر ادا کرو کہ اب وہ تمہیں تنگ نہیں کریں گے

گھوڑا: بالکل نہیں ـــ

بندر: وہ نہایت ظالم تھے اور زندگی کی "مسرتوں" سے محروم (اچھلتا کودتا ہے) ہی ہی ہی۔ ہا ہا ہا۔

گھوڑا: ان کا جذبہ مسابقت، ان کی وہ دوڑ۔

مکڑ بابا: سب اپنی "برتری" کے لئے

اژدہا: یا یوں کہئے کہ "تباہی" کے لئے خود اپنی تباہی کر لئے

مکڑ بابا: بھلا ان کی تعلیم بھی کوئی تعلیم تھی۔

اژدہا: دل ہلا دینے والی ـــ

گھوڑا: جب دیکھو کسی نہ کسی بہانے وہ پاگل ہو جاتے تھے ہمیں اپنے اصطبل میں دہشت ہونے لگتی تھی۔ ہمارے دل دہل جاتے تھے۔

شیر: اچھا! کیا علامتیں ہوتی تھیں وہ؟

گھوڑا: جی۔ اُن کے ہاتھ میں ایک جھنڈا ہوتا تھا۔ زبان پہ "قومی ترانہ"۔ حب الوطنی کے جلسے اور جلوس .... چار ایک جگہ جمع ہو جاتے اور "مذہب" کا نام لیکر ایک قبیلہ بن جاتے۔

مکڑ بابا: کس قدر شرم ناک بات ہے۔

گھوڑا: پھر وہ آپے سے باہر ہو جاتے میں نہیں سمجھ سکا کہ اِن میں کون بدتر تھا۔ "ملّا" یا لیڈر ـــ اس کے بعد جو کچھ ہوتا وہ تو آپ سب جانتے ہی ہیں۔

بندر: بچے ـ بالکل بچے .... بن جاتے۔ طفلِ نادان ... کتنے خطرناک کھلونوں سے کھیلتے تھے۔ اف رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اژدہا: میرے آبا و اجداد ان میں جو تجربہ حاصل کر چکے ہیں "آدمی" کے بارے میں بدترین راشد کھتے ہیں

مکڑ بابا: ہاں وہ کیا قصہ ہے ہمیں بھی تو سناؤ

اژدہا: اجی وہی "آدمی" کا پرانا قصہ یعنی اس کو ایک

"علان" دو وہ کھو دے گا۔ ہاتھ دو۔ ہتھیار
بنالے گا۔ بہشت دو اس کو دوزخ میں جلا دے گا۔
یہاں تک کہ اس کی پیشوائی کے لئے پیغمبر بھیجے گئے تو اس
نے ان پر پتھر برسائے۔ میں سچ کہتا ہوں دوستو کہ
وہ .....

بندر : ہش۔ خاموش۔ اُدھر دیکھو۔
(سب کے سب ایک جانب دیکھتے ہیں۔ مسٹر بل ایک
لمبے کانوں والا کتا۔ داخل ہوتا ہے۔ "بل"
کچھ رنجیدہ و ملول نظر آتا ہے)

بل : میں نے کہا "آداب عرض ہے۔

اژدہا : آؤ بھئی بل اب تو تم اپنی قسمت پر ناز کرسکتے ہو۔

بل : (کتا) ہاں۔ رفتہ رفتہ میں عادی ہو ہی جاؤں گا

بندر : اب تو کوئی "سیٹی" نہیں سنائی دیتی کیوں مسٹر بل؟

بل : ایک بھی نہیں۔ حالانکہ میرے کان مدھم سے مدھم
آواز بھی سن سکتے ہیں۔

ملکہ بیابان : بیوقوف ___ ساتھی ___ بل ___ "بد" کی صحبت
کا کیا انجام ہوتا ہے۔
ع بد نہ بنے کو بد کہلائے بد اچھا بدنام برا۔

گھوڑا : ویسے میں نے بھی آدمی کی خدمت کی ہے لیکن کبھی
اس کا غلام نہیں بنا۔ ہمارے درمیان ہمیشہ ایک
خلیج حائل رہی۔

اژدہا : میں نے تو ہمیشہ اس سے نفرت ہی کی۔

شیر : میں تو اس سے کوسوں دور رہا۔

ملکہ بیابان : اور تم ___ بل ___ تم نے اس سے محبت کی بلکہ وفاداری
جتلائی۔

بندر : (بل سے) تمہارے لئے یہ بڑی شرمناک بات ہے

بل : ٹھیک۔ لیکن میں مجبور تھا۔ میں کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

گھوڑا : میرے خیال میں تم نے اسے غلط سمجھا

بل : ہاں! ہوسکتا ہے کہ میں نے اسے سمجھنے میں غلطی کی۔

اژدہا : میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ تم نے ایسی نادان
مخلوق کے ساتھ کس طرح دوستی کرلی۔ تمہیں معلوم
ہونا چاہیئے کہ نادان کی دوستی کا انجام برا ہوتا ہے

بل : اس میں شک نہیں آپ سب اس سے نفرت کرتے تھے
صرف ہماری ہی ایک محدود نسل ایسی تھی جس نے اس
سے محبت کی۔ اس کے ساتھ نباہ کرنا ایسی سخت
ہڈی کی مانند تھا جو کسی سے چبائی نہ جاسکے۔

گھوڑا : بل۔ خدارا ___ یہ تو بتاؤ کہ تم نے اس کا ساتھ
کیوں دیا؟

کتا : بات دراصل یہ ہے کہ آدمی اپنے کچھ "اصول" رکھتا ہے

اژدہا : ہاں ہاں۔ کہے جاؤ

کتا : جی سنئے۔ آپ کو اس کی جن صفات سے نفرت ہے
میں ان پر "حیرت" کرتا تھا۔

شیر : (بدمزگی) اچھا تو کچھ اس کی وضاحت کرو۔

کتا : معاف فرمایئے شیر صاحب ___ مجھے / مجھے اس سے
"نفرت" نہیں تھی۔ دراصل میں یہ محسوس کرتا ہوں
کہ اس کے بغیر اس "دنیا" میں کسی چیز کی کمی ہوگی
ہے۔

ملکہ بیابان : (نفرت سے) یہ تمہاری کمزوری ہے۔

کتا : ہاں۔ یہ کمزوری اس وقت پیدا ہوجاتی ہے جب کوئی
ساتھ ہوجاتا ہے۔
(اطراف سونگھنے لگتا ہے جیسے کسی کھوئی ہوئی شئے
کی تلاش ہے۔)

بندر : مسٹر بل ___ میری طرف دیکھو اور میری طرح خوش رہا کرو
(اچھلتا۔ کودتا ہے۔)

کتا : بات یہ ہے کہ تم اجمل کے ساتھ پہاڑیوں پر نہیں گھومے اور نہ ہی آگ کے قریب پُر سکون نیند کا مزہ لیا ہے۔

بلند دھچی : تم کو اپنی بڑی پیاری ہے اور مجھے اپنی خودی عزیز ہیں۔ میں اپنی غذا آپ تلاش کر لیتا ہوں نہ کسی کو اپنا مالک بنا لیتا ہوں اور نہ اس کے تلوے چاٹتا ہوں۔

اژدہا : مسٹر بلی۔ تمہیں یہ ماننا ہی پڑے گا کہ "آدمی" کے بغیر یہ دنیا ایک بہترین جگہ بن گئی ہے۔

کتا : ممکن ہے کہ یہ بات صحیح ہو لیکن میں چونکہ اس کا دوست رہا ہوں میں فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں۔

گلہریاں : بھلا یہ تو بتاؤ کہ تم نے اس میں ایسی کونسی خوبی دیکھی۔

بھیڑیا : وہ کبھی کبھی "محبت" کرنا بھی جانتا تھا۔

گھوڑا : بجا ہے۔ بالکل بے معنی بجا ہے

کتا : وہ کچھ ایسا تھا کہ ... وہ میرے لئے ہمیشہ ایک جذبہ رکھتا تھا .....

شیر : اور اب وہ ختم ہو چکا ہے

کتا : لیکن یہ بتائیے کہ کیا وہ "چالاک" نہیں تھا؟

اژدہا : چالاک بھی اس قدر چالاک کہ آخر وہ روئے زمین سے خود ہی مٹ گیا ہے۔

کتا : ہاں۔ وہ ضرورت سے کچھ زیادہ چالاک نظر آتا تھا لیکن .... وہ میرے لئے ایسا نہ تھا۔

بیمار : بلکہ اس کے بارے میں یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ وہ جنونی ہو گیا ہے۔ ہم نے جہاں تک آدمی کو سمجھا ہے۔ یہی کہ یا تو ہم اس سے ڈرتے رہے ہیں یا پھر اس کو خوش کرنا چاہا ہے ..... وہ بھی وقت گزاری

کے لئے۔ لیکن میں اپنے اس دو پاؤں والے دوست کے لئے اپنی عقل کھو بیٹھا ہے۔ آدمی کے پاس سیٹی بجانے کے لئے ہونٹ ہیں تو کتے کے پاس ہلانے کے لئے دم ہے۔

مکڑی : یہ کتا تو بس ایک رٹا ہوا سبق دہرانا جانتا ہے۔

کتا : ہوگا ــــ لیکن کیا آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ واقعی آدمی دنیا سے ختم ہو چکا ہے۔

گھوڑا : میرے دوست ہمیں ہر سمت اور جہت سے خبریں وصول ہو چکی ہیں۔ پرندے مچھلیاں سب نے تلاش کر ڈالا ــــ لیکن اس کا کوئی نشان نہ ملا۔ وہ "ختم" ہو چکا ہے۔

کتا : (سنجیدہ ہو کر) کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ وہ واپس آئے گا۔؟

گھوڑا : اللہ کی پناہ۔ تم تو چاہتے ہو کہ وہ واپس آ جائے

کتا : نہیں نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ تاہم آپ خود فرمائیں۔

اژدہا : ہاں یہاں ایک مخلوق ہے جو تمہارے سوال کا جواب دے سکتی ہے اور وہ ہے "جرثومہ مائیکروب"!

(جرم مائیکروب جو ایک جرثومہ ہے شفقت آمیز انداز اور آکسفورڈ کے لب و لہجہ میں بولتا ہوا داخل ہوتا ہے)

مائیکروب : سلام ظہر۔ حاضرین۔

گلہریاں : سلام۔ مائیکروب کچھ تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہو..

جرثومہ : ہاں۔ کچھ تھکی سی ہے

اژدہا : تم نے تو صحیح خدمات انجام دی ہیں۔

جرثومہ : شکریہ۔ یونیورسٹی کی تعلیم بھی عجائبات دکھاتی ہے

گھوڑا : مکمل طور پر صفایا ہو گیا ہے کیوں ؟

جرثومہ: پیدا — پیدا۔ اور یہ خود اسی کے ہاتھوں تباہ ہوا —

مکھیا: چکا ہے۔ وہ اپنی موت آپ مرا ہے۔

جرثومہ: میں نے اس کا بُرا نہیں چاہا کیونکہ اس نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ کھلایا۔ پلایا، خاطر تواضع کی لیبارٹری کی زندگی میرے لئے نہایت آرام دہ اور مسرت بخش تھی۔

گھوڑا: کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ تم انسانی زندگی کے لئے انتہائی خطرناک مخلوق ہو۔

جرثومہ: بھئی جانتا تھا۔ اسی لئے تو اس نے مجھے اپنے دشمن کے لئے استعمال کرنا چاہا۔

گھوڑا: غالباً جنگ کے دوران

جرثومہ: جی ہاں۔ اور یہ بھول گیا تھا کہ اس کے دشمن کے پاس چند ایسی ناموں سے میرے موزیدار قاربہ کی مجھ سے زیادہ خطرناک فوج موجود ہے جس نے ان سب کو ابدی نیند سُلا دیا۔

گھوڑا: میرے خیال میں تمہیں یورپ میں بھی استعمال کیا گیا تھا

جرثومہ: ہاں۔ ہم نے بھرپور حملہ کر دیا تھا۔ انہیں پتہ نہ چل سکا ان کا سکوت قائم ہونے تک ہم وہاں رہے تھے۔ جب میں لیبارٹری میں تھا تو دو ایک بار ان کو سمجھانے کی کوشش بھی کی تھی۔

مکھیا: لیکن انھوں نے مانا نہیں۔

جرثومہ: قطعاً نہیں۔ یہاں تک کہ وہ میرے مقابلے میں خالقِ کائنات کو تک بھول چکے تھے حتیٰ کہ عبادت بھی چھوڑ چکے تھے۔

بندر: لیکن بھائی جرم مائکروب صاحب کہیں آپ ہم پر تو نظرِ عنایت نہیں فرمائیں گے؟

جرثومہ: کیوں ہے بھلا تم بھی کوئی "آدمی" ہو کہ تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا جائے۔ ہم اپنی طرف سے کسی کا بُرا نہیں چاہتے۔ خود آدمیوں نے آدمی کے خلاف ہمیں استعمال کیا یہ مت بھولو کہ ہم آدمی کی طرح کسی کے خون کے پیاسے نہیں ہیں۔

بندر: شکر ہے خالق کا — (اچھلتا ہے)

شیر: (کتے سے) لیکن ہاں صاحب آپ کس گہری سوچ میں ہیں

کتا: جی... میرا خیال ہے کہ... کہیں نہ کہیں "آدمی" موجود ہے۔

(اس طرح بھونکتا ہے جیسے جانے کے لئے بیقرار خطرے کی گھنٹی کی طرح ایک آواز آتی ہے۔ سب اپنی جگہ اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں — بندر چیخیں دینے لگتا ہے)

شیر: بچو — ٹھہرو تو سہی۔ اتنی عجلت کیوں کرتے ہو

کتا: مجھے یقین ہے۔ مجھے جانے دیجئے — ایک آدھ لمحے کے اندر وہ سیٹی بجا ہی دے گا۔ (بھونکتا ہے) بھؤ بھؤ بھؤ —

اژدھا: خاموش۔ بے وقوف کہیں کے

شیر: (شیرنی سے مخاطب ہو کر) میرے دل کی ملکہ۔ کیا آپ کو کچھ نظر آیا۔ آپ کی نظر بہت تیز ہے۔

ملکۂ عالیہ: جی، نہیں، کچھ نظر تو نہیں آتا۔

گھوڑا: یہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔

اژدھا: بھئی وہ تو ہمیشہ خوابوں کی دنیا ہی میں رہتا ہے

کتا: جی نہیں۔ ایسا خیال مت کیجئے

شیر: میں کہتا ہوں وہ کرۂ ارض سے نیست و نابود ہو چکا ہے۔

ملکۂ عالیہ: (کتے سے) ہاں تم نے بڑی بے جا حرکت کی ہم سب کو خواہ مخواہ پریشان کر دیا۔ یاد رکھو، اس کا انجام

پڑا ہوگا۔
جمرثومہ: اگر یہ آپ کا خیال ٹھیک ہے تو یہ بہت بڑا اشگون ہوگا
میں نے تو نوع انسانی کے قتل کا بازار گرم کردیا
تھا کیوں جناب اژدہے صاحب آپ کا کیا خیال ہے
اژدہا: (بندر سے) بھئی چیپ صاحب اب تم ہی جاکر ذرا
دیکھ آؤ کہ کہیں آدمی کا کوئی نشان باقی تو نہیں رہ گیا۔
بندر: لیجئے۔ میں ابھی چلا ــــ (اچھلتا کودتا ہوا جاتا ہے)
کتا: چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہے۔
شیر: نہیں۔ نہیں تم نہیں جاسکتے۔
اژدہا: تم ناقابلِ اعتبار ہو اس لئے کہ تم آدمی کے دوست
رہے ہو۔
گھوڑا: (کتے سے) بھلا تم کس بنا پہ کہہ رہے ہو کہ ابھی
آدمی کا وجود ہے۔
کتا: اس لئے کہ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ دُنیا آدمی
سے خالی ہوسکتی ہے۔
اژدہا: تم بڑے نامعقول "آدمی" ہو
کتا: معاف فرمائیے میں "آدمی" نہیں۔ آپ مجھے "آدمی"
نہیں کہہ سکتے۔
شیر: بے شک یہ بہت بُری بات ہے۔ کسی کی اس طرح
توہین نہیں کی جاسکتی خواہ وہ کتا ہی کیوں نہ ہو۔
اژدہا: یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ "آدمی" کہہ کر میں نے
تمہیں گالی دی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ایک
آدمی دوسرے آدمی کو "کتا" کہہ دیتا ہے۔
کتا: جاؤ تمہیں معاف کیا۔ بھُوں بھُوں۔ میں مجبور ہوں۔
شیر: خاموش رہو۔
ملکہ بیاباں: (کتے سے) تم تو آدابِ حیوانات سے بالکل ناواقف
ہو۔ محض گنوار ہو۔ آدمی کی طرح۔

کتا: میں مجبور ہوں۔
گھوڑا: تمہاری ذہنیت ابھی تک غلامانہ ہے۔ اب تم کو آدمی
کے بغیر جینے کا سلیقہ سیکھنا پڑے گا جس طرح آدمی
تمہارے بغیر جینے کی کوشش کررہا تھا۔
(بندر داخل ہوتا ہے)
بندر: (رنج و ملال کے ساتھ گردن لٹکائے ہوئے) جی۔ ایک
نظر آیا۔
شیر: آدمی ــــ ؟
بندر: جی ہاں ــــ آدمی ــــ
ملکہ بیاباں: ہائے اللہ۔ اب کیا ہوگا۔
کتا: یہ تو میں جانتا ہی تھا۔
ملکہ عالیہ: مرد ہے یا عورت ــــ ؟
بندر: کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لئے کہ آجکل آدمیوں میں
یہ امتیاز کرنا مشکل ہے کہ کون عورت ہے اور کون مرد
اژدھا: کہاں نظر آیا وہ ــــ ؟
بندر: اس کھائی کے نیچے
گھوڑا: تمہیں یقین ہے کہ وہ آدمی ہی تھا۔ ؟
بندر: بالکل۔ ایک حسین سی مخلوق
گھوڑا: کیا کررہا تھا وہ ــــ ؟
بندر: میرے خیال میں آرام کررہا تھا۔
اژدہا: (جرثومے سے) تم نے اپنا کام پورا نہیں کیا۔
جرثومہ: حیرت ہے۔ پتہ نہیں کیسے بچ گیا۔ میں نے تو پوری
کوشش کی تھی کہ آدمی کا ایک چوتھائی حصہ بھی نہ بچے
یعنی کہ ایک آدمی کا ــــ
شیر: کچھ ہو۔ اب ہم میں کسی کو اس کا بھی خاتمہ کردینا
پڑے گا۔
اژدہا: کیا وہ سویا ہوا ہے ؟

بندر : ہاں مجھے تو سویا ہوا دکھائی دیا۔
گھوڑا : وہ کچھ خوفزدہ محسوس ہوا؟
بندر : تم تو بدحواس ہو گئے ہو۔ کہہ رہا ہوں کہ وہ سویا ہوا تھا البتہ میں خوفزدہ ہو گیا۔
اژدھا : اور تم اپنے آپ کو بندر مانتے ہو ڈرپوک کہیں کے
شیر : (غصے کے مارے) جی میں آتا ہے کہ اس بندر کو کچا چبا جاؤں۔
ملکۂ بیاباں : لیکن میرے سرتاج سوچو تو سہی کہ کیا تم کو ایسا کرنا چاہیئے۔ اس کو معاف کر دیجئے۔
شیر : یہی تو مشکل ہے کہ میں آدمی کی طرح ایسا بے رحمانہ سلوک نہیں کر سکتا۔
(تمام جانور اپنی اپنی آوازوں میں شدید غصہ کا اظہار کرتے ہیں۔ کتا بھونکتا ہے)
اژدہا : دراصل یہ کتا عذاب جان بن گیا ہے۔
گھوڑا : میں پوچھتا ہوں کہ کیا آدمی پر رحم کیا جا سکتا ہے؟
ملکۂ بیاباں : قطعاً نہیں۔ البتہ ہم اس کو نمائش کے لئے زندہ رکھ سکتے ہیں یا پھر اپنے بچوں کے لئے ایک کھلونا بنا سکتے ہیں یہ بہت بڑی بات ہے۔ ہمارے بچے آدمیوں کے بچوں کی طرح کسی جانور کے ساتھ بے رحمانہ فعل سے اپنا دل نہیں بہلا سکتے۔ شیر کے بچے شیر ہوتے ہیں آدمی نہیں۔
اژدہا : لیکن کیا آدمی نے کبھی کسی مخلوق پر رحم کیا ہے۔
گھوڑا : کیا کبھی اس نے ہم پر بھی رحم کیا ہے۔
کتا : فرض کیجئے کہ وہ آئندہ خوش اخلاقی سے پیش آنے کا وعدہ کر لے تو ب؟
بندر : کیا اس نے کبھی اپنا وعدہ پورا بھی کیا ہے اس نے مجھے ختم کر دینے کا وعدہ کیا لیکن پھر ایک بار اس نے میری پرورش کی۔ جنیوا میں اس نے پچیس مرتبہ میرا خاتمہ کیا۔
بندر : میں تو اس سے بچ نہیں سکتا وہ پھر میرا تماشہ دکھاتا ہوا میری گردن میں رسی ڈال کر بستی بستی لے کر مجھے پھرے گا۔ خدارا مجھے اس سے بچاؤ۔
شیر : آدمی کی واپسی کرۂ ارض کے لئے ایک المیہ ہوگا۔
اژدہا : آدمی نے اس کرۂ ارض کو ایک عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔ کوئی اور سیارہ اس کو قبول نہیں کرے گا۔
بندر : اب زیادہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔
جرثومہ : وہ بڑا فریبی ہے۔
گھوڑا : اور اس کے وہ ہاتھ، اللہ کی پناہ جس میں کوڑا ہوتا ہے
ملکۂ بیاباں : کاش انھیں ہاتھوں کو وہ ہم سب کی بھلائی کے لئے استعمال کرتا۔
اژدہا : بہرحال اگر وہ موجود ہے تو اس کو ختم کر دینا چاہیئے لیکن یہ کام کون کرے؟
شیر : جی۔ میں یہ خدمت بجا لاؤں گا۔
ملکۂ بیاباں : میرے سرتاج۔ اتنے بے رحم نہ بنو۔
شیر : پلک جھپکتے یہ کام ہو جائے گا میری جان۔
(شاہانہ انداز سے اٹھ کر ٹہلتا ہے اور چلا جاتا ہے)
ملکۂ بیاباں : (کچھ دیر انتظار کر کے) پرنس آف دی جنگل۔ ابھی تک نہیں لوٹے۔ خدایا۔ تو انھیں خیر خوبی سے واپس لانا۔ اوہ۔ خدا کی پناہ وہ دوڑتے ہوئے آرہے ہیں۔
گھوڑا : اور اُن کے قدم لڑکھڑا رہے ہیں۔
(شیر داخل ہوتا ہے)
ملکۂ بیاباں : کیا حال ہے میرے سرتاج۔ خیر تو ہے؟
شیر : (گھبراہٹ کے عالم میں بندر سے) تمہیں یقین ہے وہ آدمی ہی تھا۔
بندر : میں تو یہی سمجھتا ہوں کیوں کہ وہ بندر تو نہیں تھا۔
ملکۂ بیاباں : میرے سرتاج۔ کہیں وہ وہی تو نہیں جو شیروں کا پہلا

حیدرآباد



- شہر حیدرآباد کے صنعتی و تجارتی علاقوں میں اضافۂ آبادی اور بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کی وجہ سے ان گنت مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔
- شہر میں مکانات کی شدید قلت ہے۔
- پہلے سے تکمیل شدنی تعمیرات کے علاوہ اضافہ شدہ آبادی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ شہر کو ۱۹۸۱ء سے ۱۹۹۱ء تک علی الترتیب ۲ء۵ لاکھ اور ۵ء۴ لاکھ مکانات کی ضرورت ہوگی۔
- حیدرآباد اربن ڈیولپمنٹ اتھارٹی نے کئی رہائشی علاقوں کی تعمیر کی ذمہ داری لی ہے وجے واڑہ ہائی وے پر وناستھلی پورم اور سرور نگر، راجندر نگر روڈ پر مشک محل اور بمبئی ہائی وے پر رامچندرا پورم میں زمین کی تیاری اور تعمیر اکمنہ کا کام نہایت بڑے پیمانے پر شروع کیا جا چکا ہے۔
- حیدرآباد اربن ڈیولپمنٹ اتھارٹی نے یوسف گوڑہ میں درجۂ چہارم کے ملازمین کے لئے (۱۴۰۰) مکانات کی تعمیر کا آغاز کر دیا ہے۔
- استفادہ کنندگان کے معاشی اور سماجی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی ضروریات کے مطابق اس علاقہ میں سولہ قسم کے مکانات کی تعمیر کی جا رہی ہے۔

شری آر۔ بالراج ساگر
مہدی بازار، مکان نمبر ۲۳-۸-۱۸
حیدرآباد ۔ ٹیلی فون: ۴۹۰۷۰

پھر ملیں گے اگر خدا لایا

ڈیڑھ دو سال پُرانی بات ہے ۔ میرے دوست و کرم فرما حیدر پٹھان (بمبئی) نے ایک ملاقات میں تجویز رکھی کہ شگوفہ کا مزاحیہ ڈرامہ نمبر شائع ہونا چاہیئے ۔ میں نے کہا "ڈراموں کے انتخاب کا کام اسٹیج سے وابستہ کوئی شخصیت انجام دے تو یہ ممکن ہوسکے گا ۔ میں، اپنے طور پر یہ کام کرکے رسوا ہونا نہیں چاہتا" حیدر پٹھان نے ساگر سرحدی کا نام لیا ۔ اس کام کے لئے ساگر صاحب سے زیادہ موزوں کون ہوسکتا ہے ؟ میں نے فوراً حامی بھرلی ۔ ساگر صاحب کو فون کیا گیا ۔ وہ بہت معروف تھے اور کسی پروڈیوسر کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے ۔ لیکن وہ یقیناً قلم سے کمانے پر شگوفہ کا مزاحیہ کام کو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ پروڈیوسر کو "جُل" دے کر ہم سے ملاقات کا وقت نکالا اور ہمارے اصرار پر "ڈرامہ نمبر" کے مہمان مدیر بننا بھی منظور کرلیا ـــــ جس کے فوری بعد "مزاحیہ ڈرامہ نمبر" کا اعلان کردیا گیا ـــــ

پھر آٹھ مہینوں کے بعد ساگر صاحب نے ڈرامے بھجوانے شروع کئے ۔ ان میں طنزیہ ، مزاحیہ کے علاوہ سنجیدہ ڈرامے بھی تھے ۔ یہ بات یقیناً شگوفہ کے مزاج کے خلاف پڑتی تھی ۔ اس مسئلہ پر گفتگو کے لئے مجھے پھر بمبئی جانا پڑا ۔ ساگر صاحب کا یہ نقطۂ نظر تھا کہ ڈرامہ نمبر میں مزاحیہ رسالہ کی مناسبت سے طنز و مزاح غالب ہو لیکن چند ایک منتخب سنجیدہ ڈرامے بھی شامل کئے جانے چاہیئں ـــ اس کے علاوہ ، وہ ایسے ڈرامے اس نمبر میں شامل کرنے آمادہ نہیں تھے جو اسٹیج نہ ہوسکیں ۔ سنجیدہ ڈراموں کی افادیت اور خاص طور سے اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ ہندوستان میں کسی رسالہ نے حالیہ برسوں میں کوئی وقیع ڈرامہ نمبر نہیں نکالا ۔ میں نے شگوفہ کے مزاج کا لحاظ کئے بغیر ملا جُلا نمبر نکالنے سے اتفاق کرلیا ـــ چنانچہ اس نمبر کو "مزاحیہ ڈرامہ نمبر" کی بجائے "ڈرامہ نمبر" کا نام دیدیا گیا ـــ اور اسی وجہ سے یہ بھی طے کیا گیا کہ یہ نمبر شگوفہ کے بارہ شماروں کے علاوہ ہوگا ۔ ساگر صاحب نے اس بات کی مجھے آزادی دے دی کہ آخری حصّہ میں مزاح نگار ادیبوں کے ایسے ڈرامے شامل کرلوں جو اسٹیج کی ضروریات کی تکمیل نہیں کرتے یا جو محض ریڈیائی ڈرامے کہلا سکتے ہیں ۔ اس طرح میں نے مزاحیہ رسالے کی 'ایڈیٹری' کی ساکھ کو متاثر ہونے سے بچاتے ہوئے اس خصوصی اشاعت کے مزاحیہ کردار کو جاری رکھنے کی اپنی سی کوشش کرلی ۔

بہرحال، ڈرامہ نمبر آپ کے سامنے ہے ۔ اس نمبر کو کئی اعتبار سے انفرادیت حاصل ہے ـــ

عام طور پر ضخیم نمبروں کا پیٹ مطبوعہ مواد سے بھرا جاتا ہے۔ اس نمبر میں شامل تمام چیزیں غیر مطبوعہ ہیں۔ اندازہ سے زیادہ ضخامت کے نتیجہ میں بعض ڈرامے اس خصوصی اشاعت میں شامل نہ ہوسکے جس کا ہمیں افسوس ہے۔ اس کے باوجود اس نمبر کو پچھلی تقریباً نصف صدی کے حیدرآبادی رسائل و جرائد کا ضخیم ترین نمبر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

اس خصوصی اشاعت کا سرورق اور ذیلی عنوانات کے ڈیزائن ممتاز آرٹسٹ جناب سعادت علی خاں کے بنائے ہوئے ہیں۔ موصوف کا اسٹیج سے بھی خاص اور قدیم تعلق رہا ہے۔ "اردو ڈرامہ اور حیدرآباد" میں اردو ڈرامہ پر مضامین بھی اُن ہی کے تحریر کردہ ہیں۔

زیر نظر ضخیم نمبر کی کتابت و طباعت کے مراحل صبر آزما تھے لیکن سلام خوشنویس، محمد غالب، محمود سلیم، محمد ولی الدین اور عبدالحکیم نے بڑا تعاون کیا۔ اور اعظم علی صاحب مالک نیشنل فائن پرنٹنگ پریس نے اپنی شخصی نگرانی میں مسلسل اس کی طباعت کا انتظام کیا جس کی وجہ سے ان دشوار گذار مراحل سے یہ نمبر بہ حسن و خوبی نکل سکا۔ میں ان تمام حضرات کے تعاون کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

ہمارے خصوصی مہمان مدیر ساگر سرحدی کا شکریہ ادا کرنا میں ضروری نہیں سمجھتا، اس لئے کہ ان کے خلوص اور کام کا بدل، شکریہ کے دو لفظ نہیں ہوسکتے!

مصطفیٰ کمال

کوئی داغ دھبّہ نہیں۔

ستیش: ہیں، بیوی، داغ ہیں — اور یہ سب تمہاری بے احتیاطی کا نتیجہ ہے۔

بیوی: میری بے احتیاطی!

ستیش: جی ہاں بے احتیاطی — اور وہ بھی میری ایسی چیز کے ساتھ کہ جس کی احتیاط میں نے تمہارے سپرد کر رکھی تھی۔

بیوی: آپکی چیز جو آپ نے مجھے سونپ دی تھی — یہ کیا معمہ ہے۔

ستیش: بات بالکل سیدھی ہے۔ آپ میری بیوی ہیں کہ نہیں۔

بیوی: اس میں کیا شک ہے

ستیش: آپ کا تن من دھن میرے ہیں کہ نہیں؟"

بیوی: چلئے یہ بھی مان لیا۔

ستیش: جب آپ کا تن میرا ہوا، اور چونکہ آپ کا رُخِ روشن آپ کے تن کا ایک حصّہ ہے اس لئے آپکا رُخِ روشن بھی میرا ہے۔

بیوی: اپنی منطق جاری رکھئے منطق باز صاحب!

ستیش: جب آپ کا رُخِ روشن میرا ہے تو پھر آپ کو کیا حق ہے کہ آپ اس سے کس قسم کی بے رخی برتیں؟

بیوی: یہ بھی تسلیم کیا — تو پھر؟

ستیش: پھر یہ کہ اب آپ ان دھبّوں کو مٹانے کی فکر کیجئے

بیوی: وہ کس طرح؟

ستیش: یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ آج ہی چہرے کے داغوں کو مٹانے کا ایک مجرب نسخہ میرے ہاتھ لگا ہے اور نسخہ بھی کیسا کہ ہینگ لگے نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا ہو۔

بیوی: "میں ہمہ تن گوش ہوں"

ستیش: تو سنو! — مگر سننے سے پہلے وعدہ کرو کہ کسی اور کو نہیں بتلاؤ گی۔ کیونکہ یہ مجھے ایک ایسے حکیم سے دستیاب ہوا ہے جن کے خاندان میں اس کا راز سینہ بہ سینہ چلا آرہا ہے۔

بیوی: یہ بھی منظور — اب تو بتایئے۔

ستیش: تو سن اے حسینہ پری جمال و شاہانہ جلال، سن اور کان کھول کر سن۔ پہلے کر تو حاصل شہتوت کی چھال اور اُسے کھرلی میں ڈال۔ بانٹ سے رگڑنے سے نکلے جو ستیاں، اُسے ملا کر دودھ میں تو کر اس کا استعمال۔ ہو جائیں گے تیرے چہرے کے سب داغ اور دھبّے دور ترک کر ملال۔ اور ہو جا مسرور پھر اُٹھانا سر بہ جاہ و غرور اور چلنا مور کی چال کہ تجھے نہ رہے گی حاجتِ استعمالِ غازہ و گلال۔

بیوی: واہ جی واہ — کیا خوب نسخہ ہے! معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی ترکاری بنانے کا مصالحہ یا جلاب کی دوا ہو!! نا بابا۔ میں اس کو ہرگز استعمال نہ کرونگی

ستیش: یہ بھی اچھی رہی۔ استعمال سے پہلے ہی فتویٰ دے دیا بیوی مجرب اور آزمودہ علاج ہے یہ — مجرب اور آزمودہ۔!

بیوی: رہنے دیجئے اس اڑھائی پیسے کے نسخہ کو — اسے میں استعمال کروں؟ آپ مہربانی فرماکر اسے اپنے حکیم صاحب کے سینہ میں بذریعہ واپسی ڈاک اور بذریعہ ہوائی جہاز پہنچوا دیجئے۔ اسے کہیں باہر کی ہوا نہ لگ جائے۔ اگر ہوا لگ گئی تو اسے زکام ہو جائے گا۔

ستیش: تو گویا آپ چہرے کے دھبّے مٹانا نہیں چاہتیں؟ میری امانت میں خیانت کرنا چاہتی ہیں۔؟

بیوی: ہرگز نہیں — بات دراصل یہ ہے کہ چہرے کے